رجالِ سہسرام

حاذق ضیائی

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجالِ سہسرام

حاذق ضیائی

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

اشاعت: ۲۰۰۹ء
قیمت : -/۳۰۰روپے

طابع : فرید بکڈپو، ۵۹-۲۱۵۸، ام پی اسٹریٹ، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی
ناشر: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ-۴

فہرست

حرف آغاز

سہسرام کی سرزمین تاریخ ساز بھی رہی ہے اور مردم خیز بھی۔ شیر شاہ کے انتظامی امور بالخصوص اصلاحات اراضی کی تجربہ گاہ کی حیثیت سے اسے ہندوستانی تاریخ میں ناقابل فراموش مقام حاصل ہے۔ صوفیاء، علماء اور دانشوروں کی یہ سرزمین تاریخ نویسی کے سلسلے میں بھی ایک منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ جناب ابو محمد وزیر علی خاں مصلح نے ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۸ء میں ہی ''تاریخ سہسرام'' تصنیف کی جس میں اس شہر کی تاریخ، اس کے آثار قدیمہ، اہم عمارتیں، امام باڑے اور کربلائیں، اوقاف، مزارات، دھرم شالے، پرب اور تیوہار، بزرگان دین اور صوفیائے کرام نیز اہالیان قلم وسیف کا عمومی بیان پیش کیا ہے اور اس سب ڈویژن کے متعلق ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر اہم اعداد وشمار بھی فراہم کیے ہیں۔ صوبہ بہار کے کم ہی ایسے شہر ہیں جن کے متعلق اس طرح مجموعی تفصیلات رقم کی گئی ہیں۔

اس سلسلے کو پیش نظر تصنیف ''رجال سہسرام'' نہ صرف آگے بڑھاتی ہے بلکہ ایک نئی جہت بھی عطا کرتی ہے۔ اپنی اس تصنیف میں جناب حاذق ضیائی سہسرامی نے مولانا ابو محمد مصلح کی کتاب میں مذکور چند شخصیتوں کو شامل کیا ہے اور ان ہی کی دوسری کتاب ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' سے بھی استفادہ کرتے ہوئے اور کچھ نئی شخصیتوں کو شامل کرتے ہوئے تقریباً ۴۲۸ شخصیتوں کے احوال وکوائف شامل کر دیے ہیں۔ بعض شعرا کا نمونہ کلام بھی انہوں نے پیش کیا ہے اور اس طرح یہ کتاب سہسرام کی ان معتبر اور مشہور شخصیتوں کے تذکرے کی شکل اختیار کر گئی ہے جو اب مرحومین میں شامل ہیں۔ بقول مصنف انہوں نے ''مردوں کو اس کتاب میں زندہ کرنے کی سعی کی ہے۔''

اسماء الرجال کا فن تاریخ نویسی کے سلسلے میں مسلمانوں کا خصوصی عطیہ ہے۔ اسی

طرح تذکرہ نویسی بھی مسلم ادیبوں اور صوفیوں کی دلچسپی کا خاص مرکز رہی ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب ان اصناف کو بھی جاری و ساری رکھنے کی ایک کوشش ہے جس میں مسلم قوم کو خاص مہارت حاصل رہی ہے، لیکن جو اب بدقسمتی سے بہت مقبول نہیں رہی ہیں۔ اس کتاب کی عصری اہمیت بھی مسلم ہے۔ سہسرام کی ادبی، مذہبی اور ثقافتی تاریخ مرتب کرنے میں یہ کتاب ایک اہم ماخذ کہی جاسکتی ہے۔

کچھ عرصہ قبل خدابخش لائبریری نے ''نام نیک رفتگان ضائع مکن'' کے عنوان سے ایک اشاعتی سلسلے کا آغاز کیا تھا جس میں بہار کی مشاہیر شخصیتوں کے سوانحی خاکے اجمالاً بھی اور انفرادی طور پر بھی شائع کیے گئے تھے۔ پیش نظر تصنیف اسی سلسلے کی تازہ ترین کڑی کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کو بھی اس طور پر مقبولیت حاصل ہوگی جو اس سلسلے کی گذشتہ کتابوں کو حاصل رہی ہے۔

امتیاز احمد
ڈائرکٹر

التماس و اعتذار

چھ سات ماہ پہلے ''رجال سہسرام'' کا مسودہ چھ جلدوں پر مشتمل خدا بخش لائبریری پٹنہ میں جمع کر دیا تھا۔ اشاعت سے پہلے چاہا کہ نظر ثانی کے ساتھ کچھ حذف و اضافہ کی سعی کروں مگر میرے ذاتی احوال خرابیٔ صحت کے سبب زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ خاطر خواہ سعی بلیغ نہ ہو سکی۔

''رجال سہسرام'' کے بعض مضامین جو مقالات کی صورت میں ۱۹۶۶ء سے بعض جرائد میں شائع ہوئے وہ اس کتاب میں شامل ہیں۔

اطبائے سہسرام پر مشتمل ایک کتابچہ الگ سے لکھ کر مولانا حکیم اسرار الحق صاحب مرحوم تاریخ اطباء کے مؤلف کے حوالہ کیا تھا جسے موصوف نے اپنی کتاب کے جلد ثانی میں شامل کر کے شائع فرما دیا تھا۔ مگر میرا اصل مسودہ واپس نہ آیا۔ جس کا افسوس ہے تاہم اس کا ماحاصل اس کتاب میں آ گیا ہے۔

''رجال سہسرام'' کے مضامین اردو شعرائے بہار مؤلفہ مولانا احمد اللہ ندوی میں بھی شائع ہو چکے ہیں، جو اس کتاب میں دوسرے انداز سے آ گئے ہیں۔

پہلی بار جولائی ۱۹۷۰ء جمادی الاوّل ۱۳۹۰ھ میں میرا ارتجالاً لکھا ہوا ایک مضمون سہسرام میں اردو ادب کا ارتقاء ۱۸۵۰ء سے ۱۹۷۰ء تک شائع ہوا تو متعدد تھیسس میں لوگوں نے اس سے استفادہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ''رجال سہسرام'' تو نہیں چھپی مگر اس کے حوالہ جات کئی کتابوں میں آ گئے۔ اس لیے کتاب کی شہرت ہو گئی۔

مجھ پر (مولانا) ڈاکٹر مظفر عالی سہسرامی نے رانچی یونیورسٹی سے ڈی. لٹ. کیا۔ اور میری کتاب کا ماحصل بڑی حد تک اپنی معروف علمی کاوش ''قمر نعمانی سہسرامی - حیات اور فن'' میں لکھ کر ایک گرانقدر خدمت انجام دی۔ اس میں سہسرام کا علمی و ادبی پس منظر

(الف) نثری ارتقاء (ب) شعری ارتقاء بھی شامل ہے۔

حضرت مولانا محمد مصلح سہسرامیؒ نے اپنی مطبوعہ کتاب ''تاریخ سہسرام'' میں جتنے بزرگان دین، صوفی وغیرہ کا ذکر کیا اس کے کم تر حصہ کو ضرورتاً میں نے اس کتاب میں شامل کیا۔

اسی طرح ان کی دوسری کتاب ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' سے بھی استفادہ کیا۔ اس کی طباعت نہایت ناقص تھی۔ کچھ حصہ کو میں نے اس کتاب میں درست کرنے کی سعی کی، کہاں تک کامیاب ہوا کہہ نہیں سکتا، مولانا نے اس کتاب میں صرف وفات یافتہ حضرات کو شامل کیا تھا، میں نے رجال سہسرام میں سوائے دو کے جو بیرون ملک چلے گئے، زندوں کو چھوڑ کر صرف مُردوں کو اس کتاب میں زندہ کرنے کی سعی کی۔

کتاب میں جو خامی نظر آئے امید کہ اہل قلم اسے نظرانداز فرمائیں گے اور اس کے مفید حصہ سے نئی نسل توقع ہے پورا فائدہ اٹھائے گی۔

محمد ارتضاء الدین حاذقؔ ضیائی سہسرامی

۷/مارچ ۲۰۰۶ء

محمد ارتضاء الدین حاذق ضیائی سہسرامی

تخلص: حاذق، نام محمد ارتضاء الدین بن مولوی محمد ضیاء الدین مرحوم بن حکیم سراج الدین مرحوم بن حکیم رمضان علی شاہؒ بن امام بخش مرحوم۔

ولادت: محلہ نورن گنج سہسرام۔ مؤرخہ ۲۱ رجمادی الآخر ۱۳۴۸ھ (۲۴ رنومبر ۱۹۲۹ء) روز یک شنبہ بوقت ۳ بجے دن۔

تاریخی نام: مظفر حسین و محمد اظہار الحسن

خاندانی حالات

حکیم رمضان علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ و شیخ الاطباء مولوی حکیم مہر علی سہسرامی (طبیب خاص مہراجہ رام نگر، بنارس) ورفیق و ہم جلیس شاہ کبیر الدین (ثانی) مالک مطبع کبیری سہسرام وسجادہ نشیں خانقاہ و تصحیح کنندہ ''درددل وشمع محفل'' از تصنیفات خواجہ میر دردؒ) کے خواہرزادے تھے، تصوف سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ اکثر چلہ کش رہتے تھے، اس لیے لوگ شاہ صاحب کہتے تھے۔ آخر عمر میں سیونہ، حیدرآباد دکن چلے گئے، اور وہاں ہی طبابت کرتے تھے اور مدفون ہوئے۔

حکیم سراج الدین صاحب مرحوم کی تعلیم رمضان علی شاہ صاحب کی معیت اور اپنے چچا حکیم یار علی صاحب سہسرامی (طبیب خاص رئیس جگدیش پور ضلع آرہ) کی تربیت میں ہوئی، کچھ روز مطلی کرتے رہے، اور اپنے چچازاد بھائی حکیم عبدالواحد و حکیم عبدالمجید (مشہور اطبائے جگدیش پور) کو پڑھایا، پھر تجارت شروع کی، اور اپنے صاحبزادے مولوی محمد ضیاء الدین صاحب کو حالتِ شیر خواری میں چھوڑ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

مولوی محمد ضیاء الدین صاحب مرحوم (متوفی ۱۹۴۰ء) کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی ام کلثوم تھا، جو حضرت مولانا حکیم حسن علیؒ (متعدد کتب کے مؤلف کی لڑکی اور مولانا حکیم محمد قادر بخش (فخر الواعظین وحافظ حدیث) کی بہن تھیں۔

محمد ضیاء الدین صاحب کی تعلیم و تربیت ان کے نانا اور ماموں کی معیت میں ہوئی اور

مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام سے فارغ التحصیل ہوئے، متعدد جگہ ملازم رہے، جامع مسجد خضر پور کلکتہ میں امام وخطیب رہے، پھر سرکاری ملازم ہو کر متعدد ٹریننگ اسکول میں کام کیا، اور محمڈن ٹریننگ اسکول شیخ پورہ (مونگیر) کی بنیاد رکھی، اور عرصہ تک ہیڈ مولوی کے فرائض انجام دے کر ریٹائرڈ ہوئے۔ شاہ عبداللطیف صاحب ستھنویؒ کے مرید تھے، شجرۂ چشتیہ اپنے ماموں سے پایا تھا، آخر عمر میں کافی صعوبتیں اٹھائیں، مگر صابر وشاکر رہے، مرد مرتاض، نیک سیرت، وجیہ صورت اور پختہ خیال آدمی تھے۔

ذاتی احوال

راقم کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، ناظرہ قرآن اپنے والد اور اپنی ہمشیر ضیاء النساء مرحومہ سے پڑھا، دو سالوں تک نذیریہ اَپر اسکول سہسرام میں زیر تعلیم رہا، پھر والد نے مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ۱۹۳۹ء میں داخل کرایا، ۱۹۵۲ء میں اس مدرسہ سے فارغ ہوا، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں ایک سال تک درجۂ فاضل حدیث میں زیر تعلیم تھا کہ مدرسہ کی سیاسی زندگی اور طلبہ کی قیادت کے باعث مدرسہ کو خیرباد کہنا پڑا، نندلال ہائی اسکول چرکنڈہ (دھنباد) میں جولائی ۱۹۵۴ء سے مارچ ۱۹۵۹ء تک ہیڈ مولوی کی حیثیت سے ملازم رہا، ملازمت ہی کے درمیان ۱۹۵۶ء میں 'فاضل فارسی' کا امتحان دیا اور سکنڈ ڈویژن سے کامیاب ہوا۔ پھر جماعت اسلامی ہند سے وابستگی کے باعث ایک خاص کردار کے ساتھ اسکول سے مستعفی ہو گیا اور درس گاہ جماعت اسلامی ہند رامپور، یوپی میں معلم رہا، پھر درس گاہ اسلامی صادق پور، پٹنہ میں صدر مدرس ہو گیا، پٹنہ سے جموئی (مونگیر) پہنچا، ایک درس گاہ تعمیر کرائی، ۹ ماہ رہنے پایا تھا کہ جماعت اسلامی پٹنہ کمشنری کا ناظم ہو گیا، دو سالوں تک اس کام میں مصروف رہا، پھر جموئی لوٹ گیا، چند ماہ تک درس گاہ اسلامی اسلام نگر، دربھنگہ میں بھی صدر مدرسی کے فرائض انجام دینے کے بعد محمد یوسف صاحب سہسرامی کے اصرار پر وطن لوٹا اور محلّہ لہیر اسہسرام (حضرت دانا کے مکان میں درس گاہ سہولی، چھ ماہ یہ درس گاہ چلی، پھر اعزازی طور پر ناظم ضلع شاہ آباد رہا، پھر ناظم کمشنری۔ دس سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا، اپنی والدہ اور بھائی محمد صلاح الدین کی زیرنگرانی تعلیم جاری رکھے ہوئے تھا کہ بھائی بھی سرکاری ملازم کی حیثیت سے ۱۹۴۷ء میں مشرقی پاکستان چلے گئے، بھائی کی سعی کے باوجود راقم محض اس وجہ سے کہ ایقان تھا کہ خدا ہر جگہ انسان کا نگہبان ہے۔ وطن کو خیرباد نہ کہہ سکا، اور اپنی والدہ کی معیت میں رہ کر تعلیم جاری

رکھے رہا اور زندگی کے ہر موڑ پر پست ہمت نہ ہوا۔

شعر و شاعری و ادب کا ذوق استاذی شاہ غلام مخدوم مست سہسرامیؒ (مدرس فارسی) کی معیت و صحبت فیض اثر سے پیدا ہوا، ۱۹۴۲ء سے شعر کہنا شروع کیا اور استاد کی حیات تک کچھ نہ کچھ کہتا رہا، ان کے وصال کے بعد طبیعت اُچاٹ ہوگئی، چند غزلیں کہیں تو جناب قمر گیاوی صاحب کو دکھلائی، مگر ذوقِ شاعری ماند پڑ چکا تھا، آگے نہ بڑھ سکا، ابتدائی مشق بھی خام رہی، شاعری ترک کر دی۔ نثر نگاری کی طرف متوجہ ہوا۔ کچھ مضامین بعض اخبار و رسائل میں شائع ہوئے۔

''رجال سہسرام'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کر رہا ہوں، جس میں علما، صوفیہ، شعرا، ادبا، مشائخ، اطبا و قانون دانِ سہسرام وغیرہ کا علمی تذکرہ ہوگا۔ اس سلسلے کے بعض مضامین المجیب پھلواری شریف میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

راقم کے لیے اپنے شہر میں دوسرے اہل علم کے ماسوا مانوس سہسرامی کی شاعری اور ان کی معیت بھی استفادے سے خالی نہ تھی۔

جموئی میں تھا، جنوری ۱۹۶۸ء میں اچانک طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہوئی، چند غزلیں اور نظمیں لکھیں، جن میں بعض شائع بھی ہوئیں، نمونے درج ذیل ہیں، مگر میں اپنے کو نہ ادیب سمجھتا ہوں اور نہ شاعر، البتہ دینی شعبہ کا ایک معمولی خادم ہوں۔

نمونۂ کلام

شگفتہ بولیوں میں جو بھی چاہو بولتے جاؤ — مگر ہر بول کو کہنے سے پہلے تولتے جاؤ
خیالوں میں ہو رفعت اور مضمونوں میں ندرت ہو — حقیقت پر نظر ہو فن کے موتی رولتے جاؤ
نظر میں اپنی منزل کے سوا، اک یہ بھی منزل ہو — جو راہیں ہو گئیں مسدود اُن کو کھولتے جاؤ

جو بابِ زندگی ہیں فکر کی دنیا میں پیچیدہ
شعور و فہم سے حاذق انھیں کو کھولتے جاؤ

ابھی آئی تھی بہار اور دبے پاؤں گئی — پھول گلشن میں لٹا بیٹھے جوانی اپنی
دھوپ چھاؤں سے نہیں کم ہے جوانی کی بہار — ابھی آئی تھی کہ جاتی ہے جوانی اپنی

کام ایسے بھی کریں آپ جہاں میں حاذق
جن سے باقی رہے دنیا میں نشانی اپنی

جہاں اپنی نہیں شام و سحر ہے — وہاں جینا ہمیں دشوار تر ہے
چمن کی ہر روش نا معتبر ہے — بہارِ زندگانی مختصر ہے
جو طالب تھے سکوں کے کہہ رہے ہیں — زمیں پر اب سکوں دشوار تر ہے
کلی کا پھول مسکرانا، پھول بننا — بہارِ چند روزہ کی خبر ہے

زباں سے بات نکلی، دل میں اُتری
یہ حاذقؔ شعر گوئی کا ہنر ہے

اپنا یہ دل کسی کا ہے دارالقرار کیا — عزت بڑھا گئی نگہِ انتظار کیا
وہ دم جو اپنی آنکھوں میں آکر ہے رُک گیا — اُس مونسِ حیات کا بھی اعتبار کیا
کانٹے اور پھول دونوں ہم آغوش ہو گئے — ایسے بھی کچھ دکھائے گی اَبکے بہار کیا

سنتے ہی جن کو آج کلیجہ نکل گیا
اشعار حاذقؔ آپ کے ہیں دل فگار کیا

(غزل برزمین اختر اورینوی)

لیکے ہاتھوں میں کوئی شیشہ و جام آیا ہے — عیش کوشوں کی تباہی کا مقام آیا ہے
کچھ کہو بھی تو سہی، دل کی تمنا نکلے — بعد مدت کے ترے در پہ غلام آیا ہے
اُن کی دزدیدہ نگاہوں میں نہاں رہ نہ سکا — اشکِ غم لے کے محبت کا پیام آیا ہے
آج قدرت کی بہاروں کا کرشمہ دیکھو — مئے گلگوں سے بھرا نخل میں جام آیا ہے
اُنگلیاں چوم کے آنکھوں سے لگا لیتا ہے — سن کے محفل میں ترا آج وہ نام آیا ہے
ہر قدم پر وہی عرفانِ محبت کا شعور — مونسِ دل بھی بنا، عقل کے کام آیا ہے

سن کے ہر شعر پہ وہ دادِ سخن دیتے ہیں
کیسا حاذقؔ کی زباں پر یہ کلام آیا ہے

الطاف حسین

(۱۸۴۰-۱۹۲۲ء)

شیخ الطاف حسین محلہ شاہ جمعہ سہسرام کے رہنے والے تھے، ان کا مکان مزار شاہ جمعہ پیر کے متصل دکھن پختہ موجود ہے، موصوف چار بھائی تھے (۱) الطاف حسین (۲) کفایت اللہ (۳) ولایت حسین (۴) شجاعت حسین۔ شجاعت علی مرحوم کے لڑکے حفاظت حسین، حفاظت حسین کے لڑکے نجابت حسین مرحوم تھے، نجابت حسین کے صاحبزادے شرافت حسین عرف گلابی استاذی فخر الدین فخر سہسرامی عرف مولوی فضیلت حسین کے نواسے یعنی نور الصباح کے لڑکے اور ان دنوں اپنے نانا کے مکان محلہ نورن گنج بہ سمت اُتر مسجد محلہ سے رہتے ہیں، اور ہومیو پریکٹس موضع مراد آباد، اب سہسرام میں کرتے ہیں اور اپنے خاندان کے تنہا وارث ہیں (۲۰۰۸ء) اور صاحب اولاد ہیں۔

الطاف حسین مرحوم ترک موالات میں حصہ لینے اور فتویٰ پڑھنے کے جرم میں سہسرام کے ۱۱۴فراد کے ہمراہ گرفتار ہوئے اور بکسر جیل گئے، ۸۲ سال کی عمر میں جیل جانا ان کی حب الوطنی اور ملک کی آزادی کے جذبہ کی دلیل ہے۔ مرحوم کے ہم محلہ اور ایک رشتہ دار جناب رضا حسین جن کی عمر (۱۹۸۴ء) میں ۸۱ سال ہے بیان فرماتے ہیں کہ ۸۲ سال کی عمر میں بھی الطاف حسین مرحوم کی تندرستی بہت اچھی تھی، سہسرام کی پہاڑیوں کی سیاحت ان کے لیے آسان تھی، کتابی چہرہ، گورا رنگ، قد اوسط اور چھریرے بدن کے آدمی تھے، اخبار پڑھنے کا انھیں بیحد شوق تھا، پابندی سے اخبار کا مطالعہ کرتے تھے، یہ بات بھی ان کی سیاست میں دلچسپی کی دلیل ہے۔

الطاف حسین صاحب برٹش حکومت میں پولس ڈپارٹمنٹ میں منشی کے عہدے پر تھے اور ریٹائر ہو گئے تھے، گرفتاری کے بعد پنشن ہوگئی تو مہاراجہ سرگجہ نے ان کی اہلیہ کو اپنی جانب سے پنشن عطا کی، زنداں سے رہائی کے بعد سرکار سے پھر پنشن جاری ہوگئی تھی، جیل سے آنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پاگئے (تقریباً ۱۹۲۲ء میں) انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الطاف صاحب نے اس یادگار مشاعرہ کی صدارت کی تھی ان کی پوری غزل مجھے نہیں مل سکی صرف دو شعر ملاحظہ ہو۔

مطلع

کیا حال رنج وغم کروں تحریر جیل میں　　سب حال ہو چکا مرا تشہیر جیل میں

مقطع

الطاف خوش نصیب ہو آئے ہو جیل میں اب اور بڑھ گئی تیری توقیر جیل میں

تمنا مظفر پوری نے میرے حوالہ سے الطاف صاحب کے حالات زندگی سہ ماہی زبان و ادب پٹنہ جولائی ۱۹۸۴ء (ص ۹۱) میں شائع کرایا اور یہ نوٹ تشہیر جیل پر لکھا۔

''الطاف حسین صاحب افیون استعمال کرتے تھے اور یہ راز جیل میں افشاں ہوگیا تھا، اسی طرف اشارہ ہے''۔

الطاف حسین الطاف سہسرامی کا موروثی مکان ہنوز ان کے محلّہ میں موجود ہے اور ان کے ایک بھائی کا پرپوتا اس کا وارث ہے، جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں۔ رضا حسین صاحب بھی اب حیات سے نہیں، یہ شرافت حسین کے رشتہ کے پھوپھا تھے۔

محمد الطاف حسین مانوسؔ سہسرامی

اک مکمل زندگی کا ایک ہی افسانہ ہے
نامکمل زندگی کے سینکڑوں افسانے ہیں

کلام شاعر پر غور کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ حالات زندگی اور اس کے متعلقات پر کچھ غور کرلیا جائے۔ پیدائش ۱۹۱۲ء وفات ۱۹۸۲ء۔

خاندان و وطن

مانوس تخلص، نام محمد الطاف حسین، وطن قصبہ سہسرام، والد کا نام منشی اصغر حسین مرحوم جو ایک تاجر اور خوش نویس آدمی تھے، ماں کا نام بی بی بتول ہے جو مشفق معلّمہ تھیں۔

مانوس صاحب کے چچا مظہر حسین مرحوم کو بھی شاعری کا ذوق تھا، کم پڑھے لکھے تھے، مگر کچھ اشعار موزوں کر لیتے تھے، مانوس صاحب کی طبیعت میں بھی خدا نے یہ خاندانی اوصاف ودیعت کیے، یہاں تک کہ وہ اپنے طرز کے ایک ممتاز ترین شاعر ہو گئے، جن کے کلام کی داد ہر

صاحب ذوق آدمی دینے پر مجبور ہے۔

تعلیم وتربیت

وطن کے ایک ابتدائی اسکول میں تعلیم پائی، اردو کے علاوہ تھوڑی فارسی پڑھی، بعد کے مطالعہ اور اہل علم کی صحبتوں نے ان کے اندر اردو کا اچھا ذوق پیدا کر دیا، ادبی رسائل و کتب کے گہرے مطالعہ سے زبان و بیان پر قدرت حاصل ہوئی، تو اوائل جوانی ہی سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے، قوتِ حافظہ نے انھیں غیر معمولی فائدہ پہنچایا، یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرے شعرا کے خیالات واسالیب سے ہٹ کر جداگانہ رنگ میں اشعار کہتے ہیں۔

وطن کا شاعرانہ ماحول

سہسرام تین طرف پہاڑیوں سے گھرا ہوا ایک پُر فضا مقام ہے، جہاں کے آبشاروں اور جھرنوں کی نغمگی کیف آور اور برسات کی بہاریں دلکش، مگر یہاں کی زبان و بیان پر پہاڑوں کی سنگلاخی اور آبشاروں اور جھرنوں کی نغمگی دونوں کا اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبان اردو کی شیرینی میں بھی بھوجپوری طرز ادا کی تختی پنہاں اور عام شعرائے سہسرام کا یہ حال ہے کہ ان کا مذاق شاعری ہنوز امیؔر و داغؔ کے عہد شاعری سے آگے نہ بڑھا، مگر مانوسؔ خیابانِ سہسرام کے ایسے عندلیبِ غم نوا ہیں، جنھوں نے عصری تقاضوں کو پوری طرح سمجھا اور اپنے مذاقِ سخن کو اس سے جلا دی، اور اپنے معتقدات اور افتادِ طبع کی نیرنگیوں کو شاعری کے قالب میں ڈھال دیا، اور اسلوب و ادا میں جان پیدا کی۔

مانوس صاحب جوانی سے گزر کر اب عہد کہولت کے بھی کئی زینے طے کر چکے ہیں۔ عمر تقریباً ۵۵، ۵۶ سال ہے، بچپن سے لے کر آج تک کی زندگی ایک کتاب عبرت ہے، جس کا ہر صفحہ حوادثاتِ زمانہ کی خوں آشامیوں سے آلود ہے، اور ان کی کتابِ زندگی کے صفحات بصیرت افروز، غم جاناں اور غم دوراں سے مملو۔

شرف تلمذ

کہہ چکا ہوں، مانوسؔ ایک فطری شاعر ہیں اور تلمیذ رحماں، پھر بھی چند مشاہیر اساتذۂ سخن، مثلاً جلیل مانکپوری مرحوم اور مولانا سیماب اکبرآبادی، ناطق لکھنوی مرحوم کی انھوں نے

شاگردی حاصل کی، اور خصوصیت سے منشی خواجہ محمد عبدالرؤف عشرتؔ لکھنوی (پیرِ میرؔ) مرحوم سے اصلاح سخن لی، اور ان کی اصلاحوں اور مشوروں سے خصوصی فائدہ اٹھایا۔ ایک بار کا ذکر ہے، مانوس نے ان کے پاس اصلاح سخن کے لیے ایک غزل بھیجی، جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

چشم باطن میں جو پنہاں روئے پُر تنویر ہے ۔ ہر شعاع اس کی ہمارے پاؤں کی زنجیر ہے

عشرت مرحوم ان کی غزل کو پڑھ کر پھڑک اٹھے، اور یہ شعر کہہ کر داد دی ؎

لطف کیوں حاصل نہ ہوں مانوس کے اشعار میں ۔ شاعری میں اس کو فیضِ روحِ پاک میرؔ ہے

ادوار

مانوس کے فکر و فن کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ ان کے ادوارِ شاعری کو سمجھے، ہمارے نزدیک مانوسؔ کی شاعری کے تین ادوار ہیں، پہلے دور میں ان کی شاعری روایاتی انداز کی تھی، مگر جذباتی عناصر سے ہم آہنگ، فکر ناپختہ تھی، اور تجربہ ناقص، یہ وہ دور تھا جب وہ دوسرے مشاہیر اساتذہ کے علاوہ عشرت لکھنوی سے اصلاح سخن لے رہے تھے، طبیعت کا یہ رجحان جس میں جذباتی عناصر کا غلبہ تھا، اور ان کا خلقی غم فکری عنصر سے ہم آہنگ نہیں ہوا تھا، یہ دورِ شاعری ۱۹۳۲ء یا ۱۹۳۵ء تک کا ہے، افسوس اس دور کے کم ہی اشعار موجود ہیں، مانوس کی استغنا پسند طبیعت نے کھو دیا۔ ۱۹۳۲ء میں (تقریباً ۲۰ سال کی عمر میں) جو کچھ کہا ہے، دیکھیے، ہر شعر سے ان کا خلقی غم پھوٹ رہا ہے:

تاریکیوں میں جذب ہے تاروں کی روشنی ۔ بے رہنما غریب مسافر سفر میں ہے
رگ رگ میں میرے خونِ تمنا کا عکس ہے ۔ پھولی ہوئی شفق مرے قلب و جگر میں ہے
الفاظ وہ نہیں ہیں جو کاشف ہوں راز کے ۔ کیوں کر بتائیں آپ کو کیا کیا نظر میں ہے

مانوسؔ بحرِ غم میں سہارا خدا کا ہے
طوفاں ہے برق و باد ہے کشتی خطر میں ہے

کچھ روایاتی انداز کی:

انجمن مستوں کی تھی عشرت کدہ میخانہ تھا ۔ بیچ میں ساقی تھا سب کے ہاتھ میں پیمانہ تھا
شمع پوشیدہ ابھی تھی پردۂ فانوس میں ۔ اور ادھر بیتاب جلنے کے لیے پروانہ تھا
مرتے ہی مانوس کے ماتم کدہ تھا میکدہ ۔ خم کہیں، شیشہ کہیں، ساغر کہیں پیمانہ تھا

شب کو رقصاں تھے فلک پر جو شرارِ انجم　　مٹ گئے دیکھتے ہی دیکھتے بیمار کے ساتھ

سجدہ کروں میں اور کو وہم و گماں سے دور ہے　　کوئی نہیں سوا ترے دیدۂ امتیاز میں

ابتدائے عہد جوانی کے ان اشعار سے بھی ان کی خلقی اٹھان کا پتہ ملتا ہے، اوران کی افتاد طبع کا اندازہ مگر اسلوب کی جدت یہاں بھی جداگانہ ہے۔

مانوسؔ کی شاعری کا دوسرا دور ۱۹۳۶ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۳ء پر ختم ہوتا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں مانوسؔ کا مجموعۂ کلام ''ساز الم'' کے نام سے چھپا، جس پر مالک آروی مرحوم نے عالمانہ اور بصیرت افروز مقدمہ لکھا اور انھیں اردو زبان کا پانچواں المیہ گو شاعر قرار دیتے ہوئے میرؔ، قایمؔ، ضیاؔ، فانیؔ کی المیہ گوئی کا تجربہ کیا اور ان کے محاسن کلام کی نشان دہی کی۔ ے

مجھے چھوڑیئے مرے حال پر میں برا ہوں سب سے برا سہی
یہ گماں کہ ننگ وفا بھی ہوں تو بلا سے ننگِ وفا سہی

کوئی زندگی ہے یہ زندگی کہ خوشی میں غم کا مزہ ملے
مری سرگزشت نہ پوچھئے کبھی کامیاب ہوا نہیں

کتنی سمجھ ہے مختلف اور جدا نظر بھی ہے　　دنیا ہمارے حال پر ہنستی ہے نوحہ گر بھی ہے

دیجئے حکم اک نیا، آپ نہ ہر جفا کے بعد　　کہئے کوئی کہے گا کیا آپ کو پھر خدا کے بعد

پردے پردے میں جفاؤں پر جفا کرتے رہے　　اور وہ پھولیں پھلیں ہم یہ دعا کرتے رہے

مری آرزوؤں کا ذکر کیا، یہ رہیں تو کیا یہ مٹیں تو کیا
جنھیں آہ گلشنِ زندگی کی نہ راس آئی فضا کبھی

گرتی ہے برق جولاں کیوں بار بار اس پر　　جس گھر کا کوئی گوشہ آباد ہی نہیں ہے

مانوس سہسرامی کی حیات ہی میں ڈاکٹر خالد سجاد نے ان پر اپنا تحقیقی مقالہ ''مانوس سہسرامی ـ شخص اور شاعر'' لکھ کر رانچی یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اور اپنے مقالہ کو کتابی صورت میں نومبر ۱۹۸۸ء میں دی آرٹ پریس، سلطان گنج پٹنہ ۶ میں طبع کرا کے شائع فرمایا۔

آخر عمر میں مانوس صاحب مرض فالج میں مبتلا ہو کر دارفانی سے ۱۶ ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ

مطابق ۱۳رجنوری ۱۹۸۲ء بدھ کا دن گزار کر ۹ بجے شب میں انتقال کیا۔ نماز جنازہ راقم نے پڑھائی، جمعرات کو ساڑھے تین بجے دن میں بھڑلی پہاڑی (چار کھنبوے) کے قبرستان میں دفن ہوئے۔
مادۂ تاریخ عیسوی:

شرف ارتضا
۱۹۸۲ء

اسلم راہی

پیدائش ۱۹۴۹ء

سہسرام کے اعلیٰ مصنف مرزا عبدالستار بیگ کے لڑکے مرزا عبدالجلیل بیگ جو مدتوں گیا میں وکالت کرتے تھے، سماجی خدمت کا جذبہ تھا، تحریک خلافت، تحریک خاکسار میں حصہ لے چکے تھے، ۱۹۸۳ء میں انتقال فرمایا۔ ان کے ایک لڑکے کا نام غلام عبدالستار بیگ ہے (دادا کے نام کی نسبت سے) یہ بھی زیادہ تر معروف گیا میں اپنے والد کے ہمراہ مقیم رہے، ۱۹۹۰ء میں ان کی عمر اسّی سال ہے۔ نہایت وجیہ صورت ہیں، ایکسیڈنٹ کے سبب صحت مند ہو کر کرسی نما گاڑی کے سہارے چل پھر رہے ہیں اور مولوی حکیم محمد ابراہیم مرحوم کے خسر ہیں ان سے ملاقات ہوئی، ان کے صاحبزادے اسلم راہی کے نام سے پاکستان میں مشہور ہیں، یہ بھی وجیہ صورت اور باپ کی طرح رئیس مزاج ہے۔ ان کی پیدائش ۳ر مارچ ۱۹۴۹ء ہے۔ سہسرام سے ۶۸ء میں ہائی اسکول پاس کیا، ۷۳ء میں پاکستان چلے گئے، وطن آتے جاتے ہیں۔

راہی کو دادی نانی کے علاوہ نانیہال سے بھی بڑی محبت ہے، ان کی والدہ محترمہ عقیلہ خاتون ۱۹۹۹ء میں حیات سے ہیں، انھیں بھی افسانہ نگاری اور ڈرامہ نویسی کا شوق رہا ہے، ان کا ایک افسانہ خبطی آئینہ پٹنہ میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۶۷ء میں ان کا ایک ڈرامہ ان کی اجازت سے سندر کمار نے ۱۹۶۹ء میں پٹنہ ریڈیو سے پڑھا تھا۔

عقیلہ خاتون موتیہاری کی رہنے والی ہیں، ان کے والد کا نام خان محمد جان ہے، دادا کا نام

عبدالرحمٰن ہے، عبدالرحمٰن صاحب اسلام لائے، یہ راجندر پرشاد پہلے صدر جمہوریہ ہند کے چچا تھے۔
ڈاکٹر شکیل الرحمٰن مشہور ادیب و نقاد، وی۔ سی اور ہیلتھ منسٹر بہار، اسلم راہی کے ماموں ہیں، ان کے دوسرے ماموں جمیل الرحمٰن ریٹائرڈ سیشن جج حیات سے ہیں۔
اسلم راہی سہسرامی کو کم عمری میں شعر وسخن سے لگاؤ پیدا ہوا۔ جب وہ چوتھی جماعت میں تھے تو انھوں نے یہ شعر کہا تھا:
ان کا پہلا مجموعہ نظموں اور غزلوں پر مشتمل ''ہوا کے رنگین پیکر'' ۱۹۹۵ء میں بزم علم وفن اسلام آباد پاکستان سے شائع ہوا۔

منشی محمد امین الدین صاحب رازؔ سہسرامی

منشی محمد امین الدین صاحب رازؔ سہسرامی کا کلام ماہنامہ ترجمان مومن انصار بنارس بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء میں نظر سے گزرا، اس میں ان کو شیداؔ سہسرامی کا شاگرد لکھا گیا ہے، نیز اسی رسالے کے شمارہ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں ان کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا ہے۔

نمونۂ کلام

پنہاں ہوا جو وہ رخ گیسوئے پُرشکن میں — دنیا پکار اٹھی چاند آگیا گہن میں
للہ جوش وحشت دے دے ذرا سی مہلت — دو ٹانکے تو لگالوں میں چاک پیرہن میں
رو رو کے آج بلبل گل چیں سے کہہ رہی ہے — کیا چاہتا ہے ظالم تاراجیٔ چمن میں
آکر مری لحد پر آنسو نہ تم بہاؤ — بیچین ہو رہا ہے لاشہ مرا کفن میں
مرنے پہ قبر میں بھی وحشت کی لی جو دل نے — چھوڑوں گا میں نہ باقی اک تار بھی کفن میں
صیاد فصل گل ہے اس کو رہائی دے دے — بلبل کی جان جاتی ہے فرقتِ چمن میں

کرتے ہیں رشک مجھ پر اے رازؔ خضر وعیسیٰ
میں نے جو جان دی ہے عشقِ شہ زمن میں

حافظ امام علی صاحب شوقؔ سہسرامی

حافظ امام علی صاحب شوقؔ بن شیخ یار محمد صاحب انصاری متوطن نیم کا لے خاں سہسرام۔ پیدائش ۱۸۹۴ء، وفات ۱۹۶۱ء۔ عمر تقریباً ۶۷ سال تھی۔

حلیہ

جسماً لحیم شحیم، شکلاً بارعب اور صاحب مروت آدمی تھے۔ رنگ سیاہ تھا۔ مگر مجلسوں میں بہت ہی باغ و بہار نظر آتے تھے۔ راقم متعدد بار ان کی مجلسوں میں شریک ہوا۔ ان کی باتوں سے جی خوش ہو جاتا تھا۔ قد دراز تھا، چہرہ کی داڑھی بارونق اور زیب بشرہ تھی۔ حقیقت تو ہے کہ خدا نے بہت ہی خوبیوں سے نوازا تھا۔

شاعری

شعر و شاعری کا اچھا ذوق تھا، کہنہ مشق شاعر تھے، اور لکھنؤ طرز ادا میں شعر کہتے تھے۔ عرصہ تک لکھنؤ میں زندگی بسر کی تھی اور وہاں کے مشاعرہ میں شریک رہے تھے، سہسرام کے بھی اکثر مشاعروں میں دیکھے گئے تھے، بعض مشاعرے ان کی صدارت میں بھی ہوئے۔ جس میں راقم بھی شریک تھا۔ صاحب دیوان بزرگ تھے، اور اپنے کلام کو چوب خط میں لکھا کرتے تھے۔

اساتذۂ سخن

علامہ شفق عماد پوری سے انھیں خاص یارانہ تھا، ان کی معیت میں رہے۔ اور ان کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ نیز امیر مینائی لکھنوی سے اصلاح سخن لی، زبان و فن پر اچھی قدرت تھی، ابتداً فرحتؔ سہسرامی سے اصلاح لیتے تھے۔

مولانا اشرف حسین مشرقی سہسرامی

تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد چہارم میں مرقوم ہے:

''اشرف حسین نام، مشرقی تخلص، قصبہ سہسرام ضلع آرہ کے رہنے والے تھے، سہسرام کے مسلمان باشندے کافی تعداد میں ایک عرصہ سے ریاست حیدرآباد دکن جاکر ملازمت کے سلسلے میں منسلک ہوگئے تھے اور یہ زیادہ تر محکمہ پولیس کی ملازمت سے تعلق رکھتے تھے اور اس محکمہ کے اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے، ان میں ایک مولانا سید اشرف حسین مشرقی بھی تھے مگر یہ اپنی اعلیٰ علمی صلاحیت کی بناپر نواب میر محبوب علی خاں نظام سادس اور پھر نواب میر عثمان علی خاں نظام سابع کی استادی کی خدمت پر بحال کیے گئے تھے اور جب اس خدمت سے سبکدوش کیے گئے تو خزانہ صرف خاص سے چار سو روپیہ ماہانہ تاحیات مولانا ممدوح کے نام جاری کیے گئے، جب آپ کا انتقال ہوا تو وظیفہ حسن خدمت کی رقم سے آدھی رقم مبلغ دو سو روپے مولانا اشرف حسین صاحب کے صاحبزادے مولوی سید اظہر حسین صاحب کے نام تاحیات برقرار رکھی گئی، مولانا اشرف حسین صاحب کو مولوی محمد زماں خاں شاہ جہاں پوری مقیم حیدرآباد دکن سے دیرینہ نیاز حاصل تھا۔ مولوی محمد زماں خاں کو ایک بدطینت شخص نے بعض مذہبی اختلاف کی بناپر شہید کر دیا تھا، انھیں تعلقات کی بناپر مولانا شہید کے بھائی مولانا مسیح الزماں شاہ جہاں پوری نے جو بڑے عہدے پر مامور تھے، اپنی مددگاری پر مولانا اشرف حسین کو بحال کرلیا، اس انتخاب کو مولانا انواراللہ صاحب صدرالصدور امور مذہبی نے بھی پسند فرمایا، مولانا سید اشرف حسین صاحب کا علمی فیض اس قدر وسیع تھا کہ بخشی فیض محمد خاں جاگیردار پائگاہ خورشید جابہادر کے تمام صاحبزادوں کو بھی تعلیم دی جس کی بناپر بخشی فیض محمد صاحب عرصہ تک مولانا کی خدمت کرتے رہے، پھر ان کے صاحبزادے مولانا سید اظہر حسین صاحب سے بھی تعلقات کو قائم رکھا۔

مولانا اشرف حسین صاحب کو شعر گوئی کا بھی ذوق تھا، آپ کی وفات

۱۳۲۰ھ (تیرہ سوبیس) میں ہوئی "خیرٌ ثوابا" مادہ تاریخ وفات ہے، جو جناب مولانا خوشدل سہسرامی کا تجویز کردہ ہے، افسوس ہے مولانا مشرقی کا کلام دستیاب نہ ہوسکا"۔

مصلح صاحب نے مشرقی صاحب کے تعلق سے "مشاہیر شعرائے سہسرام" میں صرف چند سطریں لکھیں، اور یہ لکھا کہ "ممکن ہے کہ آپ کا کچھ کلام آپ کے صاحبزادے مولوی اظہر حسین صاحب کے پاس ہو"۔ مگر عرصہ ہوا کہ اظہر حسین صاحب کا بھی وصال ہوگیا۔ کلام ہنوز دستیاب نہ ہوا۔

جس کتاب میں ان کا تخلص شرقی آیا، سہو کتابت ہے، تخلص میم کے ساتھ مشرقی تھا۔

حشر سہسرامی سے ان کے جو کچھ حالات سنے تھے اب ۲۰۰۵ء میں یاد نہیں آتے۔ کیا اضافہ کروں، تشنہ سہسرامی کی کتابوں میں ممکن ہے کچھ ملے۔

اولاد حیدر فوق کواتھی سہسرامی

المعروف بہ فوق بلگرامی آروی وشاگرد صغیر بلگرامی

(وفات ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء)

فوق بلگرامی اصل میں کواتھ سب ڈویژن سہسرام کے رہنے والے تھے، وہاں ہی ایک مشہور شاعر جادو صاحب تھے، جن کا ذکر مولانا ابو مصلح صاحب نے اپنی کتاب مشاہیر شعرائے سہسرام میں کیا ہے۔ اس لیے ان کا بھی شمار راقم نے سہسرامی شعرا میں کیا۔ (حاذق)

مولانا حکیم سید احمد اللہ صاحب ندوی اپنے تذکرہ مسلم شعرائے بہار حصہ سوم ص ۲۵۵ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> "محترمی جناب مولوی سید وصی احمد صاحب بلگرامی نبیرہ حضرت صغیر بلگرامی کی عنایت سے حضرت فوق بلگرامی کے حالات مع کلام دستیاب ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں:

سید اولاد حیدر نام، فوقؔ تخلص، بلگرامی وطنی نسبت اور خان بہادر خطاب ہے۔ والد ماجد کا نام سید حیدر رضاؔ بلگرامی ہے۔ موضع کواتھ ضلع آرہ مسکن تھا، حضرت صغیر بلگرامی کے شاگرد تھے اور اپنے استاد صغیر بلگرامی سے بہت کچھ فیض انھوں نے پایا تھا، دیکھنے میں وہ پست قامت تھے، اُن کی شہرت تمام ہندوستان میں تھی، اور آج تک ہے۔ خطاب خان بہادر آپ کے علم وفضل کا اعتراف تھا، سہسرام بنچ کے آنریری مجسٹریٹ تھے، خط اتنا اعلیٰ ودیدہ زیب تھا کہ اُن کا کارڈ جو پاتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ مطبوعہ خط کسی کاتب کے ہاتھ کا آیا ہے، اس گھرانے میں ہر فرد خوش خط تھا، حضرت فوقؔ بلگرامی نے دو شادیاں کیں پہلی بیوی فاطمہ بیگم کے بطن سے ایک فرزند سید ممتاز حیدر عرف اعجاز حیدر اور ایک دختر پیدا ہوئیں، اور سید ممتاز حیدر کے دو فرزند سید عزیز حیدر اور سید وفادار حیدر عرف محمد میاں اور ایک دختر تولد ہوئیں اور حضرت فوقؔ بلگرامی کی دوسری...... خاتمی بیگم تھیں جن کے بطن سے دو فرزند سید امتیاز حیدر اور سید کمال حیدر ہوئے، سید ممتاز حیدر کی وفات بمقام کراچی ۱۹۳۶ء میں اپنے والد کی حیات میں ہوئی، اور سید عزیز حیدر کی وفات بمقام چاٹگام (بنگالہ) ہوئی، سید وفادار حیدر چاٹگام مشرقی پاکستان میں ملازم ریلوے ہیں، اور سید ممتاز حیدر اور سید کمال حیدر یہ دونوں کواتھ ضلع آرہ میں مقیم ہیں، اور سید اولاد حیدر فوقؔ بلگرامی کی وفات بروز جمعہ ۲۱ رمضان ۱۳۶۱ھ (تیرہ سو اکسٹھ) مطابق ۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء مقام کواتھ ضلع آرہ شاہ آباد صوبہ بہار میں ہوئی اور محلہ لونچی منڈی کواتھ میں سپرد خاک کیے گئے۔

فہرست مطبوعات سید اولاد حیدر بلگرامی آروی

(۱) سراج المبین جلد دوم صفحہ ۲۲۸ در حیات علی مرتضیٰ مطبوعہ ۱۹۴۹ء، م ۱۹۳۰ء طبع دوم۔
سراج المبین جلد دوم صفحہ ۲۲۸ در حیات علی مرتضےٰ مطبوعہ ۱۳۲۹ھ م ۱۹۱۱ء۔

(۲) سرو چمن صفحہ ۲۰۰ در حیات حضرت امام حسنؑ مطبوعہ ۱۳۴۱ھ م ۱۹۲۲ء۔

(۳) ذبح عظیم صفحہ ۶۱۰ در حیات حضرت امام حسینؑ مطبوعہ ۱۳۳۱ھ م ۱۹۱۳ء۔

(۴) صحیفۃ العابدین صفحہ ۲۰۴ در حیات حضرت امام زین العابدینؑ مطبوعہ ۱۳۳۶ھ م ۱۹۱۳ء۔

(۵) مآثر الباقریہ صفحہ ۱۰۰ در حیات حضرت امام باقرؑ مطبوعہ ۱۳۳۶ھ م ۱۹۱۳ء۔

(۶) آثار جعفریہ صفحہ ۱۹۹ در حیات حضرت امام جعفر صادقؑ مطبوعہ ۱۳۳۳ھ م ۱۹۱۵ء۔

(۷) علوم کاظمیہ صفحہ ۱۴۶ در حیات امام موسیٰ کاظمؑ مطبوعہ ۱۳۴۰ھ م ۱۹۲۲ء۔

(۸) تحفہ رضویہ صفحہ ۲۸۲ در حیات حضرت امام رضاؑ مطبوعہ ۱۳۵۳ھ م ۱۹۳۴ء۔

(۹) تحفۃ المتقین صفحہ ۵۲ در حیات حضرت امام محمد تقیؑ مطبوعہ ۱۳۴۰ھ م ۱۹۲۲ء۔

(۱۰) سیرۃ النقی صفحہ ۶۷ در حیات حضرت امام علی نقیؑ مطبوعہ ایضاً

(۱۱) العسکری صفحہ ۸۳ در حیات امام حسن عسکریؑ مطبوعہ ایضاً

(۱۲) در مقصود صفحہ ۳۶۰ در بیان حضرت امام مہدیؑ مطبوعہ ۱۳۳۷ھ م ۱۹۱۹ء۔

(۱۳) الزہرا صفحہ ۲۱۶ در حیات حضرت فاطمہ زہراؑ مطبوعہ ۱۳۳۹ھ م ۱۹۲۰ء۔

(۱۴) اسوۃ الرسولؐ جلد اوّل صفحہ ۵۷۵ در حیات حضرت رسول اللہ خاتم النبیینؐ مطبوعہ ۱۳۴۲ھ م ۱۹۲۳ء۔

اسوۃ الرسولؐ جلد دوم صفحہ ۵۲۲ در حیات حضرت رسول اللہ خاتم النبیینؐ مطبوعہ ۱۳۵۵ھ م ۱۹۳۷ء (طبع دوم)۔

اسوۃ الرسولؐ جلد سوم صفحہ ۵۲۰ در حیات حضرت رسول اللہ خاتم النبیینؐ مطبوعہ ۱۳۴۶ھ م ۱۹۲۷ء۔

اسوۃ الرسولؐ جلد چہارم صفحہ ۲۳۰ در حیات حضرت رسول اللہ خاتم النبیینؐ مطبوعہ ۱۳۴۷ھ م ۱۹۲۸ء۔

اسوۃ الرسولؐ جلد پنجم صفحہ ۳۰۶۸ در حیات حضرت رسول اللہ خاتم النبیینؐ مطبوعہ ۱۳۴۸ھ م ۱۹۲۹ء۔

جملہ صفحات ۵۴۹۸''۔

غزلیات فوق بلگرامی

مکاں اجاڑ ہیں لاکھوں تو کیا مکیں تو نہیں — ہزار دل ہیں مگر کوئی دل نشیں تو نہیں

طلب جو کرتے ہو دل، دل کہاں، کہیں تو نہیں — ہمارے پاس فقط نام ہے نگیں تو نہیں

خوشی سے دفن کرو دوستو بتا تو دو — فلک کی طرح ستائے گی یہ زمیں تو نہیں

یہ کیا ہوا کہ معطر ہوا چمن سارا — کھلی کسی کی کہیں زلفِ عنبریں تو نہیں

ق

ہمیں جو ہوش ہوا ایک دن سروپا کا جو ڈھونڈھا دل کو تو دیکھا وہ ہم نشیں تو نہیں
مری بغل میں جو آنکھیں چرائے بیٹھے تھے انھیں سے پوچھا کہ چھوٹا ہے دل یہیں تو نہیں
سمجھ کے کوئی پڑی چیز ہو اٹھا نہ لیا تمھارے منہ پہ ہنسی ہے کہیں تمھیں تو نہیں
نہ سر کے جاؤ ادھر آو، مٹھیاں کھولو اٹھاؤ ہاتھ کہیں زیر آستیں تو نہیں
عجیب ناز سے صورت بنا کے وہ بولے غلط خیال ہوا ہے یہاں کہیں تو نہیں
مُصر ہوا جو میں پھر تو کہا یہ جھنجھلا کر لیا ہے اب نہیں دینے کے ہاں نہیں تو نہیں
جو نام سنتے ہیں فرہاد و قیس کا اے فوق
وہ سر فروشِ رہِ مہوشاں ہمیں تو نہیں

بہت اچھا بہت بہتر نہایت خوب کرتے ہیں رقیبوں سے وہ ملتے ہیں ہمیں مجوب کرتے ہیں
کسی کے گھر چلا جانا کسی کو گھر لگا لانا یہ باتیں آپ اپنی شان سے معیوب کرتے ہیں
زمانہ ہو رہا ہے معتقد اخوانِ یوسفؑ کا مگر ہم پیرویٔ حضرتِ یعقوبؑ کرتے ہیں
نئے دن ہیں نئی سن ہیں نئی راتیں نئی باتیں نئے معشوق بنتے ہیں نئے محبوب کرتے ہیں

بسمل کا زورِ فکر تو دیکھو کراہ میں دو حرف لا کے جوڑ دیئے اور آہ میں

وہ بانکپن وہ ناز وہ انداز یار کا پتلا بنا ہوا ہے جوانی میں پیار کا
یہ دل بھی یار کا ہے جگر بھی یار کا اب ہم پہ اختیار ہے بے اختیار کا
پتے ہوا سے مل کے بجاتے ہیں تالیاں ہوتا ہے آج بیاہ عروسِ بہار کا
اے فوق یا تو موت ہے یا یار کا وصال
بس اب کے بار خاتمہ ہے انتظار کا

فوق صاحب کی دوسری تالیف ''تذکرۂ قیصری'' بھی نظر سے گزری ہے، کل صفحات ۱۷۴ ہیں۔ مطبوعہ ستارہ ہند پریس کلکتہ، کتاب اسکول سائز میں ہے۔ اس کتاب میں مؤلف۔ جارج پنجم کے حالاتِ زندگی قلم بند فرماتے ہیں، سن طباعت ۱۹۱۱ء ہے۔

اسوۃ الرسول حصہ اوّل بھی میری نظر سے گزری ہے، یہ کتاب کاظم بک ڈپو رجسٹرڈ دہلی

میں چھپی تھی۔ سن طباعت ۱۳۵۵ھ ہے۔

"تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار" کے سرورق پر یہ شعر درج ہے، پتہ نہیں یہ شعر خود فوق صاحب کا ہے یا کسی اور بزرگ کا۔ مگر شعر خوب ہے

خوشا بہار کہ در صوبۂ بہار آمد   نہال آرزوئے ما بہ برگ و بار آمد

فوقؔ نے اس کتاب کے شروع میں لکھا ہے:

فوقؔ صاحب کے انگریزی حکام سے اچھے مراسم تھے۔ "مسٹر اے ڈبلو لولڈھم صاحب آئی۔ سی۔ ایس بالقابہ صاحب کمشنر پٹنہ ڈویژن" نے موصوف کو اس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا، ان کے علاوہ انھوں نے اپنی کتاب میں مسٹر جے گرونگ آئی۔ سی۔ ایس (کلکٹر ضلع آرہ) و ڈبلو۔ جی۔ سی۔ لاری، ام۔ اے، آئی۔ سی۔ ایس سابق عارضی کلکٹر آرہ و موجودہ جوائنٹ مجسٹریٹ ضلع بھاگلپور والے۔ پی پیٹر سب ڈویژنل افسر سہسرام کا بھی شکریہ ادا کیا ہے، جن کے توسل سے انھیں سرکاری کاغذات سرکاری لائبریری اور محافظ خانہ سے دیکھنے کو ملے۔

مولانا حکیم محمد ابن الحسن مظہر سہسرامی

(۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء تا ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء)

مولانا حکیم محمد ابن الحسن نام، مظہر تخلص بن مولانا محمد ابوالحسن صاحب بیدلؔ سہسرامی ساکن محلّہ شیخ پورہ سہسرام۔

سن پیدائش: ۲۹؍ شعبان ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸؍ اگست ۱۸۷۹ء دوشنبہ

وفات : ۵؍ اپریل ۱۹۱۶ء مطابق یکم جمادی الآخریٰ ۱۳۳۴ھ، چہار شنبہ

شجرۂ نسب

مولانا حکیم محمد ابن الحسن کے والد ماجد مولانا محمد ابوالحسن خوشدلؔ سہسرامی اپنے وقت کے بڑے عالم اور مدرس تھے۔ ان کے والد مولوی محمد حسن بھی مدرس تھے، اور محمد حسن صاحبؒ کے والد ماجد مولانا شیخ محمد محدث سہسرامی تلمیذ رشید حضرت استاد المحدثین سید شاہ محمد اسحٰق دہلوی قدس سرہٗ تھے۔

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور مولانا محمد عثمان صاحب سہسرامی مہاجر مکی مدرسین مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام سے مدرسہ مذکور میں حاصل کی۔ پھر سالِ چہارم تک مدرسہ عالیہ کلکتہ کے نصاب کے مطابق۔

سہسرام سے فراغت کے بعد مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہیر گنجی (نزد ناصری گنج ضلع آرہ) اور مولانا عبدالوہاب صاحب منطقی بہاری سے پھلواری شریف میں پڑھا، اس وقت یہ دونوں حضرات خانقاہ پھلواری شریف سجادہ نشیں کے لڑکوں کے معلم اور ان کے اتالیق تھے۔

سید شاہ محی الدین صاحب مولانا ابن الحسن صاحب کے ساتھی تھے۔ پھلواری شریف سے تعلیم پانے کے بعد دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں مولانا محمود الحسن صاحب سے درس حدیث کی تکمیل کی۔

اس کے بعد مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی کے پاس تشریف لے گئے، اور حدیث کا درس لیا۔

مزید معقولات کی تکمیل کے لیے مولانا نور عین القضاۃ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے بانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔

علوم عربیہ دینیہ کی تکمیل کے بعد فن طب کی تکمیل مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ میں حکیم حافظ محمد عبدالولی ابن حکیم عبدالعلی صاحب فرنگی محلی سے حاصل کی۔

حکیم مولانا ابن الحسن مضطر سہسرامی کے دو صاحبزادے بڑے لڑکے حکیم فخرالحسن حکیم سہسرامی بھی مشہور طبیب اور شاعر تھے۔ چھوٹے لڑکے حکیم محمد شرف الدین صاحب مرحوم بھی شہر ہی میں طبابت فرماتے تھے۔

شاعری

مولانا شیخ ابن الحسنؒ کو شعر گوئی کا بھی ذوق تھا۔ ان کی بعض نظمیں اور غزلیں ان کی بیاض میں راقم نے پڑھی تھی، افسوس کہ نوٹ نہ کر سکا۔ (مسلم شعرائے بہار جلد ششم)

مولانا حکیم ابن الحسن مضطر سہسرامی کی ایک مشہور نظم "تالاب شیر شاہ" ہے۔ جسے انھوں نے جارج پنجم کی تخت نشینی کے موقع پر شیر شاہ کے روضہ پر روشنی کا منظر دیکھ کر کہی تھی، ملاحظہ ہو:

آج یہ عکس چراغاں ہے نمایاں زیر آب | یا صفیں باندھے کھڑے ہیں مشعلہ رویاں زیر آب
گنبد روضہ ہے روشن یا چراغِ طور ہے | عکس گنبد ہے کہ ہے خورشید رخشاں زیر آب
یہ چراغوں کے دھوئیں کا عکس ہے تالاب میں | یا نہاتی کھول کر جوڑے ہیں پریاں زیر آب
عکس پانی میں یہ زینوں کے چراغوں کا ہے یا | کونسل کرتے ہیں اہل انگلستاں زیر آب
جھلملائی لو چراغوں کی تو اس کے عکس سے | ہو گیا سب کو گماں ہے برق جولاں زیر آب
مہر پیکر روشنی سے آج روضہ بن گیا | نور افشاں ہے شعاعِ مہر تاباں زیر آب
آج روضہ پر چراغوں سے ہے عالم نور کا | عکس روضہ ہے کہ کوہ آتش فشانِ زیر آب (۱)

احمد حسین جوشؔ

(پیدائش تقریباً ۱۸۹۵ء - وفات ۱۵/جون ۱۹۴۸ء)

شیخ احمد حسین انصاری نام، جوشؔ تخلص، بن حافظ پیر محمد صاحب مرحوم باشندہ محلّہ نورن گنج سہسرام۔ جوشؔ صاحب پہلے محلّہ باغ بھائی خاں میں رہتے تھے، پھر محلّہ نورن گنج میں اپنا مکان خرید کر رہنے لگے، راقم کے مکان سے چند قدم دور آپ کا مکان ڈاکٹر وجاہت حسین کے بغل میں ہے۔

مولانا احمد حسین صاحب جوشؔ کی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں عالیہ کورس کلکتہ کے مطابق ہوئی تھی، میرے والد کے ہم مدرسہ تھے، مگر اُن سے کچھ جونیر تھے۔ بعد فراغت مارواڑی ہائی اسکول مظفر پور میں ہیڈ مولوی تھے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا بیدل اور مولانا خنداں صاحب سہسرامی قابل ذکر ہیں۔

جوشؔ صاحب کی والدہ کا نام بی بی جسیمہ تھا، اور اہلیہ کا نام سعیدہ و بنت الٰہی بخش محلّہ نیم لوہار سہسرام تھا۔ پست قد، گداز بدن، خوش آواز اور باذوق اور صاحب جمال آدمی تھے، نوجوانی میں دلدادۂ حسن مشہور تھے، اس سلسلے میں اُن سے بعض لغزشیں بھی ہوئیں۔

بعد فراغت میرے والد (مولوی ضیاء الدین) صاحب کے بعد محلّہ کی مسجد میں اعزازی

طور پر امامت بھی کرتے تھے، ملازمت کے درمیان جب بھی وطن تشریف لائے، اکثر امامت فرماتے، قرآن اچھے لحن میں پڑھتے تھے۔

ادبی ذوق بھی اچھا تھا، سخن سنج شاعر تھے، غزلیں بکثرت لکھیں، اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی غزل اچھی سی کہتے، تو خود ہی ان اشعار کو پڑھ کر بے خود ہو جاتے اور کبھی گریہ طاری ہو جاتا۔ اردو کے ساتھ فارسی کے بھی شاعر تھے، ان کے مجموعہ کلام میں دونوں زبان کے نمونے موجود ہیں۔

اپنے لڑکے محمد حسنین صاحب کو انگریزی کی تعلیم دلوائی، لڑکے کی تعلیم میں اُن کی بیوی نے بھی اُن کا غیر معمولی تعاون کیا۔

آپ کے پس ماندگان میں ان کے صاحبزادے محمد حسنین صاحب نے علوم جدیدہ (خاص کر انجینئرنگ) کی تعلیم میں کمال حاصل کیا،...... تعمیرات صوبۂ بہار میں کمشنر رہے۔ یورپ بھی تجربات یا ٹریننگ کے لیے تشریف لے جا چکے ہیں۔

جوشؔ صاحب کی بڑی صاحبزادی (محمودہ خاتون) کا عقد نکاح مولانا محمد شفیع اللہ صاحب اثرؔ سہسرامی سے ہو، چھوٹی لڑکی (مقصودہ خاتون) کا نکاح محمد محمود صاحب بن عبدالحفیظ (سہسرام کے مشہور تاجر پارچون) سے ہوا تھا۔ ہر ایک فوت ہو چکے۔

مولانا جوشؔ کی پیدائش تقریباً ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ وفات ۶ رشعبان ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۵ رجون ۱۹۴۸ء بروز سہ شنبہ وقت ۳۰-۵ شام ہوئی۔ راقم شریک جنازہ تھا، نماز جنازہ محلّہ کے پیش امام استاذی ماسٹر حکیم فخرالدین سہسرامی عرف مولوی فضیلت حسین سہسرامیؒ نے پڑھائی تھی، دن کے دو بجے، سہسرام کے پورب والے قبرستان میں ہے۔ مزار اُن کے صاحبزادے نے پختہ کرایا۔

مارچ ۱۹۸۸ء میں جوشؔ صاحب کے لڑکے محمد حسنین انجینئر کی اہلیہ شاکرہ حسنین (ایم۔اے) نے اپنے خسر محترم کا مجموعہ کلام ''دامن گلستاں'' کے نام سے شائع کرا دیا ہے۔ کل صفحات ۱۰۴ ہیں۔ (مطبوعہ پٹنہ لیتھو پریس، رمنہ روڈ پٹنہ ۴۔ بہ تعاون بہار اردو اکاڈیمی)

نمونہ کلام یہ ہے:

بہارِ داغ جگر دیکھ لو کبھی آکر — کہ ایک پھول بھی ایسا کسی چمن میں نہیں
سنیں تو آپ مری داستانِ دردِ جگر — یہ کیا کہا کہ اثر ہی کسی سخن میں نہیں

مذکورہ دو اشعار جناب قمر گیاوی مرحوم کے قلمی تذکرہ ''آب کوثر'' سے راقم نے نقل کیا تھا۔

مگر اب ان کا مجموعہ کلام ''دامن گلستاں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے جیسا کہ لکھ چکا

ہوں، اس کتاب میں جوش صاحب کے حالات زندگی شاکرہ حسنین کے قلم اور کلام پر تعارف وتبصرہ کلیم سہسرامی کے قلم سے لائق مطالعہ ہے۔ مجموعۂ کلام، حمد ونعت، غزلیات، نظمیں، سہرے اور قطعات اور قصیدے اصناف سخن پر مشتمل ہے اور تاریخ قطعات بھی کلیم سہسرامی نے ان کے کلام میں دہلوی رنگ تغزل کے ساتھ لکھنوی رنگ تغزل کی مثالیں بھی کلامِ جوش سے پیش کی ہیں اور یہ بھی لکھا ہے:

جوش صاحب نے چھوٹی بحروں میں جو شعر کہے ہیں، ان میں زبان رواں دواں ہے، سلاست ونفاست بھی ہے، اور سادگی وصفائی بھی، خیالات میں نہ فلسفہ طرازی نہ پیچیدگی، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے گفتگو کر رہے ہیں، بول چال کا انداز سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ انھیں زبان و بیان اور اظہار خیال پر کتنی قدرت تھی، مثلاً یہ اشعار:

بے تامل چلاؤ تیر نگاہ　　جان جائے گی اور کیا ہوگا
جس پہ ان کی نظر پڑی ہوگی　　اس کا دل طور بن گیا ہوگا
جوش آئے گا جب قیامت میں　　اک نیا حشر پھر بپا ہوگا

کلیم سہسرامی نے مذکورہ شعروں کے ساتھ سیدھے سادے کلام کی اور مثالیں پیش کی ہیں، وہیں مرزا رفیع سوداؔ کی مشکل زمینوں میں کہے ہوئے جوش سہسرامی کے اشعار بھی پیش کیے ہیں:

بیٹھ کے بزم ناز میں سب کو صلائے عام دو　　ساقیِ میکدہ ہو تم، جام پر آج جام دو
چہرہ، مہ وش ہے ایک کاکل مشک فام دو　　ایک طرف ہے صبح ایک، دونوں طرف ہے شام دو
خون جگر پیے کوئی جانِ جہاں خوشی سے تم　　پاس بٹھا کے غیر کو ہاتھوں سے اپنے جام دو

کلیم صاحب نے اچھی مثالیں پیش کی ہیں، بلاشبہ ان کا صاف عمدہ کلام لائق مطالعہ ہے۔ دیگر اشعار:

یہ اس کا جلوہ گہ ہے حسن جس کا غیر فانی ہے　　مٹائے لاکھ کوئی ہستی دل مٹ نہیں سکتی

مآل کوہ گراں پہ گر نظر ہوتی　　تو ایسے بارِ گراں کی نہ آرزو کرتے

قریب تر رگ جاں سے بھی ہوئے دور بھی رہے　　وہ رو برو بھی ہے اے جوشؔ رو برو بھی نہیں

دکھلا کے تجلی چھپ جانا مقصد ہے فقط مضطر کرنا
یوں آگ لگا کے جو چل دے وہ آگ بجھانا کیا جانے

اے جوش نہیں ہے. مجھ کو خبر ساقی کی نگاہِ مست ہے کیا
پڑ جائے جو اس کی تجھ پہ نظر پھر ہوش میں آنا کیا جانے
ایک شعر فارسی کا (۱۹۳۴ء)
بسوئے من بیک مژدہ نسیم جانفزا آمد   کہ وا شد غنچۂ خاطر شمیم دلکشا آمد

امجد علی احقر سہسرامی

(حیات ۱۹۲۴ء)

شیخ محمد امجد علی نام، احقرؔ تخلص (ابن داروغہ شیخ احمد علی) شاگرد داغؔ دہلوی۔

احقرؔ صاحب محلہ بارہ دری سہسرام کے رہنے والے تھے، محکمہ آبکاری میں سب انسپکٹر رہ کر ریٹائر کیا، احقرؔ صاحب مرزا عبدالستار صاحب کے بہنوئی تھے۔

رسالہ حسن وعشق ڈہری جو محمد مصلح صاحب سہسرامی کی ادارت میں نکلتا تھا، اس کے شمارہ فروری ۱۹۲۴ء سے ذیل کا کلام لیا گیا ہے:

اوٹھتا نہیں سر اپنا گناہوں کے بار سے   رندوں کو شرم آتی ہے مجھ شرمسار سے
کیا تو ہی آ کے روئے گی بیکس کی قبر پر   جلتی ہے کیوں صبا مری شمعِ مزار سے
کانٹے لگا کے رکھے ہیں کیوں تو نے باغباں   گلزار کی گلوں سے ہے زینت کہ خار سے
ارمان و یاس و حسرت و غم اور آرزو   جاتے ہیں لے کے ہستیِ ناپائدار سے
احقرؔ فصیح ملک کی تم یادگار ہو
پیچھے رہیں قدم نہ کسی شہسوار سے

مقطع میں فصیح ملک داغؔ دہلوی کا ذکر آ گیا ہے۔ قمر گیاوی نے ان کا ایک شعر اس طرح لکھا ہے:

کانٹے لگا کے رکھے ہیں تو نے جو باغباں   گلزار کی گلوں سے ہے رونق کہ خار سے

''حسن وعشق'' مارچ ۱۹۲۴ء میں ذیل کی غزل شائع ہوئی تھی، جو راقم کی نظر سے گزری:

کریں گے حشر میں کیا لے کے باغ خلد ہم واعظ　　ہوا کب راس آئی حضرتِ آدم کو جنت کی
قلق حد سے سوا ان کو ہوا ہے میرے مرنے کا　　وہ گھر اپنے سدھارے ہیں اڑا کر خاک تربت کی
سبب یہ ہے جو احقرؔ آنکھیں اپنی بند رہتی ہیں　　نگاہوں میں پھرا کرتی ہے شکل اک خوبصورت کی

تصور ہے یہ کس کی کاکل خمدار کا احقرؔ
نکلتی ہیں جو خم کھا کر تری آہیں قیامت کی

بھر کے مئے دیکھتے ہیں شکل یہ پیمانے میں　　آئینہ مستوں کے ہمراہ ہے میخانے میں
اس کے پیتے ہی نظر آتا ہے جلوہ ان کا　　شرر طور ہے جو موج ہے پیمانے میں (۱)

اسرار الحق شبنم سہسرامی

اسرار الحق نام، شبنمؔ تخلص

مقدمہ ''آتشیں'' میں ان کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں آیا ہے:

''اہل بھبھوا کی خوش قسمتی سے سہسرام کے دوسرے عظیم فنکار جناب اسرار الحق شبنم سہسرامی بغرض ملازمت بھبھوا آئے اور یہیں کے ہو رہے، آپ ایک خوش فکر نغز گو اور باکمال شاعر ہیں۔ آپ کے زیر تربیت سرزمین بھبھوا میں بہت سی شخصیتیں اُبھریں اور اُبھر رہی ہیں...

اتفاق سے استاد بھبھوا جناب شبنم صاحب کے دو شعر میرے ذہن میں محفوظ رہ گئے ہیں، قارئین بھی ان سے لطف اندوز ہوں:

اے دل مضطرب ٹھہر صبر و سکوں سے کام لے
شیوۂ عشق یہ نہیں جس سے انتقام لے
جاتا ہے بزم سے تری اب نہیں آئے گا کبھی
شبنم نامراد کا آخری یہ سلام لے''

اس کتاب سے معلوم ہوا کہ جناب شبنمؔ کو حشرؔ سہسرامی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ نیز

دوسروں کی زبانی معلوم ہوا کہ شبنم بھبھوا میں موٹر کے کنڈکٹر تھے۔ اور چھوٹا شیخ پورہ سہسرام کے رہنے والے ہیں۔ میر یٰسین خاں صاحب مرحوم سے ان کی جہت ہے۔

ادریس خاں ادریسؔ سہسرامی

(۱۹۱۵ء-۱۹۷۰ء)

محمد ادریس خاں نام، ادریس تخلص، باشندہ محلہ شیخ پورہ سہسرام بن اصغر علی خاں۔

ادریس خاں صاحب کے بڑے بھائی سکندر خاں صاحب سکندر اور محمد الیاس حاں صاحب الیاسؔ بھی شاعر تھے۔ چھوٹے بھائی محمد عیسیٰ خاں عیسیؔ کو بھی شعر گوئی کا ذوق تھا۔ ادریس صاحب ۱۹۷۰ء میں حیات تھے۔ عمر تقریباً ۶۵ سال تھی۔ ان چاروں بھائیوں سے بڑے اظہر حسین خاں صاحب تھے، جو میرے محلہ نورن گنج میں رہتے تھے اور صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند تھے۔ سو سال کے قریب عمر پائی تھی۔ مگر آخر وقت تک تندرست تھے۔ سوائے ادریس صاحب کے دیگر بھائیوں کا انتقال تقسیم ہند کے بعد چند سالوں کے درمیان ہوا۔

استاذی محمود الحسن خاں محمودؒ کے ہاں اکثر ان حضرات شعرائے کرام سے ملاقات ہوتی رہتی تھیں، قد و قامت جسیم تھی، ناک کھڑی، صاف رنگ کھلتا چہرہ مگر بلند قد۔ ہاتھ میں پیتل لگی چھڑی رکھتے تھے، محرم کے اکھاڑے کے بہت شوقین تھے۔ اکثر مشاعرے پڑھے۔

نمونۂ کلام

ہم کو غرض نہیں ہے چمن کی بہار سے — الفت فقط ہے دشتِ مدینہ کے خار سے

بادِ صبا ہے تجھ سے یہی آرزو مری — تھوڑی سی خاک لادے ہمیں کوئے یار سے

کیا شان اس کی ہے کہ شہ رگ کے درمیان — بندوں کو اتنا قرب ہے پروردگار سے (۱)

افسوس کہ بعد کا کلام دستیاب نہ ہوسکا۔

الیاس خاں الیاس سہسرامی
(پیدائش تقریباً ۱۳۱۲ھ)

محمد الیاس خاں نام، الیاس تخلص، باشندہ محلہ شیخ پورہ سہسرام بن اصغر علی خاں مرحوم۔

الیاس صاحب اپنے تمام سخن گو بھائیوں میں اخلاقی اوصاف کے اعتبار سے بہتر، متین اور سنجیدہ تھے، کہا جا چکا ہے کہ ان کے اور تین بھائی شاعر تھے، سکندر صاحب مرحوم، عیسیٰ صاحب مرحوم اور محمد ادریس صاحب۔ راقم نے ہر ایک کو دیکھا اور ان کا کلام سنا تھا۔

ناظر علی خاں صاحب مست سہسرامی کی سرکردگی میں ایک مشاعرہ ہوا، جس کی طرح تھی ''عہد پیری میں جوانی کا مزہ یاد نہ کر''۔ اس مشاعرے میں مانوس صاحب نے بھی اپنی غزل پڑھی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ الیاس صاحب مرحوم نے یہ شعر اس مشاعرہ میں پڑھا تھا:

پہلے تو وہ اثرِ آہ کے قائل ہی نہ تھے　　　اب دُہائی پہ دُہائی ہے کہ فریاد نہ کر

سہسرام کے اور دو طرحی مشاعرے میں انھوں نے جو غزلیں پڑھی تھیں ان کے دو اشعار جو مانوس صاحب کو یاد رہے وہ یہ ہیں:

رہ گئی لاش بے کفن برسوں　　　اُن کی اُتری ہوئی قبا کے لیے

جرم کی اپنے مکافات یہی ہے الیاس　　　توبہ کرتے ہوئے اللہ کے گھر جائیں گے

الیاس صاحب اپنے بھائیوں سے اچھا کہتے تھے۔ محمود الحسن صاحب محمود کے والد حسن جان خاں صاحبؒ کے اصلاً شاگرد تھے، ان کی وفات کے بعد دوستانہ طور پر محمود الحسن خاں محمود کو بھی کلام سنا کر فیض پاتے تھے۔

الیاس صاحب جب بزلہ سنجی اور مبالغہ گوئی پر اُتر آتے تھے تو آنکھیں پھاڑ کر اس طرح گفتگو فرماتے تھے کہ آدمی ان کے کلام سے متاثر ہو جائے اور کلام کی صداقت پر غور ہی نہ کر سکے، مگر جب علمی اور متصوفانہ گفتگو کرتے تو بظاہر سنجیدہ ہی نظر آتے!

ان کے دیگر دو اشعار:

رنگ گل ہے چند روز بوئے گل ہے بے ثبات　　　ایسے گلشن سے تو بہتر ہے قفس کا صیاد

رنج وغم کب تک سہوں، الیاسؔ کوئی حد بھی ہو   دل ہے پہلو میں کوئی ٹکڑا نہیں فولاد کا

(تحقیقی مقالہ از ڈاکٹر فصیح الزماں ص ۶۰ بحوالہ ماہنامہ ''جلوۂ یار'' میرٹھ ستمبر اکتوبر ۱۹۲۸ء، ص ۱۹)

تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) سے پہلے حیات سے تھے، بدن میں جھرّی پڑ گئی تھی۔ عمر تقریباً ۸۰ سال۔

ابو مظفر خاں اسیرؔ

منشی ابو مظفر خاں صاحب اسیرؔ سہسرامی سہسرام کے کلاں زمیندار تھے۔ محلّہ عالم گنج کے رہنے والے تھے، اس محلّہ میں ان کا ایک بڑا محل ہنوز موجود ہے، جو نہایت خستہ حالت میں ہے، تاہم ان کے اہل خاندان اس کے بعض حصے کی مرمت کر کے ہنوز اس میں رہتے ہیں۔ اسیر تخلص فرماتے تھے۔

قمرؔ گیاوی مرحوم نے ''گلدستہ نسیم سحر'' گیا ۱۹۰۲ء اور ''پیام یار'' لکھنؤ ۱۹۰۲ء سے اُن کے حسب ذیل اشعار منتخب فرمائے تھے، ملاحظہ ہوں:

کوچۂ عشق میں بھولے سے نہ جائے کوئی   خوبرویوں سے کبھی دل نہ لگائے کوئی

جب شکوۂ بیداد کیا ان سے تو بولے   تم ایسوں پہ ہوتی ہے عنایت کی نظر بھی

مظفر خاں اور نہال خاں دو بھائی تھے، مظفر خاں اسیر بڑے تھے اور نہال خاں ان سے چھوٹے تھے، زمیندار تھے، آخر میں معیشت تباہ ہو گئی تھی، دونوں بھائی قد آور، دیدہ زیب خوش لباس تھے، راقم حاذقؔ ضیائی نے انھیں لڑکپن میں دیکھا تھا، تقسیم ہند سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔

امیر عالم اخگر سہسرامی

(۱۸۹۰ء-۱۹۲۹ء)

سید شاہ امیر عالم نام، اخگر تخلص، بن قاضی شاہ فتح عالم، جھتی۔ متوطن محلّہ اڈا (چمر تکیہ) سہسرام۔ اخگر صاحب مرحوم حضرت حاجی سید شاہ عبدالرزاق صاحب المعروف راجہ میاںؒ (خلیفہ خانقاہ شاہ بوڑھن دیوانؒ) کے نواسے تھے۔ اصلاحِ سخن عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنوی سے لیتے تھے۔

اخگر صاحب کے بھتیجے (ڈاکٹر) سید معین عالم تمنّا سہسرامی کا ایک مضمون بسلسلۂ تعارف اخگر سرپنچ لکھنؤ ۱۶؍جنوری ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا، نیز ہماری زبان علی گڑھ میں بھی انھیں کے قلم سے ان کا تعارف شائع ہو چکا ہے۔

مؤلف ''مسلم شعرائے بہار'' نے اُن کا طویل تعارف مع کلام شائع کیا ہے۔

اخگر مرحوم کا سال پیدائش ۱۸۹۰ء، سال وفات ۱۹۲۹ء ہے۔

حکیم اکبر حسین سہسرامی

حکیم اکبر حسین (ابن حکیم سید جمال الدین) محلّہ شاہ جمعہ سہسرام کے رہنے والے تھے، یہ محلّہ حضرت سید محی الدین جیلانی عرف بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اولاد پر مشتمل ہے۔ حضرت شاہ جمعہؒ اُن کی اولاد سے تھے۔

حکیم اکبر حسین مرحوم اسی محلّہ کے باشندہ تھے اور اپنے زمانہ کے مشہور طبیب اور وکیل تھے۔ تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں ۱۹۲۰ء میں انتقال کیا۔

جناب سید مظاہر امام صاحب سہسرامی سے راقم کی ملاقات ڈالٹین گنج میں ۲۹؍اگست ۱۹۹۹ء اُن کے گھر پر ہوئی۔ موصوف کی عمر تقریباً ۸۵ سال ہے۔ اور سہسرام سے ڈالٹین گنج منتقل ہو

کرمحلہ کنڈ میں اپنا مکان بنا کر بس گئے ہیں۔ یہ حکیم اکبر حسین سہسرامی کی اولاد میں ہیں، اور سید رفیق جماعت حکیم سید محمد علی حبیب صاحب سہسرامی (شاگرد رشید حکیم عبدالکریم سہسرامی عرف حکیم ...... مرحوم ان دنوں سہد یو کھاپ گیا میں ایک درس گاہ میں مدرس ہیں اور وہاں مقبول امام مسجد ہیں، یہ سید مظاہر امام صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔

حکیم اکبر حسین کے تین لڑکے تھے، فضل حسین، فضل کریم، تبارک حسین۔

فضل حسین کے لڑکے تفضل حسین سہسرام کے مشہور مختار تھے، تقریباً ساٹھ سال عمر پائی۔ وفات (۱۹۹۰ء) میں ہوئی۔

فضل کریم صاحب کی پہلی بیوی سے عبدالعلیم، اظہر حسین بی بی فاطمہ (زوجہ محمد ایوب مرحوم)۔

دوسری بیوی سے مظہر صادق، مظہر امام، جلال الدین، اختر کریم، فضل احمد، محمد علی حسیب، اصیفہ خاتون۔ دوسری بیوی کا نام قادرہ خاتون بنت عمید علی تھا۔ تیسری بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

عمید علی موضع دیورا کے رہنے والے ڈالٹین گنج میں ٹریننگ ٹیچر تھے، انھیں کے ہمراہ مظاہر امام صاحب ڈالٹین گنج گئے اور بس گئے۔ مگر انھوں نے اپنی لڑکی رفعت حسین کی شادی حکیم عبدالکریم صاحب (جن کا لڑکا تھا) کے نواسے خورشید سے اپریل ۱۹۹۰ء میں کردی۔ اور دوسرے لڑکے اصغر امام کی شادی اکرام صاحب کی بہن پروین سے کردی۔

فضل کریم صاحب کی ایک بہن تھیں جو شاہ امجد صاحب سے منسوب تھیں اور شاہ امجد حسین کے بھائی ولی احمد صاحب ڈاکخانہ سہسرام میں ڈالک پیون تھے۔ خوش جمال وخوش اخلاق ......، پوسٹ ماسٹر بھی ان کی قدر کرتا تھا۔ راقم سے بھی اچھا تعلق تھا۔ ایک بار میرے ہاں چاندی کے روپئے کی تھیلی بھول سے چھوڑی پھر لے گئے۔ ۱۹۴۵ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا بھی ڈاکخانہ سہسرام میں ملازم ہوا۔

مولانا محمد ابوالحسن صاحب خوشدلؔ سہسرامی

(۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء--۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء)

مولانا سید عبدالرؤف صاحب مدظلہ العالی متوطن اورنگ آباد ضلع گیا، جو خوشدلؔ و بیدلؔ صاحب کے شاگرد ہیں، اوران کے حالات زندگی کو سب سے پہلے قلم بند فرمانے والے ہیں، ان کا ذیل کا مضمون ماہنامہ رحمت چترا (ہزاری باغ) شعبان المعظم ۱۳۷۹ھ (فروری ۱۹۶۰ء) سے نقل کیا جارہا ہے:

تعارف

یادگار سلف، معمار خلف مولانا محمد ابوالحسن خوشدلؔ سہسرامی باکمال عالم ادیب اور کہنہ مشق استاد تھے، ذات گرامی قدر علم وادب کی ایک روشن شمع تھی، جس کی ضوفشانی سے ہزاروں علم وادب کے پروانوں نے روشنی حاصل کی۔ وہ شمع ۳۵ء میں ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔

صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا یادگار رونق محفل تھی پروانہ کی خاک

نام ونسب اور ولادت ووطن

موصوف مولانا شیخ نورعلی محدث سہسرامی تلمیذ رشید اور مجاز مرید حضرت استاد المحدثین سید شاہ محمد اسحاق دہلوی قدس سرہٗ، مدرس اول مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے پوتے اور مولوی محمد حسن مدرس اوّل فارسی مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے صاحبزادے تھے، لہٰذا موصوف نسبتاً مشرقاً حنفی ارادتاً نقشبندی، حضرت خواجہ ناصر وزیر دہلوی سے ارادت واجازت حاصل کی تھی، ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء، ۱۱ربیع الثانی روز چہارشنبہ کو سہسرام محلہ شیخ پورہ میں پیدا ہوئے۔

بسم اللہ خوانی اور تحصیل علم

مولانا مرزا محمود بیگ، تلمیذ رشید محدث سہسرامی موصوف سے بسم اللہ پڑھی اور اپنے پدر بزرگوار سے مطلولات فارسی اور مختصر عربی پڑھ کر مولانا شاہ حفیظ الدین مدرس عربی مدرسہ خانقاہ اور مولانا عبدالرحمٰن ناصری گنج مدرس عربی مدرسہ خانقاہ سہسرام سے متوسطات عربی معقولات و

منقولات پڑھ کر درس عالیہ کلکتہ کا پہلا امتحان سینئر سال اول ۱۸۸۴ء میں پاس کیا، بعد امتحان رفقاء درس مولانا محمد عثمان مہاجر مکی سہسرامی اور مولانا اظہر حسین سہسرامی استادزادہ شہر یار دکن حیدر آباد کے ہمراہ جونپور پہنچے، مولانا ہدایت اللہ خاں معقولی جونپوری سے معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں، جونپور سے لکھنؤ پہنچے اور مولانا محمد نعیم فرنگی محلی سے منقولات کی بعض کتابوں کا درس لیا، لکھنؤ سے کانپور ۱۸۸۵ء میں پہنچ کر مولانا احمد حسین کانپوری کے مشہور روزگار حلقۂ درس میں شریک ہوکر مستقل پانچ سال قیام کیا اور علوم وفنون کی تکمیل کی، مزید برآں مثنوی مولانا روم کے ہفت دفتر کا درس لے کر تصوف میں بصیرت حاصل کی، کانپور سے واپسی پر درسِ عالیہ کلکتہ کا فائنل امتحان سینئر سال چہارم کا دیا۔

مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں تقرری

والد بزرگوار مولوی محمد حسن مدرس اوّل فارسی کی وفات کے بعد ۱۸۹۰ء میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں مدرس عربی مقرر ہوگئے، اسی دور میں آپ نے مولانا محمد فاروق چریا کوٹی جو اس وقت مدرسہ خانقاہ کے مدرس اول تھے۔ ادب عربی اور فن ریاضی کی مزید تکمیل کی، مدرسہ خانقاہ کے اساتذہ کرام کی وفات اور علیحدگی کے بعد اول نائب مدرس اوّل اور اس کے بعد مدرس اول کے عہدہ پر فائز ہوئے، ۱۶ سال مدرس عربی اور نائب مدرس اوّل کی حیثیت سے۔

مدرسہ خانقاہ سہسرام کی تعلیمی موت اور علیحدگی

۱۷ سال مدرس اوّل کی حیثیت سے بحسن وخوبی اور نیک نامی کے ساتھ کام کر کے منیجر خانقاہ سے اختلاف رائے کے سبب استعفا دے کر علیحدہ ہوگئے۔

مدرسہ خانقاہ سہسرام سے علیحدہ ہو کر مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ، مدرسہ وحیدیہ آرہ، مدرسہ اسلامیہ شیر گھاٹی میں مختصر قیام کیا، آخر دور میں مدرسہ قادریہ کارا ضلع گیا میں حسب طلب متولی مدرسہ ۱۹۲۱ء میں پہنچے اور صدر مدرس کی حیثیت سے ۱۴ سال قیام کر کے خرابی صحت اور پیرانہ سالی کے باعث مستعفی ہوکر سہسرام پہنچے اور خانہ نشیں ہوگئے۔ تنفس اور سرفہ کہنہ اور پھر استسقا میں کچھ روز مبتلا ہو کر آخر ۱۹۱۳ء میں جمادی الاوّل روز چہار شنبہ کو وقت عصر ۷۵-۷۶ سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ذوق شاعرانہ اور مابہ الامتیاز ذوق

شہر کی فضا باکمال ادیبوں کی صحبت نے شعر و سخن کا مذاق پیدا کر دیا تھا۔ ابتداً بیدلؔ اور کچھ مدت کے بعد خوشدلؔ تخلص کرتے تھے۔ ابتدا میں کسی سے اصلاح لی اس کی خبر نہیں مگر کانپور سے واپسی پر اور علامہ چریاکوٹی سے استفادہ کے بعد مشورہ سخن آپ سے ہی کیا کرتے تھے۔ قیام کانپور کے زمانہ میں مطبع نظامی کے مالک کی فرمائش پر مطبع کی مطبوعات کے لیے قطعات تاریخی کہا کرتے تھے اور گاہے گاہے احباب کی فرمائش پر اخبار الانوار کانپور اور الپنچ پٹنہ میں بغرض اشاعت کلام بھیج دیا کرتے تھے، علامہ فاروق چریاکوٹی کی صحبت میں بادۂ ذوق دوآتشہ ہو کر شائقین اور عام احباب مجلس کو لطف اندوز کرنے لگی تھی، اصناف سخن میں غزل بہت کم قصیدہ و مثنوی و قطعات تاریخی وغیر تاریخی بکثرت کہا کرتے تھے۔ بست سالہ آخر حیات عربی و فارسی کے قطعات تاریخی ہی پر بسر ہوئی۔ شاعری میں مابہ الامتیاز فن تاریخ گوئی تھا، ادنیٰ فکر میں لاجواب قطعات موزوں کر لیا کرتے تھے، فن عروض میں تو وہ بصیرت و مہارت تھی کہ شعرا آپ کی مجلس میں کلام سنانے اور پڑھنے سے گریز کرتے تھے، کیوں کہ فروگذاشت پر آپ انھیں فوراً تنبیہ کر دیا کرتے تھے''۔

مولانا سید شاہ احمد حسین سمروی سہسرامی

مولانا ابو محمد مصلح صاحب سہسرامیؒ نے ''تذکرہ مشاہیر شعرائے سہسرام'' میں سب سے پہلے ۱۷ صفر ۱۳۴۴ھ (مطابق ۱۹۲۶ء) میں آپ کے حالاتِ زندگی پر قلم اٹھایا، اور ان کے کلام کا نمونہ درج کیا۔ حالات زندگی کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> ''احمد --- حضرت مولانا شاہ احمد حسین صاحب ساکن موضع سمری من مضافات سہسرام۔ آپ عربی اور فارسی کے ایک زبردست عالم ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے محرر اور مقرر بھی تھے، ذہین و طباع، حاضر دماغی غضب کی تھی۔ آپ کے دیکھنے والے اور جاننے والے کہتے ہیں کہ اس پایہ کا عالم سہسرام میں آپ کے بعد پھر کوئی نہیں ہوا، خود گھر کے خوشحال تھے اور ساری زندگی فارغ

البالی میں گزاری۔ آپ کی تالیف وتصنیف سے عربی، فارسی، اردو میں متعدد رسالے اور کتابیں ہیں، جن میں ایک یا دو مطبوع باقی سب نامطبوع ہیں، شاعری میں بھی دخل تھا، کبھی کبھی ہر سہ زبان میں طبع آزمائی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا سن ولادت ۱۲۵۴ھ اور تاریخ انتقال ۶ رصفر ۱۳۰۳ھ ہے، مزار حضرت شاہ کبیر الدین درویش کی درگاہ میں حق میں ہے، جس پر یہ تاریخ کندہ ہے۔ ع

رفت...... عالم سوئے دار البقا"

کلام اردو و فارسی دونوں میں ملتا ہے۔ "تذکرۂ مسلم شعرائے بہار" سے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔ راقم کو شاہ قیام الدین بن سید شاہ احسن الدین احسن سمروی سہسرامی سے ۱۱؍۷؍۱۹۷۸ء کو پٹنہ میں ملا تو ان سے شاہ احمد حسین صاحب احمد کے یہ اشعار دستیاب ہوئے۔

عشق کو میں نے چھپایا تو بہت اے مہ لقا — پر نہیں معلوم چرچا جابجا کیوں کر ہوا
آج ظالم رحم سے بولا ہے بعد از ظلم وقہر — ہوں تعجب میں اسے خوفِ خدا کیوں کر ہوا
دیکھ سنگیں ہاتھ اس کا احمد از عجب — غنچۂ خورشید پر رنگِ حنا کیوں کر ہوا
صرف احمد ہی نہیں دیوانہ اس کے عشق میں — ہو رہے بیہوش ہیں سب جن وانساں آجکل

احمد بتو زیبندہ بود دعوئے عشقش — کز بعد فنا از تو بقا رنگ بر آورد

بی شتابیم بصحرائے گنہ خاکِ بسر — طبیعت آشفتہ و دل سرد و پریشاں خاطر

التجا پیش تو داریم بہر شام و سحر — چشم رحمت بکشا سوئے من اندازِ نظر

احمد حسین احمد

مشاہیر شعرائے سہسرام" کے مؤلف لکھتے ہیں:

"مولوی احمد حسین ابن حافظ عنایت حسین صاحب مرحوم ۱۸۸۳ء میں ولادت اور ۱۹۱۰ء میں ۲۷ برس کی عمر پا کر وفات پائی۔ مرحوم مدرسہ عالیہ کلکتہ

کی شاخ مدرسہ خانقاہ سہسرام سینئر سال سال پنجم تھے۔ انتقال مرض کہنہ میں ہوا۔
کس محلہ کے باشندہ تھے علم نہ ہوسکا۔

نمونۂ کلام

یہ کس نے دستِ حنائی سے اپنے وار کیا — بہا کے خون مرا مقتل کو لالہ زار کیا
خدا نے خط نہیں بخشا ہے روئے خوباں کو — متاعِ حسن کو ہے داخلِ حصار کیا
نگاہ لطف سے دیکھا جو تیری رحمت نے — مرے گناہوں نے طاعت کو شرمسار کیا
نہ حشر تک مجھے حاصل ہوئی سبکدوشی — قضا نے منتِ قاتل کا زیر بار کیا
قدم سے فرق تک انگشت ہو کے شانہ نے — نہ کچھ شمارِ صنم زلف تابدار کیا
ہمارے نالۂ دل کا اثر نہ ہو نہ سہی — مگر بتاؤ ہمیں کس نے بیقرار کیا
بجھے گی پیاس کسی تشنۂ شہادت کی — سنا ہے تیغ کو قاتل نے آبدار کیا

غمِ فراق نے اُس شعلہ رو کو اے احمد
بسان لالہ مرا سینہ داغدار کیا"۔

احمد علی احمد

مشاہیر شعرائے سہسرام میں مصلح نے لکھا ہے کہ
''احمد علی خاں شاگرد نعیم لکھنوی، اس سے مزید حالات نہیں معلوم ہو سکے، کلام عروج سخن معروف بہ بہار گلشن۔ جلد ا بابت ماہ نومبر ۱۹۰۰ء''۔

نمونۂ کلام

آہ سوزاں کا اگر اونچا دھواں ہو جائے گا — آسماں اک روز زیر آسماں ہو جائے گا
بعد مردن جب سگِ جاناں بھی پوچھے گا نہیں — کوڑیوں کے مول میرا استخواں ہو جائے گا
ٹوٹ کر گر جائے گا باز آ ابھی سے اے فلک — یہ دل مضطر اگر نالہ کناں ہو جائے گا

جب حجابِ نور سے نکلے گا وہ یوسف لقا — فرطِ حیرت سے تماشائی جہاں ہو جائے گا
کس طرح تم سے شکایت اس ستم گر کی کروں — آج ہے نامہرباں کل مہرباں ہو جائے گا
آگ لگ جائے گی اے دل چادرِ افلاک میں — جب برآمد نالۂ آتش فشاں ہو جائے گا
سخت جاں مجھ کو سمجھ کر طنز سے کہتا ہے وہ — قتل گہ میں آج تیرا امتحاں ہو جائے گا

نالۂ دل گر ہمارا رستمی اپنی دکھائے
ایک دم میں طے فلک کا ہفتخواں ہو جائے گا

اضافہ حاذق

منشی احمد علی خاں صاحب احمد سہسرامی کلکتہ میں مقیم تھے اور منشی نور علی صاحب نعیم لکھنوی کے شاگرد تھے، ان کا ایک قطعہ راقم کی نظر سے ''مولود منظر اولیا'' مطبوعہ کلکتہ میں نظر سے گزرا جو نقل کیا جاتا ہے:

کتاب مبارک کی دیکھی جو صورت — ہوئی مجھ کو تاریخ لکھنے کی رغبت
کہا ہاتفِ غیب نے اس طرح — لکھو اس کو احمد چراغِ بصارت

۱۸۹۷ء

سال پیدائش اور وفات کا علم نہیں ہے، صرف اتنا علم ہوا کہ نومبر ۱۹۰۰ء تک ان کا کلام چھپا ہے، کس محلہ کے باشندہ تھے یہ بھی نہیں معلوم۔

امین الدین امینؔ

مصلح صاحب مرحوم ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' صفحہ ۱۷ میں لکھتے ہیں:

''شاہ امین الدین، خلف اکبر سید وزیر علی صاحب مرحوم مغفور نہایت حسین وجمیل اور تعلیم قدیم وجدید کے ماہر تھے، سرزمین سہسرام (میں) سب سے پہلے انگریزی کی طرف مائل ہو کر چھپرہ اسکول سے پاس کرنے والے آپ ہی تھے، اردو فارسی اپنے والد سے پڑھی اور کچھ عربی کی ابتدائی کتابیں مدرسہ خانقاہ

سہسرام میں ختم کیں۔ حدیث شریف کا درس مولانا احمد علی صاحب پیش کار کگڑی چھپرہ سے لیا، مولانا اکرم صاحب آروی امینؔ مرحوم کے ہم سبق تھے، ایف۔اے کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے کہ اپنے والد کی وفات کی خبر سن کر سہسرام چلے آئے اور...... کی ملازمت اختیار کر لی اس کے بعد پیش کار فوجداری ہوئے۔ چند ماہ کے بعد...... علیحدگی اختیار کر کے ہائی انگلش اسکول میں مدرس ہو گئے۔

اس خدمت کو انجام دینے کے بعد ۱۶/ جمادی الاوّل ۱۲۹۶ھ عین حالت نمود ترقی میں رحلت کی۔

بعد تحقیق صرف اتنا پتہ چلا کہ حاجی بشیر الدین سہسرام مرحوم شاہ امین الدین سہسرامی کے لڑکے تھے۔

نمونۂ کلام

نگاہِ ناز سے دل آپ کے بچے کیوں کر ، شکار شیر نیستاں پہ چھوڑ دے کیوں کر
تجلی اس کی تو موقوف طور ہی پہ نہیں نظر نہ ہو تو تجھے وہ دکھائی دے کیوں کر
گئے نہ مجلس رنداں میں تم اگر اے شیخ تو مئے کے چھینٹے یہ دستار پر پڑے کیوں کر
ادا ہے، ناز ہے، شوخی ہے، غمزہ عشوہ ہے ستم کی فوج سے اک دل مرا لڑے کیوں کر
نہ مہر ہے نہ وفا کس بھروسے پر یہ امینؔ
ستم تمھارے سہے یہ جان دے کیوں کر

امام علی اعظمؔ

مصلح صاحب نے ان کا نام امام علی، تخلص اعظم لکھا ہے، اور حالاتِ زندگی اور کلام سے محرومیت کا ذکر کیا ہے۔

ایس محمد جان صاحب شاؔد سہسرامی

(حیات ۱۹۲۰ء)

پوچھنا ہے یہ عبث بسمل کہاں دیکھا کیے
ہاتھ میں قاتل کے تیغ خونچکاں دیکھا کیے
صورت تصویر چپ ہیں منہ سے کچھ کہتے نہیں
بتکدے میں ہم عجب طرز بیاں دیکھا کیے
کیوں نہ ہو مجھ کو مسرت جور پیہم سے ترے
درد کو اکثر انیس بیکساں دیکھا کیے
تیرے کوچے کے تصور میں ستم گر بار بار
روح کو ہم جسم میں نالہ کناں دیکھا کیے
ہو گئی تھی شدت غم سے یہ حالت شام وسحر
میری نبضوں میں اطبا آج جاں دیکھا کیے
ناتوانی سے ہمیں کروٹ بدلنا تھا محال
دشتِ غربت میں نشانِ کارواں دیکھا کیے
شام فرقت دوسرا کب تھا شریک درد شاؔد
چشم تر سے ہاں مگر آنسو رواں دیکھا کیے

دیگر

کسی دن اے فلک میں شادماں ہوتا تو کیا ہوتا
کوئی کافر جو مجھ پر مہرباں ہوتا تو کیا ہوتا
خیال و وہم تھے دل کی تسلی کا سبب لیکن
جو تو چشم تصور سے نہاں ہوتا تو کیا ہوتا
نہیں نے تو ہماری حسرتوں کا خون کر ڈالا
زباں پر آپ کی گر لفظ ہاں ہوتا تو کیا ہوتا
کسی حسرت زدہ کی یاد میں گر ان کی آنکھوں سے
برنگ ابر تر آنسو رواں ہوتا تو کیا ہوتا
گماں عالم الفت کا پیدا ہے خموشی سے
مری تربت پہ کوئی نوحہ خواں ہوتا تو کیا ہوتا
ہوئی نامہربانی وجہ قطع زندگی جس دم
اگر وہ شاؔد تم پر مہرباں ہوتا تو کیا ہوتا

(ماہنامہ منظر لکھنو اگست ۱۹۱۹ء، ص ۲۱)

پیش آئے گا وہی لکھا ہے جو تقدیر کا
حوصلہ دنیا میں ہے غافل عبث تدبیر کا
پھر نہ ہوتی زاہدوں کو آرزوئے حور خلد
دیکھ لیتے وہ اگر نقشہ تری تصویر کا
کر دیا مقتل میں شوقِ قتل نے بیخود انھیں
ہو گیا دشوار ان کو روکنا شمشیر کا

یہ سمجھتے تو نہ کرتے بھول کر کوئی خطا　　آپ دیں گے حکم کیا تقصیر پر تعزیر کا
قطع کر اس کو مگر اس کا رہے تھوڑا خیال　　کٹ نہ جائے ساتھ اس کے سلسلہ زنجیر کا
کہہ رہی ہیں یہ زبانِ حال سے بیتابیاں　　رہ گیا دل میں کوئی پیکاں کسی کے تیر کا
کر دیا ہم کو ہجوم آرزو نے مضطرب
اُن کو شام وصل موقع مل گیا تدبیر کا
(ماہنامہ منظر لکھنؤ، مارچ ۱۹۲۰ء، ص ۱۷)

اہل عالم کی نظر میں مفت یہ بدنام ہے　　دل کا دو باتوں میں لے لینا کسی کا کام ہے
عشق عالم گیر نے ادنیٰ یہ دکھلایا اثر　　کوئی ہے دنیا میں رسوا اور کوئی بدنام ہے
سختیاں سہنا وفا کرنا نہ کرنا ترک ظلم　　یہ ہمارا کام ہے اور وہ تمھارا کام ہے
سر بکف مقتل میں آنا یہ ہمارا ہے شعار　　امتحاں پر امتحاں لینا تمھارا کام ہے
دیکھ لے چل کر گورِ غریباں دیکھ لے
عشق کے آغاز کا اے شاؔد جو انجام ہے
(ماہنامہ منظر لکھنؤ، مئی ۱۹۲۰ء، ص ۱۹)

امین الدین شاکیؔ سہسرامی

(عہد ۱۹۱۶ء)

بحوالہ مسلم شعرائے بہار جلد دوم ص ۲۲۵ نمبر شعرا ۳۴۱ ذیل کی عبارت مع نمونہ ملاحظہ ہو:
مولوی امین الدین احمد (علیگ) شاکیؔ تخلص، قصبہ سہسرام مسکن ہے، ذہین، خوش طبع اور تیز ہیں۔

غم سے دل بیٹھ گیا ہے تو وہ شوخ آتا ہے　　اٹھ بھی اے دردِ جگر خاطر مہماں ہو جائے
کچھ تو ہوائے دلِ وحشی مرے بہلانے کو　　سیر گلشن نہ سہی سیر بیاباں ہو جائے

موت کی تم کو تمنا تو ہے شاکی لیکن
کہیں وہ بھی نہ بلائے شب ہجراں ہو جائے

شاکی صاحب کی ذیل کی غزل ماہنامہ ''بزم سخن'' ستمبر ۱۹۱۶ء، ص ۲۰ میں راقم (حاذق) کی نظر سے گزری، ''بزم سخن'' خان بہادر شمس العلماء حضرت رنجور عظیم آبادی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔

رحم کر کچھ میکشوں پر ساقیا برسات میں ایک چلو ہی پلا بہر خدا برسات میں
رحمت باری کا تو بھی مستحق ہو جائے گا لے لے ساقی بادہ نوشوں کی دعا برسات میں
لطف مے نوشی ہے جب سامان سارے ہوں بہم یار، ساقی، بادہ، پیمانہ، گھٹا برسات میں
کھول کر زلفیں برس پڑتے ہیں وہ عشاق پر
یہ سماں ہم نے تو کم دیکھا سنا برسات میں

مولانا احمد اللہ ندوی (مؤلف مسلم شعرائے بہار کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاکی صاحب سے ان کی ملاقات تھی۔ بہر حال ۱۹۱۶ء میں چھپتے تھے۔ ممکن ہے تقسیم ہند کے بعد تک حیات سے ہوں۔

منشی محمد اسحاق صاحب آزاد سہسرامی

(۱۸۹۴ء-۱۹۵۴ء)

محمد اسحاق صاحب آزاد بن شہادت خاں محلہ چوکھنڈی سہسرام میں رہتے تھے۔ اصل باشندہ کیتھی موضع کے تھے مگر زندگی کا زیادہ حصہ سہسرام میں گزرا، راقم نے ان کو ایک بار سنا تھا۔ کہنہ مشق شاعر اور بڑے ہی باغ و بہار آدمی تھے۔ چھریرا بدن گندمی رنگ، ناک لمبی، قد لمبا، مشرقی وضع، داڑھی ہلکی، چست پائجامہ اور سادہ کرتا استعمال کرتے تھے۔ حکیم مسیح الزماں صاحب کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنا دو دیوان اپنے استاد نوح ناروی کے پاس نظر ثانی کے لیے بھیجا تھا، وہیں رہ گیا۔

حکیم صاحب نے ان کا ذیل کا قطعہ سنایا جو انھوں نے پٹنہ کے کسی مشاعرہ میں پڑھا تھا۔قطعہ

سنتے ہیں کہ سامان ہیں سر کٹنے کے — ہو یہ موقع بھی تو ہرگز نہیں ہم ہٹنے کے
اپنے سے بڑھ کے جو ہو اس سے تقابل آزاد — ایسے نادان ہیں کب اہلِ سخن پٹنے کے

آزاد کی طبیعت میں طنز گوئی بھی تھی، ذیل کے قطعہ میں انھوں نے نوح اور ان کے حریفوں پر ایک طنز کیا ہے:

سنتے ہیں حریفوں کو دبانے کے لیے — نارے سے وہ تیار ہیں آنے کے لیے
آزاد یہ استاد کو لکھ دیجیے خط — کافی ہیں ہمیں داغ لگانے کے لیے

لگے ہاتھوں جدا ہی سر کو کر دے تن سے اے قاتل — اگر جاں رہ گئی باقی تو پھر مشکل سے نکلے گی
کسی نے ہاتھ میں مہندی لگا کر تیغ کھینچی ہے — ہماری آرزو اب خون ہو کر دل سے نکلے گی
ہوئے ہم راہیٔ ملک عدم اس بت کے کوچے سے — خبر کیا تھی کہ منزل اور اک منزل سے نکلے گی

(ایضاً، فروری ۱۹۱۹ء، ص۳)

مٹ کے رہنے دے درِ یار پہ اے بادِ صبا — تو خدا کے لیے مٹی مری برباد نہ کر
ہچکیاں نزع میں تو باعث تکلیف ہیں اور — اب خدا کے لیے ظالم تو مجھے یاد نہ کر
تو غم ہجر میں گھل گھل کے نہ ہو خوں اے دل — یوں نہ کہہ آپ کو یوں آپ کو برباد نہ کر

(ایضاً، مارچ ۱۹۱۹ء، ص۲)

آکر اِدھر ملا کبھی جا کر اُدھر ملا — دل بھی مجھے ملا تو بڑا فتنہ گر ملا
پھر جائے گا رقیب کے گھر یہ بتا مجھے — اوپر اُٹھا نگاہ ستمگر نظر ملا
دم بھی تو دل میں چاہیے اس کام کے لیے — نالے میں آہ میں تو بہت کچھ اثر ملا
اے تیر ناز کون سی دل میں کبھی رہی — تو کیوں جگر کے سمت گیا کیا اُدھر ملا
یہ کیوں خوشی کی بات نہیں میرے واسطے — دل ایک ہے تو کیا مجھے غم کس قدر ملا

اُس فتنہ گر کی چال سے واقف ہوں خوب میں　　بیشک رقیب سے وہ مجھے دیکھ کر ملا
کچھ داغ دل ہی پر نہیں یہ بات منحصر　　جو عشق میں ملا وہ مجھے بیشتر ملا
پہلو میں دل جو آگیا تو کیا بتاؤں میں　　وہ پوچھتے ہیں تجھ سے کہاں تھا کدھر ملا
کیا تھا مرا مکاں ہی بجلی کے واسطے　　کمبخت کو کہیں بھی نہ دشمن کا گھر ملا
آتا قرار کیوں کر ازل میں یہ دیکھ کر　　مجھ کو جگر کے ساتھ ہی دردِ جگر ملا

آزاد قصۂ دل گم گشتہ کیا کہیں
امید تو نہ تھی کہ ملے گا مگر ملا

(ماہنامہ دلآویز، جونپور، جنوری ۱۹۲۴ء، ص ۳۸)

آزاد صاحب کیتھی کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام شہادت علی خاں تھا، شہادت علی کے لڑکے محمد اسحٰق خاں آزاد اور لڑکی عصمت خانم تھیں۔ آزاد صاحب کا انتقال ۱۹۵۴ء میں بعمر ساٹھ سال ہوا (تقریباً) نیز یہ معلوم ہوا کہ ان کے بھائی حضرت سبحان احمد علیہ الرحمۃ تھے جن کا مزار محلہ چوکھنڈی کے احاطے میں ہے اور جن کے حالات زندگی تاریخ سہسرام میں درج ہیں۔

منشی محمد اسحاق مسیح سہسرامی

(عہد: ۱۳۱۵ھ)

تخلص مسیح، نام منشی محمد اسحاق، متوطن سہسرام۔

منشی محمد اسحاق صاحب قسیم سہسرامی کے مرید تھے۔ حالات زندگی کا علم نہ ہو سکا۔ مطبع مصطفائی کلکتہ سے شیخ نور محمد صاحب ندیم کی ایک تالیف بنام ''مولود منظر اولیا'' ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی تھی جو راقم کی نظر سے گزری، جس میں مسیح سہسرامی کو نعت گو اور تلمیذ نعیم لکھنوی لکھا گیا ہے۔ اس کتاب سے ان کا ذیل کا قطعہ ملاحظہ کیجئے:

ندیم آپ کی ہو کیوں نہ لاجواب کتاب　　جمع ہیں مستند اس میں روایتیں کیا کیا

مسیح لکھئے سر آفریں سے سن اس کا　　　کہ ایک جا ہیں بکوشش حکایتیں کیا کیا

۱　　　　　　　　　　۱۳۱۵ھ

قطعۂ مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صاحب سن مذکور میں حیات سے تھے۔

احمد حسین احمدؔ

(عہد: ۱۹۷۵ء)

تخلص احمدؔ، نام احمد حسین ولد شیخ فتح محمد، ساکن محلہ تکیہ شاہ جلال سہسرام۔

احمد حسین صاحب احمدؔ مولانا محمد صدیق (مہتمم مدرسہ خیریہ نظامیہ) سہسرام کے چھوٹے بھائی تھے۔ طب کی تعلیم الٰہ آباد میں حاصل کی تھی۔

احمد صاحب کی جملہ تعلیم مدرسہ خیریہ سہسرام میں ہوئی۔ رونکٹا ہائی اسکول سہسرام میں ہیڈ مولوی رہے۔ شاگرد حضرت فرحتؔ سہسرامی۔ ساٹھ سال کی عمر میں ۱۹۷۵ء کے بعد انتقال ہوا۔

مدرسہ خیریہ کے ''گلدستۂ سخن'' سے ذیل کے دو اشعار لیے گئے:

ہر اک نبی نے نبوت کا اپنی کام کیا　　　مگر حضورؐ نے اس کام کو تمام کیا

غضب ہے وصل کی شب میں کسی کا یہ کہنا　　　تمھاری خیر نہیں پھر اگر کلام کیا

یہ اشعار ان کے عہد طالب علمی کے ہیں۔

کئی سال پہلے دونوں بھائی انتقال کر چکے۔

احمد صاحب کا سال فراغت ۹ر جمادی الاوّل ۱۳۴۸ھ تھا۔

اکرام احمد رحمتؔ تیلوتھوی سہسرامی

(باحیات: ۱۹۲۴ء)

سید اکرام احمد رضوی رحمتؔ تیلوتھوی

(۱) حلیمہ خاتون
ٹیچر، ٹریننگ اسکول سہسرام

(۲) انعام احمد
کوآپریٹو بنگ (شیر گنج)

راقم حلیمہ خاتون اور انعام احمد سے واقف نہیں۔ عزیزی حسین الحق سہسرامی نے ان کا شجرہ اس صفحہ پر لکھ دیا ہے۔

نمونۂ کلام

دریا امنڈ پڑا ہے مری چشم زار سے — کیا پوچھتے ہو حال دل بیقرار سے
رکھ لیجو لاج رحمتِ بیکس کی حشر میں — ہے رات دن دعا یہی پروردگار سے

(حسن و عشق، فروری ۱۹۲۴ء)

مولوی محمد ابراہیم خاں صاحب احمرؔ

(۱۹۴۸ء-۱۸۸۶ء)

مولوی محمد ابراہیم خاں صاحب احمرؔ بن مولوی عبدالشکور صاحب انصاری متوطن محلہ شاہ جلال سہسرام۔ سکونت کرن سرائے سہسرام۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب احمرؔ کو راقم نے دیکھا تھا۔ بڑے ہی دلچسپ پُر مذاق آدمی تھے۔ ان کے والد نے مولوی عبدالوحید خاں صاحب کرن سرائے کی پھوپھو سے شادی کرلی تھی۔ اس لیے

مولوی صاحب مرحوم اپنی نانیہال کے محلہ میں آبسے تھے۔

احمر صاحب کی تعلیم عالیہ کورس کے مطابق مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ہوئی۔ بعد فراغت تعلیم تقریباً ۱۹۲۱ء تک ٹریننگ اسکول (تالاب شیر شاہ) میں مدرس رہے۔ اس کے بعد ہائی اسکول سہسرام میں ہیڈ مولوی کے عہدے پر فائز تھے۔

سن پیدائش ۳۰/اکتوبر ۱۸۸۶ء ہے۔ تقسیم ہند ۱۹۴۸ء تک بالیقین حیات تھے۔ (۱۴/اگست ۱۹۴۷ء بخوشی آزادی ہند بہ اوجھالا سہسرام)۔ ان کی نظم ان کی بیاض میں درج ہے جو غالباً ان کی زندگی کا آخری کلام ہے۔

احمر صاحب راقم کے عہد طالب علمی میں اکثر مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں تشریف لاتے تھے۔ مولانا نجم الدین صاحب مدرسہ اوّل سے انھیں بہت محبت تھی۔

غزل

(۱۹۳۸ء)

کیا بتائیں کہ غم و رنج و الم کیا کیا ہے — ایک دل اتنا سا اور اس پہ ستم کیا کیا ہے
کیا ہے سر پیشانی رقم کیا کیا ہے — کس کو معلوم یہ ہے زیر قدم کیا کیا ہے
ٹیس سینے میں ٹپک دل میں تڑپ پہلو میں — مہرباں آپ کا ہم پہ نہ کرم کیا کیا ہے
دین و ایماں و دل و جان و جگر حاضر ہے — کچھ نہ پوچھو پئے دیدارِ صنم کیا کیا ہے
محو نظارۂ جانانہ بھلا کیا جانے — جانبِ دیر ہے کیا سوئے حرم کیا کیا ہے
تم کو چاہوں کہ خدا کو کہو کس کو چاہوں — اے بتو تم نے کیا ناک میں دم کیا کیا ہے

عشق کا راز سر بزم ہے ممنوع احمر
تخلیہ ہو تو بتائیں تمھیں ہم کیا کیا ہے

احمر صاحب ایک مدرس تھے، ان کی نظمیں بھی مدرسانہ ہوتی تھیں، طبیعت میں غیر معمولی ظرافت تھی اور بے باکی تھی، برملا جس کے منہ پہ جو کچھ چاہتے تھے کہہ دیتے تھے۔ سیر و شکار کے بڑے شائق تھے۔ سہسرام کے علاوہ ہزاری باغ وغیرہ جنگلوں کی بھی بغرض شکار خوب سیر کر چکے تھے مگر سہسرام کے پہاڑ پر عشق و محبت کی ایک ایسی داستان دیکھی جس سے طبیعت کھٹی ہوگئی، سیر و شکار سے توبہ کی اور طویل نظم داستان حسن و عشق جو پہاڑ پر دیکھی تھی منظوم کر گئے۔

آم، املی، پٹھے پر بھی ان کی نظمیں ہیں، ایک نظم ہے بعنوان ''مکالمہ متعلق پردہ عدم پردہ'' (۱۹۳۷ء)، جس میں انھوں نے منظر کشی مقامی مناظر کی ہے۔ اور زبان مقامی و بہاری استعمال کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی نظموں میں ان کی غزلوں سے زیادہ دل آویزی پائی جاتی ہے۔

مولوی مصنف امیر علی خاں صاحب مرحوم محلّہ شیخ پورہ کے مکان پر ۲۴ رجنوری ۱۹۲۶ء کو ایک مشاعرہ ہوا۔ جس میں بدر آروی فاور سریر کابری بھی شریک تھے۔ طرح تھی: دل میں ان کے بھی اگر میری محبت ہوئی۔

احمر صاحب نے اس طرح میں مخمس لکھی جو مشاعرہ میں پڑھی۔ اسی طرح ان کی مسدس مدرسہ خیریہ پر بھی ہے، اس کے علاوہ بھی اور دلچسپ نظمیں، قصیدے ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا گیا۔ ان کی بیاض سے سہسرام کے مشاعرے اور دوسرے علمی و ادبی اور سماجی خدمات کا علم ہو سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ ایک تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔

اختر عالم اختر سہسرامی

(۱۹۱۵ء تا حیات ۱۹۶۹ء)

مسلم شعرائے بہار جلد ششم، ص ۲۲ سے ان کے حالات مع نمونۂ کلام درج کیے گئے۔ مؤلف کتاب لکھتے ہیں:

قاضی سید شاہ اختر عالم نام، اختر تخلص خلف اکبر الحاج قاضی سید شاہ منظور عالم فردوسی وغیرہ قاضی سید فتح عالم (مرحوم، یکم جنوری ۱۹۱۵ء) میں بمقام محلّہ کرن سرائے قصبہ سہسرام ضلع شاہ آباد پیدا ہوئے، فردوسی نسبت نسبی اور نظامی نسبت طریقت ہے۔ سہسرام ہائی انگلش اسکول اور پٹنہ کالج میں تعلیم حاصل کی، مذہبی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں درجہ فوقانیہ تک پائی، سہسرام ہائی اسکول سہسرام میں پانچ سال تک انگریزی کا درس دیا، اس کے بعد مشرقی ہند ریلوے میں بحیثیت گارڈ ملازم ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں ترک وطن کر کے مع اہل و عیال مشرقی پاکستان پاربتی پور ضلع دیناج پور بسلسلہ تبادلہ ملازمت آ گئے، اور اب تک (۱۹۶۹ء) وہیں مقیم ہیں، آپ کو حضرت خواجہ حسن

نظامی دہلوی سے بیعت ہے۔ بچپن سے شعروسخن سے دلچسپی ہے۔ مولوی محمود الحسن خاں صاحب محمودؔ سہسرامی مرحوم سے وقتاً فوقتاً کلام پر اصلاح لیتے رہے۔ پاربتی پور میں مولانا نعمت امام صاحب نعمتؔ پھلواروی مقیم پاربتی پور سے بھی اصلاح لینے کا موقع ملا۔ مشاعروں میں اکثر و بیشتر شریک ہوتے رہے ہیں۔ مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ اب آپ کے کلام میں تصوف اور مذہب کا رنگ غالب رہتا ہے۔ آپ کا کلام اکثر مشرقی اور مغربی پاکستان کے ماہناموں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ موصوف کی شادی راقم کے بڑے سالے الحاج سید فضل الرحمٰن صاحب مقیم نوادہ ضلع گیا کی بڑی صاحبزادی طاہرہ خاتون سلمہا سے ہوئی ہے''۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

حمد

تصورِ رخِ زیبا سے دل بہل نہ سکا ۔ شبِ فراق میں کوئی چراغ جل نہ سکا

مجالِ شکوہ کجا بارگاہِ جاناں میں ۔ دبی زباں سے اک لفظ بھی نکل نہ سکا

کچھ ایسی صوتِ حق کانوں میں ہے نوائے گرم ۔ کہ شور آتشِ دوزخ سے دل دہل نہ سکا

بقدرِ شوق ہوں محوِ نیاز سجدے میں
پتہ قریب سے اتنا بھی تیرا چل نہ سکا

مسلم شعرائے بہار میں مذکورہ غزل کے علاوہ اور بھی اشعار بطور نمونۂ کلام درج ہیں۔ البتہ راقم حاذقؔ کی نظر سے ان کی ایک غزل ماہنامہ المجیب پھلواری شریف (شعبان ۱۳۸۷ھ) میں گزری، جس پر شاعر کا نام سید اختر عالم نظامی سہسرامی (پاربتی پور) مرقوم تھا۔ امید کہ وہ یہی اخترؔ ہوں گے۔

جو ہوا ترا اشارہ تو گزر گئے عدم سے ۔ ہاں بندگی میں آگے کوئی چل سکا نہ ہم سے

نہ فریب رنگ و بو سے نہ طلسم کیف و کم سے ۔ مری روح جاگ اٹھی ترے فیض دم بدم سے

نہ مآل پر نظر کی نہ وقارِ دل کی پروا ۔ وہ جہاں قریب آئے میں لپٹ گیا قدم سے

نہ رہیں گے ہم تو سوچو کہ یہ غمزے کس پہ ہوں گے ۔ یہ تمام لن ترانی ہے بس ایک میرے دم سے

کبھی ناخن خرد سے نہ سلجھ سکی یہ گتھی ۔ کہ عیاں بہار ہستی ہوئی کس طرح عدم سے

مری آہِ نیم شب نے تیرا رنگ رُخ اڑایا ۔ یہ وہ کام تھا جو ہوتا نہ نسیم صبح دم سے

کوئی پوچھے ان بتوں سے کہ یہ خود کہاں رہیں گے ۔ کہیں اٹھ گیا جو پردہ رُخِ شاہد قدم سے

میں نظر سے عرض حسرت تو کروں مگر یہ ڈر ہے　　کہیں راز کھل نہ جائے سر بزم چشم نم سے
مجھے زندگی ملے گی، تو حجاز میں ملے گی
مری لو لگی ہے اخترؔ اسی مظہر اتم سے

حکیم افضل حسین سہسرامی

حکیم افضل حسین محلہ ذکی شہید سہسرام کے رہنے والے اور حکیم محمد یسین صاحب سہسرامی کے صاحبزادے تھے۔ آپ پانچ بھائی تھے۔ جن میں محمد اسحاق صاحب کا جوانی میں انتقال ہوا۔ بقیہ چار بھائی حکیم مولوی محمود، حکیم مولانا مسعود عالم، محمد طٰہٰ زندہ تھے۔

حکیم افضل حسین صاحب ایک ہمت ور اور جواں دل اور مومنانہ اطوار کے آدمی تھے۔ سادہ زندگی بسر کرنا اور اکل حلال کے لیے پوری مساعی کرنا آپ کا سب سے بڑا وصف تھا۔ آپ کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار سورج پورہ میں فرقہ وارانہ فساد کی شورش ہوئی، غیر مسلموں کی بڑی تعداد نے آپ کے مطب کو گھیر لیا مگر آپ نے غیر معمولی جرأت سے ان کا مقابلہ کیا اور آخر کار مجمع کا رُخ پھیر دیا۔

آپ نے خاندانی اور موروثی طور پر فن طب کی تعلیم حاصل کی اور زیادہ دنوں تک ریاست سورج پورہ ضلع آرہ میں طبابت کرتے رہے، ریاست کے اطراف و جوانب میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ ایسے مریض بھی آپ کے ہاتھوں شفایاب ہوئے جنھیں جنرل ہاسپٹل پٹنہ سے جواب مل گیا تھا۔ آنکھوں کے علاج میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور اس میں بڑا کمال پیدا کیا تھا، شرطیہ علاج کرتے تھے۔

آپ کی شادی ضیاء النساء بنت مولوی محمد ضیاء الدین (نورن گنج) کی صاحبزادی یعنی راقم الحروف کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ آپ کی تمام اولادیں خدا کو پیاری ہوگئیں۔ صرف بڑے صاحبزادے اطہر حسین سلمہ زندہ ہیں (خدا سلامت رکھے)۔

آخر عمر میں حکیم صاحب موصوف سورج پورہ سے آرہ منتقل ہو گئے تھے اور وہاں طبابت

کرتے تھے۔ مرض دق میں مبتلا ہو کر اپنی اہلیہ (متوفی ۲۳ شعبان ۱۳۶۶ھ) سے ٹھیک ایک سال بعد مورخہ ۲۱ رشعبان المعظم ۱۳۶۷ھ (مطابق ۲۹ رجون ۱۹۴۸ء) کو انتقال فرما گئے، اور شہر آرہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آپ نے تقریباً ۴۰ سال کی عمر پائی۔

وکیل احسن التوحید

وکیل احسن التوحید صاحب محلّہ کرن سرائے سہسرام کے باشندہ تھے۔

شجرۂ نسب

وکیل احسن التوحید ابن مولوی کریم بخش بن واحد علی بن میاں صاحب احمد

خاندانی حالات

آپ کے والد مولوی کریم بخش صاحب نے مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام سے عالیہ کورس کے مطابق تعلیم پائی۔ ان کے زیادہ اوقات تعلیم وتعلم میں صرف ہوئے۔ محلّہ شیخ پورہ سہسرام میں ان کا مکتب تھا۔ اپنے وقت کے استاد شہر تھے۔ تقریباً ساٹھ سال کی عمر پائی، ۱۹۱۴ء میں وصال ہوا۔

مولوی کریم بخش صاحب کی چار بہنیں تھیں، سب سے بڑی بہن کا نکاح حکیم شاہ رمضان علی صاحب نورن گنج سہسرام سے ہوا تھا۔ (راقم الحروف کے دادا ان ہی کے بطن سے تھے۔ دیکھئے حالات حکیم صاحب موصوف کے) شاہ صاحب مرحوم اپنی اہلیہ کے انتقال کرنے کے بعد سیونہ حیدرآباد (دکن) چلے گئے۔ خدا نے دوسری بیوی سے بھی ان کو اولادیں عطا کیں، اور وہ سب کی سب حیدرآباد ہی میں رہ گئیں۔ شاہ صاحب مرحوم ۱۹۱۴ء سے پہلے سہسرام آئے تھے۔ وکیل صاحب نے ان کو دیکھا تھا۔

تعلیم

وکیل احسن التوحید صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم کے مکتب میں ہوئی۔ اس کے

بعد ہائی اسکول سہسرام میں داخل ہوئے۔ تین ہیڈ ماسٹروں کا عہد دیکھا۔ پہلے ہیڈ ماسٹر مولوی عبدالرزاق صاحب انصاری جو محلہ باڑھ کے رہنے والے تھے۔ بعد میں منڈی کشور خاں میں رہنے لگے۔ دوسرے ہیڈ ماسٹر عبدالرزاق صاحب ہوئے۔ یہ محلہ شاہ جمعہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ آپ کے بعد گیا کے دنیش نندن پرشاد ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ ہر ایک سے تعلیم پائی اور ۱۹۰۹ء میں اسکول مذکور سے انٹرنس پاس کیا۔ اس کے بعد الٰہ آباد ارتھ بوائنگ کرسچن کالج میں پڑھا۔ اس کے بعد ریڈ کرسچن کالج سے آئی۔ اے کیا، بی۔ اے۔ کا امتحان ۱۹۱۷ء میں دیا اور بی۔ ال۔ کا امتحان ۱۹۲۱ء میں دیا، اور ہر ایک میں کامیاب ہوئے، اور ۱۹۲۳ء سے سہسرام میں وکالت کر رہے ہیں۔

وکیل صاحب کو خدا نے بڑا خلیق بنایا ہے، عجز وانکسار اور کم گفتاری، حلم وصبر جیسے اوصاف سے ان کا مزاج بنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پیشہ میں کذب وافترا سے کام نہیں لیتے، مسودات کی تیاری میں شہرت رکھتے ہیں، بحث وتحیص، عدالتی جرح وتعدیل سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

وکیل صاحب کے بڑے بھائی عبدالحفیظ صاحب سہرامی تھے۔ حسن کے صاحبزادے انوارالتوحید مرحوم تھے، جنھوں نے پٹنہ سائنس کالج سے بی۔ اس۔ سی۔ کیا اور رانچی کے ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہوئے اور جواں مرگ دنیا سے رخصت ہوئے۔ وکیل صاحب نے اپنے اس بھتیجے کی تعلیم وتربیت میں بڑا وقت صرف کیا تھا۔ ان کی موت کا ان کو بہت صدمہ ہوا، ان باپ بیٹوں کی وفات ۱۹۴۲ء کے قریب ہوئی۔ راقم الحروف نے دونوں کو دیکھا تھا۔ وکیل صاحب کے چھوٹے بھائی علی اطہر صاحب تجارت کرتے تھے، بارہ چودہ سال ہوئے اور وہ بھی چل بسے۔ وکیل صاحب کے صاحبزادے مسٹر انیس التوحید ان دنوں سرکاری ملازمت میں ہیں، انجینئرنگ پٹنہ سے ۱۹۴۴ء میں کی اور گملا رانچی میں ایکزیکٹو انجینئر کے عہدے پر رہے۔ (یہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ حاذق)۔

پروفیسر اظہر حسین

پروفیسر اظہر حسین صاحب محلہ منڈی کشور خاں سہسرام کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد شہر کے ایک مشہور تاجر تھے۔

شجرۂ خاندان

اظہر حسین بن شیخ کرامت علی بن غلام نبی بن پرویز۔ اظہر صاحب کی والدہ کا نام رحم بی بی تھا۔ غلام نبی کے ایک بھائی فتح محمد تھے۔ اظہر صاحب کے نانا کا نام میں فتح محمد تھا۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی حکیم یحیٰی صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ خیریہ سہسرام میں گلستاں، بوستاں، یوسف زلیخا وغیرہ پڑھی بعہد مولانا فرخند علی صاحبؒ۔ فارسی کی کتب مذکور مولوی منظور صاحب سہسرامی محلہ بارہ دری سہسرام سے پڑھی، بعدہٗ لہردگا (رانچی) میں مقیم ہوئے۔ دیگر کتب مولوی سید صغیر صاحب (جو خیریہ کے فارغ تھے) سے پڑھی۔ اس کے بعد شمس الہدیٰ پٹنہ میں درجہ وسطانیہ سوم (پنجم) سے ملاّ تک پڑھا۔ (اساتذہ مولانا عبدالماجد، عبدالرحمٰن صاحب، مولوی اقبال، مولوی ابوالقاسم صاحب وغیرہ سے ایشاغوجی مرقات، شرح جامی، نورالایضاح وغیرہ)۔

اس کے بعد ٹی۔ کے۔ گھوش ہائی اسکول میں درجہ دہم تک پڑھا (ہیڈ ماسٹر سدھو، ہیڈ مولوی حیات محمد صاحب برق بہاری تھے) اس کے بعد ہگلی میں سینئر مدرسہ ہگلی میں میٹرک کیا، جس کا تعلق ڈھاکہ یونیورسٹی سے تھا، اس کے بعد آئی۔اے۔ اور بی۔اے۔ ہگلی محسن کالج سے ۱۹۴۲ء میں جو کلکتہ یونیورسٹی کے ماتحت تھا۔ اس کے بعد ہوڑہ مسلم ہائی اسکول میں ملازم ہو گئے، وہاں ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ دس سالوں تک ۱۹۴۲ء سے ۶ر جولائی ۱۹۵۱ء تک) پھر ۱۲ر جولائی ۱۹۵۱ء سے ایس۔ پی۔ جین کالج سہسرام میں شعبہ فارسی و اردو کے انچارج کی حیثیت سے کام کیا۔

کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۹۵۰ء میں اردو میں ایم۔اے۔ کیا۔ ۱۹۵۱ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے۔ کیا (سیکنڈ کلاس)۔

رپین کالج کلکتہ میں دو سالوں تک لاء کی تعلیم پائی، تکمیل نہیں کر سکے۔ تاریخ وفات ۱۳ر مارچ ۲۰۰۴ء ہے۔

ڈاکٹر حکیم انوار الحق سہسرامی

حکیم ڈاکٹر انوار الحق صاحب کے والد بزرگوار کا نام حکیم برکت اللہ تھا، موصوف اپنے جدی محلے باڑھ سہسرام میں رہتے تھے، اور بازار جانی میں مطب کرتے تھے۔ طب یونانی سے بھی استفادہ کرتے ہیں اور ہومیو پیتھ سے بھی، ہومیو پیتھ کی آپ نے باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ اس کے اصول وضوابط پر اچھی نگاہ رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے میرے گھر میں ایک خاتون سخت بیمار ہوئیں، اور بعض ایسے امراض میں مبتلا ہوگئیں، جن سے شفایابی مشکل ہوگئی۔ آپ کا علاج شروع ہوا، خدا کے فضل سے آپ کی تشخیص اور ادویہ سے اچھے ہو گئے، مرض پیچیدہ تھا، علامتیں اتنی متضاد تھیں کہ جب تک آدمی کو ہومیو پیتھک پر پوری دسترس نہ ہو، علاج کرنا دشوار ہے، مگر بحمد اللہ آپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ فن جانتے تھے۔ علاج ومعالجہ کے علاوہ نذیر اسکول، نیم لوہار سہسرام میں بچوں کو تعلیم بھی دیتے رہے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے محمد ظفیر الدین صاحب عرف ابراہیم کلکتہ کے ایک اسکول میں مدرس ہیں، اور دوسرے صاحبزادے نعیم الدین صاحب سرکاری ملازم ہیں۔

حکیم مولوی اشرف حسین

مولوی حکیم محمد اشرف حسین صاحب محلّہ نورن گنج سہسرام کے رہنے والے اور حکیم عبدالحمید صاحب کے صاحبزادے تھے، جن کا عرف حکیم حمید حسین بھی تھا۔

مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں تعلیم پائی، اور یہاں سے فارغ ہوئے، مولانا ابوالحسن صاحب بیدلؔ سہسرامی کے شاگردوں میں تھے۔ لکھنؤ میں طب پڑھی، گڑھوا ضلع پلاموں میں طبابت کرتے ہوئے تقریباً ۵۵ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ سال وفات تقریباً ۱۹۵۰ء۔

حکیم اشرف حسین کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی راقم حاذقؔ کے چھوٹے دادا شیخ

عنایت حسین کی لڑکی سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے مشرف حسین مرحوم ہوئے۔ مشرف حسین کے بیٹے سرفراز حسین، اقتدار حسین مرحوم عرف بھولا اور ارشاد حسین عرف سدو ہوئے اور حکیم اشرف حسین کی دوسری بیوی سے کئی اولاد ہوئی، مصباح حسین کے لڑکے گڑھوا میں رہتے ہیں، اور ان کی بہن اختری خاتون (زوجہ مصباح الدین سہسرامی) حیات سے ہیں (۲۰۰۵ء میں)۔ عنایت حسین کی اہلیہ کا نام بی بی سکینہ تھا جو جن تھی، راقم جوان تھا تو ان کا انتقال ۱۹۵۰ء کے قریب ہوا۔ بی بی سکینہ کا شجرۂ خاندانی حضرت مولانا صوفی حکیم رحمت اللہ کے شجرۂ مرقومہ قمر نعمانی شخصیت اور فن از ڈاکٹر مظفر عالی صفحہ ۶۷ پر لائق مطالعہ ہے۔

سید احمد حسین

نام سید احمد حسین بن سید تبارک حسین محلّہ نورن گنج سہسرام میرے مکان کے بغل میں دکھن جانب ان کا مکان ہے۔ وجیہ صورت، سادہ طبیعت اور مذہبی مزاج کے آدمی تھے۔ پھلواری شریف سے ارادت رکھتے تھے، اور سید شاہ محمد عون احمد صاحب قادری سے ان کی قربت تھی، اس لیے ماہنامہ المجیب پھلواری شریف کے تاحیات مدیر مسئول رہے۔ مطالعہ کا اچھا ذوق تھا۔ محکمہ آبکاری میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے تک فائز رہے۔ ان سے پہلے ان کے خاندان کے بزرگ محکمہ آبکاری سے وابستہ تھے۔ جن میں ڈپٹی فضل حسین صاحب نے بڑی شہرت پائی۔

سید مشتاق حسین ان کے صاحبزادے تھے ان کی حالات زندگی اس کتاب میں مرقوم ہیں، ان کے چھوٹے لڑکے محمد نشاط مسلم ۲۰۰۵ء میں کچہری سہسرام میں وکالت کرتے ہیں، اور اپنے گھر پر بچیوں کا مدرسہ چلاتے ہیں، ان کی اہلیہ اس ادارہ کی ذمہ دار ہیں۔

شاہ محمد امیر الدین

شاہ محمد امیر الدینؒ محلہ شاہ جمعہ سہسرام کے رہنے والے تھے، اور آپ مولانا رکن الدین صاحب دانا سہسرامی کے بڑے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد الٰہ آباد میں انگریزی پڑھنے کے لیے بھیجے گئے، چونکہ طبیعت میں ابتدا ہی سے تصوف کی طرف میلان تھا اس لیے تعلیم کی تکمیل نہ کر سکے، اور مولانا عنایت کریم صاحبؒ چریا کوٹی سے سلسلہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور عرصہ دراز تک شیخ کی خدمت میں رہے۔ شیخ کے انتقال کے بعد جذب کی ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دلّی اور اطراف دلّی میں مجذوبانہ گھومتے رہے، کچھ عرصہ کے بعد گھر واپس آگئے۔ ان کے والد نے ان کی شادی پھوپھی زاد بہن ...... رسول فاطمہ بنت حکیم احمد حسین محلہ شاہ جمعہ سہسرام سے کردی۔ شادی کے بعد سادہ زندگی گزارتے رہے، اور سہسرام ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ جہاں ۱۹۳۴ء تک ملازمت کرتے رہے۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد گھر پر قیام رہا، پھر وہی پرانی جذب ووارفتگی کی کیفیت عود کر آئی۔ وفات ۲۵ / جنوری ۱۹۱۲ء کو سہسرام میں ہوئی۔ تکیہ شاہ جلال سہسرام میں آپ کا مزار ہنوز مرجع خلائق ہے، سالانہ عرس ۱۴ / محرم کو ہوتا ہے۔ سہسرام کے اطراف وجوانب میں آپ کے مرید پائے جاتے ہیں۔

عبدالسلام صاحب افسر سہسرامی مرحوم ان کے صاحبزادے تھے، مگر انھیں پیری مریدی سے سخت نفرت تھی، اس لیے یہ اپنے والد کے منظور نظر نہ رہے تھے۔

سید امجد حسین وکیل

سید امجد حسین نام۔ ولدیت سید واحد حسین۔ پیشہ وکالت۔

سید امجد حسین صاحب محلہ شاہ جمعہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد سید واحد حسین صاحب سہسرامی آرہ میں پیشکار تھے۔ امجد صاحب کی تعلیم غالباً علی گڑھ میں ہوئی تھی۔ امجد

صاحب سہسرام ہائی اسکول میں بحیثیت مدرس ملازمت کرتے رہے، جہاں سے انھوں نے پرائیوٹ وکالت کا امتحان دیا اور کامیابی کے بعد ملازمت چھوڑ کر سہسرام میں کچہری میں وکالت شروع کی، اور آخر عمر تک اسی پیشہ کو مشغلہ بنا رکھا۔ ۱۹۳۶ء میں راہیٔ دارالبقا ہوئے۔ آپ کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی حکیم اکبر حسین صاحب کی صاحبزادی حمیدہ خاتون سے ہوئی۔ دوسری شادی شاہ بدیع الدین صاحب محلّہ برتلہ کی صاحبزادی قریشہ خاتون صاحب سے ہوئی۔ جن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

محمد اسرار احمد

محمد اسرار احمد بن محمد اسحاق صاحب۔ متوطن منڈی کشور خاں سہسرام۔

محمد اسحاق صاحب جناب شیخ کرامت علی بزاز کے بھائی تھے۔ اسحاق کا ذکر مصنف مشاہیر شعرائے سہسرام نے اپنی کتاب میں ایک جگہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد اسحاق صاحب ایک اچھے خوش نویس تھے۔ قرآن کے متعدد نسخے اپنے قلم سے راقم نے بھی ایک پارہ کی کتابت دیکھی۔

محمد اسرار کے بڑے بھائی محمد عمران تھے جن کا انتقال مئی ۱۹۶۵ء میں ہو گیا۔ یہ دونوں بھائی راقم کے خاندان کے نواسے تھے۔ راقم کے دادا کے بھائی جناب عبداللطیف مرحوم کی صاحبزادی بی بی رابعہ کے بطن سے تھے اور راقم کے رشتے کے بھانجے تھے۔

خدا نے ان دونوں بھائیوں کو غیر معمولی ذہانت عطا کی تھی، بلڈنگ کی نقشہ نویسی میں شہرت رکھتے تھے۔

اسرار احمد صاحب کے دو مضامین ہفتہ وار دھرم جگ بمبئی کے دو شمارے میں شائع ہوئے تھے۔ شمارہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۶۴ء میں ''سون کے وقت پر کنارے''! اور دوسرے شمارے ۳ر جولائی ۱۹۶۶ء میں ایک مضمون بعنوان سہسرام۔ اس شیر شاہ کی بستی جس نے مغلوں کو غیر ملکی حملہ آور قرار دیا تھا۔ اس پرچے میں سہسرام کے جھرنے، قبر، شیر شاہ وغیرہ کی تصویریں خود مضمون نگار کے نوک قلم کا نتیجہ ہیں۔

اسرار کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، والد کے وصال کے بعد چار سال ٹکنیکل اسکول ڈہری میں پڑھا۔ نقشہ نویسی میں مہارت خود پیدا کی۔ عمران کی ایک بچی ہے، جن کا نام نسرین بانو ہے۔ اسرار کے لڑکے اور لڑکیاں اشفاق احمد، خورشید انور، شاہدہ پروین، رخسانہ بانو ہیں۔ ڈہری کی کئی عمارتیں ان لوگوں کے نقشہ پر بنیں جیسے سروگی بھون، مہندر سنگھ کا مکان، انصار منزل۔

اسرار کا ایک مضمون بعنوان قوم پرور مسلم رہنما، عبدالقیوم انصاری، روزنامہ قومی آواز پٹنہ میں چھپا تھا۔ (حاذق)

ڈاکٹر اظہار الحق آصف سہسرامی

آصف صاحب محلہ شاہ ہارون عرف برتلہ کے باشندے تھے اور حافظ مولانا انوار الحق شہودی کے بھائی تھے۔ ''بولو حسن حسینؑ'' سے ان کا دو شعر:

ہے دل کو شوقِ محبت کہ میں سلام کروں ٹھہر ٹھہر کے غم وحشت کہ میں سلام کروں
غلامِ بارگہ اہل بیت ہوں آصف یہی ہے میری سعادت کہ میں سلام کروں

''متاع فکر ونظر'' مرتبین: ظفر رضوی کاکوی، عبدالرب نشتر، ناشر ادارۂ فکر ونظر سہسرام ۱۹۸۲ء میں ذیل کی ایک غزل شائع ہوئی ہے۔

ظلم کے سایے میں پتھر کا جگر پیدا کرو خاک کے ذرّوں سے چاہو تو شرر پیدا کرو
ہو سکے تو عظمت علم و ہنر پیدا کرو زندگی کے واسطے اک راہبر پیدا کرو
کاش بن جائے یہی اسباب نو راز حیات منزل گم کردہ ہو عزم سفر پیدا کرو
آج بھی ہے اپنی بس میں دو جہاں کی کائنات ڈوب کر بحر طلاطم میں گہر پیدا کرو
سر بسر آوارگی شوق ہے یہ زندگی چھاؤں میں بجلی کے تنکے کا جگر پیدا کرو
درد مندانِ محبت آؤگے اک بار پھر اپنے جذب وشوق سے شمس وقمر پیدا کرو
ننگ ناموس وطن آصف کسے کوئی کہے
خود نظر پہچان لے ایسی نظر پیدا کرو

قطعہ

حشؔر کا فن حشؔر کا سچا ہنر پیدا کرو   تم سرور کیف و مستی کا اثر پیدا کرو
حشؔر کا سحر تغزل حشؔر کا طرز بیاں   شاعری میں کر سکو آصفؔ اگر پیدا کرو

محمد اظہر حسین اظہؔر سہسرامی

محمد اظہر حسین سہسرامی کے تاریخ قطعات فوائد نوریہ مصنفہ مولانا الحاج محمد حفیظ الدین صاحب مدرس اوّل مدرسہ خانقاہ سہسرام میں درج، نظر آئے۔ شائع شدہ مطبع مولوی عبدالقادر واقع پٹنہ۔ ۱۳۰۵ھ۔

حفیظ دین احمد اوستادم   ز موج جوش بحر طبع والا
نوشتہ شرح بر میزان منطق   خدا با فیض او تا حشر بادا
ہمیں مصرع سنِ تصنیف گفتم   بمنطق ایں رسالہ گشتہ زیبا

۱۳۰۳ھ

ز فضل لایزال ذوالجلالے   دریں ایام نیکو نیک آذاں
زہے شرح متیں مطبوع گردید   کہ شد مقبول پیش طبع انساں
بشارت باد ہر سو طالباں را   خرند از نقد جاں پر کردہ داماں
سواد سطر او کحل الجواہر   کشد سرمہ بچشم نکتہ بیناں
بگفتا بے سر از خود ...... سال   شدہ مطبوع نادر شرح میزاں

اظہر صاحب مرحوم نے محمد شیر میر خاں مرحوم کے تعمیر شدہ مکان پر ایک قطعہ لکھا تھا جو شیر میر خاں صاحب کی تالیف میلاد کے آخری صفحہ پر درج ہے، نظر سے گزرا۔

رسید رقعہ چو از شیر میر خاں صاحب   باہل جلسہ کہ از لطف خاص بشگفتند
ز ہر سال نمودند مشورت باہم   خجستہ منزل ایوان بے بدل گفتند

کتاب میلاد پر اظہر صاحب کا تعارف جس انداز میں کرایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا

ہے کہ اظہر صاحب موصوف نظام دکن کے استاد تھے، اور مولوی اشرف حسین صاحب اظہر صاحب کے والد تھے۔

اظہر صاحب کے پہلے شعر مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولانا محمد حفیظ الدینؒ کے شاگرد تھے۔

سردار اقبال میر خاں

سردار اقبال میر خاں صاحب ساکن محلہ پٹھان ٹولی، شیر میر خاں صاحب کے صاحبزادے تھے اور مشرقی پاکستان میں انکم ٹیکس آفیسر تھے۔ حرکت قلب کے رُک جانے سے راج شاہی میں انتقال کیا۔ حکیم سہسرامی نے تاریخ وفات کہی۔ صرف تین شعر درج ہے:

آہ ستائیسویں رمضان کو   چل بسے وہ بدھ کے دن سوئے عدم
راہ شاہی ان کا مدفن بن گیا   ہے ہر اک اہل وطن کو اس کا غم
سال رحلت لکھ حکیم خستہ دل   قصر جنت میں گئے اہل حشم

۱۳۶۷ھ

امیر حسن خاں امیر سہسرامی

(عہد: ۱۹۴۵ء)

امیر حسن خاں صاحب محلہ کرن سرائے سہسرام اپنے عہد کے رؤسا میں تھے۔ اوسط درجہ کے زمیندار تھے۔ عربی و فارسی کی بہت اچھی صلاحیت رکھتے تھے۔ نہایت بہادر، حق گو اور حق پرست آدمی تھے۔ شعر گوئی کا بھی ذوق تھا۔ کنبہ پروری، غربا نوازی، محلہ داری اور اپنی وضع میں فرد واحد تھے۔

تقریباً ۱۹۴۵ء میں انتقال فرمایا۔ ۱۹۶۶/۶/۲۰ء کو مولانا عبدالوحید خاں نے جو کچھ بتایا

لکھ لیا۔ مگر ۲۰۰۵ء میں اس کتاب کی تکمیل کر رہا ہوں، نمونہ کلام وحید صاحب سے لینا تھا مگر اب ممکن نہیں۔

مولوی محمد ایوب صاحب شمیم ندوی

مولوی محمد ایوب صاحب متخلص بہ شمیم۔ محلّہ شاہ ہارون عرف برتلہ سہسرام کے رہنے والے ہیں۔ اور ندوۃ العلما لکھنؤ کے فارغ ہیں۔

عرصہ سے ڈالٹین گنج کے ایک ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی ہیں۔ اخگر سہسرامی کو بھی اپنا کلام دکھایا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

> ''امیر عالم صاحب مرحوم بھرپور جوان تھے اور لڑکپن جوانی کی سرحدیں چھوڑ رہا تھا۔ غالباً ۱۹۲۳ء کا زمانہ تھا، امیر عالم صاحب سے خاص عقیدت تھی، اور ان سے اپنی غزل میں میں نے اکثر اصلاح بھی لی۔ اس وقت سہسرام کے نوجوان شعرا دو گروپوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک امیر عالم صاحب اخگر کا گروپ تھا دوسرا عبدالحمید صاحب شیدا کا''۔
>
> (مضمون بعنوان ''بہار کا ایک گمنام شاعر'' اخگر سہسرامی از ڈاکٹر ایم۔ اے تمنا، ہفت روزہ سرپنچ لکھنؤ، ۱۶رجنوری ۱۹۶۳ء، ص ۷)

''انمول جواہر'' کے نام سے ایک کتاب شمیم صاحب نے لکھی ہے جو ہنوز نظر سے نہیں گزری۔ مولانا محمد ایوب صاحب شمیم سہسرامی مشہور نقاد اور ادیب و شاعر ڈاکٹر محمد شعیب راہی سہسرامی (ثم ڈالٹین گنجوی) کے والد ماجد تھے۔

۱۹رنومبر ۲۰۰۵ء کو عزیزی شفق سہسرامی نے شمیم کے یہ دو اشعار سنائے جس میں سہسرام کی تاریخ بھی بند ہے۔

ہم اہل سہسرام نے کیا کیا نہیں کیا	دامن گدا کا گوہر یکتا سے بھر دیا
موئے قلم سے جاں تنِ بے جاں میں ڈال دی	تلوار لی تو شیر کو دو ٹکڑے کر دیا

حکیم قاری محمد ادریس صاحب اختؔر سہسرامی
(وفات: تقریباً ۱۹۷۷ء)

حکیم قاری محمد ادریس صاحب امیر شیخ ہدایت علی بن شیخ مراد علی بن شیخ حسن علی بن شیخ نذر علی۔

محلہ املی آدم خاں سہسرام کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے نانا وارث علی صاحب محلّہ بھانٹ ٹولی (پٹھان ٹولی) سہسرام کے باشندہ تھے۔ وارث علی مرحوم کے والد یعنی قاری صاحب موصوف کے پرنانا مولانا احمد ایک عامل کامل آدمی تھے۔ اجنہ وغیرہ ان کے قبضے میں تھے۔ شہر کے قاضی تھے اور عیدگاہ کے امام تھے۔

مولانا احمد صاحب کے پوتے اور وارث علی کے صاحبزادے قادر بخش صاحب تھے، اور قادر بخش صاحب کے صاحبزادے غلام جیلانی صاحب قاری صاحب کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ان ہی کو اس خاندان کا چشم و چراغ سمجھنا چاہئے۔

قاری صاحب کی تعلیم ابتدا میں مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں بعہد مولانا فرخند علی صاحب فرحتؔ سہسرامی ہوئی (شرح جامی تک) اس کے بعد مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں مولانا منیر الدین ناروی سے جو صدر مدرس تھے، تعلیم پائی، اور مولانا قاری ضیاء الدین صاحب ناروی سے سبعہ تک فن تجوید کی تعلیم حاصل کی۔ ۲۴ سال کی عمر میں فارغ ہوئے۔ سن پیدائش ۱۹۰۱ء ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کے قریب ہے۔ ۱۹۶۶ء میں وفات ہوئی۔

علوم عربیہ اور فن قرأت کی تعلیم سے فارغ ہو کر فن طب کی سند طبیہ کالج الٰہ آباد سے حاصل کی، قاری صاحب نے فن طب کی جملہ کتابیں اصل میں اپنے وطن کے شہرہ آفاق طبیب حکیم بدرالدین صاحب رئیس شہر سے پائی تھی، اور طبابت کچھ دنوں تک محتشم گنج الٰہ آباد، زکریا اسٹریٹ کلکتہ میں اسوقت مدن پور بنارس میں طبابت کر رہے ہیں۔ (۱۹۶۶ء)

باضابطہ شاعر تو نہیں، کبھی کبھی شعر کہتے ہیں، اور آرزؔو لکھنوی سے اصلاح سخن لیتے رہے ہیں۔

نمونہ کلام

پڑا جو عکس کچھ تنویر کا اس ماہ خوباں کی
عجب دلکش مرقع بن گئی صورت گلستاں کی

رہوں گا عمر بھر ممنون اے بادِ صبا تیرا
سنا روداد جا کر کچھ مرے حالِ پریشاں کی

کچھ ایسی ہے کشش اُس حسن عالمگیر میں پنہاں
کہ ہے محو تماشہ ساری دنیا روئے تاباں کی

جنازہ جب شہید ناز کا مدفن پہ جا پہنچا
بنی آغوش الفت سے زمیں گورِ غریباں کی

غرض تھی پردہ داری سے خود اپنے راز وحشت کی
حقیقت ورنہ کچھ بھی تو نہ تھی دیوارِ زنداں کی

تصور بھی جنوں اختر تھا ان کے حسن کا اختر
ہوئے رسوا اُڑائی دھجیاں جیب وگریباں کی

انیس الدین احمد سہسرامی

انیس الدین احمد نام، ولدیت شیخ حکیم علیم الدین سوزاںؔ، وطن سہسرام، پیدائش ۱۹۱۶ء، وفات ۱۹۷۲ء تعلیم سہسرام سے میٹرک کیا (۳۴ء یا ۱۹۳۲ء)، مظفر پور کالج سے بی۔اے کیا (۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۸ء میں)۔

بچپن اور تعلیم

انیس الدینؒ صاحب کا بچپن ان کے دادا کمال الدین اور ان کے والد شیخ علیم الدین سوزاںؔ کی سرپرستی میں گزرا، ان کے دادا محلّہ چوکھنڈی کے رہنے والے تھے اور اپنے عہد کے ایک مشہور پیر طریقت تھے، حضرت عنایت کریم چریاکوٹیؒ کے مرید وخلیفۂ مجاز۔

کہتے ہیں، سوزاںؔ صاحب کے مکان محلّہ چوکھنڈی سہسرام میں ایک روز ڈاکہ پڑا۔ معیشت تباہ ہوگئی۔ خانگی الجھنیں سدّ راہ ہوئیں۔ وطن میں گزر بسر مشکل ہوگئی۔ تلاش معاش کے لیے نکلے۔ مظفر پور پہنچے پھر دربھنگہ میں جا بسے اور یہاں ہی ۱۹۶۶ء میں انتقال کیا۔ سوزاں صاحب، انیس الدین صاحب کو بغرض تعلیم چھوڑ کر تلاش معاش کے لیے نکلے تھے، اس لیے انیس صاحب

اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں محلہ شیخ پورہ میں رہنے لگے۔ اسی دوران میں انھوں نے سہسرام ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ پھر مظفر پور چلے گئے اور وہیں سے بی۔ اے کیا۔

سہسرام کی آزاد فضا انھیں راس نہیں آئی، باپ بھی گھر سے جا چکے تھے۔ کھیلے خوب، پڑھے کم۔ مگر اپنا ہر سبق یاد رکھا، ذہانت وحافظہ اچھا تھا۔

ان کے استاد انگریزی کمو خاں صاحب (وکیل عدالت سہسرام) کا ارشاد ہے۔ "انیس دن بھر گولیاں کھیلتا رہتا تھا، مگر اسے جو اسباق دیئے جاتے تھے۔ سب ذہن نشیں رہتے تھے۔ اتنا ذہین لڑکا میں نے اور کہیں نہیں پایا، خاص کر ڈہری آن سون و سہسرام اور پٹنہ کے ایک ہائی اسکول میں جہاں جہاں میں نے تعلیم دی"۔

سہسرام ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ایک بنگالی تھے، انھیں چیچک نکل آئی طلبہ اور اسٹاف نے ان کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا۔ کیوں کہ ہندو چھوت مانتے تھے، سخت پریشان ہوئے، کمو صاحب نے مسلم طلبہ کو بلا کر کہا کہ تم لوگ ان کی خدمت کرو۔ انیس الدین صاحب مرحوم اور ان کے دس بارہ ساتھیوں نے مل کر کئی شبانہ روز خدمت کی، جس سے ہیڈ ماسٹر بہت متاثر ہوئے۔

ملازمت

تعلیم سے فراغت کے بعد انیس صاحب سنٹرل اکسر سائز ڈیپارٹمنٹ میں انسپکٹر ہو گئے۔ ترقی پا کر ڈپٹی سپر نٹنڈنٹ ہوئے۔ جماعت اسلامی سے متاثر ہو کر تقریباً ۵۴-۱۹۵۳ء میں مستعفی ہو گئے۔ پھر کچھ دنوں عابدہ ہائی اسکول مظفر پور میں ٹیچر رہے، درمیان میں مظفر پور میں ایک لانڈری بھی کھولی۔

جس زمانے میں انسپکٹر تھے تو اپنی جرأت رندانہ کا ایک قصہ سناتے تھے کہ ایک بار ایک بنگالی ڈپٹی سپر نٹنڈنٹ، میری آفس کے ملاحظہ کے لیے آنے والا تھا، آفس کے کاغذات درست نہ تھے۔ یہ افسر بڑا متعصب تھا، میں نے آفس میں تالا ڈلوا دیا۔ جب افسر مذکور پہنچا، تالا بند پایا، رات کا وقت تھا، کہاں جاتا۔ اپنے چپراسی سے تالا تڑوا کر آفس میں ٹھہرا۔ مجھے خبر ہوئی، آفس پہنچا اور اسے جوتے سے مارنا شروع کیا، وہ کہتا میں ڈپٹی سپر نٹنڈنٹ ہوں، میں کہتا تم چور ہو۔ دوسرے دن وہ واپس گیا اور میرے خلاف کارروائی کر دی۔ سپر نٹنڈنٹ ایک انگریز تھا، وہ اس سے بار بار کہتا تم کیا کہتے ہو، انسپکٹر نے تم کو جوتے سے مارا، یہ بڑی سبکی کی بات ہے، خاموشی اختیار کر لو، اسی میں خیر

ہے۔مگر بنگالی نہ مانا۔ بالآخر مجھے طلب کیا گیا، جب سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے پوچھا، کیا انیس تم نے ڈپٹی صاحب کو مارا تو میں نے زور سے کہا، ہاں سر میں نے مارا، میرے اس جواب پر انگریز افسر کی بیگم اچھل کر سہمی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگی، اس کی اس حرکت پر بڑا لطف آیا، انجام کار کچھ ہوا نہیں۔ڈپٹی صاحب کا تبادلہ ہوگیا۔

انیس احمد صاحب اصلاً بی۔اے تھے، مگر لوگ انھیں بی۔ایس۔سی سمجھتے تھے، عابدہ ہائی اسکول میں اتفاق سے سائنس ٹیچر رخصت پر چلے گئے۔تو ان کے مضامین بھی ان کو پڑھانے پڑے، سائنس ماسٹر جب واپس آئے تو طلبہ نے ان سے پڑھنے سے انکار کر دیا، اس طرح انیس صاحب سائنس ماسٹر بنے رہے، اور اسی نام سے معروف ہوگئے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جناب عبدالفتاح صاحب موجودہ امیر حلقہ بنگال ان کے ہم کالج ساتھی ہیں۔انیس صاحب بی۔اے میں تھے تو یہ بی۔ایس۔سی میں، اور دونوں بیک وقت جماعت میں داخل ہوئے۔فتاح صاحب سے تحریری طور پر تو نہیں زبانی طور پر بہت کچھ انیس صاحب کے بارے میں معلوم کیا جاسکتا ہے۔

امارت بہار

تقسیم ہند سے پہلے مشرقی ہند (بنگال، آسام، بہار، اڑیسہ) کے قیم محمد حسنین سید صاحب دربھنگہ تھے، ملک تقسیم ہوا تو تشکیل جماعت اسلامی ہند کے بعد بھی انھوں نے دعوتی کام کو جاری رکھا، اور ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے، جب کام کو آگے بڑھانے کا سوال آیا تو جماعت نے ۱۹۵۱ء میں شمالی بہار اور جنوبی بہار کے لیے دو ہمہ وقتی قیمین کی ضرورت محسوس کی، شوریٰ میں اس پر غور ہوا، مگر کام آگے نہ بڑھا، دوبارہ شوریٰ ۲۵؍تا ۱۹؍جون ۱۹۵۵ء میں اس مسئلہ پر غور ہوا۔اور طے کیا گیا کہ شمالی بہار کے قیم حسنین سید صاحب اور جنوبی بہار کے قیم ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ صاحب ہوں گے، مگر آخر الذکر جو بنگلور کے اجلاس میں شریک ہوئے تھے، انھیں یہ اندازہ ہوا کہ ان کی صحت اس قابل نہیں ہے کہ وہ دورے کے کام انجام دے سکیں، اس لیے انھوں نے مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت سے معذرت چاہی اور انیس الدین احمد صاحب کا نام پیش کیا، انجام کار انیس صاحب مرحوم امیر حلقہ جنوبی بہار ہوگئے۔(۱۹۵۵ء میں)

عملی صلاحیت

انیس صاحب اصلاً ایک فعال، متحرک اور منتظم آدمی تھے، سرکاری افسر رہ چکے تھے۔ آفس چلانا، دورے کرنا ان کا پہلے سے بھی مشغلہ تھا۔ امیر حلقہ ہونے کے بعد ان کی یہ صلاحیت اور اُبھری۔ رات دن انھوں نے سفر کرنا شروع کیا۔ شہر شہر، گاؤں گاؤں گئے۔ جہاں بھی انھیں جماعت سے متاثر کسی فرد کا علم ہوا، کوشش کی کہ اس سے ضرور ملیں، اس طرح ان کی مساعی سے ہر جگہ کام کچھ نہ کچھ منظم ہوا، ۱۹۶۱ء میں جب انھوں نے راقم کو پٹنہ کمشنری کا ناظم مقرر کیا تو ایک کاغذ پر سات مقامات کے نام لکھ کر دیئے، جہاں ارکان یا جماعت کے ممبران موجود تھے، (پٹنہ، بہار شریف، اسلام پور، ہلسہ، سہد یو کھاپ، سوپائی کرمتھو، ڈہری آن سون) دو سالوں میں اس کمشنری میں ف ۵۵ مقامات پر جماعت کا تعارف ہوا، اور اکثر جگہ اس کی یونٹ قائم ہوگئی، جہاں منفرد کوئی کارکن تھا وہاں حلقہ بن گیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کی صحت گر چکی تھی۔ نظامت کا کام سپرد کرنے کے لیے انھوں نے جموئی سے مجھے چترپور بلایا تھا، اور اپنی علالت کے سبب میرے ساتھ پٹنہ نہ آسکے تھے۔ حالانکہ ان دنوں رانچی کے چند ارکان گرفتار کر لیے گئے تھے۔ پٹنہ پہنچ کر میں نے حسنین سید صاحب کو بذریعہ تار پٹنہ بلایا تو ان کی معیت میں ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب اور نسیم احمد صاحب کے ہمراہ سرکاری سطح سے کچھ کوششیں کی گئیں۔ ارکان رِہا ہوگئے۔

انیس صاحب مرحوم اپنی آفیسری کی عادت کو ترک کر کے بڑی سادگی سے زندگی بسر کر رہے تھے، کثیر عیال تھے، آمدنی کم تھی، مگر سلیقہ خوب تھا، بچوں کی تعلیم و تربیت کا طریقہ بھی ان کا منفرد تھا، خود گریجویٹ تھے، مگر اپنے دو لڑکوں کو پہلے ندوہ سے عالم بنایا پھر کالج کی تعلیم میں لگایا۔ یہ سب کچھ ان کے حسن انتظام سے ہوا۔ انجام کار ان کی موت کے بعد ان کے تیسرے لڑکے محمد عارف ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہوئے اور ان دنوں اپنی والدہ وغیرہ کے ساتھ چترپور میں مقیم ہیں اور پریکٹس کر رہے ہیں۔ دوسرے لڑکے محمد سلیم سلمہٗ خدا بخش لائبریری میں سرکاری ملازم ہیں اور اچھے عہدے پر فائز ہیں (۱)۔ سب سے بڑے لڑکے محمد کلیم سلمہ بہت دنوں تک روزنامہ دعوت دہلی میں صحافتی خدمات انجام دے کر ان دنوں سعودی عربیہ میں ملازمت کر رہے ہیں۔ باقی لڑکے زیر تعلیم ہیں۔

مختصر یہ کہ ان کی خدمات اور حسن کارکردگی کی بہت سی مثالیں ہیں۔ نہ کھانے کا ٹھکانہ، نہ پہننے کا اہتمام، شب و روز کے دورے نے انھیں آخر کار ذیابیطس کا شکار کر دیا، اس مرض مہلک نے انھیں بڑا نقصان پہنچایا، جسموں پر زخم آگئے، بچ نکلے، پھر حالت گری، موت سے قریب تر ہو گئے،

اور اسی حالت میں خدا کو پیارے ہو گئے۔

گیارہ سالوں تک حلقہ کا صدر دفتر چتر پور رہا ایک قصبہ سے نکل کر کام کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ پٹنہ کے چند احباب بالخصوص ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ صاحب، عبدالمغنی صاحب سلمہ لکچرر پٹنہ کالج اور جناب غلام سرور صاحب مدیر سنگم اور راقم الحروف کے اصرار پر انھوں نے اپنا صدر دفتر پٹنہ منتقل فرمایا۔ ۱۹۶۹ء سے باضابطہ پٹنہ میں مقیم رہ کر کام شروع کیا۔ اور تاحیات یہاں ہی مقیم رہے۔

ابتداً انھیں اپنی آفس سنبھالنے کے لیے جماعت کے ایک مخلص کارکن سید اظہار کریم صاحب مل گئے۔ ۱۹۷۰ء سے پہلے ان کا کام منظّم ہو چکا تھا، اظہار کریم صاحب کے آنے کے بعد کام اور آگے بڑھا، اس کے بعد انھیں آفس سکریٹری کی حیثیت سے عبدالودود صاحب بہار شریف مل گئے، جن کی انھوں نے مخصوص انداز میں تربیت فرمائی، تادم حیات وہ آفس کا کام سنبھالے رہے۔

دیگر علمی صلاحیت

انگریزی کے تو استاد ہی رہ چکے تھے، سائنس کے علوم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ عربی بھی ایک گونہ سیکھ گئے تھے۔ فارسی و اردو دونوں ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، دینی شغف اتنا بڑھا کہ انھوں نے قرآن پاک کے آخری دس پارے حفظ کر لیے، حدیثیں اور انگریزی امثال سے بھی اپنی تقریر میں فائدہ اٹھاتے تھے، عربی کے مدرسہ کے فارغ التحصیل نہ ہونے کے باوجود اپنی وضع قطع اور دینی بصیرت اور وسعت مطالعہ کے لحاظ سے عملاً ایک عالم دین سے کم نہ تھے۔

ہومیو پیتھک اور پامسٹری سے بھی اچھی دلچسپی تھی۔ آخر میں تصنیفی ذوق بڑھ گیا تھا۔ متعدد علمی کتابیں لکھیں۔ بعض شائع بھی ہو چکی ہیں (اسلام ہی کیوں؟، تلاش منزل) بعض زیر تحریر تھیں۔ ایک انگریزی کی ریڈر بھی لکھی ''ماڈل انگلش پرائمر'' جو مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶ سے شائع ہوئی۔

تنظیمی صلاحیت

مسلمانوں میں معلم و مبلغ تو بہت ہوئے۔ مگر اچھے منتظم و منصرم کا فقدان رہا ہے، شیر شاہی وصف ان کی زندگی کا جوہر تھا۔ اگر انھیں نظام سلطنت عطا ہوتا تو بلاشبہ وہ اعلیٰ درجے کے حکمراں ثابت ہوتے، ان چند فقروں سے آپ ان کی انتظامی صلاحیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وہ اچھے

ڈرافٹ مین اور حساب و کتاب کے ماہر تھے، بہار میں متعدد مقامی دفاتر ان کے عہد میں کھلے، وہ ہمیشہ ہی جوہر قابل کی تلاش میں رہتے تھے، مردم شناسی میں بڑی مہارت تھی، لوگوں کے مراتب کا لحاظ فرما کر، ان سے کام لیتے تھے۔ بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت ان کا خاص ہنر تھا۔

قائدانہ صلاحیت ایسی تھی کہ ملک گیر پیمانہ کے مسلم قائدین ان کی عزت کرتے تھے۔ اور ان کے حسن انتظام کے سب ہی مداح اور ان کی ملّی بہی خواہی کے سب ہی قدرداں تھے۔ مولانا ابواللیث صاحب ندوی اصلاحی، امیر جماعت اسلامی ہند کا مزاج ان کے مزاج سے بری حد تک ہم آہنگ تھا۔ اکثر راقم کی آرا بھی ان کی آرا سے بڑی حد تک ہم آہنگ رہیں، کبھی اختلاف بھی ہوا۔ تو آخر ان کے صبر و تحمل نے مجھے صحیح راہ پر لگانے میں بڑی مدد دی۔ بلا شبہ وہ راقم کے لیے بھی ایک اچھے مربی اور شفیق و مخلص رفیق ثابت ہوئے۔ گاہے میری ناروا تنقید بھی برداشت کر لیتے تھے۔ چشم پوشی، عفو و درگزر ان کی عام عادت تھی۔ تاہم انتظامی امور میں وہ کسی کے تساہل کو برداشت نہ کرنے کے باوجود شفقت سے اپنا کام نکال لیتے تھے۔

داعیانہ صلاحیت پر ایک نظر

راقم کو دعوتی خدمات انجام دینے کا موقع سب سے زیادہ جن افراد کے ساتھ ملا ان میں عبدالفتاح صاحب، محمد حسنین سید صاحب اور انیس الدین احمد صاحب ممتاز اور قابل ذکر ہیں، بعض باتیں راقم نے محمد شفیع مونس صاحب سے بھی سیکھیں۔ تعلیمی کارکردگی اور حسن انتظام کا بعض سلیقہ افضل حسین صاحب سے سیکھا۔

عبدالفتاح صاحب عوام میں نفوذ کرنے کا جہاں اچھا ملکہ رکھتے ہیں، وہاں ہی حسنین سید صاحب اعلیٰ طبقات میں نفوذ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہوئے نظر آئے۔ انیس صاحب کا رنگ ہر ایک سے جداگانہ تھا، ان کی قائدانہ صلاحیت بالعموم قائدانہ استعداد رکھنے والوں کے درمیان اُبھرتی تھی، وہ بڑی حکمت سے ہر ایک کو اپنے سے قریب کر لیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ مخالف بھی ان کے مقصد اور ان کی تحریک کا اکثر ہمنوا بن جاتا تھا۔

دیگر اوصاف

دورہ تو رات دن ان کا مشغلہ ہی تھا، وہ جس کے گھر جاتے، کسی پر بار نہ بنتے، روکھا سوکھا جو مل جاتا کھا لیتے۔ اکثر گھروں میں باہری بیت الخلانہ ہوتا۔ وہ کئی کئی دنوں تک رفع حاجت پر قابو

رکھتے، کسی سلیقہ مند کے یہاں جاتے تو انھیں آسانیاں فراہم ہوتیں۔ اس معاملہ میں بڑی شرمیلے تھے، اکثر رقمیں اپنی جیب خاص سے صرف فرماتے، متمول احباب پر بھی چھا جاتے تھے، اور بتدریج اس کے مال کو تحریک کے لیے مفید بنا لیتے تھے، اس کے قلب کا اس طرح تزکیہ فرماتے کہ وہ مال طیب کے حصول میں لگ جاتا اور امیر کا مزاج بدل جاتا، تمول کا زعم نکل جاتا، طبیعت فقیرانہ ہو جاتی، جس نے ان کی اس حکمت عملی کو قریب سے دیکھا اور سمجھا ہے، وہ میرے اس خیال کی تصدیق کرے گا۔ مجھے اس میں ذرا شبہ نہیں ہے، بعض جگہ ان کی اس روش سے غلط فہمیاں بھی پھیلیں، مگر وہ انھیں بڑی حد تک قابو میں لے آئے، یہ بھی ان کی ایک بڑی خوبی تھی۔

زندگی کے آخری لمحات

۱۹۷۲ء میں انیس صاحب مرحوم مرکزی شوریٰ اور دیگر شعبہ جات کی نشستوں میں شرکت کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ مشاورت کے اجلاس میں بھی شریک ہوئے۔ اس طرح دینی تحریکی، ملّی خدمات انجام دیتے ہوئے مرکز جماعت اسلامی دہلی میں اللہ کو پیارے ہو گئے، نماز جنازہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے پڑھائی۔ جنازے میں مسلم جماعتوں کے متعدد سربراہ بھی شریک رہے، دہلی میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کی خدمات کو قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

مولانا ابو محمد مصلح سہسرامی مرحوم

نام و تخلص

وزیر علی خاں نام، احقر و مصلح کنیت ابو محمد مصلح، علمی دنیا میں اپنی کنیت ہی سے زیادہ مشہور تھے۔

وطن و پیدائش

والد کا نام عرفاً چمرو خاں (۱) تھا۔ اصل نام چراغ علی خاں تھا۔ مصلح صاحب کی جائے

پیدائش محلہ باڑہ سہسرام تھی۔ محلّہ کی مسجد سے متصل ان کا مکان ان کی حیات تک افتادہ تھا، الحاج مولانا حکیم احسن علی صاحبؒ عرف میاں جی کے پڑوس میں، سال پیدائش تقریباً ۱۸۷۷ء۔

تعلیمی احوال

مصلح صاحب نے ابتدائی تعلیم مولوی حسن علی صاحب راحت سہسرامی کے لڑکے مولوی شوکت علی خاں صاحب سہسرامی (محلّہ بارہ دری) سے حاصل کی، پھر مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں داخل ہوئے۔ علوم عربی و فارسی کی رسمی تعلیم مدرسہ عالیہ کلکتہ کے نصاب کے مطابق اسی مدرسہ میں پائی۔

بقول حکیم فخر الحسن صاحب حکیم سہسرامی مرحوم:

> "مولوی مصلح صاحب مدرسہ خانقاہ کا امتحان جس سال دے رہے تھے، اسی سال پروفیسر شجاعت علی خاں صاحب وجد سہسرامی بھی جو مولانا ابوالحسن صاحب بیدل سہسرامی (صدر مدرس مدرسہ خانقاہ) کے قرابت مند تھے، اور علوم عربیہ کی تکمیل کرنی چاہی، امتحان میں شریک ہوئے۔ مصلح صاحب ان کے ہم درجہ تھے۔ اس۔ ڈی۔ او سہسرام کی سرپرستی میں امتحان ہوتا تھا۔ امتحان کی جب کاپیاں کلکتہ جانچ کے لیے بھیجی گئیں تو مصلح صاحب کے علاوہ ان کے اور بعض ساتھی کی انگریزی کاپیاں وجد صاحب کی کاپی سے مل گئیں، پرنسپل مدرسہ (جو اپنے عہد کا ایک مشہور مستشرق انگریزی تھا) نے تحقیق کرائی۔ مولانا حکیم ابن الحسن صاحب مضطر سہسرامی (نائب مدرس) نے اس۔ ڈی۔ او کو اصل صورت حال سے باخبر کیا"۔

طلبہ کی خطا معلوم تھی، مصلح صاحب نے مدرسہ کو خیر باد کہا اور دارالعلوم دیوبند ۱۹۰۰ء میں تشریف لے گئے اورر مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور وہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔

بیعت

مولانا کو شرف بیعت مولوی حسن جان خاں صاحب سہسرامی ابوالعلائی سے حاصل تھا، کافی دنوں تک ان کی صحبت میں رہے مگر بظاہر ان کی زندگی پر پیری مریدی کا کوئی اثر نہ تھا، خدمت

قرآن ہی ان کی زندگی تھی۔

مولانا کے پیرومرشدان کے مدرسہ میں فارسی کے استاد تھے، عہد طالب علمی ہی سے ان کے قریب رہے۔

ان کے پیرومرشد کے صاحبزادے مولوی محمود الحسن سہرامی مرحوم کے اندر شعر گوئی کا ابتدأ ذوق ان ہی کی مساعی سے پیدا ہوا تھا۔

علمی کارنامے

مولانا نے مختلف جگہ سے مختلف نام کے اتنے اخبار و رسائل نکالے، جن کے ناموں کا شمار بھی اب مشکل ہے۔ چند رسائل واخبار جو راقم کی نظر سے گزرے ہیں، ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۹۲۴ء میں ڈہری آن سون سے ''حسن وعشق'' نامی ماہنامہ جاری کیا، جس کے چیف ایڈیٹر مولانا اور جوائنٹ ایڈیٹر عبدالقیوم صاحب انصاری تھے، اس رسالے کے چند شمارے ''کرامت لائبریری سہسرام'' میں نظر سے گزرے، صفحات کسی شمارے کے ۳۲ اور کسی کے ۴۴ اور کسی کے ۴۶ ہیں۔

بہار کے یہ صحافی اس زمانے میں جب بہار میں صحافت آسان نہ تھی، ایک گوشہ میں بیٹھ کر کچھ علمی خدمت انجام دے رہے تھے۔

''حسن وعشق'' کی مقبولیت کا اندازہ آج بھی اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اس کے اکثر شماروں میں علامہ اقبال، ابوالکلام آزاد، نیاز فتح پوری، خواجہ حسن نظامی، سروجنی نائیڈو، سلطان احمد، شاہ سید سلیمان پھلواروی جیسے بزرگوں کی نثریں اور نظمیں شائع ہوتی رہتی تھیں، شاد عظیم آبادی کے علاوہ بعض چیزیں پریم چند وغیرہ کی بھی اس میں شائع ہو چکی ہیں۔

نیز طرحی غزلیں بھی اس رسالے میں شائع ہوتی تھیں، جس کے سبب رسالہ کی مقبولیت عام تھی۔

مولانا ۱۹۲۶ء میں ڈہری آن سون سے سہسرام منتقل ہو گئے، اور یہاں الاصلاح نامی ایک پریس قائم کیا اور اسی نام کا ایک ماہنامہ بھی جاری فرمایا، اور اسی مطبع سے اپنی بعض کتاب بھی شائع فرمائی۔

عورتوں کے لیے بھی بعض ماہنامہ نکالا، اوران کے لیے مضامین لکھے اور بعض کتابیں بھی شائع کرائیں۔ ''حسن وعشق'' کوڈہری آن سون کے علاوہ کچھ دنوں تک کلکتہ سے بھی جاری کیا۔ پٹنہ میں بھی مقیم رہے۔

حیدرآباد سے ترجمان القرآن نامی ایک مشہور رسالہ جاری کیا، جس کو بعد میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ان کی ایما پر ان سے خرید لیا، یہی رسالہ ان کی تحریک اسلامی کے فروغ کا غیر معمولی سبب بنا اور تاحیات ان کی سرکردگی میں لاہور سے نکلتا رہا اور ہنوز جاری ہے۔

مولانا اپنے عہد قیام سہسرام میں صرف اخبار ورسائل ہی نہیں نکال رہے تھے، مسجد میں درس قرآن بھی دیتے تھے۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ایک تنظیم بھی کھڑی کی تھی۔ بیت المال کا بھی نظم فرمایا تھا، ان کے اس عہد کے نوجوان رفقاء میں عبدالقیوم صاحب انصاری مرحوم اور استاذی عبدالرؤف خاں صاحب سہسرامی مرحوم قابل ذکر ہیں، جن کا تعارف انھوں نے اپنے ایک خاص انداز میں اپنی مشہور منظوم تصنیف ''قرآن کا پیغام اہل سہسرام کے نام'' کے دیباچہ میں کرایا ہے۔

تصانیف

مولانا کی یوں تو متعدد قابل ذکر تصنیفیں ہیں، مگر ان کی صحیح تعداد راقم کو نہیں معلوم، البتہ ان کی ایک صاحبزادی نے لکھا ہے کہ ان کی جملہ چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد تقریباً تین سو ہے۔

چند تصانیف جو راقم کی نظر سے گزریں، حسب ذیل ہیں:

۱- تاریخ سہسرام: مولانا کی یہ بسیط علمی خدمات ہے، جو ان کے وطن کے علاوہ باہر بھی پہلی بار مقبول ہوئی۔ یہ کتاب دوبار چھپ چکی ہے۔ پہلی بار دیوبند سے چھپی تھی۔

اس کتاب میں سہسرام کی قدامت ہندوستان کی قدامت ہندوستان کے پراچین دور سے اس کا تعلق، مسلم سلاطین بالخصوص والد شیر شاہ کے زمانے میں اس کا عروج، حالات شیر شاہ، ان کے خاندانی احوال مع شجرہ خاندان، اکابرین سہسرام کے احوال، بعض مشائخ ومزارات اہم مقابر ومساجد کا تفصیلی واجمالی تعارف سبھی کچھ آ گیا ہے، کتاب فنی لحاظ سے جیسی بھی ہو مگر ہے اہم اور لائق مطالعہ اور معلومات کا گنجینہ، مصنف نے اس کتاب میں مأخذ کے حوالے کم کردیئے ہیں، پھر بھی بہت ساری باتیں کتب تواریخ سے نقل فرمائی ہیں، مگر بہت سی باتیں ان کی سماعت پر مبنی ہیں، کل صفحات

۱۳۸ ہیں، کتاب کا حجم ۶×۱۹ انچ ہے۔ راقم کے پاس جو نسخہ ہے اس کے چند اوراق ضائع ہو گئے ہیں۔ (دوسرے ایڈیشن میں کتب معتبر کی صراحت ہے)۔

۲- مشاہیر شعرائے سہسرام: مولانا کی یہ دوسری تالیف ہے جو راقم کی نظر سے گزری، کتاب کا تعارف کتاب کے نام سے واضح ہے، ان کے مطبع الاصلاح سہسرام سے ۱۹۲۶ء میں چھپی ہے، مگر لکھائی چھپائی ناقص ہے۔

اس کتابچہ پر بھی مولانا کا ایک اجمالی مقدمہ ہے، جسے سہسرام کی ادبی خدمات پر قدم اٹھانے والوں کے لیے مشعل راہ سمجھنا چاہیے۔ بعض مشاہیر تذکرہ نگار شعرائے بہار نے اس کتاب سے فائدہ اٹھایا ہے، اس لحاظ سے مولانا کی یہ خدمت بھی ناقابل فراموش ہے۔

۳- قرآن کا پیغام اہل سہسرام کے نام: یہ کتابچہ مولانا کی منظوم مطبوعہ کاوش ہے، کل صفحات ۳۲ ہیں، ادارہ عالمگیر قرآن مجید، حیدرآباد دکن سے چھپی ہے۔ پیش نظر ۱۳۵۹ھ میں لکھا گیا ہے۔

۴- قرآن اور اقبال: یہ کتاب مولانا کی ایک خالص ادبی خدمت ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے علامہ اقبال کے اشعار کا تجزیہ پہلی بار خالص قرآنی نقطہ نظر سے کیا ہے، علامہ اقبال سے انھیں غیر معمولی عقیدت تھی۔

یہ کتاب بھی ان کے مذکورہ ادارہ سے ۱۳۵۹ھ میں اسکولی سائز میں شائع ہوئی، کل صفحات ۱۹۱ ہیں۔ کتاب مجلد، نفیس کاغذ، لکھائی چھپائی عمدہ ہے۔ کتاب ہذا کو انھوں نے سر اکبر حیدری مملکت آصفیہ حیدرآباد کے نام معنون کیا ہے۔

مولانا اس کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''قرآن اور اقبال کے پیش کرنے کے میرے دو مقصد ہیں، دیکھا گیا کہ اقبال کا جو پیغام تھا، اس کو نوجوانوں نے قبول نہیں کیا، اس لے میرا فرض ہے کہ ایک مرتبہ اور اقبال کی اس محبوب اور امیدوں کی مرکز جماعت کو قرآن کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کروں اور ''حکومت الٰہیہ'' کے قیام کی دعوت دوں۔
>
> اسی مقصد کے حصول کے لیے میں نے کوشش کی ہے کہ اقبال کی بیشتر تصنیفات سے ان حصوں کو ایک جگہ جمع کر دوں جو صاف لفظوں میں قرآن حکیم

سے متعلق ہے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ کتاب اللہ کی ایک حقیری سی خدمت انجام پائے جو اس ناچیز کی زندگی کا واحد مقصد ہے۔ یہی سبب ہے تالیف وتصنیف کے لوازم کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ شعر نقل کر دیئے گئے ہیں اور استفادہ کا حق قارئین کے لیے محفوظ ہے۔

مجھے یہ بھی کہ دینا چاہیے کہ عام طور پر آج کوئی بھی انسانی زندگی کے اس مقصد پر نہیں جو اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے متعین کیا گیا ہے اور اس صحیح مرکز پر لانے کے لیے کہنے کی نہیں بلکہ کر دینے کی ضرورت ہے۔ اقبال کا کلام اس ضمن میں جو کچھ کر سکتا تھا، کر چکا اور اس کے نتائج سامنے ہیں''۔

مولانا مصلح صاحب واقعی ایک مشہور خادم قرآن تھے، انھیں قرآن سے عشق جنون کی حد تک تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بلا تکلیف ہر ذی علم آدمی سے ملتے تھے اور ہر کس و ناکس کے سامنے بلا جھجک اپنے مقصد کو رکھ دیتے تھے۔

ذیل کی کچھ باتیں اس لحاظ سے مفید ہوں گی۔ نیز یہ معلوم ہوگا کہ علامہ اقبال سے مولانا کے تعلق کی نوعیت کیا تھی۔ اس کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار علامہ اقبال مدراس سے حیدر آباد پہنچے تو مولانا ان سے ملے اور اپنے مقصد کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''تحریک قرآن کا اوّلین مقصد قرآن مجید کی تعلیمی معنی و مطالب کے ساتھ عام اور لازم کرنا ہے''۔

مولانا نے لکھا ہے کہ ''اس وقت تعلیم یافتہ نوجوان کا اچھا خاصہ مجمع تھا''۔ اقبال نے اپنے خاص انداز میں کہا:

''مولوی صاحب! آپ کی تحریک سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، مگر پہلے یہ تو بتایئے کہ قرآن پڑھائے گا کون؟ مجمع ہمہ تن گوش بن گیا اور مجھ کمبل بدوش کی طرف ایک خاص انداز سے دیکھنے لگا کیوں کہ یہ کوئی معمولی عارضہ نہ تھا اور نہ کسی معمولی شخص کی زبان سے ادا ہوا تھا''۔

مولانا لکھتے ہیں کہ میں نے جواب دیا:

''ڈاکٹر صاحب! بے شک حقیقی معنوں میں قرآن کے پڑھانے

والوں ہی کی کمی ہے، جس دن یہ کمی پوری ہوئی سب کچھ ہو جائے گا، مگر آپ مجھے قرآن قرآن کرنے دیجئے کیوں کہ آپ کے حسب منشا قرآن پڑھانے والے بھی قرآن ہی سے پیدا ہوں گے''۔

شہید کربلا کی روشنی میں مصلح صاحب مرحوم کی یہ بھی ایک تصنیف ہے، انھیں کے ادارے سے شائع ہوئی ہے، پیش لفظ پر ۲رذی الحجہ ۱۳۵۹ھ کی تاریخ پڑی ہوئی ہے، صفحات ۲۷۳ ہیں، لکھائی چھپائی اچھی ہے، کتاب دیدہ زیب اور لائق مطالعہ ہے۔

مولانا نے بچوں کے لیے تیسوں پاروں کی تفسیر قرآن بھی لکھی تھی جو عرصہ ہوا چھپ چکی ہے، اس سلسلے میں ان کی تفسیر پارہ ''عم'' بہت مقبول ہوئی۔ راقم نے بھی اس کے ذریعہ سے بعض بچوں کو تعلیم دی ہے۔

مولانا کا مقصد زندگی قرآن کی تعلیم کو عام کرنا اور ''حکومت الٰہیہ کے قیام'' کے لیے ملت کو آمادہ کرنا تھا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس کتاب کو بھی اسی نقطۂ نظر سے لکھا ہے۔

مولانا جس وقت اپنے مقصد زندگی کا تعارف کررہے تھے، بڑی حد تک تنہا تھے، ان کی فکر اجمالی تھی، اور ان کا اسلوب اختصاری، اختصار نویسی میں انھیں مولانا عبدالماجد دریابادی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ حکومت الٰہیہ کے قیام کے لیے اب تو ایک منظم تحریک برپا ہو چکی ہے، جس کا نصب العین ہی اقامت دین ہے، کہا جاسکتا ہے کہ مولانا جس نصب العین کے داعی تھے، اب ان کو ایک دینی مفکر نے بڑی حد تک ہمہ گیر اور عالمگیر کر دیا ہے، جس کے تعارف کا یہاں موقع نہیں۔ (مراد مولانا مودودی سے ہے)۔

انھوں نے اقبال سے کہا تھا، مجھے پہلے قرآن قرآن کرنے دو، پھر قرآن سے قرآن کو پڑھانے والے بھی پیدا ہوں گے۔ ان کا یہ جواب کسی حد تک پورا ہو رہا ہے، اور مختلف انداز میں خالص قرآنی تعلیم کو عام کرنے کی مساعی جاری ہے۔

مذکورہ کتاب ''شہید کربلا'' کا ایک فقرہ ہے:

''لا الٰہ'' غیر اللہ کی حکومت کی تخریب کے لیے اور قیام حکومت الٰہیہ کے لیے سنگ بنیاد ہے''۔ (ص ۴۳)

مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کرنے کے بعد جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلعم نے

ایک روز اپنا کمبل حسنؓ، حسینؓ، فاطمہؓ، علیؓ کو اوڑھا کر ذیل کی آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا. (احزاب:۳۳)

(اے اہل بیت! اس کے سوا نہیں کہ اللہ تم سے ہر طرح کی گندگی کو دور کر دینا چاہتا ہے، اور تم کو اچھی طرح پاک کر دینا چاہتا ہے)۔

مولانا نے آیت مذکورہ کی تشریح کچھ اس انداز میں فرمائی ہے جس سے ان کے ایک نظریاتی پہلو کو بھی سمجھا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں:

''اللہ کا کلام جس کی شان سے منطبق ہو جائے اور زبان رسالت جس کا مفہوم سمجھا دے اس کی ''شخصیت'' کے متعلق کچھ اور اضافہ کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے، اور ''تطہیر'' کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ ہر طرح کے ''رجس'' سے پاک ہوگا جس میں ہر قسم کی غلطیاں بھی ہیں، خواہ وہ اجتہادی ہی سہی''(۱)۔

وا کر دیئے ہیں شوق نے بند نقاب حسن　　غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

(ص ۴۸)

آگے چل کر مولانا نے بعض فقرے ایسے بھی لکھے ہیں جس سے معرکہ کربلا کی بعض تاریخی قدریں جو الجھی ہوئی ہیں، کسی حد تک سلجھ جاتی ہیں۔ تفصیل کا موقع نہیں، ایک فقرہ ملاحظہ ہو:

''بے شک حضرت امامؓ باغی تھے، مگر خدا کے نہیں یزید کے، لیکن برعکس اس کے یزید اور یزیدی خدا کے باغی تھے''۔ (ص ۱۸۲)

مولانا نے اپنی فکر کے مطابق تاریخی مواد کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات سے بھی اپنے موقف کی وضاحت فرمائی ہے، اس لحاظ سے ان کی یہ کاوش بھی قابل قدر ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے موقع کے اعتبار سے اقبال کے اشعار بھی نقل فرمائے ہیں، اختتام کتاب پر جمیل مظہری کی ایک نظم ''سلام'' ہے، مگر یہ نظم اس مظہری کی نہیں جو کبھی الحاد کا شکار ہو جاتا تھا، بلکہ اس جمیلؔ کی ہے جو پہلے صرف سید کاظم علی کاظمی تھا، یہ ''سلام'' پہلے ''حسن وعشق'' ڈہری آن سون میں ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا تھا، مولانا نے غالباً وہی نقل فرمایا ہے۔

توضیح القرآن

خادم قرآن کی آخری خدمت قرآن تفسیر ''عکسی توضیح القرآن'' ہے جس کو تاجران کتب و مالکانِ مطبع محمدی، گنپا روڈ، مجگاؤں، بمبئی ۱۰ نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے، تین قسم کے کاغذ استعمال کیے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قسم اوّل، دوم، سوم ہر ایک کی قیمت جداگانہ ہے۔

درجہ سوم کے کل صفحات ۶۱۴ ہیں، سال طباعت ۱۹/رجب ۱۳۸۷ھ (۲۴/اکتوبر ۱۹۶۷ء) ہے۔ سائز ۵ء۳×۵ء۷ انچ۔

شاعری

مولانا مصلح صاحب مرحوم اصل میں ایک مبلغ قرآن تھے، شاعر نہ تھے، پھر بھی ذوق سخن غنیمت تھا، نثر و نظم دونوں پر قدرت رکھتے تھے، ان کی جملہ منظومات کو مختلف اخبار و رسائل سے جمع کیا جائے تو ایک مختصر کتاب تیار ہو جائے، مولانا کے کلام میں جہاں کچھ خوبیاں ہیں، وہاں کچھ خامیاں ہیں، جن سے انکار مشکل ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مولانا خود بھی اپنے کو شاعر نہ سمجھتے تھے البتہ اپنی فکروں کو اکثر منظوم کر دیا کرتے تھے، اور وہ اس صنف سخن کے ذریعہ بھی ایک حد تک قرآنی خدمت انجام دیتے تھے۔ یعنی اپنے اسالیب میں قرآنی مضامین کو قلم بند کرتے رہتے تھے۔

شروع میں مولانا کو فن شعر گوئی میں اپنے استاد فارسی مولوی حسن خاں صاحب ابوالعلائی حسن سہسرامی سے شرف تلمذ حاصل تھا، بعد میں جلال لکھنوی مرحوم سے بھی اصلاح سخن لی تھی۔

نمونۂ کلام

جنونِ عشق نے اب تو یہاں تک غیر حالت کی جو میری فصد کھلواؤ تو نکلے بو محبت کی
مری آنکھوں میں ہے یہ سارا عالم ایک بتخانہ خداوندا پرستش کیجئے اب کس کی صورت کی

خدا کے ہاتھ سے بوئے وفا کی شرم اے مصلح
اٹھا کر کوئی مٹی سونگھتا ہے میری تربت کی (۱)

جینا انھیں کا تھا، وہی کچھ کام کر گئے مرنے سے پہلے راہ میں جو تیری مر گئے
غربت میں اب تو یاد بھی آتا نہیں وطن مدت کی ہے یہ بات، زمانے گزر گئے

وہ اور اپنے بندوں پہ مصلحؔ کرے عذاب
واعظ کے تو بیان سے ہم آج ڈر گئے (۲)

ذیل کی غزل مصلحؔ صاحب ہی کے نام سے ''حسن و عشق'' مارچ ۲۴ء میں چھپی ہوئی نظر سے گزری:

بھول کر بھی نہ کوئی عاقل و فرزانہ بنے — ہوش رکھتا ہو تو انساں ترا دیوانہ بنے
کچھ نہیں اتنا تو ہو عشق بتاں میں کامل — کعبہ بھی سامنے آجائے تو بتخانہ بنے
جو تجھے دیکھ لے وہ غیرت لیلیٰ ہو جائے — تیرے دیوانہ کو جو دیکھ لے دیوانہ بنے
راز بن جائے میں خاموش اگر ہو جاؤں — بات جو منہ سے نکل جائے تو افسانہ بنے
طور ہر ذرّے میں دکھلائی دے اے دیدۂ شوق — جلوہ جو آئے نظر جلوۂ جانانہ بنے
مستی حسن سے ہو میرے لیے تھوڑی کشید — چشم ساقی کا مرے واسطے پیمانہ بنے
دیکھ لیں مست جدھر گھر کے ادھر ابر آئے — جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہیں میخانہ بنے

اپنا دیوانہ جو کہہ کر وہ پکاریں مصلحؔ
پھر نہ فرمایئے کیوں کر کوئی دیوانہ بنے

وفات

مولانا مصلحؔ صاحب کی چھوٹی لڑکی ن۔م نے راقم کے نام ایک مراسلہ میں اپنے والد کے آخری حالات زندگی کو روزنامچہ کی صورت میں قلم بند کر کے بھیجا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ مولانا کی طبیعت ۱۸رستمبر ۱۹۶۸ء کو بگڑی، دوسرے ہی روز یہ حال ہوا کہ کھانے پینے سے معذور ہو گئے، نماز ادا کرنے کی تاب نہ رہی۔ درمیان میں افاقہ بھی ہوتا رہا، دوائیں دی جاتی رہیں مگر انھیں وطن کی یاد ستا رہی تھی، وطن ہی میں مرنا چاہتے تھے۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، سرزمین دکن ہی ان کی آخری خوابگاہ بنی۔ راقم جب ان سے آخری بار ملا تھا، وہ اس وقت بھی مصر تھے، مجھے سہسرام لے چلو۔

آخر کار روز پیر، ٦ف ررجب ۱۳۸۸ھ (۳۰رستمبر ۱۹۶۸ء) کو ان کی حالت نازک ہوگئی، کسی طرح دن گزرا۔ رات آئی تو رات کے آخری حصہ میں قرآن کا یہ سچا خادم قرآن کے نازل

کرنے والے سے جاملا، خدا مغفرت فرمائے۔ آمین

مولانا حکیم بدیع الزماں قمؔر نعمانی سہسرامی

تعارف

قمؔر نعمانی صاحب مرحوم محلّہ چوکھنڈی سہسرام میں صفر ۱۳۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام بدیع الزماں تھا۔ تخلص قمؔر فرماتے تھے، فن شاعری میں علامہ سیماب اکبر آبادیؒ کے ممتاز شاگرد تھے، ان کو اپنے استاد سے خاص شغف تھا اور استاد بھی ان کو بہت چاہتے تھے۔ ان دونوں میں جو گہرا علمی ربط اور اعتماد تھا اس کا کچھ اندازہ علامہ سیمابؒ کے بیان سے ہوتا ہے:

علامہ سیماب کی شاگردی اور ان سے ربط

> ''اسی طرح میرے فارغ الاصلاح تلامذہ میں عزیزی قمر نعمانی اور آلم مظفر نگری نے بھی بعض ترمیموں اور اضافوں کی طرف مجھے توجہ دلائی، جن میں سے بعض ضروری اور قابل غور تھے، میں نے ان تمام تنقیدوں اور آراء کو سامنے رکھ کر اصل کتاب پر نظر ثانی کر لی ہے اور جو باتیں باتفاق رائے متنازعہ فیہ تھیں انھیں کتاب سے خارج کر دیا ہے''(۱)۔

سیمابؔ صاحب مرحوم جس وقت قرآن حکیم کا منظوم ترجمہ کر رہے تھے، چاہتے تھے کہ قمر صاحب چند ماہ ان کے پاس رہیں، مگر افسوس قمؔر صاحب اپنی مجبوریوں کے سبب بمبئی سے آگرہ نہ جا سکے، اس سلسلے کا ایک مکتوب سیمابؔ صاحب کے ہاتھوں کا نوشتہ قمؔر صاحب کے پاس تھا جسے راقم الحروف نے دیکھا تھا۔

نعمانی صاحب حضرت سیماب کے فنی کمالات کے کچھ ایسے شیدا تھے کہ اپنے علاوہ بعض دوسرے اہل علم کو بھی سیماب صاحب کے حلقۂ شاگردی میں لے آئے، ان ہی میں ایک قابلِ ذکر بزرگ مولانا جالبؔ سہسرامی ہیں جو تادمِ حیات بمبئی میں مقیم رہے۔

خدا نے قمؔر صاحب کے اندر صرف شعر گوئی کا ملکہ ہی ودیعت نہیں فرمایا تھا، بلکہ انھیں سخن

فہمی کی ایسی صلاحیت عطا کی تھی، جوانھیں ابتدائے عمر ہی میں ان کو درجۂ کمال تک پہنچانے والی تھی۔

قمر صاحب جس وقت الہ آباد میں عہد طالب علمی گزار رہے تھے اور حضرت مولانا شفق عماد پوریؒ سے اصلاح سخن لے رہے تھے کہ ان کی نگاہ انتخاب سیماب پر پڑی۔ سیماب صاحب کے موثر کلام نے ان کو حلقہ بگوش بنادیا ایک جگہ خود لکھتے ہیں:

''غالباً ۱۹ء کی بات ہے، میری طالب علمی کا زمانہ تھا، شام کو درسگاہ سے دارالمطالعہ آیا، کتابیں رکھ کر تفریح کے لیے چلا، ابھی دارالمطالعہ کے پھاٹک پر پہنچا تھا کہ مولوی منہاج الدین عالیؔ سہسرامی (مرحوم) تلمیذ حضرت جلیلؔ مانکپوری نے آواز دی، قمرؔ صاحب جلد آیئے، ان کے پاس گیا تو انھوں نے ''شاعر'' کا تازہ پرچہ جواس وقت آیا تھا، مجھے دیتے ہوئے کہا، یہ مطلع پڑھئے۔

میں اپنی اس کیفیت کوالفاظ کا جامہ پہنانے سے قاصر ہوں، جواس وقت مجھ پر طاری ہوئی، ابھی میری عمر شاعری شاید دو سال بھی نہیں تھی، مگر اس شعر نے علامہ سیمابؔ کی عقیدت دل میں اتنی پیدا کر دی کہ جب تک میں نے شرف تلمذ حاصل نہ کرلیا، چین نہ آیا، چنانچہ میری یہ تمنا پوری ہوگئی''۔(۱)

آپ سمجھے، علامہ سیماب کا یہ وہ شعر تھا، جو بعد میں بہت مشہور ہوا

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

خاندانی احوال

قمر صاحب مرحوم سہسرام کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، آپ کے مورث اعلیٰ میں بعض اکابر کے نام ابوالمظفر جلال الدین شاہ عالم بادشاہ کے فرمان میں لفظ سرداری وغیرہ کے ساتھ مذکور ہیں۔اس کے بعد آپ کے خاندان کے جملہ اکابرین اپنے عہد کے مشہور طبیب اور بعض عالم دین ہوئے، شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:

شجرۂ نسب

مولوی حکیم بدیع الزماں المعروف بہ قمرؔ نعمانی سہسرامی بن مولانا حکیم ابونعمان لعل زماں بن حکیم عبدالسبحان بن حکیم یادعلی بن حکیم رحمت اللہ بن محمد شریف بن محمد فاضل بن غریب اللہ (نور

اللہ تعالیٰ مرقدہم)۔

یہ سلسلہ خاندان اس بزرگ سے چلا ہے جو چوہان (راجپوت) تھے اور مذہب اسلام قبول کر چکے تھے۔

قمر صاحب کے اہل خاندان میں خان محمد و محمد فاضل پسران غریب اللہ کی رسائی ان حکامِ وقت تک تھی، جو شاہ عالم کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، ان لوگوں کے ناموں کے جو کاغذات ہنوز موجود ہیں، ان پر شاہ عالم بادشاہ کے جلوس ۱۵ء مطابق ۱۱۸۷ھ کی شاہی مہریں پڑی ہوئی ہیں، جنھیں خود بھی راقم الحروف نے قمر صاحب کے برادر بزرگ الحاج مولانا حکیم مسیح الزماں (مدظلہ العالی) کے یہاں دیکھا تھا۔

شاعری و دیگر علمی یادگاریں

قمر صاحب نے ایک روز مجھ سے فرمایا، میری شاعری کا آغاز مولوی محمد شاہد صاحب سوز الہ آبادی مرحوم کی تحریک سے ہوا، سوز صاحب نے مدرسہ خیریہ سہسرام اور سبحانیہ الہ آباد میں تعلیم پائی تھی اور حضرت مولانا عبدالکافیؒ کے پوتے تھے۔

قمر صاحب کے ابتدائی کلام کے کچھ نمونے ندیم گیا (بہار) میں چھپے، اس کے بعد ۱۹۳۷ء میں ''شاعر'' کا جب آگرہ اسکول نمبر حضرت سیماب نے نکالا، تو اس میں ان کا بھی کلام حالاتِ زندگی کے ساتھ چھپا (تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں)۔

قمر نعمانی صاحب کو عربی فارسی کے علاوہ اردو ادب کا اچھا ذوق تھا۔ نظم ونثر دونوں پر قدرت حاصل تھی۔ مگر نثری نمونے کم ہیں، کسی خاص اسباب وتحریک کے باعث قلم اٹھاتے تھے، کبھی قلم اٹھایا تو نیاز فتح پوری کی گرفت کی، کبھی پروفیسر حامد حسن قادری کی 'سخن فہمی' کا پردہ چاک کیا، اس سلسلے میں ایک مقالہ 'شاعر' آگرہ دسمبر ۱۹۴۲ء بعنوان 'قادری صاحب کی سخن فہمی' چھپا، جو ان کی زبان دانی اور سخن فہمی دونوں کا ایک معیاری نمونہ ہے۔

ادھر ۱۶ سالوں سے نعمانی صاحب نے خود شعر گوئی ترک کر دی تھی، شعر وشاعری سے صرف 'اصلاح سخن' تک واسطہ تھا۔

آگے 'الوارث' کی ادارت کا ذکر آچکا ہے، قمر صاحب کی علمی یادگاروں میں اس ادارے کا 'سیماب نمبر' قابل ذکر ہے، جس کے وہ مرتب تھے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ

علامہ سیمابؔ کے فکروفن کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ اچھا نمونہ ہے۔

نمونۂ کلام

بلاتبصرہ قمرؔ صاحب مرحوم کی غزلوں کے کچھ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

منتخب اشعار

کچھ اس انداز سے چھیڑا ہے سازِ دلنشیں میں نے — نوائے تلخ میں بھی بھر دیا ہے انگبیں میں نے
مرے حسنِ عقیدت کی تجھے تو داد دینی تھی — کسی حالت میں بھی چھوڑا نہ دامانِ یقیں میں نے
جہاں جس حال میں رکھا، رہا، شاکر بہرصورت — فنا کے بعد بھی چھوڑی نہیں تیری زمیں میں نے

اس کو مذاقِ زیست سے کچھ آگہی نہیں — جو مبتلائے کشمکشِ زندگی نہیں
میرا سرِ نیاز نہیں قابلِ سجود — کچھ وجہ اضطراب مری سرکشی نہیں
ہو جس میں شائبہ کوئی نام و نمود کا — ایک قسم کا فریب ہے وہ بندگی نہیں
میں تو اسی خیال سے ہوں مطمئن قمرؔ — نزدیک اگر نہیں ہیں تو وہ دور بھی نہیں

بڑی مشکل سے اپنی ذات کا عرفان ہوتا ہے — وہ انساں ہو گیا، جس نے حقیقت جان لی اپنی

تمھاری یاد سے دم بھر بھی میں غافل نہیں رہتا — کبھی اک سانس بھی جاتی نہیں ہے رائیگاں میری

متاعِ ضبط کہ جس پر تھا کبھی ظرفِ دل میرا — لیکن یہ اپنے حال سے بھی بے خبر ہے آج
گمنام و بے نشاں تھا ابھی کل کی بات ہے — لیکن قمرؔ کے صدقے میں تو نامور ہے آج

سیرِ چمن دہر سے یہ کام لیا ہے — ہر ایک گل و خار سے پیغام لیا ہے
جب جوشِ محبت میں ترا نام لیا ہے — گھبرا کے فرشتوں نے بھی دل تھام لیا ہے
مغرور نہ کر دے کہیں ان کی یہ نوازش — کیوں آنکھ سے دل کا مرے پیغام لیا ہے
اللہ رے کیفیتِ نظارۂ ہستی — دل کھول کے لطفِ سحر و شام لیا ہے
کیوں کوئی پشیماں ہو میرے غمِ دل سے — میں نے تو خود اپنے ہی سر الزام لیا ہے

کچھ اور اُسے ہو گیا دشوار زمانہ — جس نے اثر گردش ایام لیا ہے
آرام نہ دیتا مجھے ہنگامۂ ہستی — میں نے تو زبردستی کچھ آرام لیا ہے
کیوں شکوۂ تقدیر سے تم ہوتے ہو برہم — کیا میں نے تمھارا بھی کبھی نام لیا ہے
کیوں گفتۂ اغیار پہ مغرور ہے ناداں — کچھ ذہن سے اپنے بھی کبھی کام لیا ہے
بیدار ہیں اب تک مرے جذباتِ محبت — دل تھام لیا ہے ترا جب نام لیا ہے

وطن کی طرف مراجعت اور وفات

کہا جاچکا ہے، قمر صاحب مرحوم کی زندگی کا بڑا حصہ بمبئی میں گزرا، بمبئی میں مرض سرطان نے جب مہلک صورت اختیار کرلی توانھیں اپنی وفات سے چھ ماہ پہلے اپنے چھوٹے بھائی (حکیم) شفیع الزماں سہسرامی کی مساعی ومعیت میں وطن آنا ہوا، ۲۵ سال بعد وطن آئے، اور اپنے بھائی کے یہاں رہے، بھائیوں نے بڑی خدمت کی، مگر شفا مقدر نہ تھی، آخر اس مرض مہلک میں مبتلا رہ کر ۳۰ مئی ۱۹۶۷ء (۲۰ صفر ۱۳۸۷ھ) کا دن گزار کر ۱۱ بجے شب کو رحلت فرما گئے، اور ۳۱ مئی کو اپنے موروثی قبرستان ''ساگر'' پر دفن ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وطن آنے کے بعد انھوں نے جو پہلا شعر کہا، بطور یادگار درج کیا جاتا ہے:

اک عمر وطن سے دور جو تھا — وہ آج وطن میں آیا ہے
جیسے کوئی گم گشتہ طائر — پھر اپنے چمن میں آیا ہے

حاجی بشیر الدین بشیرؔ سہسرامی

نام بشیر الدین، ولدیت سید شاہ امین الدین، متوطن محلّہ شیخ پورہ سہسرام۔

حاجی بشیر صاحب بڑے ہی باغ و بہار آدمی تھے، میلاد خوانی میں شہرت رکھتے تھے، بڑے پُر مذاق اور بذلہ سنج تھے، جس مجلس میں حاضر ہوتے مجلس قہقہہ زار ہو جاتی۔

آدمی خوش وضع اور صاحب جمال تھے، مشرقی تہذیب کے نمونہ، رنگ گورا، بدن چھریرا، چہرے پر ہلکی داڑھی، پاجامہ چست، ہاتھ میں عصا، کاندھے پر زرد دوپٹہ، بے جھیپ اور منہ پھٹ ایسے کہ جو انھیں منہ لگائے خود شرمندہ ہو جائے، مگر ہنسنے اور ہنسانے میں ایسے طاق کہ جو بولیں، پڑھیں رنگ جم جائے۔ جیسی ان کی طبیعت تھی ویسی ہی ان کی شاعری بھی تھی۔

راقم ۱۹۶۵ء میں پٹنہ ’فاضل‘ کا امتحان دینے کی غرض سے گیا تو موصوف ان دنوں وطن کو خیر باد کہہ کر پٹنہ سیٹی میں مقیم تھے، سہسرام کے لوگوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، ہم لوگوں سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں ملنے کی غرض سے تشریف لائے، تو ان کے ہاتھ میں دو کتابچے تھے، ’’تذکرۃ الاحباب مع رباعیات بشیر سہسرامی‘‘ اور تحفہ شمیم مع بشیر عالم جنتری ۱۹۵۶ء‘‘، راقم کو از راہِ اخلاص عنایت فرمائی، جس میں ان کے اور کچھ دوسرے کے منظوم کلام اور کچھ ان کے احبا کے احوال اور خود ان کے کچھ حالات زندگی درج ہیں۔

’’اس وقت میری عمر پورے ۸۴ سال ہے، ۱۵/جمادی الثانی ۱۲۹۲ھ کو میں پیدا ہوا، میری ولادت کے پندرہویں روز میری والدہ محترمہ جنابہ سیدہ بی بی حمیدہ صاحبہ نے پہلی رجب ۱۲۹۲ھ کو قضا کیا، اور میرے والد جناب حضرت سید شاہ امین الدین احمد صاحب نے ۱۲۹۶ھ کو انتقال فرمایا، میں جب ۴ برس کا ہوا میرا ختنہ ہوا اور نہان کے روز میری مکتب کی گئی، یعنی بسم اللہ کی رسم بہت شان سے ہوئی، جناب شاہ علی حسین صاحب عرف مدد میاں ساکن محلہ کبیر گنج دائرہ (سہسرام) نے بسم اللہ پڑھائی، بعدہٗ میرے حقیقی چچا جناب سید معین الدین احمد صاحب قبلہ نے قاعدہ بغدادی پارہ عم پڑھایا، اس کے بعد مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں داخل ہوا، ۴ برس مدرسہ میں پڑھا، بعدہٗ ہائی انگلش اسکول سہسرام میں داخلہ ہوا۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۳ء تک اسکول میں پڑھا، ۱۸۹۳ء میں میری شادی کے وقت میری عمر ۱۷ برس اور میری اہلیہ کی عمر ۱۴ سال کی تھی، ایک سال کے بعد ایک لڑکی مسمیٰ مجیب النساء پیدا ہوئیں، ۸ مہینہ کی تھیں کہ ان کی والدہ نے قضا کیا اور چند ماہ کے بعد اس بچی نے بھی قضا کیا، میں ان دونوں کے انتقال کرنے کے بعد آزاد ہو گیا، اور دل کو دنیاداری سے نفرت ہو گئی، میں کلکتہ چلا گیا اور وہاں پانچ سال تک مجرد رہا، بڑی پُر لطف زندگی تھی، جب کہ میں جوان تھا، پنج

وقتیہ نماز حاجی زکریا کی مسجد میں پڑھا کرتا تھا، اور جناب عیسیٰ میاں ڈگ بان کے بیٹے محمود کو پڑھاتا تھا اور میلاد خواں کہلاتا تھا، میری خوش آوازی اور میلاد خوانی کا شہرہ کلکتہ کی ہر گلی کوچہ میں تھا، اکثر مجھ سے پوچھا جاتا آپ شادی کیوں نہیں کرتے میں اپنا پورا قصہ سنا دیا کرتا۔ چنانچہ مولوی محمد اکرام الحق صاحب چٹریا کے دفتر میں فارسی منشی کی جگہ پر بہ مشاہرہ ۳۰ روپیہ مع خوراک و رہائش مقرر ہوا"۔

حاجی صاحب قیام کلکتہ کے زمانہ کا ایک واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

"میں ایک روز دفتر بند کرتے وقت دس ہزار روپیہ نوٹ کا پلندہ بھول گیا، اور وہ پلندہ آئرن بکس کے پیچھے گر گیا تھا، میں جب دوسرے روز بیوپاری کو آگرہ نوٹ روانہ کرنے آیا تو دس ہزار کا پلندہ غائب، میں گھبرا کر رونے لگا اور ولی محمد دربان سے کہا اب کیا کروں، اس کی خبر جناب ولی محمد صاحب دربان کو سنایا اور مجھ کو پیش کیا میں روتا ہوا ان کے قدموں پہ گر گیا اور مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ مجھ کو چوری کیس میں جیل بھیج دیں گے مگر اس کے برعکس ہوا، اکرام الحق صاحب نے جمنا نوکر کو بلا کر غسل خانہ خاص میں غسل کرایا اور اپنے دستر خوان پر کھانا کھلایا اور کہا تم نے پانچ برس میری نوکری کی ہے، میں جانتا ہوں، تم ایماندار ہو، میں نے وہ روپیہ بخش دیا اور ایک ماہ کی چھٹی دے کر سہسرام روانہ کر دیا اور کہا جب میں بلاؤں چلے آنا ڈرنا مت، میں اگر سہسرام نہ آتا تو یقیناً ڈر سے پاگل ہو جاتا، ماشاءاللہ کتنی بڑی عقلمندی کا کام انھوں نے کیا، یہ واقعہ ۱۸۹۸ء کا ہے، جس کو آج ستاون برس ہوا"۔

حاجی صاحب کو راقم نے سہسرام کی مختلف مجلسوں میں دیکھا، جس وقت تاریخ سہسرام حضرت مولانا مصلح صاحب سہسرامی نے مرتب کی، اس کے اشاعت میں حاجی صاحب کا بھی خاص ہاتھ رہا، جس کا ذکر خود مصلح صاحب نے اپنے رسالہ الاصلاح سہسرام میں فرمایا تھا۔

شہر کے تمام امرا اور اہل علم حضرات سے حاجی صاحب کے گہرے روابط تھے۔ لوگ انھیں مزاحاً حاجی بشیرا بھی کہتے تھے۔ یہ ان کی چڑ تھی، برہم ہو کر ایسی صلوٰتیں سناتے تھے کہ سننے والے خفا نہ ہوں، اور ساری مجلس باغ و بہار ہو جائے، ان کی زندگی کی پُر مذاقی، جرأت قابل داد ہوتی تھی۔ اکثر مجھ سے نوجوان کو بوڑھوں کی ان مجلسوں سے شرم ہی آتی۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے

جس کا ذکر ناگزیر ہے، جس کے بغیر "حاجی بشیر" کو سمجھنا مشکل ہے۔

حاجی صاحب کا وصال (تقریباً ۱۹۶۷ء کو) پٹنہ میں ہوا، ان کی چند رُباعیاں ملاحظہ ہوں:

حج کر کے اب نہ لوٹنا تاکید جانئے حاجی بشیر کہتا ہوں یہ بات مانئے
رہ کر مدینہ پاک میں اللہ سے ملو جیتے رہو ہمیشہ یہ اب دل میں ٹھانئے

ہر آدمی نادار کو بھائی سمجھو ہر دفتر اسلام کو جائی سمجھو
بیوہ جو زن ہو اس کو بناؤ جورو ہر بوڑھی کو آرام دو مائی سمجھو

چام میں چام گھسا ہو کے کمزور بشیر تھے جوانی میں تومند و شہرور بشیر
کثرت زن کے سبب ہو گئی پتلی یہ کمر کھاؤ خوب انڈے پراٹھے کہ ہو شہرور شیر

شاعری کا شوق عمر آخری میں پڑ گیا یہ نشہ دیکھو بشیر الدین سر پر چڑھ گیا
ہم نے تو سمجھا تھا سالہ رہ گیا جاہل مگر علم کا نطفہ تھا اصلی دیکھو سالہ پڑھ گیا

حاجی سید بدرالدین احمد صاحب بدؔر سہسرامی

حاجی سید بدرالدین صاحب بدؔر، جناب حاجی بشیر الدین صاحب بشیر سہسرامی کے لڑکے ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں بدؔر کی عمر ۴۰ سال ہوگئی تو بطور یادگار ان کے لڑکے شمیم سہسرامی نے ان کی چالیس سالہ برسی کے موقع پر اپنے دادا اور اپنے والد کا کلام کتابچہ کی شکل میں شائع فرمایا، جس کا تذکرہ بشیرؔ صاحب کے حالاتِ زندگی میں کر چکا ہوں۔

بدؔر سہسرامی کا نمونہ کلام:

خوش کیا مجھ کو بھی دل کو بھی مرے شاد کیا مدتوں پر مجھے اس شوخ نے جو یاد کیا

واے محرومیٔ قسمت کہ رہِ الفت میں — کچھ نہ حاصل ہوا اور عمر کو برباد کیا
تیرے آجانے سے کچھ بڑھ گئی رونق اس کی — خانۂ دل مرا اُجڑا ہوا برباد کیا
تجھ کو کیا سوجھی کہ الفت میں حسینوں کے پھسا — تو نے کیسا یہ غضب اے دلِ ناشاد کیا
قید مجھ کو کیا یہ خوب کیا خوب ہوا — آشیاں کا مرے ساماں کوئی صیاد کیا
فصل گل آئی چلے جھوم کے دیوانے — بستیاں چھوڑ کے پھر دشت کو آباد کیا

بدر کیوں نہ غزل اپنی سنانے آتا
حاضر بزم ہوا احباب نے جب یاد کیا

سنا ہے بزم میں وہ آرہے ہیں — بہت مشتاق اُن کے جا رہے ہیں
نظر مجھ سے نہیں کرتے برابر — وہ دل ہی دل میں کچھ شرما رہے ہیں
گلے مل لو ذرا اے اہل گلشن — ''چمن سے ہم نکالے جارہے ہیں''
خدا حافظ ہے اب بیمارِ غم کا — مسیحا تنگ ہو کر جا رہے ہیں
ہمیں وہ دیکھتے ہی قتل گہہ میں — اشارہ قتل کا فرما رہے ہیں
نہ چھیڑو زیرِ مرقد اے فرشتو — ابھی باہر سے فوراً آرہے ہیں

جناب بدر کی اس روشنی میں
نظر سب چاند تارے آرہے ہیں

وہ بالیں پر مرے جو نوحہ خواں ہے — ابھی زندہ ہوں کیوں آہ و فغاں ہے
نہ پوچھو حالِ دل اے ہم نشینو! — بہت غمناک دل کی داستاں ہے
مری تربت پہ وہ آکر یہ بولے — کہ مجھ کو چھوڑ کر جاتا کہاں ہے
نہیں ممکن شب دیدار اُن کا — کہ در پر پاسباں در پاسباں ہے
قرار آئے تو کیوں کر مجھ کو آئے — غمِ فرقت سے میرا دل تپاں ہے
رقیبِ روسیہ سے کوئی پوچھے — مری جانب سے کیوں وہ بدگماں ہے

لگاؤ بدر دل اپنا خدا سے
اسی میں خوبیِ ہر دو جہاں ہے

حکیم مولوی بہاء الدین صاحب معمور سہسرامی
(وفات ۱۹۵۵ء)

حکیم مولوی بہاء الدین صاحب معمور سہسرامی کے نام سے ذیل کی غزل ماہنامہ 'تاج' گیا میں شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گزری۔

مولوی حکیم بہاء الدین صاحب محلہ شاہ ہارون (برتلہ) کے رہنے والے تھے، مدرسہ خیریہ کے فارغ تھے، بڑے پُر مذاق، ظریف اور بے باک آدمی تھے، ان کی زندگی کے بہت سے لطیفے مشہور ہیں، راقم نے ان کو دیکھا تھا، طبابت کرتے تھے۔ سہسرام میں بھی طبابت کی اور بنارس میں ۱۹۵۲ء میں حیات سے تھے۔ مدفن درگاہ مخدوم سہسرام۔ سال فراغت مدرسہ خیریہ میں ۸؍ ربیع الاوّل ۱۳۴۳ھ تھا۔

نمونہ کلام

کھائی ہے مرض سے ترے اب منہ کی دوا نے — اس شرم سے منہ اپنا چھپایا ہے شفا نے
مشہور تو تھے وامق و مجنوں کے فسانے — سب دب گئے حال اپنا لگانے میں سنانے
عاجز ہوئے اب جملہ اعزا و اطبا — اچھا نہ کیا مجھ کو دعا نے نہ دوا نے
یہ طرف ستم ہے کہ اجازت نہیں اُف کی — کیا راز ہے یہ بھی کہ کوئی غیر نہ جانے
تھا وصل کا شوق ان کو بھی کچھ کم نہیں تجھ سے — لیکن نہ اجازت دی انھیں ان کی حیا نے
مانی سے بھی آخر نہ کھنچی یار کی صورت — "بے مثل کیا اس بتِ کافر کو خدا نے"

معمور کو کرتے ہیں عبث تنگ احبا
ہے مولوی بیچارہ وہ کیا شاعری جانے

۲۰۰۵/۱۰/۴ء کو جہانگیر اشرف صاحب نے بتایا کہ حکیم مولانا بہاء الدین صاحب مرحوم کے والد ماجد مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں اردو مدرس شاہ عبدالعزیزؒ صاحب تھے، ان کے پہلے لڑکے سید شمس الدین ورسیر تھے، دوسرے لڑکے ڈاکٹر سید مسیح الدین تھے، جو مدتوں کامیاب ڈاکٹر

ہومیوپیتھی تھے۔ تیسرے لڑکے مولانا حکیم بہاء الدین تھے چوتھے لڑکے حکیم سید صدر الدین تھے۔ طب لکھنؤ میں پڑھی، بنارس میں طبابت فرماتے تھے۔ ان کے تین بیٹیاں ایک بیٹا تھا۔ ایک بڑی لڑکی عشرت النساء زوجہ مولوی سید نور الدین وایک اسکول بہار شریف میں مدرس تھے۔ ان سے راقم الحروف حاذق کو بہت اُنس وقرب تھا۔ ان کے صاحبزادگان میں جہانگیر اشرف اور وسیم الدین سلمہ بھی مجھ سے غایت محبت اور قربت رکھتے ہیں، خیر الدین، قیام الدین نے کم عمری میں انتقال کیا۔

شاہ عبد العزیز کی ایک لڑکی امت رسول، فساد رانچی میں شہید ہوگئی تھی۔ حکیم بہاء الدین صاحب کی ڈی۔ اس۔ پی سہسرام سے بڑی راہ ورسم تھی، سہسرام میں کرفیو لگا تو حکیم صاحب کو کرفیو کے دوران اجازت تھی کہ باہر نکلیں اور پولس کی مدد کریں، اس سے انھوں نے ذاتی فائدہ بھی خوب اٹھایا۔ ۱۹۵۵ء تک حیات سے تھے۔

حکیم برکت اللہ

حکیم برکت اللہ صاحب، حکیم قربان علی صاحب سہسرامی کے فرزند ارجمند تھے، علوم طبیہ کے حصول کے بعد کچھ روز تک اپنے بھائی حکیم سلامت اللہ صاحب کے ساتھ شیر گھاٹی میں رہے اس کے بعد روشن علی خاں صاحب رئیس اکبر پور کے یہاں طبیب خاص کی حیثیت سے کام کرنے لگے، ان کے ایک شاگرد مولوی ذوست محمد صاحب اکبر پور رہتاس (شاہ آباد) تھے۔

کچھ دنوں تک حسین آباد (پلاموں) میں قیام کرنے کا موقع ملا، اور وہاں بندگان خدا کو فن طب سے فائدہ پہنچایا۔ کچھ روز تک ڈہری آن سون میں بھی طبابت کی۔ مگر آخری عمر میں اپنے وطن لوٹ آئے، اور یہاں ہی طبابت کرتے رہے، تقریباً ۷۰ سال کی عمر پائی، اور سہسرام میں انتقال کیا، اور موروثی قبرستان میں دفن ہوئے۔

حکیم بشیرالدین

حکیم بشیر الدین صاحب محلہ ذکی شہید سہسرام کے رہنے والے اور حکیم فصیح الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ اوسط قد، ہلکی داڑھی، جسم پر ململی لباس استعمال کرتے تھے، جب تک حیات سے تھے اپنے والد مرحوم کے مطب کو رونق بخشتے رہے، انتقال تقریباً ۱۹۵۵ء میں ہوا۔

ان کے بڑے صاحبزادے ماسٹر ظہیر الدین صاحب مرحوم بنارس کے مدرسہ میں مدرس تھے، اب ان کے لڑکے ماسٹر ابرار احمد صاحب (بی۔اے) وہیں مدرس ہیں ۲۰۰۸ء میں۔

حکیم صاحب کے دوسرے لڑکے قاری ظفیر الدین صاحب مرحوم تھے، بمبئی میں امامت فرماتے تھے۔ سہسرام میں انتقال کیا تقریباً ۱۹۹۵ء میں بعمر ۵۵ سال۔

حکیم بدرالدین

حکیم بدرالدین صاحب مرحوم ومغفور میری نانی بی بی ضمیرن کے خالو اور میری بھابھی صاحبہ (قمر النساء بنت عبدالحمید شیداؔ) کے دادا تھے، اس لیے انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ موصوف چھریرے بدن اور طویل القامت بزرگ تھے، عمر بھی طویل پائی۔ حقیقت میں اپنے عہد کے ارسطوئے زماں تھے، قوم چھتری کے فرزند تھے اور محلہ چوکھنڈی سہسرام کے متوطن۔

نسب نامہ

حکیم بدرالدین بن عنایت اللہ بن دوست محمد بن حکیم محمد یوسف بن پریو سنگھ بن اوچھاہل سنگھ۔ اوچھاہل سنگھ کے متعلق حکیم صاحب موصوف کے ایک خاندانی فرد مولوی حکیم عبدالحق صاحب نے بتایا کہ بعض کاغذات میں ان کے متعلق حسب ذیل عبارت ملتی ہے۔ ''اوچھاہل سنگھ از قوم چندیل چھتری بہ عہد شاہ جہاں از فرخ آباد تشریف آورند و بہ سہسرام متمکن بودند پیشہ سپاہ گری بود''۔

حکیم بدرالدین نے تین ضخیم کتابیں فن طب میں لکھی ہیں، راقم الحروف نے انھیں دیکھا تھا کہ وہ معمولاً روزانہ کچھ نہ کچھ فرصت کے اوقات میں اپنی تصنیفات کے لیے خامہ فرسائی کرتے تھے۔

حکیم بدرالدین صاحب نے فن طب کی تعلیم اپنے ماموں مولانا نے حکیم محمد علی صاحب و ہیڈ مولوی ہائی اسکول سہسرام سے پائی۔ اور مختلف راجواڑے میں طبیب کی حیثیت سے ملازم رہے۔

آپ کے فرزندوں میں حکیم عبدالوحید صاحب نے حکیم اجمل خاں صاحب دہلوی سے تعلیم پائی اور مولوی عبدالحمید صاحب شیدا فن شاعری میں اور محمد سعید صاحب پہلوانی میں اور عبدالمجید صاحب فن عطاری میں کامیاب رہے۔

حکیم صاحب کی اہلیہ کا نام بی بی منصب تھا، بی بی منصب تین بہنیں تھیں، بی بی ناظمہ زوجہ حافظ وصی اللہ، بی بی نصیبن زوجہ صفدر علی محلہ مغلپورہ سہسرام۹۔

حکیم صاحب حافظ عنایت حسین صاحبؒ چریا کوٹی سے بیعت تھے۔ حکیم صاحب کے حالات زندگی رجال سہسرام کے حوالہ سے تاریخ اطبائے بہار جلد دوم ص ۲۵۲ میں مطالعہ فرمائیں۔

سید شاہ بدیع الدین احمد

سید شاہ بدیع الدین احمد بن سید شاہ حبیب الدین بن رمضان علی بن سید شاہ فضل علی بن سید شاہ نعمت بدل بن شاہ واصل۔

شاہ واصل کے دو لڑکے ہوئے ایک لخت بدل اور ایک حیات محمد۔ حیات محمد کی بیٹی بی بی مریم تھیں، بی بی مریم کی شادی عبداللہ سے ہوئی۔ شاہ عبداللہ صاحب مرحوم قیام الدین صاحب سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام کے بڑے بھائی تھے۔ بی بی مریم سے ہوئے فخرالدین، فخرالدین کے بیٹا محی الدین عرف لالہ وہاں صاحب (سجادہ نشیں) تھے۔ ان کے صاحبزادے معین الدین (سجادہ نشیں) معین الدین صاحب کے بھائی تھے وصی الدین عرف کھیلن میاں اور کھیلن میاں کے لڑکے مسیح الدین عرف بدل میاں تھے۔ ان کے صاحبزادے تھے ملیح الدین (سجادہ نشیں) فصیح

الدین بشیر الدین مرحوم۔

بدیع صاحب کو حالاتِ شاہ رمضان علی۔ محمد اشرف خاں مرحوم وکیل (والد قمر علی خاں) محلہ شیخ پورہ جو شہر کے رئیس تھے، ان کی زبانی معلوم ہوا کہ انھوں نے رمضان صاحب سے فارسی کی کتابیں پڑھی تھیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ جب قبر میں ان کو لٹایا گیا تو وہ اٹھ گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ ان کا کفن سرکا اور بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھ رہے ہیں، بات یہ ہوئی کہ ان کا جنازہ دفن کرنے کے وقت کچھ لوگوں نے کہا کہ شاہ صاحب حالت نزع کلمہ نہیں پڑھ سکے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ قبر میں مذکورہ صورت کے مطابق ان کی زبان پر کلمہ جاری ہو گیا۔

شاہ بدیع الدین صاحب نے مولوی غیاث الدین صاحب چشتی ساکن رجہت سے کولہ ٹولی کلکتہ اور بھاگلپور میں تعلیم حاصل کی، جہاں ان کے والد تھے۔ فارسی و عربی کی ظاہری تعلیم حاصل کی۔

غیاث الدین صاحب بدیع الدین صاحب کے خالہ زاد بھائی تھے، غیاث الدین حسن صاحب ایک عالم فاضل آدمی تھے اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے شاگرد تھے۔

بدیع صاحب کو ڈپٹی تقی الدین استھانوی ایم۔ اے کی معیت میں زیادہ رہنے کا موقع ملا۔ ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں ۱۸ سالوں تک وقت گزرا، اور اسی سلسلہ میں حیدرآباد بھی رہنا ہوا، ان کے جملہ صاحبزادگان اور صاحبزادیاں شاہ بدیع الدین صاحب ہی سے تربیت پائیں۔

شاہ بدیع الدین احمد صاحب تین بھائی تھے، بڑے بھائی عبدالحیٔ تھے (والد عبدالولی و عبدالقوی) اور چھوٹے بھائی ڈاکٹر مجیب اللہ (ہومیوپیتھی)۔

شاہ بدیع الدین احمد صاحب کے دو صاحبزادگان ہیں، ایک ڈاکٹر سید شاہ رضی اللہ احمد جو ان دنوں سہدیو گھاٹ ضلع گیا میں علاج و معالجہ کرتے تھے۔ دوسرے راقم الحروف کے ہم سبق و ہم مدرسہ سید شاہ محی الدین احمد جو مدرسہ خانقاہ کبیریہ سے ۱۹۵۲ء میں عالم کیا اور اس کے بعد ایم۔ اے بھی کیا اور ہائی اسکول اکبرپور رہتاس میں ہیڈ ماسٹر ہوئے، جہاں محی الدین صاحب کے بھانجے محمد شمیم سلمہ جو مدرسہ خانقاہ کے فارغ ہیں، معلمی کرتے ہیں۔ بعد میں ہیڈ ماسٹر ہوئے، شمیم ہاشمی اپنا مجموعہ کلام شائع کرا چکے ہیں۔ غیاث صاحب پر بھی ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ آج ۲۸ رجون ۱۹۶۶ء کو بدیع الدین صاحب انتہائی ضعیفی میں ہیں لیکن کتب بینی کرتے ہیں۔ عمر ۹۰ سال ہے

شیخ تراب علی شجیرؔ سہسرامی

مصلح صاحب نے مسلم شعرائے سہسرام ص ۵۰ پر یہ لکھا ہے:

''شیخ تراب علی صاحب عرف اخون صاحب شجیرؔ اچھے شاعر تھے لیکن افسوس کہ مزید حالات آپ کے معلوم نہ ہو سکے۔

دل میں پری رخوں کے جو نامنصفی نہ ہو — بدنام یوں جہان میں پھر عاشقی نہ ہو
دل میں فراق کی جو مرے بے کلی نہ ہو — خستہ خراب ایسی مری زندگی نہ ہو
حاضر میں بت پرستوں کی جب جے کوئی کہے — اپنے خدا کی ہم سے کبھی بندگی نہ ہو
جی چاہتا ہے پھر ملے ایسا کوئی مقام — ہم تو وہاں ہوں اور کوئی اجنبی نہ ہو

معشوق دل فریب نہ ہوگا وہ اے شجیرؔ
جس میں کہ ناز و شوق و ادا کمسنی نہ ہو''

چراغ علی چراغؔ

(عہد ۱۷۸۷ء تا ۱۸۵۷ء)

مصلح صاحب نے ان کے متعلق تذکرہ مشاہیر شعرائے سہسرام ص ۲۱ میں لکھا ہے:

''چراغ علی خاں صاحب وطن قصبہ سہسرام پیشہ ملازمت بمقام لکھنؤ فوج میں فوجدار تھے۔ عمر تخمیناً ۷۰ برس وفات قبل از غدر۔

چراغ مرحوم صاحب دیوان تھے لیکن اب اس کا پتہ نہیں چلتا۔ غالباً غدر ۵۷ء کی نذر ہو گیا، لوگ کہتے ہیں کہ پڑھے بہت کم تھے، مگر تعجب سے خالی نہیں کہ آپ کا کلام اس کی تصدیق نہیں کرتا، ہندی اور اردو کے علاوہ فارسی کا کلام

نہایت پختہ اور استادانہ رنگ لیے ہوئے ہے، حاضر طبیعت غضب کے تھے۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ اپنے صاحبزادے کی نسبت لے کر مرزا الفت بیگ صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے، اثنائے گفتگو میں مرزا صاحب نے برجستہ شعر کی فرمائش کی چونکہ مرزا صاحب نہایت حسین وجمیل آدمی چیچک رُو تھے، اس لیے آپ کیا خوب فرماتے ہیں۔

داغ چیچک کے نہیں رُخ پہ تمھارے صاحب گرد خورشید کے نکلے ہیں ستارے صاحب

کلام فارسی

اے گل نہ حال چاک گریباں شنیدۂ نرگس نہ دیدۂ نگہ انتظار من
ایں دم کہ است جوش جنوں بر سر عروج نشتر رفیق من شدہ فصاد یار من
مغزیست شمع ساں لحدِ من منور است داغِ دلم بس است چراغ مزار من

آبِ حیواں کرا عطا کردی زہر قاتل نصیبِ ما کردی
وصل با دشمنان ہجر بمن ایں چہ الفت بآشنا کردی
قید کردی دلم ہزار احساں از ہمہ رنج و غم رِہا کردی
داغ بر غنچۂ دلم نہ نمود
باز روشن چراغ ما کردی

اردو

ارے ناطاقتی لے، سر ہوا منکے پہ دومن کا کرے جو قتل قاتل بار اترے میری گردن کا
چراغ اس بزم ہستی میں پس وپیش ہے تو اتنا ہے تماشا گور کا اول ہے اور اس کے بعد مردن کا

بقول قمر گیاوی صاحب چراغ صاحب عجب مزاج کے آدمی تھے، وہ بسا اوقات ایسے قیاس سے کام لیتے تھے جس سے دوسروں کی شرافت پر داغ آتا تھا، ان کی طبیعت خردہ گیر، عیب چیں تھے، چراغ کے متعلق ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' میں پڑھا کہ کم پڑھے لکھے تھے، اس لیے ان کے اشعار کی بندش سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے کسی زبان دان شاعر سے فارسی اور اردو غزلیں کہوا کر ایک دیوان مرتب کر لیا''۔ جو سراپا لغو ہے، شعر گوئی کا تعلق افتاد ہے، کسی درس گاہ کی سند سے نہیں، افسوس کہ قمر صاحب نے اس واقعہ کے متعلق بھی کچھ نہیں لکھا، جس کا اظہار مصلح صاحب نے

فرمایا ہے، واقعہ کی نوعیت بتاتی ہے کہ چراغ برجستہ شعر کہنے والوں میں تھے۔

قمر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ چراغ صاحب ''تقریباً ۱۸۵۵ء میں لکھنؤ میں کمپنی کی فوج کے سپاہی تھے''۔

نورالہدیٰ صاحب وکیل (ابن داروغہ شیخ احمد علی) ساکن محلہ بارہ دری سہسرام نے راقم کو ۱۹۶۰ء کے قریب بتایا کہ ''چراغ ان کے خاندان کے بزرگ تھے''۔ افسوس کہ چراغ کی ولدیت ان سے پوچھ نہ سکا۔

راقم نے چراغ کا عہد ۱۷۸۷ء تا ۱۸۵۷ء قرار دیا ہے۔ قمر صاحب مرحوم کے بیان کی روشنی میں توقع ہے کہ غدر کے بعد ہی ان کا انتقال ہوا ہوگا۔

الحاج مولانا حکیم حسن علی صاحب حسنؔ سہسرامی

نام: (حاجی مولانا حکیم) حسن علی صاحب۔ تخلص حسنؔ

وطن: محلّہ باڑہ قصبہ سہسرام، ضلع شاہ آباد، صوبہ بہار

خاندانی وطن

الحاج مولانا حکیم حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، آپ کے خاندان کے تمام بزرگ اپنے وقت کے شہرہ آفاق طبیب تھے، آپ اپنی کتاب ''مفید المعالجین'' میں لکھتے ہیں:

> ''امابعد اثم خفی وجلی، ہیچ مداں حسن بن حکیم یار محمد بن حکیم غلام علی بن حکیم مسعود کہ یکے بدم مسیحائی طاق و در دست شفا آفاق بودند احسن اللہ عواقبہم و نور مقابرہم متوطن مقام پُر آرام قصبہ سہسرام''۔

ذاتی احوال

حکیم صاحب نے سہسرام کی سرزمین میں آنکھ کھولی، علمی خاندان میں تربیت پائی، علوم

عربیہ وفارسیہ کی تکمیل کے بعد خاندانی پیشہ طبابت کو ذریعہ معاش بنایا اور اپنے عہد کے شہرہ آفاق طبیب ہوئے، غیر معمولی طبی مہارت کے ساتھ ساتھ زہد وعبادت میں مرتاض تھے، شب بیداری، تہجد گزاری روز کا مشغلہ تھا، ان کی عادت تھی کہ تین بجے شب کو بیدار ہو جاتے تھے، نماز فجر کے بعد وظائف میں مشغول رہتے تھے، اس کے بعد روزانہ سیکڑوں مریضوں کو دیکھا کرتے تھے، گیارہ بجے دن تک مطب کرتے تھے، اس کے بعد اُٹھ جاتے تھے، دوپہر کا کھانا کھا کر ایک گھنٹہ قیلولہ فرماتے تھے، نماز ظہر پڑھ کر تلاوت کلام اللہ میں منہمک ہوتے، اس کے بعد اپنے شاگردوں کو درس دیتے تھے، خدمتِ خلق کا غیر معمولی جذبہ رکھتے تھے، غرباء کا علاج مفت کیا کرتے تھے، اور امراء سے بھی حصولِ زر کے خواہاں نہ تھے، خدا پر غیر معمولی توکل ءتھا، صوفیانہ مزاج رکھنے کے سبب کسی کے در کی خاک نہ چھانی، ایک مرتبہ راجہ رنگا نے کوشش کی کہ آپ کو تین سو روپیہ ماہانہ وظیفہ پر اپنے یہاں بلائے، مگر آپ نہ گئے، اس طرح کے دوسرے راجاؤں کی کوششیں بھی اس سلسلے میں رائگاں ہی ثابت ہوئیں۔

تشخیص امراض اور قارورہ شناسی میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے، لوگوں کے چہرے دیکھ کر امراض بتانے میں کمال حاصل تھا، خدا نے زبان میں غیر معمولی تاثیر دی تھی، مختصر یہ کہ خدا آگاہ آدمی تھے، امامت سے اجتناب کرتے تھے، اور خود شناسی سے محروم نہ تھے، خدا نے حج بیت اللہ کے شرف سے نوازا تھا۔

فرصت کے اوقات میں درس وتدریس کے علاوہ کتابوں کی تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے تھے۔

تعلیم یافتہ گھرانے کے آدمی تھے، اپنی جملہ اولاد کو خود تعلیم دی اور دوسرے صاحب علم حضرات کے پاس استفادے کے لیے بھیجا، ان میں بعض شہرہ آفاق ہوئیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

اساتذہ وتلامذہ

رواجِ زمانہ کے مطابق گھر پر اپنے والد ماجد اور دوسرے بزرگوں سے عربی وفارسی کی کتابیں پڑھیں اور فن طب کی تکمیل کی۔

حصولِ علم کے لیے سفر کیا یا نہیں معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ علوم عربیہ ودینیہ کی تعلیم اپنے عہد کے شہرہ آفاق علما سے حاصل کی۔ ابتداً مولانا مولوی محمد مصطفٰے صاحب شیر دسنوی بہاریؒ کے سامنے

زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور سندِ فراغت مولانا مولوی محمد موسیٰ خاں صاحب سیالی ملتانی لاہوری سے حاصل کی اور فن طب میں اپنے وقت کے مشہور طبیب مولوی حکیم مہر علی متوطن سہسرام (طبیب خاص مہاراجہ رام نگر، بنارس) اور مولوی حکیم غلام جیلانی صاحبان سے استفادہ کیا۔

آپ کے تلامذہ میں خود آپ کے لڑکے مولانا حکیم محمد قادر بخش حافظ حدیث قدس سرہٗ اور مولانا حکیم محمد مرتضےٰ حسین صاحب مرحوم تھے، یہ دونوں بزرگ بھی صاحبِ تصنیف وتالیف تھے۔

آپ کے شاگردوں میں سید احمد حسین سمروی اور مولانا حکیم محمد علی سہسرامی بھی اپنے اپنے فن میں امتیازی شہرت کے مالک ہوئے، تفصیل کسی اور موقع سے لکھی جائے گی۔

ارادات وخلافت

ابتدائی عمر ہی سے نیک سیرت اور صوفی مزاج بزرگ تھے، کافی عمر پانے کے بعد حاجی شاہ محمد شیر علی پیلی بھیتی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۶/ربیع الاوّل ۱۲۹۰ھ شب پنجشنبہ کو بیعت ہوئے، آپ کا شمار ''اولیائے وقت'' میں ہوتا تھا۔

شاہ صاحب مرحوم ان کو بہت چاہتے تھے، شاہ صاحب مرحوم نے چند تبرکات جو انھیں سلسلۂ نقشبندیہ قادریہ کے بزرگوں سے سلسلہ بہ سلسلہ پہنچے تھے، حکیم صاحب کو عنایت فرمائے۔ ان ہی میں ایک موئے مبارک غوث الثقلینؒ بھی ہے، جو ان کے ایک صاحبزادے محمد مرتضےٰ حسین سہسرامی مرحوم کی اہلیہ کے پاس ہنوز موجود ہے، اور ہر سال جس کی خلق خدا کو زیارت کرائی جاتی ہے۔

حکیم صاحب کو ان کے پیرومرشد نے چند رسالہ ہائے وظائف مثلاً حصن حصین وغیرہ بھی عطا کیے تھے، حکیم صاحب موصوف کا ایک ضخیم کتاب خانہ تھا، افسوس زمانہ کے دست وبُرد سے باقی نہ رہا اور کتابیں مختلف جگہ تقسیم ہو گئیں، ورنہ اس سلسلے کی مزید معلومات حاصل ہوتیں۔

حکیم صاحب مرحوم ومغفور کو شاہ صاحبؒ نے اپنا خلیفہ مجاز بنانا چاہا، مگر ان کی طبیعت میں غیر معمولی انکساری اور فروتنی تھی۔ کبھی امامت نہیں کرتے تھے، اس لیے بارِ خلافت کو قبول نہ فرمایا۔

صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر عمر میں جلالی کیفیت طاری ہو گئی تھی، زمانۂ انتقال میں ان کے پیرومرشد بقید حیات تھے۔ مشہور ہے کہ جس وقت سہسرام میں ان کا وصال ہوا، کشفی طور پر ان کے پیرومرشد کو آگاہی ہوئی، انھوں نے پیلی بھیت میں

اپنے حلقہ بگوش مریدوں سے فرمایا کہ "آج سہسرام کا چراغ گُل ہوگیا"۔
حکیم صاحب کے باضابطہ مرید ہونے سے پہلے سلسلۂ تصوف میں فیض اپنے استادِ محترم حضرت مولانا محمد موسیٰ خاں صاحبؒ سے پہنچا، علوم ظاہریہ کی تعلیم کے بعد علوم باطنیہ کی بھی تعلیم پائی خاص کر دلائل الخیرات اور دیگر وظائف کی اجازت انھیں سے حاصل تھی۔

عہد

حکیم صاحب کا عہد بڑا ہی پُر آشوب تھا، ۹۶ سال کی عمر میں ۱۰رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ میں وصال ہوا، ان کی عمر اور سال وفات کو سامنے رکھ کر دیکھئے تو ان کا سال پیدائش ۱۲۲۶ھ ٹھہرے گا، اب دیکھنا یہ ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء میں حکیم صاحب کی عمر کیا تھی، غدر ہجری کے حساب سے ۱۲۷۱ھ و ۱۲۷۲ھ میں ہوا تھا، اس طرح حکیم صاحب اس وقت ۴۵، ۴۶ سال کے ہوں گے، سہسرام کے مختلف مصنفوں نے حکیم صاحب کی عمر اور سال وفات کو اسی طرح لکھا ہے، ان باتوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ حکیم صاحب مسلمانوں کے عروج وزوال کے ایک اچھوتے دور کو بخوبی دیکھ چکے تھے۔
یہی وہ دور تھا جب کنور سنگھ اور شاہ کبیر الدین (ثانی) نے اپنے علاقہ میں شہرت پیدا کر لی تھی، ایک انگریز دشمنی میں بدنام ہوا تو دوسرا انگریز دوستی میں۔
مختصر یہ کہ یہ بیداری کا دور تھا، ایک طرف سیاسی جنگ وقتال کا میدان گرم تھا، تو دوسری طرف اہل علم علمی کارناموں میں مشغول تھے، یہی وہ دور تھا جب شاہ کبیر الدین (ثانی) نے ایک پریس قایم کیا تھا، اور دیوان درد، حاشیہ سراجیہ، قرآن پاک اور دوسری علمی کتابیں سہسرام سے شائع ہو رہی تھیں اور علمائے شہر کے علاوہ بیرونی علما مثلاً مولانا شیخ محمد نور علی محدث سہسرام اور مولانا محمد مصطفٰے شیر دسنوی اور مولانا فاروق صاحب چریاکوٹیؒ جیسے باکمال جمع ہو گئے تھے۔

حکیم صاحب کا علمی ذوق

حکیم صاحب گیارہ بارہ کتابوں کے مصنف ہیں، ان ہی میں آپ کا ایک چھوٹا رسالہ "مناقب پیر" ہے، جو دوبارہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کی دوسری اشاعت میں حکیم صاحب کے ایک داماد ماسٹر منشی عبدالجلیل صاحب (نیم لوہار سہسرام) نے اتنا اضافہ کیا کہ اس میں حکیم صاحبؒ کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصنیفات کی فہرست بھی درج کر دی، جس سے رسالہ کی افادیت فزوں تر

ہوگئی اور راقم الحروف کو پہلی بار اسی رسالے سے ان کی تصنیفات کا علم ہوا، ان دنوں راقم الحروف ''رجال سہسرام'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دے رہا ہے، اس کتاب کے لیے بھی ناگزیر تھا کہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور ان کی جملہ نگارشات وتخلیقات کا مطالعہ کیا گیا، بعض کتابیں تو راقم الحروف کے پاس وراثۃً ملیں، کیوں کہ میرے والد صاحب قبلہ حکیم صاحب کے اپنے نواسے تھے، جو خود بھی صاحب ذوق اور متدین عالم دین تھے، افسوس کہ میری کم عمری میں وصال کر گئے، مگر ان کا ذاتی کتب خانہ میرے کام آیا، جن سے مجھے کتابیں حاصل ہوئیں، ان کے علاوہ کچھ اپنے خاندان کے دوسرے کتب خانوں سے میں حکیم صاحب کی کتابیں دستیاب ہوئیں۔ خاص کر حکیم صاحبؒ کے ایک دوسرے نواسے مولوی حکیم منشی بہاء الدین بن حکیم سراج الدین (محلّہ پٹھان ٹولی سہسرام) کے صاحبزادے سے ملیں اور بعض شہر کے ممتاز ترین افراد کے پاس موجود ہیں، ان ہی میں ایک غیر مطبوعہ کتاب ''مفید المعالجین'' ہے، جو ان کے شاگرد رشید مولانا حکیم محمد علی مرحوم ومغفور (متوطن چوکھنڈی سہسرام) کے ہاتھوں کی نوشتہ ہے اور ان کے ایک عزیز قریب اور عہد حاضر کے واحد ویکتا شہر طبیب الحاج مولانا حکیم مسیح الزماں سہسرامی علیہ الرحمہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ سہسرام کے ایک مشہور شاعر کے نواسے کے پاس گیا میں موجود ہے، جس کو ابھی تک دیکھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔

حکیم صاحبؒ یوں تو متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، مگر ان میں آپ کی سب سے پہلی تالیف ''مفید المعالجین'' ہے، جو ۱۲۷۷ھ میں اختتام پذیر ہوئی، یہ کتاب غدر کے چند سال بعد انیسویں صدی کے نصف اوائل میں لکھی گئی ہے، کتاب کی زبان فارسی ہے، گویا ان کی فارسی زبان کا یہ پہلا نمونہ ہے اور تقریباً ۵۱ سال کی عمر میں لکھا گیا ہے۔

حکیم صاحبؒ نے چار شادیاں کیں، کثیر العیال آدمی تھے، گھریلو مشاغل کے علاوہ درس وتدریس اور مطب کی دیکھ بھال، زمین وکاشت کی نگہبانی میں زیادہ وقت گزر جاتا تھا، اس عمر میں پہنچ کر جب انھیں قدرے سکون ہوا اور ملک کی فضا سازگار ہوئی یا طبیعت کا گوشہ گیری کی طرف میلان ہو گیا تو تالیف وتصنیف کو مشغلۂ حیات بنالیا، لکھنے پڑھنے کا ایسا ملکہ ہو گیا تھا کہ ۹۶ سال کی عمر کو پہنچ کر بھی نہیں چھوٹا، ان کی موت سے دو سال پیشتر یعنی ۱۳۲۰ھ تک کی نگارشات تو راقم الحروف کی نظر سے گزر چکی ہیں، اور ہنوز موجود ہیں، اسی سن میں انھوں نے علم صرف کی مشہور کتاب

''فصول اکبری'' کا ایک نسخہ اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے، ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ نسخہ اپنے کسی عزیز قریب کو پڑھانے کے لیے لکھا ہوگا، قابل غور بات ہے کہ سابق علما وصوفیا اپنے عزیزوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جتنے جتن کرتے تھے، آج اس کا عشر عشیر بھی ہم انفرادی یا اجتماعی طور پر انجام نہیں دے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دن بدن ہماری حالت زبوں تر ہو رہی ہے۔

تعارف تصنیفات

(ا) ''غایۃ الایضاح فی ذکر الجنائز والارواح''

سہسرام کے نثر نگاروں میں آپ کی یہ پہلی تالیف ہے، جو اردو زبان میں لکھی گئی، انیسویں صدی کے آخر کی یادگار سہسرام میں اردو ادب کا ارتقا اور اس کی ترویج۔ ہر ایک کے لیے یہ کتاب ایک یادگار تمثیل ہے۔

اختر اورینوی کی مشہور تصنیف ''بہار میں اردو ادب کا ارتقا'' دیکھئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے جہاں اور مقامات بہار کے ادبی نمونے پیش کیے ہیں وہاں انھوں نے سہسرام میں اردو ادب کے ارتقا کے بھی کچھ نمونے درج کیے ہیں، اور یہ سارے نمونے ایسے ہیں جو بطور درخواست عدالتوں میں ۱۸۳۹ء تک پیش کیے گئے ہیں، اور یہ کوئی تصنیفی یا تالیفی نمونے نہیں ہیں۔

میری معلومات کی حد تک سہسرام کا کوئی پہلا تالیفی نمونہ ہو سکتا ہے تو حکیم صاحب موصوف کی یہی تالیف ہے، انداز بیان ترجمہ جیسا ہے، مگر اپنے مطالب کی ادائیگی کے لیے واضح، مستند اور پختہ ہے۔

یہ کتاب مطبع فردوسی دہلی سے باہتمام حبیب الرحمٰن و عبد الرحمٰن صاحب راسخ دہلوی چھپی ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ دونوں صاحبان دہلی سے ''بے مثال پنچ'' اخبار نکال رہے تھے، یہ اخبار جہاں تک مجھے معلوم ہے ۱۸۹۳ء تک لازماً چھپتا رہا ہے۔

کتاب مذکور میں سن طباعت درج نہیں، قیاس ہے کہ سن مذکور کے چند سال پہلے طبع ہوئی، اس کتاب پر سہسرام کے مشہور مدرس اور شیخ الحدیث مولانا ابوالحسن صاحب بیدلؔ سہسرامی کی تقریظ ہے، جن کے بعض منظوم کلام ۱۸۹۳ء تک اخبار مذکور میں چھپتے رہے ہیں، جن سے یقین ہوتا ہے کہ کتاب مذکور اسی دور میں چھپی ہے۔

ایک دوسری کتاب کے قلمی نسخے پر بزبان فارسی اس انداز میں تعارف نظر سے گزرا۔

''غایة الایضاح فی ذکر الجنائز والارواح محتوی برانیکہ برموتے وارواح ازوقت نزع تا قیامت در برزخ ہا تنعیم وتعذیب پیش می آیند وطریق فاتحہ وزیارت قبور ونزرومشروک وغیرذلک''۔

اس کتاب پر جابجا مؤلف کے گراں قدر فرزند جامع معقولات ومنقولات وہادیٔ دین طریقت حضرت حاجی حکیم مولانا قادر بخش حافظ حدیث (تلمیذ رشید فقیہ عصر حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنوی فرنگی محلی) کا حاشیہ بھی ہے، جس سے اس کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

(۲) ''مناقب پیر''

یہ ایک مختصر منظوم رسالہ ہے، جس میں حکیم صاحب موصوف نے اپنے پیر طریقت حضرت حاجی محمد شیرؒ پیلی بھیت کی شان میں لکھے ہیں اور آخر میں شجرۂ قادریہ کو دعائیہ انداز میں منظوم کیا ہے، یہ رسالہ پہلی بار ۱۲ر جولائی ۱۸۹۶ء کو مطبع محمدی گیا میں چھپا، دوسری بار مطبع سلیمانی بنارس میں طبع ہوا۔

حکیم صاحب کی شاعری کے متعلق مولانا ابومحمد مصلح سہرامی صاحب ''مشاہیر تذکرہ شعرائے سہرام'' نے لکھا ہے کہ'' آپ کی شاعری مفید اور کارآمد تھی۔ غزل کی طرف کبھی رجحان نہیں ہوا، اردو وفارسی قصیدے، مناجات، منقبتیں بکثرت ہیں، حقیقت میں رسالہ کچھ اسی نوع کا ہے۔ اس پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔

(۳) ''حکایت عجیبۂ منظوم''

اس کتاب میں ایک دلچسپ حکایت فارسی زبان میں نظم کی گئی ہے، قناعت کے مضمون کو شعروشاعری کا جامہ پہنا کر اصلاحِ نفس کی کچھ اس انداز میں دعوت دی گئی ہے کہ کلام کی اثرانگیزی اور طرزِ ادا ہر ایک کا حسن نمایاں ہوگیا ہے، ۱۳۱۴ھ میں مطبع قیصری پٹنہ میں چھپی ہے۔

(۴) ''اعلام فی انواع الادام

یہ کتاب فن طب میں ہے، مؤلف کی زبان میں تعارف یہ ہے:

''اعلام فی انواع الادام'' متضمن برمزاج وافعال وخواص و منافع ومضار بقولات وترہ ہا وانواع آب وحکم اجتماع غذاہا وغیرذلک بطور و اختصار''۔

مطبع غوثیہ میں ۱۳۳۰ھ میں چھپی ہے۔

(۵) ''مفید المعالجین''

طب کی یہ پہلی قلمی تصنیف ہے جو ۱۲۷۷ھ میں لکھی گئی ہے، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، اس کتاب سے ان کے شاگرد ہمیشہ استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ۱۹۸ صفحات پر مشتمل ہے مؤلف کے چند درمیانی کلمات بسلسلۂ تعارف درج کیے جاتے ہیں۔

''... لیکن از آنجا مشقتہا حاصل شدہ بود و ہم اصرار و افادہ بعض احباب واعزہ پیش نظر داشتم، ہم چنان گزاشتن دریغے آمد در ۱۲۷۷ھ یک ہزار دوصد ہفتاد و ہفت ہجری بقر نہائے تمام فراہم آوردہ بہ مفید المعالجین موسوم گردانیدم''۔

عبارت جس نسخے سے لی گئی ہے وہ ان کے ایک شاگرد کی لکھی ہوئی ہے، اختتام کتاب پر درج ہے:

''الحمد لله و المنة کہ نسخہ مفید المعالجین من تصنیف استاذی مولوی حکیم حسن علی صاحب دامت برکاتہم بقلم شکستہ رقم عاصی محمد علی (۱) ولد حکیم سراج علی بن حکیم رحمت اللہ عفی اللہ عنہم و جزی ربہم خیر الجزاء بتاریخ بست ونہم شہر جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ روز دوشنبہ بوقت چاشت صورت اختتام یافت
الٰہی بیامرز ایں ہر سہ را مؤلف، نویسندہ خوانندہ را
وما توفیقی الہ باللہ و ہو حسبی اللہ و نعم الوکیل''۔

(۶) ''انتخاب در تدبیرات بدنیہ''

محتوی بہ تفصیل سنہ ضروریہ واقسام حمیات مع اسباب علاج آنہا و چند ضوابط وقواعد علاج و اوزان صحیحہ طبیہ''۔

(۷) ''مفردات''

مفردات بطور اختصار سہ قسم، قسم اوّل در نباتات، قسم دوم در حیوانات، قسم سوم در جمادات۔

(۸) ''زبدۃ القانون فی العلاج الوباء والطاعون''

مشتمل بر دو مقالہ، مقالہ اوّل در تحقیق وباء طاعون بہ سند روایات احادیث وتفسیر مقالہ دوم بقول حکماء وعلاج جسمانی۔

(۹) ''غایۃ الاوطار ترجمہ دُرمختار''

یہ کتاب فقہ کی مشہور کتاب کا اردو ترجمہ ہے، تلخیص واختصار کے ساتھ، ترجمہ اس انداز میں کیا گیا ہے کہ مطالب خبط نہیں ہوتے اور مسائل کی جملہ نوعیت واضح ہو جاتی ہے، اس کتاب کا قلمی نسخہ ہنوز موجود ہے، مؤلف نے ایک قطعہ میں غایت تالیف کو اس انداز میں پیش کیا ہے:

جمع کر دی ہے حسؔن نے یہ کتاب — غایۃ الاوطار سے کر انتخاب
طالبوں کو دیکھنے سے فصل و باب — تا ضروری مسئلوں سے ہو خبر

(۱۰) ''پنچایت نامہ''

یہ ایک مطبوعہ تصنیف ہے، جو اردو زبان میں شائع ہوئی۔ حکیم صاحب اپنے ایک نوشتہ میں اس کا تعارف بزبان فارسی اس طرح کر گئے ہیں:

''پنچایت نامہ کہ درآں بطور تو ریہ مؤلف عبداللہ مرقوم است وآں مشتمل بر مذہب پنچ و پنچایت عرفی و در کیفیت پنچایت شرعی کہ جائز ومشروع است وآں بیت در تسمیۂ موضوع آں آنست

رذیلوں کے عدالت کا دمامہ — ہے تالیفِ حسن تحکیم نامہ

اس رسالہ میں مؤلف نے مسلم عوام کی پس ماندہ برادریوں کی پنچایت اور ان کے مظالم اور غیر مشروع طریقۂ فیصلہ کے معائب کو کھول کر بیان کیا ہے، اور اس کے مقابلہ میں شرعی طریقۂ تحکیم سے لوگوں کو متعارف کرایا ہے، عقلی و نقلی جملہ دلائل سے یہ کتاب مملو ہے، نیز یہ کتاب مؤلف کی ذکاوت فکر اور اصلاحِ ملت کے جذبہ سے ممزوج ہے، اور ایک لائق تقلید کاوش ہے۔

(۱۱) ''ملخص الاخبار فی مولد سید الابرار''

یہ اردو زبان میں سراپا منظوم کاوش ہے، دوسرے لفظوں میں یہ چھوٹا سا ایک قلمی رسالہ ہے، زمانہ کے دست برد سے بچ بچا کر جس کا ایک قلمی نسخہ کرامت لائبریری سہسرام (۱) میں پہنچ گیا ہے، اس میں ایک جگہ اس کا تعارف اس طرح درج ہے:

''مشتمل بر تفصیل حالات مبارک از کرسی نامہ و ولادت باسعادت صاحبِ نبوت و معراج و وفات شریف با بعض غزوات''۔

اس نسخے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف کے دوسرے منظوم کلام درج ہیں، گرچہ اس میں بعض جگہ تسامح پایا جاتا ہے، کاتب کون ہے، معلوم نہ ہوا، نیز اس کے آخر میں ان کی جملہ تصنیفات وتالیفات کا تعارف درج ہے، جس سے اس مقالہ میں استفادہ کیا گیا ہے، مؤلف کی بعض مطبوعہ کتابیں بھی اس کتب خانہ میں موجود ہیں۔

(۱۲) ''اپنے دیکھنے کا آئینہ''

یہ رسالہ حکیم صاحب کے عہد پیری کا معلوم ہوتا ہے اور قلمی ہے، مسائل تصوف اور اس کے متعلقات سے مملو ہے، فن تصوف کی مختلف کتابوں سے گلہائے رنگا رنگ کو کشید کر کے ایک مجموعۂ عطر تیار کیا گیا ہے، رسالہ کی زبان اردو ہے۔ مصنف کی افتادِ طبع سے اس کتاب کو خاص لگاؤ ہے، اسی لیے کتاب کا نام ''اپنے دیکھنے کا آئینہ'' رکھا گیا ہے، اس کتاب سے حکیم صاحب کی علمی بصیرت کا پورا اندازہ ہوتا ہے، خدا کا شکر ہے کہ یہ رسالہ ایک خاندانی کتب خانہ سے حاصل ہوا اور ہنوز موجود ہے۔

شاعری

خدا نے حکیم صاحب کو جذبۂ شعر و شاعری بھی ودیعت فرمایا تھا، آپ کا کلام پاکیزہ خیالات سے مملو ہے، زیادہ تر حمد و نعت لکھی اور اپنے پیر طریقت کی منقبت اور ان کی کرامت کو منظوم کیا، غزل کی طرف طبیعت مائل نہ تھی، عموماً نظمیں اور قصائد لکھا کرتے تھے، غزلیں بھی کہی ہیں، مگر چند ہی۔ ان کی طبیعت کا اصل جوہر نظموں میں کھلتا ہے، فارسی زبان میں ''حکایت عجیبہ'' کے نام سے ایک طویل نظم لکھی جو مثنوی کے طرز میں ہے۔ قناعت کی توصیف میں ڈوبی ہوئی، اور صوفیانہ خیالات سے مملو اردو کلام کے کچھ نمونے تبرکاً پیش کیے جاتے ہیں، غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خیالِ روئے انور ہر نفس پیش نظر ہوئے ۔۔۔ سُہا کے سامنے ہر دم وہی نورِ قمر ہوئے
پلادے ساقیا جامِ محبت تو مجھے ایسا ۔۔۔ کہ دل مدہوش ہو کر ماسوا سے بے خبر ہوئے
شعاعِ شمس کا فیضان کر اے عینک عرفاں ۔۔۔ کہ تا بہ پنبۂ تر شعلہ زن اور پُر شرر ہوئے

حسنؔ کیا خوف تجھ کو وسوسہ سے نفس وشیطاں کے
تری حامی و حافظ جب کہ حضرت کی نظر ہوئے

حکیم صاحب نے اپنی مشہور کتاب غایۃ الایضاح میں بعد حمد ونعت واحوال ذات ۲۱ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے، چند اشعار بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں:

افسوس مالِ عمر کا کھو کر ثمن چلے — ہم اپنے نقد لے کے سوئے راہزن چلے
ساری جوانی لہو و لعب میں گزر گئی — طفلی وہی ہے نام کو گو پیر بن چلے
یہاں کس لیے ہم آئے تھے افسوس کیا کیا — قالوا بلیٰ کے عہد سے پیماں شکن چلے
مال و متاع و اہل و عیال اپنے چھوڑ کر — کل کائناتِ دہر سے لے کر کفن چلے

دنیائے پیر زال کے زہراب مکر سے
بیہوش، دل شکستہ و بیجاں حسنؔ چلے

حسن جان خاں صاحب حسنؔ سہسرامی

(۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء)

نام وولدیت

مولوی حسن جان بن مولوی فیض بخش عرف شاہ میاں جان صاحبؒ بن علی بخش مرحوم۔

وطن

محلہ شیخ پورہ قصبہ سہسرام ضلع شاہ آباد (آرہ) میں تقریباً ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے، تاریخ پیدائش کا صحیح علم نہیں، تخمیناً یہی سال پیدائش ہوتا ہے، اور یہی غدر کا زمانہ تھا۔

خاندانی احوال

مولوی حسن جان خاں صاحبؒ کے والد بزرگوار حضرت مولوی فیض بخش عرف شاہ میاں

جان رحمۃ اللہ علیہ خود بھی صاحب طریقت اور مالک رشد و ہدایت تھے، جو قادریہ مجددیہ، نقشبندیہ مجددیہ، صابریہ مجددیہ میں لوگوں کو بیعت کرتے تھے، رشد و ہدایت کا یہی ماحول تھا جہاں حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کھولی اور خود بھی صاحبِ کمال بزرگ ہوئے۔

بیعت وارشاد

حسن صاحب نے سب سے پہلے اپنے خاندانی ماحول سے اکتساب علم کیا اور اپنے والد ماجد کی صحبت میں رہے، ان کے والد حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب لاہوریؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

زندگی کے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ عین عہد شباب (۱) میں ان کی نگاہِ انتخاب حضرت خواجہ شاہ لطیف علی عرف شاہ میاں جان صاحب قدس سرہٗ پر پڑی، ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے ارادے سے ان کی خانقاہ تکیہ شریف پٹنہ پہنچے اور ان سے سلسلۂ ابوالعلائیہ نقشبندیہ میں مرید ہوئے، صحبت پیر سے انھوں نے کافی فائدہ اٹھایا اور ان کے چہیتے ہو گئے، خدا نے غیرمعمولی صلاحیت عطا کی تھی، اس لیے روحانی علوم میں ترقی کر گئے۔ جہاں انھیں پیر کی جانب سے سلسلۂ فردوسیہ، چشتیہ، نقشبندیہ، ابوالعلائیہ میں لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت تھی، وہاں ہی ان کے والد نے ان کو سلاسل قادریہ مجددیہ، نقشبندیہ مجددیہ، صابریہ مجددیہ میں اپنا خلیفہ مجاز بنایا تھا۔

اس طرح انھیں دو بزرگوں کی رہنمائی سے غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے، ان کے والد کا جو نام تھا وہی ان کے پیر و مرشد کا عرف تھا، اس طرح دونوں ہی ایک نام سے معروف تھے۔

ادبی ذوق

حسن جان خاںؒ کو جہاں مسائلِ تصوف سے دلچسپی تھی، وہاں ہی انھیں خدا نے شعر گوئی کا بھی ملکہ ودیعت فرمایا تھا، صاحب دیوان بزرگ تھے، ان کا ضخیم نامطبوعہ دیوان راقم الحروف نے بھی دیکھا ہے، ان دنوں ان کے پوتے مسعود الحسن خاں صاحب مسعود اس مسودۂ دیوان کی تبییض میں لگے ہوئے ہیں۔ خدا کرے جلد اشاعت پذیر ہو جائے۔

حسن جان خاں صاحبؒ کو صرف نظم گوئی ہی پر قدرت نہ تھی، بلکہ نثر نگاری کا بھی ذوق رکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ۱۸۹۰ء میں اخبار الانوار کانپور کے رئیس التحریر رہے۔

وفات

حسن جان خاں صاحبؒ نے ۶۱ سال کی عمر پائی، پوری زندگی ایک خاص وضع میں بسر کی، مجلس سماع کے بڑے شائق تھے، آخر عمر میں زخم گلو کے مریض ہو گئے، اور اسی مرض مہلک میں گرفتار رہ کر ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ کو اس دار فانی سے راہیٔ دار البقا ہوئے۔ آپ کی وفات کی تاریخیں بہت سے لوگوں نے لکھیں، مگر سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ خود خاں صاحبؒ نے اپنی وفات سے دو روز پہلے فارسی کا ایک قطعہ کہا، جس سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

اے خدائے دو جہاں دے واقف حال دروں — لطف فرما عاجز بیکس نزار و ہم زبوں
ناتواں را اگر خواہی توانائی دہی — کور چشماں را کنی بینا بحقِ صاد و نوں
فکر مے کردم کہ دانم رازِ موت و زیست را — دوش در گوشم صدا آمد ز حق چوں ارغنوں
اے حسنؔ ہرگز نیابی را ز موت و زندگی — تا نہ دانی نکتۂ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
چوں سر دام تعلقہائے ایں عالم گسست — آفتابِ روحِ پاک از ابر جسم آمد بروں

۱۳۳۴ھ

مرقد

حسن جانؒ کا مزار اقدس قصبۂ سہسرام کے محلہ قاضی ٹولہ میں ہے، جو ان دنوں محلہ املی آدم خاں سہسرام کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ درگاہ شاہ بوڑھن سے قریب بسمت جنوب ہے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے لائق فرزند مولوی محمود الحسن خاں صاحب محمودؒ تاریخ وفات کے دن سالانہ عرس کرتے رہے، ان دنوں آپ کے پوتے مسعود الحسن خاں صاحب جملہ تقریباتِ عرس کو انجام دیتے ہیں۔

شاعری

نام حسن جان تھا۔ اس لیے تخلص بھی حسن ہی فرماتے تھے، زندگی بھر ایک خاص مسلک کے پیرو رہے، اس لیے رنگِ شاعری بھی ان کے متصوفانہ خیالات سے مملو ہے، زیادہ تر غزلیں کہی ہیں، اردو کے علاوہ فارسی میں بھی نمونۂ کلام ملتا ہے، اردو کے علاوہ فارسی میں بھی نمونۂ کلام ملتا ہے،

اردو کا دیوان تو ضخیم ہے، جس میں غزلوں کے علاوہ قطعات، رباعیاں اور دوسرے اصنافِ سخن کے کچھ نمونے آگئے ہیں، فارسی کا بھی ایک مختصر دیوان ہے۔ جو مثنوی کے طرز میں لکھا گیا ہے۔ مصلح سہسرامی کا کہنا ہے کہ ''آپ کے عہد میں سہسرام میں آپ کا کوئی مثیل شاعر نہ تھا''۔

نمونۂ کلام

میں نے کہا دل آپ اے جاں فدا ہوا ۔۔۔ بولے وہ ہنس کے حق محبت ادا ہوا
ہیں لاکھ قید اس پہ بھی وارستہ دل ہوں میں ۔۔۔ مضموں کی بندشوں میں ہے مطلب کھلا ہوا
حاجب نہیں ہے غیر کی اہل کمال کو ۔۔۔ خوشبو میں اپنی جامۂ گل ہے بسا ہوا
وحدت نہاں ہے پردۂ کثرت میں اس طرح ۔۔۔ جیسے عدد میں ایک ہے سو میں چھپا ہوا
پیماں شکن کو دل شکنی کا خیال ہے ۔۔۔ آیا خطِ شکست میں نامہ لکھا ہوا
مجھ سے کھنچا ہوا دلِ قاتل ضرور ہے ۔۔۔ خنجر بھی چل رہا ہے گلے پر رکا ہوا
احباب نے کفن جو ہٹایا مزار میں ۔۔۔ منھ تھا ہمارا دوست کی جانب پھرا ہوا
دو ایک گھونٹ پی کے ذرا لطف دیکھئے ۔۔۔ زاہد ابھی تو ہے درِ توبہ کھلا ہوا

تیغ ادا سے اس کی حسنؔ ہو گیا شہید
کوچہ صنم کا اس کے لیے کربلا ہوا

جان لو اہل بصیرت جلوۂ ذاتی ہے روح ۔۔۔ امر ربّی اس لیے عالم میں کہلاتی ہے روح
جب غبارِ غیریت سے قلب ہو جاتا ہے پاک ۔۔۔ صاف آئینہ میں جلوہ اپنا دکھلاتی ہے روح
ہے ازل سے روح کو مرغوب نغماتِ سماع ۔۔۔ آج بھی آواز نئے پر وجد میں آتی ہے روح
سنتے ہیں جب نغمۂ انا الیہ راجعون ۔۔۔ عاشقوں کی ذوقِ مستی میں نکل جاتی ہے روح

ہے یہی سر نفخت من روحی حسنؔ
شانِ تنزیہی ہے اس میں جلوۂ ذاتی ہے روح

ملا ہوا ہوں مگر طالبِ وصال بھی ہوں ۔۔۔ میں اتنا سہل ہوں صاحب کہ پھر محال بھی ہوں
ہے میری ذات سے وابستہ کفر اور اسلام ۔۔۔ رخِ جلال ہوں، آئینۂ جمال بھی ہوں

خدا کے علم میں موجود ہوں فنا ہو کر — زوال مجھ میں ہے ظاہر پہ لازوال بھی ہوں
ہوں آفتاب سے منسوب گرچہ ہوں ذرہ — میں ہیچ کارہ ہوں پر صاحب کمال بھی ہوں
حسن ہوں خضر کہیں اور ہوں کہیں رہزن — ہدایتِ ازلی ہوں رہِ ضلال بھی ہوں
کہتے ہیں جس کو دنیا سیلاب ہے فنا کا — سب بہہ رہے ہیں اس میں ساحل کو ڈھونڈتے ہیں

خلوت در انجمن کا ہم جانتے ہیں مطلب
ہم اپنے ہی وطن میں منزل کو ڈھونڈتے ہیں

حسن علی خاں حسنؔ سہسرامی

حسن علی خاں نام، حسنؔ تخلص بن جناب غریب اللہ خاں صاحب مرحوم، متوطن محلّہ چوکھنڈی سہسرام۔ کلاہ فروشی (۱) کا کام کرتے تھے۔ ساٹھ سال کی عمر کے بعد تقریباً ۱۹۳۵ء میں فوت ہو گئے۔

حسنؔ صاحب سہسرام کے بہترین نعت گو بزرگ تھے، ''احسن المیلاد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جسے منشی پیارے لال صاحب بھارگو منیجر سلیمانی پریس بنارس نے شائع کیا۔ کل صفحات ۷۶ ہیں۔

حسنؔ صاحب اس کتاب کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں کہ اس کتاب کی نثر مولانا محمد قادر بخشؔ کی لکھی ہوئی ہے، البتہ سارے منظوم کلام ان کے ہیں۔ نیز حسن صاحب نے لکھا ہے کہ ''میں نہ شاعر ہوں نہ مجھ کو دعویٰ فنِ شاعری ہے۔ محض معمولی لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔ مجھ کو فنِ عروض میں بالکل دخل نہیں ہے، ان کا خیال ہے کہ محض مشیت ایزدی ہے کہ انھوں نے کچھ منظوم کلام کہنے کی سعی کی۔

نمونۂ کلام

کس منہ سے حمد خالقِ کون و مکاں کروں — باہر ہے حد فہم سے کیوں کر بیاں کروں

ممکن نہیں کہ سرِّ نہاں کو عیاں کروں　　　رہتی ہے اس میں بات کہ گونگی زباں کروں

خلاّق ہے کریم ہے وہ ذوالجلال ہے
بے مثل اس کی ذات ہے وہ بے مثال ہے

وصف اُس کے نقشِ پا کا تو حسنؔ کیا لکھ سکے　　　خاکِ پا جس کی یہاں کحل البصر ہونے کو ہے

یارب مری زباں کو تو اپنی زبان کر　　　خود ہی ولادت اپنے نبیؐ کی بیان کر

غلامی میں ہم کو بلا لو محمدؐ　　　مجھے اپنا شیدا بنا لو محمدؐ

اس شعر میں شترگربہ ہے، اس طرح کے عیب بعض اشعار میں موجود ہیں۔

ذرا رُخ سے پردہ اٹھا دو محمدؐ　　　جمال اپنا مجھ کو دکھا دو محمدؐ

بگڑے ہوئے جب کام اسی در سے بنیں گے　　　اس در کو حسنؔ چھوڑ کہاں جائے بتادو

رحم کر رحم گنہ گاروں پر رحماں بن کر　　　کر علاج اپنے تو بیماروں کا درماں بن کر
آرزو اتنی حسنؔ کی ہے خدایا تجھ سے　　　روبرو جائے ترے صاحبِ ایماں بن کر

کیا سجدہ فرشتوں نے بشر کو　　　ذرا اس خاک کی توقیر دیکھو
کبھی تم لائقِ بخشش نہیں ہو　　　حسنؔ اپنی اگر تقصیر دیکھو

مجھے سو سو طرح کے غم کھلائے جس کا جی چاہے　　　کہ ہوں میں عشق کا بندہ رُلائے جس کا جی چاہے
حسنؔ تھا خاک کا پتلا ملا پھر خاک میں آکر　　　ہوائے شوق جاناں میں اُڑائے جس کا جی چاہے

حسن علی خاں راحتؔ

مصلح صاحب ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' میں رقم فرماتے ہیں:

''مولوی حسن علی خاں صاحب مرحوم و مغفور کی ذات جس کی شہرت آج تک میاں صاحب قبلہ کے نام سے ہے، سہسرام کی دنیائے شاعری کے لیے دراصل آپ اپنی نظیر گزرے ہیں، آپ کی علمی لیاقت کے متعلق صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ شاہ نامہ فردوسی طوسی جیسی مبسوط کتاب کا اردو میں ترجمہ فرما رہے تھے لیکن اس اثنا میں یہ سن کر کہ کسی دوسرے نے اس کو نظم میں مختصر طور پر ترجمہ کیا ہے، اپنے خیال سے باز رہے، فی الواقع اگر کہیں یہ کام انجام پا گیا ہوتا تو آج ایک دوسری تاریخی روایت قائم ہو جاتی اور اردو میں ہمارے سامنے ایک عمدہ بیش بہا اضافہ نظر آتا۔ افسوس کہ ہم اس ترجمہ کا نمونہ پیش کرنے سے آج قاصر ہیں۔

سہسرام میں مشاعرے کی بنیاد بھی سب سے پہلے آپ ہی کے زمانے میں قائم ہوئی تھی جس کے بانی خلیفہ غلام رسول صاحب شہیدؔ تھے۔''

حسن آرزوؔ سہسرامی

(پیدائش ۱۹۳۶ء وفات ۹ رجون ۱۹۹۵ء)

حسن آرزو نام، آرزوؔ تخلص، متوطن محلہ شاہ جمعہ قصبہ سہسرام ابن حفیظ اللہ، تلمیذ جمیل مظہریؔ۔

آرزو راقم کے ہم عمر، عہد طالب علمی ہی سے ایک ہنرمند اور صاحبِ ذوق آدمی کی حیثیت سے شہر میں مشہور و معروف ہیں۔ ان کے والد حفیظ احمد صاحب بھی ایک وضعدار اور خوشحال مسلمان تھے۔ آرزوؔ کی پرورش متمول گھرانے میں ہوئی، جس کے سبب ان کی طبیعت میں نفاست

اور تصنع دونوں بدرجہ اتم تھا۔ وہ کبھی بھی کسی سے کھل کر نہیں ملتے، ہمیشہ اپنے آپ کو لیے دیئے رہتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنے آپ کو زیادہ تر گھریلو معاملات میں مشغول رکھتے تھے۔ طبیعت پر جب ''ترقی پسندی'' کا غلبہ تھا اور موصوف مائل بہ اشتراکیت تھے تو قومی ولسانی خدمات میں زیادہ سرگرم نظر آتے تھے۔

آرزو ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے، سہسرام ہائی اسکول میں پڑھا لکھا، مولوی منظور حسین صاحب ہیڈ مولوی اسکول مذکور کی صحبت فیض رسا میں رہے، اسکول سے فارغ ہوئے تو جین کالج سہسرام میں داخل ہوئے، اور پروفیسر اظہر حسین سے اردو وفارسی کا درس لیا، پھر پٹنہ کالج تشریف لے گئے، اور وہاں بالخصوص پروفیسر اختر اورینوی اور جمیل مظہری جیسے مشاہیر ادب کی صحبت میں جلا پائی۔

۱۹۵۹ء میں اردو میں ایم۔ اے کیا اور امتیازی طور پر درجہ اوّل میں کامیاب ہوئے، پھر آرہ میں ملازم ہوگئے، جگ جیون کالج آرہ میں اردو لکچرر رہے، نیز مہنت مہادیا لے آرہ کے شعبہ اردو کی خدمت بھی خوش اسلوبی سے انجام دی۔ ۱۹۶۲ء میں پٹنہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔ اے کیا اور اوّل درجے میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں اس۔ پی۔ جین کالج سہسرام میں شعبۂ اردو فارسی میں لکچرر ہوگئے، ان کے استاد پروفیسر اظہر حسین صاحب ان کے شعبہ کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے۔ موصوف اس کالج میں بہار یونیورسٹی کمیشن کے مشہور وکیل اکرام الحق صاحب عرف کمو، جو کالج کی انتظامیہ کمیٹی کے رُکن تھے، غیر معمولی حصہ لیا، اور خدا کے فضل سے ان کی مساعی کامیاب ہوئی۔

مسلم شعرائے بہار جلد ششم (ص ۳۶) میں مرقوم ہے کہ ان کے نانا حکیم سید غلام حسین صاحب مرحوم کا ایک نامی گرامی مطبع بنارس میں تھا، جہاں سے بعض وقیع اخبار شائع ہوتا تھا۔ نیز اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آرزو کی والدہ محترمہ نے انھیں بچپن ہی میں حالی کی مسدس اور سعدی کے کچھ اشعار یاد کرادیئے تھے، جس نے آگے چل کر ان کے ادبی ذوق کو پروان چڑھایا۔

حسن آرزو کے متعلق پروفیسر اختر اورینوی کی یہ رائے کتاب مذکور میں درج ہے:

> ''ان کی (حسن آرزو) شکیل صورت اُن کے ادبی اور فنی ذوق سے مکمل طور پر طابقت رکھتی ہے۔ ادبیات سے اُن کا گہرا شغف، ان کی خوبصورت نظموں میں فصاحت اور معنی خیزی پیدا کر دیتا ہے، اور اُن کے تنقیدی مضامین

میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے، جن میں ہمیشہ تخلیقی شان موجود رہتی ہے، وہ اپنے
تنقیدی فیصلوں میں بہت متوازن رہتے ہیں، ہر چند رومانی ادب کے شائق ہیں
لیکن ساتھ ہی کلاسیکی حسن کے دلدادہ بھی، یہی وجہ ہے کہ نظم و نثر دونوں ہی
اصناف میں اُن کا ذوق سلیم اعتدال کے حفاظتی دھارے میں بہتا ہے"۔

آرزو کے مقالات کا پہلا مجموعہ "معاشرے کا تنہا آدمی" ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا، یہ مقالات ابتداً "مریخ" پٹنہ کے چند شمارے میں شائع ہوئے، جس کو ایک حلقہ نے بہت پسند کیا۔ پھر بعد میں کتابی شکل میں آیا، اس کتاب کی اشاعت میں پروفیسر عبدالمغنی مدیر مریخ نے غیر معمولی حصہ لیا۔ اور کتاب پر نظر ثانی فرمائی۔

آپ کی دیگر کتابیں "سلطان شیر شاہ سوری — احوال و آثار (۱۹۸۱ء)" "اردو کے مخفی افسانے" (۱۹۸۴ء)، سعادت یار خاں رنگین — حیات و نگارشات (۱۹۸۴ء) اور "مخفی تنقید و تحقیق" (۱۹۸۹ء) میں منظر عام پر آئیں۔ آخر الذکر کتاب علم الاعداد اور علم نجوم کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔ ایک اور کتاب "ہمارے افسانے" جو ایوان اردو پٹنہ سے شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ آپ کی غیر مطبوعہ کتابوں میں "فرہنگ ریختی"، "اردو کی مخفی داستانیں" اور "تنقید محض" قابل ذکر ہیں۔ اس طرح ڈاکٹر حسن آرزو کی شخصیت بحیثیت نقاد و محقق بڑی اہم اور قابل قدر شمار کی جاتی ہے۔ "مخفی تنقید و محقق" کے اس نئے "اپروچ اور فکر و اسلوب" کو دنیائے تحقیق و تنقید اور ادب عالیہ میں با قاعدہ اور باضابطہ طور پر پہلی بار روشناس کرانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ اس طرح آپ کی تصنیفات کے پیش نظر سہسرام کی اردو نثر نگاری کے ارتقا پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

پٹنہ کالج کے زمانے میں جمیل مظہری سے اصلاح سخن لیتے رہے۔ اختر اورینوی سے بھی استفادہ کیا۔

نمونۂ کلام

پتنگے نے سرِ شمع تجلی نقد جاں رکھ دی — شرر تھا جس نے بنیادِ حیات جاوداں رکھ دی
بکھیرے ماہ و انجم نے جہاں عشرت کے افسانے — شفق نے بھی وہیں پر ایک خونی داستاں رکھ دی
خدا آسودۂ منزل کرے جوشِ جنوں تجھ کو — مٹا کر تو نے اُمید تلاش کارواں رکھ دی
فسردہ ایسی رنگ و حسن کی دنیا نہ تھی پہلے — ہوس کی آگ یہ کس نے گلوں کے درمیاں رکھ دی

کہاں جنت کے افسانے کہاں دنیا کے ہنگامے　　کہاں تھی اور وحشت نے مری مٹی کہاں رکھ دی
مجھے اے آرزو وہ مدعا کہنے نہیں دیتے
ستم ہے میرے منہ میں کاٹ کر میری زباں رکھ دی

نہ آئے تو، تو ترا ذکر اے بہار کریں　　خزاں کے جور سہیں تیرا انتظار کریں
چمن میں آ کے اٹھائیں بہار کا احساں　　کہ لالہ کاریٔ صحرائے اعتبار کریں
اُدھر حرم ہے اِدھر ہے صنم کدوں کی قطار　　قدم اٹھے تو کوئی راہ اختیار کریں
ستم کشوں پہ بیاباں کا حق بھی ہے لیکن　　جگر میں خوں ہو تو کانٹوں کو لالہ زار کریں
جو وہ بنا نہ سکے آرزو کے دل کو چراغ
تو دے کے جذبۂ پروانہ بیقرار کریں (۱)

حذاقت حسین (وکیل)

حذاقت حسین خاں صاحب محلّہ پٹھان ٹولی سہسرام کے مشہور وکیل تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی اکرام الحق خاں عرف کمو بھی شہر کے مشہور وکیل تھے اور انِ کے مختلف البطن بھائی۔ راقم کے استاد اور مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے پرنسپل تھے۔ ان بزرگوں کے والد کا نام رجسٹرار راحت حسین خاں تھا، راقم کا ہر ایک سے تعلق تھا، سب سے زیادہ کمو صاحب اور پرنسپل صاحب سے تعلق تھا، حذاقت صاحب کے بڑے لڑکے صداقت حسین خاں عرف سدو بھی وکالت کرتے تھے، صداقت کے بیٹے شوکت حسین خاں عرف دولہا سہسرامی شاعر ہیں۔ صداقت کے بھائی شرافت حسین خاں اور شمیم احمد خاں سرکاری ملازم ۲۰۰۵ء میں پنشن یافتہ رانچی میں رہتے ہیں۔

تاریخ وفات حکیم فخرالحسن حکیم سہسرامی نے کہی:

حذاقت با حسیں آن مرد زیرک　　کہ در قانون دانی بود مشہور
چو صبح سیزدہ آمد ز اپریل　　قضائے لم یزل گردید مصدور

ز دل حکم قضا لبیک می گفت | پیام مرگ ہم می کرد منظور
شد از گفتار آں مہجور گوشم | کجا از چشم عالم گشت مستور
رقم زد از حکیم ایں سال رحلت | گرامی بود و ہم مرحوم و مغفور

۱۹۶۰ء

آہ مشہور وکیل حذاقت حسین (۱۹۶۰ء) نثر میں۔

حافظ عبدالحمید صاحب حسرت سہسرامی

۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۸ء تا ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء

میں ۲ر جنوری ۱۹۶۶ء کو سہسرام پہنچا تو معلوم ہوا کہ ۴ر رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۸ر دسمبر ۱۹۶۵ء بروز سہ شنبہ حافظ عبدالحمید صاحب حسرت (بن عبدالرحیم صاحب انصاری) کا انتقال ہو گیا۔ کفِ افسوس مل کر رہ گیا اور آپ سے آخری ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا۔ موصوف محلہ چلکنیہ ٹولہ (شاہ جمعہ) سہسرام کے رہنے والے تھے، طبعی عمر کو پہنچ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ تقریباً اسّی پچاسی سال عمر تھی۔

آپ کے صاحبزادے مولانا مولوی عبدالرشید صاحب جو عربی کے چند مروّجہ اور مفید رسالوں کے مؤلف ہیں، اور جامعہ عباسیہ رشید منزل بہاول پور (پنجاب، مغربی پاکستان) میں عربی لکچرر ہیں۔

حسرت صاحب مختلف جگہ بسلسلۂ معاش رہ چکے تھے۔ کچھ دنوں امجدیہ ہوٹل کلکتہ میں ملازم تھے۔ جناب امجد علی انصاری محلّہ نیم لوہارو سہسرام کے رہنے والے تھے، ان کا ہوٹل کلکتہ میں مشہور ہوٹل تھا۔

حسرت صاحب اوسط قد سے ذرا کم خمیدہ کمر بزرگ تھے۔ صاف ستھرے کُرتے میں ہمیشہ دیکھے جاتے تھے۔ نحیف الجسم تھے۔ میری دادی ام کلثوم مرحومہ (بنت حضرت مولانا حکیم الحاج حسن علی حسن سہسرامی) کے قریبی

رشتہ دار تھے۔ دادی مرحومہ کے ساتھ مجھے متعدد بار لڑکپن میں حسرتؔ کے ہاں جانے کا موقع ملا تھا۔ دادی کے ماموں کے بیٹے تھے۔

نمونۂ کلام

کیا مرتبہ ہے واہ رسالت مآب کا دیباچہ بن کے آئے خدا کی کتاب کا

دم نکلنے دو چلے جاؤ گے جلدی کیا ہے بے رُخی اتنی بھی اچھی نہیں بیمار کے ساتھ (۱)

وہاں کا ذرّہ ذرّہ مطلع الانوار ہوتا ہے جہاں روشن نشانِ نقش پائے یار ہوتا ہے
اُسی کو خضر سمجھو کوچۂ جاناں کا تم حسرتؔ جو رہبر ہر قدم پر نقش پائے یار ہوتا ہے (۲)

حسرتؔ صاحب نے شیداؔ سہسرامی کی وفات پر ذیل کا قطعہ لکھا:

مار ڈالا تو نے شیدا کہہ کے یہ ہم چلے تم خوش رہو اہل وطن
چشم نرگس کی طرح حیرت زدہ اب ترے ماتم میں ہیں اہل وطن
آدمی کا ذکر کیا غم میں ترے نوحہ خواں ہیں سارے مرغانِ چمن
مرنے والے کچھ اسی پر بس نہیں رو رہا ہے قبر پر چرخِ کہن
ہر ادا کہتی ہے تیری تو رہا دلنوازِ نغمہ سنجانِ سخن
تھی کچھ ایسی تیرے دم کی روشنی چل بسا تو بجھ گئی شمعِ سخن
کیا غنیمت ذات تھی شیدا تری فیض پاتے تھے یہاں کے اہل فن
دوستوں نے جب لکھا سالِ غم بول اٹھا حسرتؔ یہ با درد و محن

لکھ دے حسرتؔ از سر یاس و الم
آہ آہ اے طوطیٔ شیریں سخن (۳)

۱۳۴۸ھ

حیات محمد مہر سہسرامی

حیات محمد نام، مہر تخلص، اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہوسکا۔
ماہنامہ تاج گیا کے شمارہ جنوری ۱۹۲۵ء میں ان کی غزل نظر سے گزری تھی صفحہ ۵۲
پر صرف چند اشعار میں نے نقل کیے جو حسب ذیل ہیں۔

دیوانہ کیا مجھ کو تری طرز جفا نے — گرویدہ بنایا ہے مجھے تیری وفا نے
مصرع یہی موزوں ہوا تو حیف صنم میں — بے مثل کیا اس بت کافر کو خدا نے
ہم ہجر میں دن رات کریں نالہ و زاری — اور آپ سنیں بیٹھ کے محفل میں ترانے

جب مہر تھا زندہ تو کبھی پوچھا نہ آکر
اب قبر پہ کیا آتے، ہو تم اشک بہانے

(تاج، جنوری ۲۴ء، ص ۵۲)

مذکورہ غزل کی زمین پر سہسرام کے اور شعرا کی بھی غزلیں چھپی تھیں۔

خورم

مصلح صاحب لکھتے ہیں:

"مولوی خورم علی خاں، راحت مرحوم سے نزدیکی قرابت تھی، آخر وقت میں جب کہ راحت مرحوم کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی تھی۔ خورم مرحوم ہی ان کے کلام لکھا کرتے تھے، آج جب کہ راحت مرحوم کا کلام دستیاب نہیں ہوتا خورم کے کہاں سے لائے جائیں گے"۔

راحت سہسرامی کی وفات ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء میں ہوئی، جب خورم صاحب ان کا کلام لکھا کرتے تھے۔ توقع ہے کہ ۱۳۰۳ھ کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔

خاطر

مصلح صاحب نے صرف اتنا ہی لکھا ہے:

''مولوی مہدی حسن خاں سہسرام کے اچھے شاعروں میں تھے، اس سے زیادہ حال معلوم نہیں''۔

۱۹۲۶ء سے پہلے کی شخصیت ہوں گے۔

خلیقؔ سہسرامی

متوفی ۱۹۳۸ء

محمد خلیق احمد نام، خلیقؔ تخلص بن مولانا مولوی محمد فرخند علی صاحب خنداں سہسرامی متوطن محلّہ چوکھنڈی سہسرام۔

خلیق صاحب نہایت حسین اور خوش خصال نوجوان تھے، نام و تخلص ہی خلیق نہ تھا بلکہ عملاً بھی خلیق تھے، ان کے بڑے بھائی مولوی محمد محیط صاحب (عرف مولوی ننگرا) اور وہ خود اپنی خالہ محترمہ بی بی زبیدہ (زوجہ محمد یحییٰ صاحب مرحوم بن حکیم مہر علی محلّہ نورن گنج سہسرام) کے مکان میں رہتے تھے۔ اب اس مکان میں مولوی محیط کے ایک داماد عبدالرحیم صاحب ٹیلر ماسٹر جو مولانا فرخند علی بانی مدرسہ خیریہ سہسرام کے بھتیجے ہیں، رہتے ہیں۔ اب ۲۰۰۵ء میں عبدالرحیم مرحوم کی اولاد میں بیٹے پوتے آباد ہو گئے ہیں۔

خلیق مرحوم نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، پھر مدرسہ خانقاہ سہسرام میں داخل ہوئے۔ نوجوان سال تھے کہ وصال ہوا، راقم نے ان کو آٹھ دس سال کی عمر میں دیکھا تھا وصال تقریباً ۱۹۳۸ء یا ۱۹۴۰ء میں ہوا۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ ''خیال سخنداں'' جو ان کے والد کا مجموعہ کلام ہے،

اس سے ان کا ذیل کا سلام درج کیا جارہا ہے:

زعرش فوق مقام تو یا رسول اللہ　　خوشا مقام قیام تو یا رسول اللہ
جنم غلام غلام تو یا رسول اللہ　　ستادہ ام بہ سلام تو یا رسول اللہ
دلم بہ چشم سر آنکہ از زبانِ صبا　　رسد بگوش کلام تو یا رسول اللہ
بفرط شوق نظر چشم سر بسر دارد　　کلام حق بہ پیام تو یا رسول اللہ
مثال بلبل شیدا نثار و قرباں باد
خلیق نیز بنام تو یا رسول اللہ

خلیق صاحب کے بڑے بھائی آخر عمر میں اپنی چھوٹی بیٹی قائم کے ساتھ محلّہ مغلپورہ (بر مکان ڈاکٹر عبدالرحمٰن) قیام پذیر تھے۔ یہاں ہی انتقال کیا۔ نماز جنازہ راقم نے پڑھائی، سال وفات تقریباً ۱۹۷۰ء تھا، قائمہ مرحومہ کی بڑی بہن عائشہ خاتون (زوجہ عبدالرحیم ٹیلر ماسٹر مرحوم) اکتوبر ۲۰۰۵ء میں بحمد اللہ حیات سے ہیں۔ عمر ۸۷ سال، ان کے دو لڑکے علی امام اور حسن نظامی عرف منو حیات سے ہیں۔

سید خلیل الدین احمد عنبر ڈہروی سہسرامی

۱۹۰۱ء تا ۱۹۷۰ء

سید خلیل الدین احمد نام، عنبرؔ تخلص۔ نہایت وجیہ صورت، خوش جمال و خوش خیال اور ہومیو پیتھ ڈاکٹر تھے، تصوف سے گہرا لگاؤ تھا۔

حضرت شاہ امیر الدین (افسوؔ سہسرامی کے والد) محلّہ شاہ جمعہ سہسرام کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ بارہ پتھر کی مسجد ڈہری آن سون میں پابندی سے نماز بجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ راقم سے بھی ان کی ملاقات تھی۔ ۱۹۷۰ء کے بعد انتقال کیا۔ مولانا ابو اللطیف نثار احمد خاں ناظم میواتی سہسرامی ان کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ عنبرؔ صاحب کی عمر ستر کے قریب ہوگی۔ شاعری کا بھی ذوق تھا۔

ماہنامہ حسن وعشق ڈہری آن سون فروری ۱۹۲۴ء میں ان کے دو اشعار چھپے تھے، جو راقم کی نظر سے گزرے:

ہونے نہ پاؤں یاس سے تا عمر بے قرار — اتنی ہے آرزو دلِ امیدوار سے

عنبر عذاب روح ہے طول کلام بھی — اس واسطے ہے شوق مجھے اختصار سے

مقطع پر عمر بھر ان کا عمل رہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوائل سے جوانی سے صوفی مشرف تھے۔

محمد زکریا نسیم سہسرامی

محمد ذکریا نام، تخلص نسیم۔

مولانا محمد ذکریا صاحب محلہ شاہ جمعہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام، جب مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ملحق تھا تو اس مدرسہ سے تعلیم حاصل کی، مولانا محمد شفیق صاحب محلہ نورن گنج سہسرام کے بڑے بھائی مولانا محمد رفیق صاحب کے ہم درس تھے۔ پہلوان تھے۔ جرأت بھی غیر معمولی تھی اور ایمانی حمیت بھی بے مثال۔ ایک ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھے۔ تقریباً ۱۹۶۰ء کے بعد انتقال کیا۔

راقم سے بھی مراسم تھے۔ محلہ شاہ جمعہ میں ان کا جدی مکان بک چکا ہے۔

نمونۂ کلام

کس قدر تیز تھی ساقی ترے میخانے میں — رند بیہوش ہوئے جاتے ہیں میخانے میں

جل بجھا اس لیے یہ بزم میں اس سے پہلے — فرقتِ شمع کی طاقت نہ تھی پروانے میں

رو کے کہتے ہیں کہ دل دکھنے لگا سن کے نسیم — کس قدر درد بھرا تھا ترے افسانے میں

(حسن وعشق، ڈہری، فروری ۱۹۲۴ء)

حکیم مولانا رکن الدین دآنا سہسرامی

رکن الدین نام، دآنا تخلص، متوطن محلہ شاہ جمعہ سہسرام، مدفن بورانز دبھبھوا (آرہ)۔ ولادت ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء)، وفات ۲۹/اپریل ۱۹۵۵ء

دآنا صاحب کے والد کا نام شیخ عبدالحافظ مختار تھا، اور دادا کا نام عبدالقادر مختار تھا۔ یہ دونوں حضرات سہسرام کی عدالت میں مختاری کرتے تھے۔

مولانا دانا اپنے عہد کے مشہور عالم دین اور طبیب تھے۔ ندوۃ العلما لکھنؤ کے اوائل کے طلبہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مولانا شبلی نعمانی سے خصوصی تعلق تھا۔

۱۹۲۷ء سے کچھ قبل حضرت دآنا طبابت کے سلسلے میں کشن گنج تشریف لائے تو گویا یہیں کے ہو رہے اور مرض الموت سے کچھ عرصہ قبل یہاں سے وطن تشریف لے گئے تو پھر نہ لوٹ سکے، اور گھر ہی پر فالج میں مبتلا ہو کر ۷/رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

کشن گنج کی علمی وادبی سرگرمیوں کے تو روح رواں تھے ہی، یہاں کی مذہبی وسیاسی مجلسوں پر بھی حضرت دآنا ہی چھائے رہتے، آپ کے بغیر یہاں کی ہر مجلس سونی اور ہر تقریب نامکمل ہوتی۔ باغ وبہار حضرت دانا اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔

چوڑی پٹی روڈ پر اس کے اتر کنارے جہاں ہمدرد دواخانہ ہے اس کے مقابل لمبے پکے مکان (بیلوا بیرک) میں ایک کوٹھری ہے، جسے حضرت دآنا نے ''اردو منزل'' کا نام دیا تھا، اور اسی میں رہتے تھے، اس تنگ وتاریک سی کوٹھری میں یا تو دوائیں تھیں یا کتابیں۔ ان کے تصرف سے جو جگہ بچ گئی تھی، اس میں ایک تخت بچھا رہتا تھا، جو ان کے مہمانوں اور مریضوں کی نشست گاہ کا کام دیتا، دوسری طرف ایک پلنگڑی تھی جس پر ان کا بستر لگا ہوتا، بیچ میں ذرا سی جگہ تھی جس کے ایک اسٹو و پر پتیلی، دوسری طرف ایک بڑے سائز کا ٹرنک اکثر رکھا ہوتا۔ ۱۹۴۰ء سے تو اس میں کتابوں اور اخبارات کا ہی غلبہ تھا۔ دواؤں کے خالی ڈبے محض آثار قدیمہ کے طور پر کہیں کہیں نظر آتے۔

زندہ دل خوش پوش، چھریرے بدن کے ہنس مکھ آدمی تھے، ترکی ٹوپی، پائجامہ اور شیروانی میں اکثر نظر آتے، باہر نکلتے تو منہ میں پان اور ہاتھ میں چھڑی ضرور ہوتی، بہت باوضع اور لکھنوی

تہذیب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے، چائے نہایت اہتمام سے، نہایت عمدہ اور بہت تلخ پیتے، اسٹوو پر خود بناتے اور پیرو برنا، خردو کلاں، دوست و دشمن (اگر کوئی ہوتا) سب کو بٹھا کر پلاتے رہتے۔ کوٹھری کے باہر دکھن کو بھی ٹہلنے کا معمول تھا، ناغہ جان بوجھ کر نہ فرماتے، جان انجمن اور روح مشاعرہ تھے، مشاعروں میں تحت اللفظ پڑھتے مگر اس طور پر مجسم شعر ہو کر کہ ترنم سے پڑھنے والے بھی منہ تکتے رہتے۔

نام ونسب وخاندانی حالات

داناؔ تخلص، رُکن الدین نام تھا۔ ۱۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے، محلّہ شاہ جمعہ سہسرام ضلع شاہ آباد ریاست بہار کے باشندہ تھے۔ حضرت مخدوم ذکریا ملتانیؒ کے بھانجے حضرت مخدوم سید شاہ صدرالدین چراغ ہند ظفرآبادی کے خاندان اور آپ کے صاحبزادہ حضرت شاہ عبدالجلیل عرف شاہ پہاڑ کی اولاد سے تھے، جو ظفرآباد جونپور سے سہسرام میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ خاندانی پیشہ رشد و ہدایت، قضا و افتا و نصرت عساکر اسلامیہ کی دعا گوئی اور ذریعہ معاش شاہی جاگیریں معافیاں اور محکمۂ قضا وافتا میں ملازمتیں تھیں، دادا کا نام عبدالقادر اور والد بزرگوار کا شاہ عبدالحافظ تھا، جو سہسرام کے بلند پایہ اور ذی رتبہ مختار تھے۔

ابتدائی تعلیم واساتذۂ کرام

ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں مولانا طاہر پرینوی، مولانا سید شاہ مبارک حسین چین پوری پورینویؒ سے پائی، پھر مدرسہ خانقاہ سہسرام میں داخل ہوئے، دہلی، سعد آباد، آگرہ میں بھی تعلیم حاصل کی اور بعد میں ندوۃ العلما لکھنؤ میں داخل ہوئے، اور اس کا آخری امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔

اساتذہ ندوۃ العلما لکھنؤ

علامہ محمد فاروق چریاکوٹیؒ، شمس العلما مولانا حفیظ اللہ اعظم گڑھی، مولانا مفتی عبداللطیف سنبل مرادآبادیؒ، شمس العلما شبلی نعمانیؒ، حضرت مولانا سید عبدالحیٔ نبیرہ حضرت سید احمد بریلویؒ، حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ اساتذہ میں تھے۔

طبی تعلیم

دارالعلوم ندوہ سے فراغت کے بعد مولانا حکیم سید عبدالحیٔ بریلوی ناظم ندوہ، حکیم سید باقر، حکیم سید محمد نواب، حکیم حافظ عبدالولی جھوالی ٹولہ سے طب کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، اوران کے مطب میں بیٹھے، پھر لکھنؤ کی مشہور طبی درسگاہ تکمیل الطب کے متعلم رہے، استادالاطبا حکیم عبدالعزیز صاحب سے طب اور مطب کا تکملہ کیا۔

صحافتی خدمات

حضرت دانا صحافی بھی تھے، انھوں نے زمیندار، وکیل جیسے اخبارات کے لیے مضامین لکھے جو شائع بھی ہوئے، یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا، اس کے بعد روزنامہ الکمال کلکتہ کی مستقل ایڈیٹری کی، ہفتہ وار آئینہ کشن گنج کو بھی انھوں نے کچھ دن ایڈٹ کیا۔

تصنیفات

حضرت داؔنا ندوی نے چند کتابیں بھی لکھیں مثلاً الفلسفہ، شرح التراجم، العنصریات، مقدمات اردو، المنطق اور تحفۂ احسان۔ الفلسفہ اور المنطق اردو میں فلسفہ و منطق کی کتابیں ہیں جو مطبوعہ ہیں۔ شرح التراجم اور رمقدمات اردو بھی قدیم میٹریکولیشن فارسی کورس سے متعلق کتابیں ہیں جو چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ المنطق اور تحفۂ احسان کو راقم الحروف نے پڑھا ہے۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

شاعری

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے۔ حضرت داؔنا کو شعر و شاعری کا فطری ذوق تھا، اور ابتدا ہی سے مشق سخن جاری رکھا۔ ماحول بھی موافق اور سازگار ملا، لہٰذا کافی غزلیں اور نظمیں کہیں۔ کلام سے اندازہ ہوگا کہ وہ کس پائے کے شاعر تھے، چند نمونے ملاحظہ ہوں:

خنجر بکف وہ آئے تو ہم سر بکف چلے　　اس حوصلے کو دیکھئے اس دل کو دیکھئے
ہمت ہے گر تو پہنچیں گے اک دن مراد کو　　چلئے کبھی نہ دوریٔ منزل کو دیکھئے

غم ترا جس کو ہو وہ شاد ہے ناشاد نہیں　　تیرا آباد وہی گھر ہے جو آباد نہیں

اک جھلک سی نظر آئی کہ ہوا کام تمام　　کس نے کیا کر دیا یہ بھی تو مجھے یاد نہیں
خاک حسرت کی اُدھر راکھ اُدھر ارماں کی　　دل کو آباد سمجھتے ہو یہ آباد نہیں
معرکہ عشق کا اب آکے پڑا ہے دانا
اس کو جو سر نہ کیا تم نے تو استاد نہیں

حضرت دانآ کی شخصیت کا سیاسی پہلو

دانا مرحوم کا وصال سہسرام میں نہیں ہوا، البتہ آخری عمر میں سہسرام تشریف لائے تھے، اور راقم سے ان کی ملاقات ہوئی تھی، مگر وہ اپنے مکان محلّہ لہیرا میں زیادہ قیام نہ کر سکے، اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے یہاں موضع بورا نزد بھوا (آرہ) چلے گئے، وہاں ہی کچھ دن بیمار رہ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور بورا کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

دانا صاحب کچھ دنوں تک بورا میں بھی طبابت کر چکے تھے، دانآ صاحب کی شادی ان کے ماموں شاہ وصی احمد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

مولانا دانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غزل جو بعد میں دستیاب ہوئی، نقل کی جاتی ہے، یہ نظم ماہنامہ ندیم گیا کے بہار نمبر ۵ر نومبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے یہ غزل لکھنؤ سے رسالہ کو ارسال کی تھی۔ یعنی ان کی ابتدائی عہد کا کلام ہے:

بے وفائی جب تمھارا کام ہے　　با وفا میرا بھی اچھا نام ہے
دے کے دل ان سے لیا رنج و الم　　واہ کیسی چیز کیسا دام ہے
آپ تو خود کرتے ہیں رُک رُک کے ذبح　　سخت جانی کا مجھے الزام ہے
وہ نہ سیکھیں گے کبھی انداز قتل　　بے شعوری میں جب اُن کا نام ہے
کر کے بسمل ہاتھ اُن کا رُک گیا　　بات کچھ ہے، کمسنی کا نام ہے
ہم تو دیں جان اُن کی خوشنودی پہ آہ　　وہ نہ پوچھیں کون ہو کیا کام ہے
اے محبت جب ترا ہے یہ اثر　　یہ فقط دھوکے کا تیرا نام ہے
میں نہ سمجھا تھا کریں گے وہ وفا　　اب سنا ہے بے وفائی کام ہے
بیوفا، بے رحم، ظالم خود غرض　　اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے
میں نے خود سکھلا دیا سہ سہ کے ناز　　ظلم کا ناحق اُنھیں الزام ہے

اب نہ ہوں گا میں اسیرِ دام زلف
ان سے کہہ دو میرا دانا نام ہے

(ماہنامہ بہارعظیم آباد جلد ۱۱، شمارہ ۵، ۹، ۱۹۰۳ء مطبع اخبار الپنچ بانکی پور)

زندگی موت

حبذا اب میرا درماں عشق کا آزار ہے
ان کا زانو اور زانو پر سر بیمار ہے

دل اسیر زلف ہے، جاں تشنۂ دیدار ہے
جس کا چارہ کچھ نہ ہو، مجھ کو وہی آزار ہے

کس طرح تیر نظر نے دل کو زخمی کر دیا
تیر میں ٹکڑا ہے دل کا، دل میں اک سوفار ہے

مل رہا ہے اب مجھے صحرانوردی کا مزا
پاؤں میں ہیں آبلے، ہر آبلے میں خار ہے

طور کی زحمت کشی جس واسطے موسیٰ نے کی
وہ تماشہ میری آنکھوں میں سر بازار ہے

ہائے کیا بتلاؤں کیا ہے تیرے جلوے میں کشش
جتنا دیکھا اور اُتنی حسرتِ دیدار ہے

درد الفت ہو گیا پیدا تو برآئی مراد
تجھ پہ قرباں ہائے کیسا دلربا آزار ہے

حضرت موسیٰ نے ڈر کر کھو دیا خلوت کا لطف
دیکھ لو اب طور کا جلوہ سر بازار ہے

عشق کی اک موت پر سو زندگی قربان ہے
کون سا پھر کام عاشق کے لیے دشوار ہے

ہو گیا میں بھی تو ان کے دام گیسو کا اسیر
لوگ کہتے تھے کہ دانا آدمی ہوشیار ہے

حکیم رمضان علی شاہ

حیات: ۱۹۱۵ء

حکیم رمضان علی کا لقب ''شاہ'' تھا۔ یہ راقم کے جداعلیٰ اور محلہ نورن گنج سہسرام کے رہنے والے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی حکیم یار علی صاحب تھے جن کی اولادیں برسوں جگدیش پور ضلع آرہ میں طبابت کرتی رہیں۔

حکیم رمضان علی صاحب ایک صوفی مشرب بزرگ تھے، چلہ کشی کا غیر معمولی ذوق تھا۔ چندتن شہیدؒ کی درگاہ پر چلہ کشی فرماتے تھے۔ حبس دم کا بھی کافی ملکہ تھا۔

حکیم رمضان علی صاحب کے والد کا نام شیخ امام بخش تھا، اور ماموں شیخ الاطباء رئیس شہر جناب مولوی حکیم مہر علی صاحب سہرامی تھے۔

عنایت اللہ صاحب کی شادی بی بی سکینہ (بنت مولانا حکیم محمد علی صادق محلہ چوکھنڈی سے ہوئی تھی، بی بی سکینہ کے بطن سے ایک لڑکی بی بی حسینہ تھیں جن کی شادی مولوی حکیم محمد اشرف حسین صاحب نورن گنج سہسرام سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے محمد مشرف حسین صاحب مرحوم تھے۔

حکیم رمضان علی صاحب سہرام سے ہجرت کر کے (سیونہ) حیدرآباد (دکن) چلے گئے تھے، اور وہاں ہی طبابت فرمایا کرتے تھے۔ ان کے دوسرے محل سے بھی چند اولادیں تھیں، جن میں بعض نظام دکن کی فوج میں ملازم تھے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ پہاڑ چندتن پر چلہ کش تھے کہ شیر آیا، حکیم صاحب نے جس حبس دم کرلیا، شیر مردہ سمجھ کر چلا گیا۔

عارف سہسرامی

بحوالہ تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد سوم ص ۲۸۱، نمبر شمار ۵۴۴۔ تقریباً ۱۹۳۰ء میں حیات سے تھے۔

"مولوی ریاست حسین خاں نام، عارف تخلص قصبہ سہرام ضلع آرہ کے رہنے والے اور مدرسہ خانقاہ کبیریہ سے عالم پاس تھے، علمی استعداد معقول تھی۔ شاعری کا ذوق تھا، حضرت محمود سہرامی کے شاگرد تھے، افسوس! آپ کا گھرانہ حوادثِ زمانہ کا شکار ہوگیا، کوئی باقی نہیں رہا، نمونۂ کلام یہ ہے:

مشکلیں صبر سے ہو جائیں گی آسان بہت ۔۔۔ جب مصیبت پڑے گھبرائے نہ انسان بہت

کوچۂ یار میں جس نے مجھے دیکھا، یہ کہا ۔۔۔ آپ ہیں کس کی محبت میں پریشان بہت

آرزو میری برآئے گی الٰہی! کس دن | دل میں پس پس کے مرے رہتے ہیں ارمان بہت
کس قدر تیز ہے ظالم ترے کوچے کی ہوا | پُرزے پُرزے نظر آتے ہیں گریبان بہت

رنج و غم و درد و الم ضبطِ فغاں اے عارفؔ
جمع ہیں دل میں مرے ان دنوں مہمان بہت"

عاصیؔ سہسرامی

محمد ریاست حسین نام، عاصیؔ تخلص۔

یہ محمد ریاست حسین عاصیؔ کون تھے، ہنوز معلوم نہ ہو سکا، ممکن ہے یہی وہ ریاست حسین خاں ہوں جن کا تخلص مسلم شعرائے بہار جلد سوم ص ۱۲۸ میں عارفؔ شائع ہوا ہے، بہر حال عاصیؔ کا کلام اسی تخلص کے ساتھ ماہنامہ حسن و عشق ڈہری آن سون فروری ۲۴ء میں شائع ہوا تھا، جس کے دو شعر یہ ہیں:

فنا کے بعد بھی دل میں ہوائے کوئے دلبر ہے | مری تربت میں کھڑکی کھل گئی ہے باغِ جنت کی
مزا تیری گلی کا آئے گا اس وقت جنت میں | اگر مل جائے مجھ کو حور کوئی تیری صورت میں

موزوںؔ سہسرامی

۱۷۱۴ء-۱۷۶۳ء

راجہ رام نرائن نام، موزوںؔ تخلص (بن رنگ لال) ناظم صوبۂ بہار و بنگال۔

متوطن: موضع کشن پور، پرگنہ سہسرام، ضلع شاہ آباد (آرہ) حالیہ ضلع رہتاس۔

سال ولادت: ۱۷۱۴ء یا ۱۷۱۹ء

سال وفات: ۱۱۷۰ف/ ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء

سہرام کا پہلا شاعر سلطان ہند شیر شاہ تھا اس کے بعد راجہ رام نرائن موزوں سہرامی سہرام کے پہلے صاحب دیوان فارسی کے بے بدل شاعر تھے۔ اردو میں بھی نمونہ کلام ملتا ہے۔ موزوں کے بعد شاہ غلام مرتضےٰ جنوں سہرامی سہرام کے مسلم شعراء میں پہلے شاعر موزوں اور مفسر قرآن تھے۔

۲۳ رفروری ۱۹۷۰ء کو خدا بخش لائبریری پٹنہ میں دیوانِ موزوں کے دو نسخے دیکھنے کو ملے۔ یہ دونوں نسخے مطبع نول کشور (لکھنؤ) سے شائع ہوئے ہیں، اور دونوں کا سال اشاعت ایک ہے مگر ایک نسخہ کا سرورق غائب ہے، دوسرا نسخہ جس کا نمبر ۵۰۸۱ ہے، اچھی حالت میں ہے، اور تمام صفحات موجود ہیں، البتہ درمیان کتاب بعض صفحے ایسے بھی ہیں، جن کو مطبع نے سنہری روشنائی کے ساتھ چھاپا ہے، ان کے اکثر الفاظ اُڑ گئے ہیں، تاہم اب بھی شیشے کے ذریعہ پڑھے جا سکتے ہیں۔ نسخۂ مذکور پر نواب خورشید کی مہر ۱۲۸۲ھ پڑی ہوئی نظر سے گزری، دیوان موزوں فارسی کلام کا مجموعہ ہے، کل صفحات ۳۴۰ ہیں۔ کتاب کے صفحہ ۳۳۹ پر سال طباعت ''عیسوی بماہ فروری'' ۱۸۷۲ء درج ہے۔

کتاب کے سرورق کی جدولیں سنہری اور خوبصورت ہیں، لکھائی چھپائی بھی عمدہ، البتہ زرد روشنائی صفحات کو سادہ کرتی جارہی ہے۔

افسوس بہت تھوڑے وقتوں میں کتاب مذکور سے کچھ اقتباس لے سکا، صفحہ ۱۶ سے کلام موزوں کا آغاز ہوا ہے۔ مطلع و مقطع ملاحظہ ہو:

بمدّ آہ کنم افتتاح دیواں را — کہ زیب فاتحہ بسم اللہ است قرآں را
بزلف یار صبا شانہ میزند موزوں — چہ چارہ است دگر خاطر پریشاں را

صفحہ ۲۱ سے ذیل کی غزل نوٹ کی گئی:

در عشق تو مہرست زباں کلۂ ما — بر درد تو تنگے نکند حوصلۂ ما
با نالۂ دل میرود آرام و قرارم — محتاج درائے نبود قافلۂ ما
دل بر سر مژگاں دراز تو شکستم — صد شکر کہ شد قسمت خار آبلۂ ما
تنہا منم و شمع کہ از سوز دل خویش — شب تا بسحر گریہ بود مشغلۂ ما
پرورده چو مجنوں نمک شور جنونم — بیروں نرود شور تو از سلسلۂ ما

دل در غم تنہائی خود چوں جرس افتاد فریاد کہ دور ست ز ما مرحلۂ ما
موزوں بقفس بلبل دستاں زن عشقیم
افتادہ بہ تحسین اسیران صلۂ ما

موزوں کے خاندان میں جناب رائے ایسری پرشاد صاحب متخلص بہ عطا بن جناب رائے لچھمن پرشاد صاحب متوطن شہر پٹنہ عظیم آباد بھی کافی شہرت رکھتے ہیں۔ عطا صاحب کو بھی شعر گوئی کا اچھا ملکہ تھا۔ ۱۹۲۰ء میں تقریباً ترسٹھ سال کے تھے۔ ۱۹۰۵ء تک ان کی ریاست کا انتظام ان کے ہاتھوں میں رہا، بھائیوں میں جائداد تقسیم ہونے کے بعد ان کی سالانہ بچت بیس ہزار روپیہ تھی۔

فارسی کی تعلیم مولوی ریاض الدین صاحب سے حاصل کی تھی، سنسکرت بھی متفرق مہاتماؤں سے پڑھی تھی۔ انگریزی میں ان کے استاد جناب بابو رام لال صاحب مصر ساکن پٹنہ تھے۔

عطا صاحب تین کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ (۱) گیت سار سنگرہ (سنسکرت) (۲) پوجا بدہت (بھاشا) (۳) گولڈ مائن آف بہار (انگریزی۹

عطا صاحب صوفی منش متواضع اور خلیق آدمی تھے۔ اردو میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے، علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کے کلام میں تصوف، فلسفہ الٰہیات کی اچھی جھلک پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام عطا عظیم آبادی

کیا کہوں کھول کے ان آنکھوں کو کیا کیا دیکھا قطرے قطرے میں سمایا ہوا دریا دیکھا

کیا جس کے لیے سب کچھ وہی نا آشنا نکلا ستم گر جنگ جو نکلا جفا گر پر دغا نکلا
بلا سے گر کھٹک تھی درد تو دل میں ہمیشہ تھا دل بے درد رکھ کر چارہ گر نکلا تو کیا نکلا
تصوف پڑھ کے زاہد اب تو کچھ کچھ ہوش آیا ہے سمجھتا تھا جسے کافر وہی اس کا خدا نکلا
جو سانس آئی تو زندہ ہوں نہ سانس آتی تو پھر کیا ہے نفس کی آمد و شد پر ہمارا فیصلا نکلا

(ماخوذ از جام حیات مولفہ خواجہ ...... لکھنوی مرحوم بحوالہ ماہنامہ منظر لکھنؤ بعنوان عطا عظیم آبادی...... اکتوبر ۱۹۲۰ء ص ۲۵)

راجہ رام نرائن موزوں پر میرا مضمون نامکمل رہ گیا۔ افسوس ہے، مختلف تذکروں کی عبارتیں البتہ ایک جگہ کرنے کی کوشش کی، جس کے سبب تکرار کئی جگہ آ گئی، آگے تحقیقی کام کرنے والوں کو ممکن ہے محولہ عبارتوں سے کچھ فائدہ پہنچے۔

راجہ رام نرائن بہت مشہور ذی علم اور صاحب تصنیف گورنر تھے، سراج الدولہ اور میر قاسم کے عہد میں احسن کی شہرت عام تھی، جناب فوق بلگرامی نے اس کے متعلق اپنی مشہور تالیف ''تاریخ جدید صوبہ اڑیسہ و بہار ص ۲۸۲'' میں اپنی تحقیق اس عبارت میں لکھی ہے:

لالہ رام نرائن کی حکومت

''جانکی رام کے بعد لالہ رام نرائن لال، رنگ لال کے بیٹے صوبہ دار بہار ہوئے، اسی صوبہ دار کے وقت میں مہابت جنگ نے ۹/اپریل میں بعارضہ استسقا انتقال فرمایا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ امرا و والیان ہندوستان کے موجودہ طبقہ میں اس کی لیاقت اور متانت کے برابر کوئی دوسرا رئیس یا امیر موجود نہیں تھا۔ ہمارے خان بہادر اور صاحب سیرۃ المتاخرین نے جو کچھ اس اقبال مند امیر کی نسبت تحریر فرمایا ہے، اگر وہ ان حضرات کی قرابت کی بنا پر معتبر نہ سمجھا جاوے تو ہم اس امیر کے حالات مسٹر اسٹیورٹ۔ ایک انگریزی مؤرخ کی تحریر سے ترجمہ کر کے ذیل میں لکھتے ہیں، جس پر جانبداری اور مصنوعی قلمکاری کا عیب نہیں لگایا جاسکتا، مسٹر اسٹیورٹ لکھتے ہیں، یہ شخص اقربا پروری میں بے مثل تھا، خاطر احباب اور عام دوستوں سے با اخلاق پیش آنا اس کی ابتدائی خاص عادت تھی، خاص کر ان لوگوں کے ساتھ جو اس کی ابتدائی حالتوں میں اس کے ساتھ سلوک ہو چکے تھے، رعایا نے اس کے نرم اور آرام دہ نظام ملکی کی بدولت ایسا امن و امان اور عام اطمینان حاصل کیا تھا، جو اس کے قبل ان کو کبھی نہیں ملا تھا اور جو اشفاق والدین کے قریب پہنچا ہوا تھا، اس کے ادنیٰ ادنیٰ ملازم اس کے زمانہ میں بہت بڑے مقتدر اور متمول ہو گئے تھے۔ وہ تمام امور کی قابلیت رکھتا تھا اور تمام کاموں کی صلاحیت اپنے ذاتی ضروریات میں سادہ روش نظام ملکی میں بہت بڑا دانشمند مدبر اور میدانِ جنگ میں بہت بڑا بہادر اور اس میں تمام مردانہ اور شریفانہ

اوصاف جمع تھے۔

جب انگریزوں نے شاہ عالم پر فتح پائی تو وہ گیا سے پٹنہ تشریف لے گئے، وہاں قاسم علی خاں حاضر ہوئے۔ آداب بجا لاکر ایک ہزار ایک اشرفی تدروی، خلعت نظامت ملا، ناظم نے چوبیس لاکھ رقم خراج دینی قبول کی، غرض اس وقت عجلت میں یہیں تک امور طے کر کے شاہ عالم اودھ کی طرف چلے گئے، قاسم علی خاں اور راجہ رام نرائن میں بگڑ گئی، کاغذات سے راجہ پر کثرت سے غبن اور خیانتیں ثابت ہوئیں۔ نواب نے ان کے معاملہ میں انگریزوں کی سفارشیں بھی نہیں سنیں۔ (ص ۳۱۲)

میر قاسم علی خاں مونگیر میں مقیم تھا، اسے دربار دہلی سے ۱۷۶۲ء میں ''عالی جاہ'' کا خطاب ملا تھا۔ جب انگریزوں سے میر قاسم کی دوبارہ ٹھن گئی، تو انگریزوں (ارباب کونسل) نے میر جعفر خاں سے جدید قول و قرار لے کر مسند نظامت دے دی اور کمپنی کا ایک جرار لشکر عالی جاہ کی تنبیہ کو روانہ ہوا۔۔۔ نواب کو سخت تردد ہوا۔

مونگیر سے چلتے وقت رام نرائن ناظم بہار، راجہ راج بلبھ مع اطفال خردسال رائے رایان امید رام مع طفلان، راجہ فتح سنگھ و بنیاد سنگھ راجگان ٹکاری اور شیخ عبداللہ وغیرہ کو قتل کروادیا، رام نرائن اور فتح سنگھ وغیرہ کی گردنوں میں ریت سے گھڑے بندھوا کر دریا میں غرق کرادیا''۔

(ص ۳۱۷-۳۱۶)

تھوڑے ہی دنوں میں نواب میر قاسم عالی جاہ کی انگریزوں سے بگڑ گئی۔ وہ انگریزوں کی دخل اندازی، بے عنوانی، بددیانتی، غارتگری اور غداری کو سخت ناپسند فرماتے تھے، لیکن خود ہندوستانی امرا انگریزوں سے سازش کر رہے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ میر قاسم کی مقصد برآری نہ ہو سکی اور وہ نامراد، پریشان حال و تباہ ہوئے۔

نواب عالی جاہ نے راجہ رام نرائن وغیرہ کو پہلے سے قید کر رکھا تھا، انگریزوں سے سخت لڑائی ہو جانے اور پیچیدگی و سازش بڑھ جانے سے حالات خراب تر ہو گئے، میر قاسم عالی جاہ مونگیر سے عظیم آباد کی طرف فرار کرتے ہوئے آرہے تھے۔ انھوں نے باڑھ کے قریب پہنچ کر محبوسین کو

غرق دریا یا قتل کرادیا، راجہ رام نرائن کے گلے میں رایت سے بھرا گھڑا باندھ کر انھیں گنگا میں دبا دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ (۱) ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء میں گزرا۔

راجہ رام نرائن فارسی میں خوب کہتے تھے، ان کا مطبوعہ دیوان فارسی میں موجود ہے، شیخ علی حزیں کے شاگرد تھے، حزیں ۱۱۰۳ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے، ۱۱۴۷ھ میں دہلی آئے اور ۱۱۷۸ھ میں بنارس میں انتقال کیا۔ راجہ صاحب اُن کی مدد بھی کیا کرتے تھے۔ راجہ رام نرائن ریختہ بھی بہت صفائی سے کہتے تھے، لیکن اس زبان میں انھوں نے بہت کم شعر لکھے ہیں، میرحسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے سراج الدولہ کے قتل پر صرف ایک شعر اردو میں کہا تھا اور بس۔ لیکن اور تذکروں میں دوسرے اشعار بھی ملتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی دِوانا مرگیا آخر کو ویرانے میں کیا گزری

(تذکرۂ میرحسن)

کچھ گرانی نہیں مجھ کو وہ ستم گار کے ساتھ دل پگھل جونہی پڑا اشک سبک بار کے ساتھ

(چمنستانِ شعرا)

ابر ہوگا تو خجالت سیتی پانی پانی مت مقابل ہو مرے دیدۂ خونبار کے ساتھ

(تذکرۂ گلزار ابراہیم)

تاریخ شعرائے بہار، بلخی میں آخری شعر کو یوں لکھا ہے:

ابر تو خود ہی خجالت سے ہے پانی پانی کب مقابل ہو مرے دیدۂ خونبار کے ساتھ

(ص ۶۰)

معلوم ہوتا ہے کہ ''کے ساتھ'' کی ردیف اور ''ستمگار، سبک بار، خونبار'' وغیرہ قوافی میں پوری غزل موزوں نے لکھی تھی۔

ایک اور شعر موزوں نے لکھا تھا:

بھولی نہیں ہے مجھ کو بتوں کی ادا ہنوز دل کے نگیں پہ نقش ہے نامِ خدا ہنوز

(تاریخ شعرائے بہار، ص ۶۰)

پروفیسر حسن عسکری صاحب کو پٹنہ سیٹی کی ایک قلمی بیاض سے موزوں کا درجہ ذیل دوہہ ملا ہے۔

جب میر قاسم راجہ رام نرائن کے باغ میں خیمہ زن ہوئے، اور اُن کے فوجیوں نے باغ کے درختوں کو نقصان پہنچانا شروع کیا، تو موزوں نے برجستہ ایک ہندی دوہہ کہا

امبا اُمرت پھل دیت ہیں سدا رَہت ہیں مون نا ہرتے نا ہر ملے باگ بیرتے کون

جس وقت راجہ رام نرائن موزوںؔ کو گنگا میں غرق کرنے کے لیے کشتی پر بٹھا کر لے جانے لگے، تو انھوں نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

موذیوں کے قول پر ہرگز نہ کیجئے اعتبار جونک اگر مٹی ملے تو بھی لہو پیتی رہے

چادر تقدیر کی ہرگز رفو ہوتی نہیں تا قیامت سوزنِ تدبیر گر سیتی رہے

بلبل بے درد کو مطلب ہے کیا پروانے سے وصل میں مر جائے یہ، وہ ہجر میں جیتی رہے

یہ اشعار بھی پروفیسر حسن عسکری صاحب کو مذکورہ بالا بیاض میں ملے ہیں۔ غالباً یہ اشعار موزوںؔ کے نہیں سوداؔ کے ہیں، جو موزوں کے حسب حال ہو گئے تھے۔

(ص ۲۲۷-۲۳۵)

......کلایو نے اعتراض کیا تو جین فرانسیسی کو اپنی جماعت کے ساتھ عظیم آباد روانہ کر دیا گیا۔

اُدھر یہ حال تھا کہ میر جعفر کو نواب سراج الدولہ نے فوج کی بخشی گری سے نکال دیا تھا، اور دوسرے اہل اقتدار بھی سراج الدولہ سے بیزار تھے۔ کلایو تو نواب کے استیصال کی فکر میں تھا، سب نے مل کر سراج کے خلاف دجالی منصوبہ باندھا۔ کلایو مختصر سی فوج لے کر پلاسی چلا آیا، نواب کے لشکر کے مقابلہ میں اس کے مخالفوں کا گروہ بہت ہی حقیر تھا، لیکن نواب کی فوج اور عہدہ دار میر جعفر کی سازش میں تھے۔ کلایو نہایت آسانی سے کامیاب ہوا۔

(۲۳ر جون ۱۷۵۷ء)

نواب سراج الدولہ، پلاسی سے نکل کر عظیم آباد کی طرف روانہ ہوئے، راہ میں ایک مکار پیر دانا شاہ نے انھیں مہمان رکھ کر بھی میر جعفر کے داماد میر قاسم کے حوالے کر دیا۔ میر قاسم نے نواب کو میرن پسر میر جعفر کے پاس مرشد آباد بھجوا دیا، جہاں نواب سراج الدولہ بیدردی سے قتل کر دیئے گئے۔ میرن نے نواب کی ماں، خالہ، بھائی اور معصوم بچے کو بھی قتل کر دیا (۴ر جولائی ۱۷۵۷ء)(۱)۔ راجہ رام نرائن سراج کی بالکل مدد نہ کر سکے، اور جلد ہی انگریزی فوج عظیم آباد میں متعین کرائی گئی۔

پلاسی کے بعد میر جعفر نواب بن بیٹھا۔ کلایو نے خوب خوب رشوت لے کر میر جعفر کی مدد کی۔ علامہ اقبال نے اسی جعفر کے متعلق کہا ہے:

جعفر از بنگال و صادقؔ از دکن ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

بنگال میں حکومت قائم ہو جانے کے بعد میر جعفر نے راجہ رام نرائن کو مطیع کرنے کے لیے عظیم آباد

دلجوئی کے خطوط لکھے، یہاں راجہ سکندر سنگھ (ٹکاری) اور دوسرے امرا اور رؤسا نواب سراج الدولہ کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے مگر حالات اتنے غیر یقینی تھے کہ راجہ موصوف نے کوئی کارروائی نہ کی اور اپنے حفظ و بقا کے لیے ساز باز کرتے رہے۔

میر جعفر ۱۷۵۸ء میں عظیم آباد اور چند دن عیش و عشرت میں بسر کیے اُس نے راجہ رام نرائن سے صوبے کے مداخل کا محاسبہ کیا، مگر راجہ نے برطرفی کے ڈر سے پہلے ہی کلایو کی مدد حاصل کر لی تھی، لہٰذا بچ گئے۔

۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء میں شاہزادہ عالی گوہر (جو بعد کو شاہ عالم بادشاہ ہوا) نے عظیم آباد پر حملہ کیا، شہزادے کے آنے سے راجہ رام نرائن بہت گھبرائے، وہ شکنجے میں گرفتار تھے، ایک طرف میر جعفر اور انگریز تھے، دوسری جانب شاہزادہ عالی گوہر ولی عہد سلطنت۔ انھوں نے انگریزی فوج متعینہ عظیم آباد کے افسر میجر کوٹ سے بھی مشورہ کیا اور شہزادے کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے، اُس طرف میر جعفر اور کلایو کی فوج راجہ رام نرائن کی کمک کو آ رہی تھی۔ یہ معلوم کر کے راجہ رام نرائن قلعہ بند ہوئے اور لڑنا شروع کیا، شہزادے کی مدد میں محمد قلی خاں صوبہ دار الہ آباد تھے، اُن کی غیبت میں شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ نے قلعہ الہ آباد پر قبضہ کر لیا اور اس گھبراہٹ میں محمد قلی خاں عین دورانِ جنگ عظیم آباد، الہ آباد کی طرف روانہ ہو گئے، اور شہزادہ عالی گوہر نے لڑائی ملتوی کر دی۔

شہزادہ عالی گوہر عالمگیر ثانی کے بعد شاہ عالم کے لقب سے بادشاہ ہندوستان ہوئے۔ لوگ میر جعفر اور اُس کے بیٹے میرن کی حرکات سے بیزار تھے، انھوں نے بادشاہ کو دوبارہ حملہ پر اُبھارا اور راجہ رام نرائن سے دوبارہ لڑائی ہوئی۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ کپتان کا کرین راجہ کی مدد کر رہا تھا۔ اس لڑائی میں کامگار خاں نے راجہ کے ہاتھی سے اپنا گھوڑا ملا دیا، اور اتنے تیر اور نیزے مارے کہ راجہ کو اپنی دانست میں مار ڈالا، لیکن راجہ رام نرائن نے زخمی ہو کر ہودج کے اندر اپنی جان بچائی، اس جنگ میں انگریزوں اور راجہ کو شکست فاش ہوئی، مگر بادشاہ نے گرفتاروں کو از راہِ نوازش معاف کر دیا۔ بعد ازاں بادشاہ نے بنگالہ کا رُخ کیا۔ شاہ عالم بادشاہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ میرن اور انگریزوں کی فوج سے مقابلہ ہو گیا، انگریزی فوج نے شاہی فوج کو توپ خانہ سے پسپا کیا، بادشاہ عظیم آباد کی طرف واپس ہو گئے۔ یہاں کا رنگ پھر دگرگوں ہو چکا تھا، راجہ رام نرائن اور راجہ شتاب رائے انگریزوں سے مل گئے تھے، قلعہ عظیم آباد کا پھر محاصرہ ہوا اور شہر فتح ہوتے ہوتے رہ گیا، انگریزوں کی کمک پہنچی، شاہی فوج پیچھے ہٹ گئی (۱) (۲۹ر اپریل ۱۷۶۰ء)۔ لیکن جب خادم حسین

خاں فوجدار پورنیہ عظیم آباد کے سامنے گنگا کے اُس پار آ پہنچے تو راجہ رام نرائن کھل کر جنگ کرنے سے گریز کرتے رہے، انھوں نے راجہ شتاب رائے کو بھی کپتان ناکس کا ساتھ دینے سے منع کیا، تاہم شتاب رائے نے کپتان مذکور کا ساتھ دیا، دریا پار جا کر جنگ کی اور کامیاب ہوئے۔

میر جعفر کی معزولی کے بعد میر قاسم کو انگریزوں نے بنگال، بہار و اڑیسہ کی مسند نظامت پر بٹھایا (۴-۱۱۷۴ھ/ ۶۴-۱۷۶۱ء)۔ اس زمانہ میں انگریزوں نے شاہ عالم بادشاہ سے صلح کی، بار راجہ شتاب رائے بیچ میں پڑے اور بادشاہ بہ نفس نفیس شہر عظیم آباد تشریف لائے اور انگریزی کوٹھی میں تخت نشینی کا انتظام ہوا (۲)، میر قاسم ناظم بنگالہ نے بھی حاضر ہو کر نذریں گزاریں، راجہ رام نرائن بھی شرفیاب ہوئے۔ بادشاہ کے تشریف لے جانے پر میر قاسم نے راجہ نرائن سے صوبے کے محاصل کی حساب طلبی شروع کی۔ بعض خیانتوں کا پتہ چلا۔ راجہ صاحب قید کر دیئے گئے۔ سات لاکھ روپے اور جنس گھر سے برآمد ہوئی، دوسرے مجرمین بھی محبوس ہوئے۔ راجہ شتاب رائے بھی لپیٹ میں آئے، وہ بے قصور تو ثابت ہوئے مگر انگریزی کونسل نے انھیں میر قاسم کی حکومت سے نکل جانے میں مجبور کیا، میر قاسم نے ان سے عظیم آباد کی دیوانی اور رہتاس کی قلعہ داری لے لی (۱)۔

شیخ اکرام الحق صاحب مؤلف شعر العجم فی الہند۔ مقدمہ کے زیر حاشیہ ص ۵۲ راجہ رام نرائن موزوںؔ کا کچھ حال لکھا ہے، جو یہاں درج کیا جاتا ہے:

> "راجہ رام نرائن موزوںؔ۔ لالہ رنگ لال کائستھ کے فرزند تھے، اصل وطن کشن پور ضلع شاہ آباد صوبہ بہار میں تھا، علوم عربی فارسی اور حساب سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے خسر کی وساطت سے جو سرکار دہلی میں تھے، شجاع الدولہ ناظم بنگال و بہار کے ہاں ملازم ہو گئے اور ترقی کر کے ناظم پٹنہ بنے۔ میر قاسم کے والیٔ بنگال ہونے پر ۱۱۷۷ھ/ ۱۷۶۳ء میں دیگر امرا کے ساتھ قید میں آ گئے، تین دن بے آب و دانہ رکھے گئے، تیسرے دن جب ان کے سامنے پانی لایا گیا تو یہ شعر پڑھا اور اسے زمین پر گرا دیا۔
>
> آزردہ رفت از لب تشنۂ حسین   اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند
>
> مہاراجہ رام نرائن فارسی میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے، شعر کہتے اور موزوںؔ تخلص کرتے تھے۔ شیخ علی حزیںؔ (۲) کے شاگرد، معتقد اور مربی تھے۔
>
> چو خاکپائے حزیںؔ طوطیائے دیدۂ ماست   چہ قدر در نظرم سرمۂ صفاہاں را

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شیخ علی حزیں نے مہاراجہ کے سامنے یہ شعر پڑھا ؎

شب دراں محفل کہ آں مسند نشینِ ناز بود　　صد بیاباں چادر مہتاب پا انداز بود

مہاراجہ نے جواباً کہا ؎

شب چوں آں ماہِ جہاں افروز رخصت خواہ شد
اشک منِ تعظیم کرد و آہِ من ہمراہِ شد

راجہ موزوں کا دیوان راجہ درگا پرشاد شاد رئیس پٹنہ نے قریب ۱۸۹۰ء میں چھپوایا۔ جو فارسی کے خود بھی پختہ گو شاعر تھے، موزوں، پر حزیں کے اثر کی وجہ سے شیعیت کا رنگ غالب تھا، رباعی ہے:

پست است فلک از قد........... الخ

غزلیں روایات کی ہموار اور پامالی زمین میں پرانے اسالیب میں کہی گئی ہیں، مثلاً دین وایمان کا سوال ہے ؎

کنوں اسیر خماریم وزیں تہی دستی　　کہ صرف بادہ نمودیم دین و ایماں را

گفتم کہ نثار تو کنم جانِ گرامی　　گفتا کہ مرا چشم طمع بر دل و دیں را

یا اسی طرح فرقِ مذاہب پر نکتہ چینی ہے:

کجا بدیر و حرم سر فرو کند موزوں　　براہِ عشق تو ایں ہر دو سنگِ راہ من است

تمام عمر تلف گشت چوں بہ زہد و ریا　　بطاق ابروئے او ساعتے نماز کنید

خالص تغزل کی مثال ہے ؎

یاد لطفیکہ دلم درخم زلفت جا داشت　　تنم از خاک نشینانِ سر کوئے تو بود

گفتم کہ چرا جانبِ اغیار گذشتی　　گفتا چہ کنم مصلحتِ وقت چنیں بود''

سید اختر احمد اورینوی ایم۔اے، ''بہار میں اردو ادب کا ارتقا'' میں رقم طراز ہیں:

مہاراجہ رام نرائن موزوں (متوفی ۱۱۷۷ھ)

مہاراجہ رام نرائن دیوان رنگ لال کے بیٹے اور قوم کائستھ سری واستو سے تھے۔ اُن کا آبائی وطن سہسرام ضلع میں کشن پور موضع تھا۔ تاریخ ہند میں ان کی

شہرت ہے۔ مختلف عہدوں پر فائز رہنے کے بعد صوبہ بہار کے نائب ناظم ہو گئے تھے اور عظیم آباد و بہار پر فرماں روائی کرتے تھے، اُن کی صوبہ داری ۱۱۶۶ھ تا ۱۱۷۶ھ (مطابق ۶۳-۱۷۵۳ء) رہی۔ رنگ لال نواب محمد علی وردی خاں مہابت جنگ (۵۳-۱۱۴۳ھ/ ۴۰-۱۷۳۰ء) کے متوسلین میں تھے اور رام نرائن لال تو مہابت جنگ کے پروردہ تھے، وہ اپنے والد کی جگہ دیوان بھی رہ چکے تھے، لالہ جانکی رام نائب صوبہ دار عظیم آباد کے مرنے کے بعد مہابت جنگ نے ان کو یہاں کا صوبہ دار مقرر کیا، نواب کے جیتے جی مہاراجہ کی صوبہ داری میں کوئی خرخشہ واقع نہ ہوا۔ نواب مذکور کے بعد اُن کا نواسہ سراج الدولہ حکمرانِ بنگال و بہار و اڑیسہ ہوا (۷۰-۱۱۶۹ھ/ ۵۷-۱۷۵۶ء)۔ نواب سراج الدولہ کے مختصر عہد میں دربار اور قلمرو کی حالت ناگفتہ تھی، ہر طرف تعیش، افترا پردازی اور سازشوں کا بازار گرم تھا، کلایو، ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے فریب، جعل سازی، دجل و مکر میں لگا ہوا تھا۔ سلطنت دہلی کمزور ہو کر شکست و ریخت اور بغاوتوں کا شکار ہو رہی تھی، انگریز ہر طرف لوٹ مچا رہے تھے۔ اور سلطنت پر قبضہ کرنے کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔

جب سراج الدولہ نے والیِ پورنیہ شوکت جنگ کے خلاف چڑھائی کی تو راجہ رام نرائن لال نے عظیم آباد کی فوج کے ساتھ نواب کی مدد کی، نواب سراج الدولہ کامیاب ہوئے۔ اس سے پہلے سراج الدولہ کلکتہ کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی شرارتوں کا قلع قمع کریں، انھوں نے انگریزوں کو شکست فاش دے کر فورٹ ولیم پر قبضہ کر لیا۔

کرنکل کلایو نے مدراس سے آکر کلکتہ کی شکست کا بدلہ لیا، جنوری ۱۷۵۷ء میں کلکتہ پر پھر انگریزوں کی قبضہ ہو گیا، سراج الدولہ نے تاوان دینا قبول کر لیا، لیکن کلایو سے پُرخاش جاری رہی، اس زمانہ میں انگریز اور فرانسیسی بھی برسر جنگ تھے۔ نواب کے پاس انگریز کے چند شکست خوردہ فرانسیسی افسر پناہ گزیں تھے۔

راحتؔ سہسرامی

(حیات ۱۳۱۷ھ)

''میلاد دل پذیر'' میں ان کا تعارف سید راحت حسین صاحب راحتؔ، ہیڈ کلرک محلہ رجسٹری سہسرام لکھا ہے:

زد رقم شیر میر خاں صاحب　　نعت محبوب خالقِ اکبر
گفت راحت ز غائت خوبی　　سالِ تالیف مدح پیغمبر

۱۳۱۶ھ

ریاضؔ سہسرامی

(حیات ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء)

مولوی حکیم ریاض علی نام، ریاضؔ تخلص متوطن محلہ چوکھنڈی سہسرام۔

حکیم ریاض علی صاحب کے والد حکیم یاد علی، دادا حکیم رحمت اللہ تھے، حکیم رحمت اللہ کے والد کا نام محمد شریف تھا، جن کا سلسلۂ نسب غریب اللہ نامی بزرگ تک پہنچتا ہے، جو ایک نو مسلم شہزاد نامی راجپوت کے فرزند تھے۔

حکیم ریاض علی صاحب کے خاندان کے تمام بزرگ اپنے عہد کے مشہور اور نامور طبیب تھے، ریاض صاحب بھی اپنے محلہ میں طبابت کرتے تھے۔

آپ کے لڑکوں میں مولانا فرزند علی صاحب خنداںؔ (مدرس مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام) نے غیر معمولی شہرت حاصل کی، ان کے علاوہ آپ کے تین اور لڑکے مولانا محمد فیاض الدین، امین الدین اور حکیم معین الدین صاحب تھے۔ آخر الذکر کو راقم نے دیکھا۔ آخر عمر افلاس میں گزری، ۲۴ رصفر ۱۳۸۵ھ/ ۲۵ رجون ۱۹۶۵ء بروز جمعہ وصال کیا، اور اپنے موروثی قبرستان میں دفن ہوئے،

راقم شریک جنازہ تھا۔

مرزا عبدالمجید صاحب فائق سہسرامی نے اپنے منظوم ''خزینۃ الحقائق'' میں حکیم ریاض حسین موصوف اور ان کے لڑکے مولانا خنداں مرحوم کی شان میں چند اشعار لکھے ہیں جن سے ان کی علمی منزلت اور وطنی شہرت کا احساس ہوتا ہے:

حکیم ریاض صاحب اصل میں ایک ماہر طبیب تھے، شعر گوئی کا بھی ذوق تھا، مصلح صاحب کا بیان ہے ''بڑے دست شفا طبیب تھے، ریاض مرحوم کی تصنیف سے ایک کتاب ''تعلیم ریاض'' ترجمہ مکتب چراغ نامطبوع ہے۔ ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

مرزا عبدالمجید جاے جاہ یافت حسن عمل ز نور عقل

خوش کتابے بہ سلک نظم حسن افرود بر شعور عقل

سال تالیف نسخہ دل کش از ریاض آمد و ظہور عقل''(۱)

راقم خزینۃ الحقائق سے ذیل کا ایک اور قطعہ نقل کرتا ہے، جس سے کتاب کا سنِ تصنیف معلوم ہوتا ہے، نیز اس کا بھی علم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب موصوف ۱۳۱۷ھ تک حیات سے تھے۔

مولانا حکیم مسیح الزماں محلہ چوکھنڈی سہسرام کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم انیس الزماں خاندانی کتب خانہ کے وارث ہیں۔ (۲۰۰۵ء میں)

حکیم رحمت اللہ

حکیم رحمت اللہ صاحب مرحوم محلہ چوکھنڈی سہسرام کے رہنے والے تھے، آپ کا پیشہ طبابت تھا، اور اپنے وقت کے منفرد طبیب اور شیخ وقت تھے۔ بڑی روحانیت کے مالک تھے۔ آپ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے مرشد مجاز تھے۔ یہ روایت مشہور ہے کہ آپ کی نماز جنازہ کے بعد اہل شہر نے تابوت جنازہ کے اوپر والی چادر کو تبرکاً آپس میں تقسیم کرلیا۔ آپ نے اپنے مطب کے بغل میں ایک خام مسجد اپنی عبادت کے لیے بنوائی اور اسی میں عبادت کرتے تھے، اب یہ مسجد (۱۸۲۶ء) پختہ حالت میں ہے اور محلہ چوکھنڈی کی مسجد کہلاتی ہے۔ آپ کا مزار مبارک اسی

مسجد سے متصل دروازے پر ہے۔ حکیم مسیح الزماں صاحب ان کے ہی خاندان کے ایک ممتاز فرد ہیں، اوران کا سلسلۂ نسب حکیم رحمت اللہ صاحب تک چار واسطوں سے پہنچ جاتا ہے، دیگر حالات نسبی کے لیے حکیم مسیح الزماں صاحب کے لیے حالاتِ زندگی دیکھئے۔

حکیم مسیح الزماں صاحب کے جدامجد کی جائدادیں فروخت ہوتی رہی ہیں، آخر میں حکیم مسیح الزماں صاحب نے ان کو خرید کر بطور یادگار ایک عمارت تیار کی اور اُس کا نام کاشانۂ رحمت'' رکھا ہے۔ یہ عمارت ظاہری شان وشوکت اور علمی وفنی وجاہت کے اعتبار اس محلّہ میں ممتاز اور مرجوع خلائق ہے۔

حکیم رحمت اللہ کے چار صاحبزادے حکیم سراج علی، حکیم یار علی، حکیم زاہد علی اور حکیم مراد علی تھے۔ اوران میں سے ہرایک اپنے وقت کے طبیب ہوئے۔ نیز حکیم رحمت اللہ صاحب نے اپنی یادگار ایک قلمی کتاب بمسمیٰ ''فوائد المبتدی'' فارسی زبان میں چھوڑی ہے۔ یہ کتاب بڑے کاغذ کے ۴۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ہنوز حکیم مسیح الزماں صاحب کے پاس موجود ہے جس کو راقم الحروف نے دیکھا ہے۔

یہ کتاب ۱۲۶۴ فصلی (......) میں لکھی گئی ہے۔

حکیم رحمت اللہ صاحب کے پوتے مولوی حکیم محمد علی صاحب عاصی نے زبان عربی میں تاریخ کہی، سن وفات ۲۱ رجمادی الاولیٰ یوم جمعہ ۱۲۸۷ھ ہے۔

رحمت الله رئيس الحكماء شيخ العصر فاز الجنة اذمات على موعده
ضاعت العين من الحزن فقال العاصى رحمت الله عليه و على مرقده

۱۲۸۷ھ

عاصی محمد علی صاحب کا تخلص تحریری طور پر کہیں نظر سے نہیں گزرا۔ تحقیق طلب ہے کہ آیا تاریخ ان ہی کی کہی ہوئی ہے یا دوسرے کی۔ عاصی تخلص مولانا قادر بخش صاحب کا تھا۔

آپ اپنے موروثی قبرستان میں دفن ہوئے، جو درگاہ چندن کے راستہ پر اور گونکس شاہ دیوان رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے اُتر جانب واقع ہے اور حکیم مسیح الزماں صاحب کے صاحبزادے حکیم انیس الزماں اور دیگر اہل خاندان نے چہار دیواری دلا دی ہے، اور ''جنتی قبرستان'' نام لکھا ہے۔

زاہدہ حنا

زاہدہ حنا صاحبہ بنت مرزا عبدالخیر بن ڈپٹی یوسف علی باشندہ محلّہ بارہ دری سہسرام پاکستان کی مقبول و مشہور ادیبہ ہیں۔

عبدالخیر علی خاں کی شادی حسن علی خاں کی بیٹی شمس النساء سے ہوئی تھی۔ یہ سب پاکستان چلے گئے۔

یوسف خاں کے بھائی مسعود بیگ عرف مدو بھی پاکستان چلے گئے۔

اسلم راہی اور مفیض الحسن خاں صاحب (بی۔اے، ایس۔، ڈی۔او سہسرام ریٹائرڈ) نے بتایا کہ زاہدہ حنا کی دو کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن کا نام یہ ہے:

(۱) راہ میں اجل ہے

(۲) قیدی سانس لیتا ہے

نوٹ: اسلم اور حنا بیرون ملک میں ہیں، اس لیے ان کے نام اس کتاب میں باقی رکھنا مناسب جانا۔

(حاذقؔ)

جالبؔ سہسرامی

(۱۹۰۹ء-۲۳رمئی ۱۹۹۲ء، بمبئی)

مولانا سلیم الدین صاحب جالبؔ سہسرامی محلّہ مغل پورہ سہسرام کے رہنے والے اور شیخ علی جان صاحب مرحوم کے لڑکے اور محمد جسیم الدین صاحب (سابق داروغہ سرگجہ اسٹیٹ) کے بھائی ہیں، عرصہ ہوا سہسرام کو خیر باد کہہ چکے ہیں، وطن کی طرف انھیں اپنی نسبت بھی عار معلوم ہوتی ہے۔ حکیم انیس الزماں سہسرامی سلمہ کی وساطت سے ان کے حالات زندگی اور نمونۂ کلام بڑی مشکلوں سے حاصل ہوئے۔ خود ان کے الفاظ میں ان کا تعارف درج ذیل ہے:

"پیدائش اور تعلیم و تربیت

سلیم الدین میرا نام، جالبؔ تخلص، مظاہری منسوب ہے۔ مدرسہ مظاہرالعلوم (سہارنپور) کی طرف جہاں سے میں نے سندِ فراغت حاصل کی، علمی اورادبی حلقوں میں جالبؔ مظاہری ہی سے متعارف ہوں، میں ۱۷راگست ۱۹۰۹ء میں سہسرام کے محلہ مغل پورہ میں پیدا ہوا، میری تعلیم و تربیت دامانِ والدین کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ اُس زمانے کے دستور اور خاندان کے رواج کے مطابق جب میں پانچ برس کا ہوا تو میری بسم اللہ ہوئی اور اس تقریب کی رسم سہسرام کے مشہور و معروف محدث و واعظ مولانا قادر بخش صاحبؒ کے دست مبارک سے جو والد مرحوم کے پیر و مرشد تھے، ادا ہوئی۔ اس کے بعد مجھے اپنے وطن کے مدرسہ خیریہ نظامیہ میں تحصیل علم کے لیے بٹھا دیا گیا، یہیں میں نے اردو اور فارسی کی تمام مروّجہ درسی کتابیں ختم کیں اور کچھ عربی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں، پھر چند وجوہ کی بنا پر اپنے اس دبستانِ عہد طفلی کو خدا حافظ کہہ کر سہارن پور چلا گیا اور وہاں مدرسہ مظاہرالعلوم میں داخلہ لے لیا، یہیں عربی ادب، معقولات، فقہ، تفسیر اور حدیث کی تکمیل کی۔

شادی

ابھی درسیات سے فراغت نہیں ہوئی تھی کہ میری شادی شیخ یار علی صاحب مرحوم ساکن محلہ پٹھان ٹولی کی صاحبزادی مقصودہ بیگم سے کر دی گئی، رشتۂ ازدواج سے منسلک ہونے کے ایک سال بعد تعلیم سے فراغت حاصل کر کے سہارن پور سے اپنے وطن (سہسرام) مراجعت کی۔

ملازمت

تلاشِ معاش کے سلسلے میں عروس البلاد (بمبئی) پہنچا اور یہاں یکم نومبر ۱۹۴۲ء میں بمبئی کے معروف و مشہور اسماعیل بیگ محمد ہائی اسکول میں ایس۔ایس۔سی جماعت کی اردو اور فارسی کی تعلیم کے لیے ماہر تعلیم محترم جناب اے۔آر۔داؤد پرنسپل اسکول ہذا نے میرا تقرر کر لیا، اور آج تک اسی منصب پر

فائز ہوں۔ کچھ دنوں کے بعد موصوف نے اس اسکول کی عظیم الشان لائبریری کا لائبریرین بھی بنادیا پھر لائبریرین سے لائبریری کا نگراں مقرر کردیا گیا، اس طرح مجھے مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے مطالعے کا سنہرا موقع ہاتھ آگیا، یہ پہلا مقام تھا جہاں میرے خیالات میں عظیم تبدیلی ہوئی، تحقیقات و تدقیقات کے جوہر کھلے، کورانہ تقلید سے نجات ملی، اور ایک آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع ملا۔ سچ تو یہ ہے کہ پرنسپل موصوف نے ہر طرح میری راہ نمائی فرمائی اور ان ہی کی فاضلانہ توجہات نے میری مخفی صلاحیتوں کو بے حجاب کیا۔

تصنیف وتالیف

اسماعیل بیگ محمد ہائی اسکول، میں تقرری کے بعد مجھے تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہوا، اور چند سال کی مسلسل کوششوں کے بعد محاسنِ شعری، فن شاعری کے اصول علم عرض، صنائع و بدائع اور اقسام نظم پر میری پہلی تالیف ''رموز نظم'' طبع ہوکر منظر عام پر آئی؛ اس کے بعد بڑی محنت و جاں کاہی سے فارسی گرامر کی ایک مکمل مستند اور جامع کتاب میں فارسی اصطلاحات کے ساتھ انگریزی مترادفات بھی دیئے گئے ہیں۔ ''ممتاز القواعد'' کے نام سے تصنیف کی۔ میری تیسری تالیف ''مطائباتِ شبلی'' (نعمانی) ہے۔ اس کتاب میں علامہ شبلی نعمانی کی تصانیف سے ان کی منتشر تحریروں اور اُن سے متعلق لکھی گئی کتابوں سے علامہ کے لطائف وظرائف اور ان کی مزاحیہ تحریروں کو یکجا کردیا گیا ہے۔ اس طرح علامہ شبلی ک ی رنگین شخصیت کا یہ دلچسپ پہلو جواب تک پردۂ خفا میں تھا اُبھر کر سامنے آجاتا ہے اور ان کی زندگی کچھ اور درخشندہ اور پُرکشش نظر آنے لگتی ہے۔

آج کل ''محاورات فصیح العصر'' (داغؔ) کی تالیف میں ہمہ تن مشغول ہوں، خدائے تعالیٰ تکمیل کو پہنچائے، آمین!

شعروشاعری

مجھے شعر و شاعری کا شوق مدرسہ خیریہ نظامیہ (سہسرام) میں ہوا۔

وہاں حضرت استاذی مولانا محمد فرخند علی رحمۃ اللہ علیہ صدر و ناظم مدرسہ ہذا نے ایک بزم شعرا قائم کی تھی، اس بزم کا مدرسے ہی میں ہر مہینے ایک مشاعرہ ہوتا تھا، اس مشاعرے میں صرف مدرسے کے اساتذہ اور طلبہ ہی شریک ہو سکتے تھے، میں بھی شعر کہتا تھا، اور باضابطہ ہر مشاعرے میں شریک ہوتا تھا، اس وقت جناب شیدؔا سہسرامی مرحوم جو ایک معروف و مشہور شاعر تھے، ان سے اپنے کلام کی اصلاح لیتا تھا، جب کچھ مشق سخن بڑھی تو اپنے ایک عزیز (قمر نعمانی) کے توسط سے شاعر تاج علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم کی خدمت میں اپنی غزل اصلاح کے لیے بھیجی۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مولانا نے غزل اصلاح کر کے واپس کر دی اور میرا نام اپنے تلامذہ کی فہرست میں درج کر لیا۔ اس طرح اصلاح کا یہ سلسلہ مولانا کی وفات سے کچھ پہلے تک برابر جاری رہا، ان کی وفات کے بعد پھر میں نے کسی کو غزل نہ دکھائی کیوں کہ چند سالہ سلسلۂ اصلاح نے کافی معلومات سے بہرہ مند کر دیا تھا، بمبئی میں سیکڑوں مشاعرے پڑھے اور اکثر شعرا سے مجالست رہی، مگر اب رنگِ زمانہ دیکھ کر شعر و شاعری سے طبیعت اُچاٹ ہو گئی ہے اور مشاعروں کی شرکت سے جی گھبراتا ہے۔

میں شاعری میں فلسفۂ حیاتِ انسانی اور اخلاق آفریں زندگی ...... و آموز حقائق بیان کرنے کا معتقد ہوں، علامہ اقبالؔ اور مرزا غالبؔ کے کلام سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں، اقبالؔ اور غالبؔ کا مطالعہ ہی میری فرصت کا بہترین مشغلہ ہے۔

بے تعلقیٔ اقربا اور بے مہریٔ احبا سے ترک وطن کر کے بمبئی میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے"۔

جالبؔ صاحب ایک بار سہسرام آئے تو ناچیز نے اُن کو ایک مجلس میں دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں ایک کاپی لے کر اپنا کلام سنا رہے ہیں، مولویانہ وضع کے آدمی ہیں، ان کی تنک مزاجی مشہور ہے، عہد طالب علمی میں اپنے استاذ مولانا فرخند علیؒ سے ناراض ہو کر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں بغرض تعلیم گئے، وہاں داخلہ نہ ہوا تو مظاہر العلوم چلے گئے اور فارغ ہوئے، اہل خاندان و وطن سے تعلق نہ رہنے کے سبب ان کی زندگی میں جس قسم کی تلخیاں پیدا ہوئیں، ان کا اثر ان کے کلام سے بھی

نمایاں ہے، انداز بیان پختہ ہے، فکر پر صوفیانہ افکار کا غلبہ ہے، اردو کے علاوہ فارسی کے اشعار بھی سادہ ہیں اور بعض فارسی غزل کے تو تمام ہی اشعار نصیحت آمیز خیالات سے مملو۔ خود شاعر نے اپنی چند منتخبہ غزلیں ۱۹٦۷ء میں عنایت فرمائیں، درج کرتا ہوں۔

نمونۂ کلام اردو

موت وہ زندگی ہے جو عشق کی زندگی نہ ہو — دیکھ نقوشِ حسن سے دامنِ دل تہی نہ ہو
دیکھ تو لے نشانِ حق قلب کی روشنی نہ ہو — شعلۂ طور، سرخیٔ قصۂ موسوی نہ ہو
میری نظر نہ توڑ دے شیشۂ مہر و ماہ کو — تیرے نظامِ دہر کو خطرۂ برہمی نہ ہو
رازِ حیات کاملہ ذوقِ تلاش ہی میں ہے — منفعلِ سکوں کوئی لمحۂ زندگی نہ ہو
عقلِ فریب کار کی حد سے گزر گیا ہوں میں — اب تو مری نگاہ سے مصلحۂ خفی نہ ہو
تو میرا آئینہ ہوا میں تیرا آئینہ بنا — میری شکستگی کہیں تیری شکستگی نہ ہو

جالب خستہ اور یہ اس کا مذاقِ شاعری
یہ اثر توجہ خاطرِ وارثی نہ ہو

بلند تر ہے مقام تیرا تو اس کا مجھ کو گلا نہیں ہے
میں نارسا ہوں، لیکن نگاہ تو نارسا نہیں ہے
حسین دنیا ہے اصل میں اک فریب رنگیں مری نظر میں
مآل سے تو نہیں ہے واقف یہ راز تجھ پر کھلا نہیں ہے
یہ مرنا جینا مری نظر میں فقط ہے اک فرق اعتباری
فنا جسے تو سمجھ رہا ہے حقیقتاً وہ فنا نہیں ہے
محیط پہن زمیں ہے آئینۂ تجلی حسنِ فطرت
اٹھا تو لا! کوئی ایسا ذرّہ کہ جس میں عکس خدا نہیں ہے
اگر ہے ذوقِ صحیح تجھ میں تو آ کبھی میری انجمن میں
سناؤں گا میں تجھے وہ نغمہ جو تو نے اب تک سنا نہیں ہے
تسلسلِ اضطرابِ غم سے قدم مرے ڈگمگا نہ جائیں
سنبھال! مجبور یاس ہو کر کہیں نہ کہہ دوں خدا نہیں ہے

حوادثاتِ جہاں سے فرصت ملی نہ اک دم بھی ہم کو جالبؔ
ہماری تقدیر کا ستارہ طلوع اب تک ہوا نہیں ہے

کم سے کم اتنا تو جذبِ قلب پیدا کیجئے
حسن بے پروا کو مجبورِ تماشا کیجئے
مانعِ حسنِ حقیقت ہیں حجاباتِ مجاز
آرزوئے دید ہے تو چشم دل وا کیجئے
زندگی جہد و طلب ہے، موت ہے امن و سکوں
جو نہ پوری ہو کبھی ایسی تمنا کیجئے
سجدہ گاہِ شوق ہو ہم پلۂ عرش بریں
حامل کیفیتِ معراج سجدا کیجئے
مجھ کو ہر اک طرح ہے اپنا نظر پر اعتماد
آپ اب جس طرح چاہیں مجھ سے پردا کیجئے
سبزۂ بیگانہ ہوں اس گلشنِ ایجاد میں
کون ہے اپنا یہاں، کس کی تمنا کیجئے
ہے کہاں جالبؔ کسی میں ہمت قدرِ وفا
اب مناسب ہے یہی سب سے کنارا کیجئے

نمونۂ کلام فارسی

ساقیِ گل عذار ہیں موسمِ نو بہار را
شہد بکن ز جام مے تلخیِ روزگار را
من ندہم بوصلِ تو نعمتِ اضطرابِ دل
قطع مکن تسلسلِ لذت انتظار را
از سر مرکز وفا پائے بروں نیاورد
تا حد شوق آزما طبع وفا شعار را
یا مکن اے خدائے کل پرسشِ معصیت زمن
یا تو بگیر از جہاں قوتِ اختیار را
طبع غیور است اگر حاجتی پیش کس مبر
بارہا آزمودہ ام ہمتِ روزگار را
حفظ خودی گذاشتی حرمتِ خویش باختی
تو نہ مگر شناختی گوہر تابدار را
جائے کہ جالبِ حزیں شاعرِ شرق دفن است
سرمۂ چشم خود کنم ذرّۂ آں دیار را

سلیم سہسرامی

۱۹۰۸ء-۱۹۷۰ء

سلیم الدین نام تخلص سلیم، ولدیت شیخ جمال الدین بن اکبر علی، متوطن محلہ نیم لوہار سہسرام، سال پیدائش ۱۹۰۸ء۔

تعلیم

مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں مولانا فرخند علیؒ کے ہاتھوں رسم بسم اللہ ادا ہوئی، یہاں کچھ دنوں تک پڑھنے کے بعد اپنے محلے کے اسکول (نذیریہ اَپر پرائمری اردو اسکول) میں درجہ پنجم تک تعلیم پائی۔ اس کے بعد محمڈن ٹریننگ اسکول (تالاب شیر شاہ) میں پڑھا، مگر تعلیم مکمل نہ کر سکے، شعر وشاعری کا ذوق وطن کے ماحول میں رہ کر پیدا ہوا، ابتداً قوالی وغیرہ کی شرکت اور ٹریننگ اسکول میں ہونے والی بیت بازیوں نے سہارا دیا، ٹریننگ اسکول کے ہیڈ ماسٹر مولوی محمد ابراہیم خاں (ساکن کرن سرائے، سہسرام) سلیم صاحب کے ذوق وشوق کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ "تم سلیم بڑھ کر شاعر ہوگے"۔

شاعری میں شاگردی

سلیم صاحب نے ۱۸ سال کی عمر میں وطن سے باہر قدم نکالا، ہوڑہ پہنچے، اپنے بڑے بھائی محمد اسحاق صاحب کی دکان پر رہنے لگے (گراسن روڈ میں)۔ یہاں جناب فرید الدین بیگ زرّیں دربھنگوی مرحوم سے ملاقات ہوئی، یہ ایک مفلوک الحال آدمی تھے۔ شاعری کا شوق رکھتے تھے اور خود بھی شعر گوئی کی طرف مائل تھے، ان سے یارانہ ہوا، صحبتیں رہنے لگیں، سلیم صاحب نے ۵ سالوں تک انھیں اپنا کلام دکھایا، ان کی صحبت سے محرومی ہوئی تو آج تک کسی کو کلام نہ دکھایا۔

سلیم صاحب کا کہنا ہے کہ "میں نے فنی معلومات کے لیے بکثرت کتابیں پڑھیں، آج بھی ایک ہزار کے قریب اشعار اقبالؔ کے اور تقریباً پانچ سو جوشؔ، غالبؔ، امیر و داغؔ وغیرہ کے یاد ہیں، جن کے کلام سے میں متاثر ہوں"۔

راقم الحروف نے ان کے مکان پر ایسے اخبارات ورسائل دیکھے، جن میں ان کا کلام

شائع ہوا ہے۔ بطور نمونہ کچھ اشعار نقل کرتا ہوں، سلیم صاحب کا کلام سب سے پہلے روزنامہ عصر جدید کلکتہ، (۲۵رجون ۱۹۳۴ء، ص ۵) میں چھپا، تین بندوں کی مخمس ہے، ایک بند ملاحظہ ہو۔ کلام نعتیہ ہے، بعنوان ''سلام'':

پہلا بند

جہاں میں آج وہ آئے تھے صاحب عظمت کہ جن کے قدموں نے بخشی ہے عرش کو زینت
وہ تاجدار مدینہ وہ ہادئ امت زہے نصیب خوشا بخت مرحبا قسمت
سلام اے شہ کون و مکاں سلام علیک

''زمزمۂ تغزل'' کے عنوان سے ایک غزل (کل اشعار ۱۰) کلکتہ ویکلی (۱۱راگست ۱۹۳۵ء) میں چھپی، دو شعر ملاحظہ ہوں:

جی بھر کے رو لیا تو ہوئی درد میں کمی گریہ نے اپنے کام کیا چارہ ساز کا
غم سے بدل ہی جائے گی دنیا نشاط کی قصہ اگر سنو گے شہیدانِ ناز کا

واقعات کربلا سے متعلق چند شعر:

زخم کھا کر جب گرے گھوڑے سے اکبر دھوپ میں مینہ لگے تیروں کا برسانے ستمگر دھوپ میں
دیکھ کر شبیر کے لاشے کو بے غسل و کفن روتے تھے جن و ملک گردن جھکا کر دھوپ میں

(عصر جدید، ۱۲رمارچ ۱۹۳۸ء)

سلیم صاحب کی شاعری روایاتی انداز کی ہے، مگر انداز بیان سادہ ہے، اور کلام میں صفائی اور پاکیزگی ہے۔ غزل ملاحظہ ہو:

یاد ماضی سے بیقرار ہوں میں کیا کہوں کس کا سوگوار ہوں میں
تم پہ موتی نثار کرتا ہوں یہ نہ سمجھو کہ اشک بار ہوں میں
یہ نہ پوچھو مجھے خدا کی قسم کس کی الفت میں دلفگار ہوں میں
نغمۂ جاں فزا نہیں نہ سہی یاد رکھ درد کی پکار ہوں میں
دیدۂ دل سے دیکھئے تو ذرا کس کی الفت کا مار ہوں میں
جو بنائے سبو کا پیمانہ وہ بلا نوش بادہ خوار ہوں میں
بخت ہے اوج پر سلیم اپنا
سجدہ ریز آستانِ یار ہوں میں

(ماہنامہ جدید اردو، کلکتہ، دسمبر ۱۹۳۸ء، ص ۱۶)

آخر میں اتنا عرض کروں گا کہ سلیم صاحب نہایت ہی سادہ طبیعت کے خوش مزاج آدمی ہیں، طبیعت کی سادگی کا اثر ان کے کلام پر بھی ہے، بڑی بات یہ ہے کہ فکر میں ناہمواری نہیں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کو رطب و یابس قسم کے خیالات کا مجموعہ نہیں کہہ سکتے ہیں، سلیم صاحب کی وضع وقطع بھی مشرقی ہے، صرف چہرے پر داڑھی نہیں ورنہ ان کے مشرقی الذہن ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

آخر عمر میں دماغی توازن کھو جانے کے سبب تقریباً ۱۹۷۰ء میں اچانک غائب ہو گئے اور پھر پتا نہ چلا کہ کہاں جا کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ حاذق

سکندر خاں صاحب سکندؔر سہسرامی

(۱۸۸۲ء تا ۱۹۴۷ء)

نام، سکندر خاں تخلص سکندؔر، ولدیت اصغر علی خاں، متوطن محلہ شیخ پورہ سہسرام۔

سکندر خاں صاحب کو راقم نے دیکھا، ان کا کلام سنا ہے۔ پست قد، سفید ریش، چرب زبان، محرمی اکھاڑے کے شوقین، صاف رنگ کے وضع دار آدمی تھے۔ باتوں میں غیر معمولی مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ حتیٰ کہ بات جھوٹ تک پہنچ جاتی۔ سہسرام کے اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ تحت میں کلام پڑھتے تھے۔ محمود الحسن خاں صاحب محمود کے ہم جلیسوں میں ممتاز تھے اور ان کے والد مولوی حسن خاں صاحب حسنؔ سہسرامی ابوالعلائی کے مرید تھے، اور شعر گوئی میں انھیں کے شاگرد تھے۔ ناصحانہ انداز میں کلام کہتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد وصال ہوا، تقریباً ۸۵ سال کی عمر میں۔

سکندر خاں صاحب کے بڑے بھائی اظہر خاں صاحب محلہ نورن گنج سہسرام میں مسجد سے متصل مکان بہ سمت مشرق رہتے تھے، صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ تقریباً نوے سال عمر پائی۔ ان کے لڑکے اسعد علی خاں مرحوم تھے۔

سکندر خاں کے ایک بھائی الیاس خاں الیاس، محمد ادریس خاں ادریس سہسرامی اور ان

سے چھوٹے بھائی محمد عیسیٰ خاں عیسیٰ جو اپنے کو ثانیِ داغؔ کہتے تھے ہر ایک کو شعر گوئی میں مہارت حاصل تھی۔

نمونۂ کلام یہ ہے:

دیوانوں میں دیوانہ ہے دیوانہ کسی کا ہشیاروں میں ہشیار ہے فرزانہ کسی کا
کچھ غم نہیں اس کا کہ مرا گھر ہوا برباد آباد مرے دم سے ہے کاشانہ کسی کا
مضمون پری میرے تصور میں ہیں لاکھوں ہے قصر خیال اپنا پری خانہ کسی کا

شیدائے زلف و رُخ نہیں رہتے قرار سے ثابت ہوا یہ گردشِ لیل و نہار سے
الفت میں گلعذاروں کی کہتا ہے دل مدام کھل کر ہزار نالے کروں میں ہزار سے
ثابت ہے بعد مرگ بھی دل کی تپش وہی اڑتا شرار ہے جو یہ سنگِ مزار سے
پہنچا تمھیں ہے صحبتِ اغیار سے ضرر بیکار ہے غبار تمھیں خاکسار سے

آئینہ دل کا رنگ کدورت سے صاف ہو
رکھنا الگ تم اس کو سکندرؔ غبار سے

سکندرؔ صاحب مرحوم کے صرف تین شعر مسلم شعرائے بہار جلد دوم ص ۱۳۳ (شعر ۳۱۲۱) میں شائع ہوتے۔

محال اہل ہمم کے لیے تو ممکن ہے نکموں کے لیے ممکن محال ہوتا ہے
جو سیر باغ کو آتا ہے وہ گلِ رعنا تو سرو دیکھ کے اُس کو نہال ہوتا ہے
جو آہ دل جلوں کا کوئی ان سے حال کہتا ہے تو سن کے اور انھیں اشتعال ہوتا ہے

مولوی سعید الزماں صاحب اخترؔ سہسرامی

(وفات بعد ۱۹۳۶ء)

(مولوی) سعید الزماں نام، اخترؔ تخلص، باشندہ محلہ بارہ دری سہسرام۔

موصوف ۱۹۳۶ء تک یقیناً حیات سے تھے۔ آبِ حیات، حیات شیر شاہ کو اس کے مؤلف نے میرے محلّہ کے ایک بزرگ پڑوسی ''خاں صاحب مولوی سید فضل حسن بی۔اے (علیگ) سپرنٹنڈنٹ اکسائز بہار کے نام معنون کیا، کتاب کے آخر میں دانش سہسرامی کا کہا ہوا قطعہ تاریخ ہے، جس کی سنِ اشاعت ۱۳۵۵ھ (مطابق ۱۹۳۶ء) معلوم ہوا ہے۔

اخترؔ صاحب ایک صاحبِ ذوق، اہل علم اور صاحب قلم انسان تھے، طبیعت بڑی غیور تھی۔ بی۔اے تک تعلیم پائی تھی، خدمت وطن کے پیش نظر ان کی جامع اور مختصر تالیف ''آبِ حیات'' کے نام سے شائع ہوئی۔ کل صفحات ۱۸۴ ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے شیر شاہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے خاندانی بزرگوں اور ان کی اولاد کا تذکرہ کیا ہے، بعض نظمیں بھی سہسرام پر اچھی خاصی مشاہیر اہل علم اور اہل سہسرام کی جمع کردی ہیں، کتاب بڑی خوش عقیدگی کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ لکھائی اور چھپائی بھی عمدہ ہے۔

مؤلف مسلم شعرائے بہار نے بھی اُن کے چند اشعار اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔ اُن کی ایک پوری غزل ماہنامہ ''تاج'' گیا، بابت ماہ جنوری ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

نمونۂ کلام

کشتہ کیا تو نے تری تیغ ادا نے ۔۔۔ مارا ہمیں تیری نگہ برقِ بلا نے
جلوے وہ دکھائے ہیں بتِ ہوش رُبا نے ۔۔۔ ہشیار جو تھے اُن کے نہیں ہوش ٹھکانے
اچھا ہوا ہر روز کے جھگڑوں کو مٹایا ۔۔۔ احسان کیا ہے یہ بہت مجھ پہ قضا نے
دل تھامے ہوئے خود وہ چلے آئے مرے گھر ۔۔۔ صد شکر دکھایا یہ اثر آہ رسا نے
برباد ہوئے قیس بھی فرہاد بھی ہم بھی ۔۔۔ اس عشق نے ویران کیے کتنے گھرانے
کیا بات ہے کیا بھید ہے کیا راز ہے اس میں ۔۔۔ سودا مجھے کیوں دے دیا اس بت کا خدا نے
مدت پہ مجھے آپ نے دیدار دکھایا ۔۔۔ قسمت سے دکھایا ہے یہ دن مجھ کو خدا نے

دکھلا کے جھلک حسن کی اک آن میں اخترؔ
بے ہوش مجھے کر دیا اس جلوہ نما نے

اخترؔ صاحب کی ایک مسدس (سات بندوں پر مشتمل) روداد مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام (ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ) میں چھپی تھی، جس کا ایک بند یہ ہے:

بپا ہے آج زمانے میں انقلابِ عظیم — ہر ایک قوم ہے خود اپنی کر رہی تنظیم
ہمیشہ کرتے ہیں جو پیرویٔ عقلِ سلیم — انھیں کے آگے جھکاتے ہیں سب سرِ تسلیم

قمر گیاوی مرحوم نے مسودہ ''آب کوثر'' میں (بحوالہ رسالہ گنجینہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۳۴ء) اختر صاحب کے دو شعر نقل کیے ہوئے نظر سے گذرے تھے:

رہ سکا تقویٰ نہ قائم جب جنابِ شیخ کا — اور کوئی کیا رہے گا پارسا برسات میں
جوش پر ہے آج بیحد میرے ساقی کا کرم — ہوگئی مقبول رندوں کی دعا برسات میں

ماضی و حال

یا الٰہی کیا ہوئی میری وہ شانِ آرزو — اب کہاں جاتی رہی وہ این و آنِ آرزو
وہ مری شامِ تمنا وہ مری صبحِ اُمید — وہ مرے اوقاتِ فرصت وہ زمانِ آرزو
وہ تبسم خیز موجیں بحرِ فکرِ حسن کی — کشتیٔ دل اور اس پر بادبانِ آرزو
کامیابی کی وفورِ شوق میں خوش منظری — جو مدارِ زندگی تھی اور جانِ آرزو
سازگاریٔ مقدر کا وہ لطفِ انتظار — یعنی اک کیفیتِ رازِ نہانِ آرزو
تو نے اے ناکامیٔ جاوید یہ کیا کر دیا — ہو کے بے بس رہ گیا اک ناتوانِ آرزو
آگئی بزمِ تمنا پر قیامت آگئی — گر پڑا ہے ٹوٹ کر اک آسمانِ آرزو
بادِ صرصر سے یکا یک گُل ہوئی شمعِ اُمید — ہوگیا تاریک آنکھوں میں جہانِ آرزو
کیسی کیسی حسرتوں کا خون دل میں ہوگیا — شرحِ درد و غم ہے میری داستانِ آرزو
وہ اُمیدیں، وہ اُمنگیں وہ تمنائیں وہ شوق — دل سے کیسا مٹ گیا اک اک نشانِ آرزو
دائمی افسردگی چھائی ہوئی ہے ہر طرف — لے گیا جوشِ طرب سیلِ روانِ آرزو
اب پڑا پھرتا ہے ہر سو ٹھوکریں کھاتا ہوا — ہائے میرا دل بھی کیا تھا میزبانِ آرزو
بن گیا ہوں شدتِ حسرت سے میں تصویرِ یاس — اب کہاں وہ گرمیٔ حسن و بیانِ آرزو
پھر بھی اس لطفِ خلش کو کیا کہوں کیا چیز ہے — دل میں چبھ کر رہ گئی نوکِ سنانِ آرزو

مرتے مرتے بھی نہیں جاتی ہیں یہ دلچسپیاں
ایسے لذت گیر ہیں دلدارگانِ آرزو

دور گردوں پھر دکھادے روزگارِ آرزو | پھر نظر آئے وہی لیل و نہارِ آرزو
مطلع انوار ہو پھر خانۂ تاریک دل | جلوہ گر ہو پھر وہی شمس النہارِ آرزو
پھر ہری ہوکر پھلے پھولے مری کشتِ اُمید | پھر دلِ ویراں میں آجائے بہارِ آرزو
پھر تمناؤں کی دل میں ہو مرے بزمِ نشاط | پھر چلے جامِ شرابِ خوشگوارِ آرزو
پھر طبیعت جوش پر آجائے اپنی ایک بار | داغ سینہ کے دکھائیں لالہ زارِ آرزو
میری آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں پھر وہی تفریح و سیر | کشتیِ دل ہو کنارِ جوئبارِ آرزو
ہے فریب آرزو پر زندگانی کا مدار | پھر دلِ مایوس ہو جائے شکارِ آرزو
یاد ہیں وہ آرزوئے شوق کی کیفیتیں | کس طرح جھیلوں میں تکلیفِ خمارِ آرزو

کیوں نہ ہو مقبول اختر آپ کا طرزِ بیاں
جوشِ دریا کا ہے، یا کہ ہے بیانِ آرزو

جادو کواتھی سہسرامی

۱۲۵۱ھ تا ۱۳۵۶ھ / ۱۸۳۵ء تا ۱۸۸۹ء

مشاہیر شعرائے سہسرام میں ہے:

محمد سلیمان خاں ساکن کواتھ، تقریباً ۵۵ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کو تلمذ غالباً قلق لکھنوی مرحوم سے تھا، آپ صفیر بلگرامی مرحوم کے ہم عصر تھے، شاعری میں خاصی مہارت تھی، شاعری کی ہر قسم میں دادِ سخن دیتے تھے، آپ کے کلام کا پورا ذخیرہ نامطبوع موجود ہے، آپ خود صاحب معاش شخص تھے، اس لیے آپ کی شاعری اطمینان کی شاعری تھی۔

اس لیے آپ کی تالیفات تصنیفات سے متعدد کتب و رسائل موجود ہیں۔

کلام

یہ گیسوؤں میں ہے عارض کہ ہے سحاب میں جرق | یہ رُخ کا عکس ہے مے میں کہ ہے شراب میں برق
فروغ حسن کی تاثیر ہر جگہ ہے نئی | رہِ ثواب میں مشعل رہِ عذاب میں برق

ہمارا قلب تپاں بھی کبھی تھا سینے میں رہی ہے مدتوں اس خانۂ خراب میں برق
تمھارا پرتوِ رخسار ہنس نہ دے اُس پر اسی لحاظ سے ہے ابر کے حجاب میں برق
یہ سوچتا ہوں کہ بجلی کی کیا کروں تعریف تمھارے کان کے بالے میں آب وتاب کے برق
...... کا قرب پہ اُن دانتوں سے تماشہ ہے کہ برقرار رہے موتیوں کی آب و تاب میں برق
خیال چہرۂ روشن کا وقت گریہ ہے یہ دیکھو کوندتی ہے دیدۂ پر آب میں برق
رگ گلو سے جو اقرب ہے طور پر تھا وہی کہ لفظ قرب سے صاف انقلاب میں برق
چمن میں آگ لگی ہے بہار سے جادو
بنی ہے آتشِ گل بوستاں کی باب میں برق

صاف چہرہ صاف سینہ صاف پہلو ناف صاف صاف ہے سارا بدن بس بات یہ ہے صاف صاف
منہ پہ کہہ دیجئے جو کہنا ہو مثالِ آئینہ ہم سے باتیں کیجئے اے بندہ پرور صاف صاف
نور کی صورت پری کی شکل اعضا گول گول حور کی مانند عارض گورے گورے صاف صاف

تیری تصویر میں ہر شے ہے پیاری دہن، چہرہ، جبیں، رخسار، گردن

نہ پوچھ کیوں ہے یہ مستی مزاجِ اقدس میں لہو کے بدلے بھری ہے شراب نس نس میں

قتل عشاق ہوئے یار کے کاشانے میں مر گئے عشق کے بیمار شفاخانے میں
مور کے شور سے جی مست ہوا جاتا ہے کوئلیں کوکتی ہیں لطف ہے ویرانے میں

راقم کو ایک بیاض جس میں جادو صاحب مرحوم کا کلام منتخبہ درج تھا، ایک صاحب کے واسطے سے ملی، اس بیاض کے اوراق نہایت بوسیدہ ہو چکے تھے کہیں کہیں سے پڑھنا بھی دشوار تھا۔

بیاض مذکور کے صفحہ اوّل پر مملوکہ عبدالحلیم خاں، منتخبات، راقم سید ذکی بلگرامی مؤرخہ ۲۵ر ستمبر ۱۹۱۹ء لکھا تھا۔

نمونۂ کلام سے پہلے بطور تعارف نعمت اللہ خاں صاحب نے لکھا کہ محمد ریاض الدین خاں (۱) اوران کے چند احباب کے اخلاص ومؤدت کی وجہ سے بعنایت برادرم یاد علی خاں صاحب

گماشتہ بمطبع منشی مفت شاپرو کے جادو صاحب کا کچھ کلام پراگندہ صورت میں ملا، جس سے ذیل کے اشعار انتخاب کیے گئے ہیں۔ پوری عبارت فارسی میں ہے، جس کی تلخیص لکھی گئی ہے۔ اس بیاض کے جملہ اشعار یہ ہیں:

اے صنم آپ نے پھر فتنے اٹھایا ناحق　　پھر قریب اپنے رقیبوں کو بٹھایا ناحق
یاخدا نیند بھی آتی نہیں اب راتوں کو　　تو نے تقدیر کو یوں میری سلایا ناحق
ہو برا اس دل دیوانہ و سودائی کا　　در بدر خاک بسر مجھ کو پھرایا ناحق
اے صنم قہر کیا آپ نے اللہ اللہ　　کعبۂ دل کو مسلمانوں کے ڈھایا ناحق

مصرع قد پہ نہ یوں جاں نکلتی جادو
شعر گوئی کا مزا دل میں سمایا ناحق

اک روز بھی مزا نہ ملا وصلِ یار کا　　ارمان رہ گیا ہمیں بوس و کنار کا
آنا ہوا ہے باغ میں کس گلعذار کا　　ملتا نہیں دماغ نسیم بہار کا
سچ کہہ جو کوئے یار سے آتی ہوائے صبا　　کیا حال ہے ہمارے دلِ بیقرار کا
کنج قفس میں اب بھی خواہش ہے اے ندیم　　اک بار اور دیکھتے عالم بہار کا
کس کی کمر کی یاد میں آنکھیں ہیں موجزن　　پتلا ہے حال کس لیے اس جسم زار کا
کیا آئے گا لحد پہ ہماری وہ شعلہ رو　　ہنستا ہے کیوں چراغ ہمارے مزار کا
گن گن کے قتل کرتا ہے عشاق کو وہ شوخ　　ہے مجرموں کو سامنا روزِ شمار کا

سو زخم ہیں جگر پہ مگر لب پہ اُف نہیں
یہ دل ہے تیرے جادوِ سینہ فگار کا

سلام سہسرامی

(حیات ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء)

منشی سلامت علی خاں متخلص بہ سلام سہسرامی ساکن سہسرام کا ایک قطعہ تاریخ نظر سے

گزرا، یہ جناب منشی فیض بخش فیض سہسرامی کے شاگرد تھے۔ اور سن ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں تھے، اور کلکتہ میں مقیم تھے۔

قطعہ تاریخ

ہے یہ نایاب کتب بہر ہدایت لے لو — دل یہی چاہتا ہے اس کو بغایت لے لو
تخرجہ سال لکھو عیسوی اس طرح سلام — دوستو! تحفۂ باغات ولایت لے لو

۱۸۹۷ء

حکیم مولوی محمد سعید خاں سہسرامی

حکیم مولوی ابو صالح محمد سعید خاں صاحب محلّہ میواتی ٹولہ سہسرام کے رہنے والے تھے، آپ کے والد منشی شفاعت علی خاں صاحب مرحوم تھے۔

حکیم صاحب موصوف کی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ہوئی، آپ ۱۹/اپریل ۱۹۰۶ء میں کو مدرسہ کے درجہ ہشتم میں داخل ہوئے اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کورس کے مطابق سینئر جماعت سال پنجم تک تعلیم پائی اور بورڈ کے امتحان میں شریک ہو کر مارچ ۱۹۱۴ء میں درجہ دوم میں کامیابی حاصل کی۔

۳/جنوری ۱۹۱۷ء (۷/شعبان ۱۳۸۲ھ) شب جمعہ کو حکیم صاحب نے انتقال فرمایا، درگاہ تلے قبرستان مخدومؒ سے قریب دفن ہوئے۔ مولانا ضیاء الحسن صاحب ضیاء نے تاریخ وفات کہی۔

اے ضیاء غفر اللہ لہ سال وفات — ہاتف غیب نے ایمان کی رو سے یہ کہا

آپ کے اساتذہ میں مولانا ابوالحسن صاحب بیدل سہسرامی شہرہ آفاق بزرگ گزرے ہیں۔ دینی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد آپ علم طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ سہسرام میں مختلف اطبا سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تکمیل الطب لکھنؤ چلے گئے اور یکم جنوری ۱۹۱۷ء کو سند فراغت پائی۔

خدا نے حکیم صاحب میں بہت سی خصوصی صفات ودیعت کی تھیں۔ آپ اپنے وقت کے

طبیب شہر تھے، بیرون شہر میں آپ کی اچھی خاصی شہرت تھی، دور سے مریض بغرض علاج آتے تھے، اور ہمہ وقت مریضوں کا مرجوعہ رہتا تھا۔ بڑے اخلاق سے مریضوں سے پیش آتے، کافی دیر تک مریض کے نبض پر ہاتھ رکھ کر حالات دریافت کرتے اور کلمۂ تسکین کہتے جس سے مریض کو تشفی ہی نہیں ہوتی، بلکہ بارِ مرض کم ہو جاتا۔ عمر بھر سادہ زندگی بسر کی، اپنے خام مکان میں چوکی پر بیٹھ کر مریضوں کو دیکھا کرتے تھے، ہاں اگر مریضوں کو اپنے مطب سے باہر جا کر دیکھنے کی ضرورت ہوتی تھی تو تانگے کے بغیر سفر نہیں کرتے تھے، یہ ان کا معمول تھا، اس سے ان کے اوقات بچتے تھے اور وقار قائم رہتا تھا۔ اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ خدا نے انھیں ایک ایسا فرزند بھی عطا کیا جوان کی مسند طبابت پر بیٹھ کر اچھے انداز سے اپنے موروثی پیشہ کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کے یہ لائق فرزند مولوی محمد ابراہیم خاں صاحب ہیں، اللہ آپ کو قائم رکھے، اور ان سے ان کے فن کی اچھی خدمات لے۔ (ابراہیم کی وفات ہو چکی ہے۔ حاذق)

حکیم سراج الدین صاحب جراح بارہ سہسرام

حکیم سراج الدین صاحب جراح محلّہ بارہ سہسرام کے رہنے والے ہیں، آپ کے والد ماجد حکیم خیر الدین اور آپ کے دادا حکیم کلیم الدین صاحب مرحومین تھے۔

آپ کے خاندان میں تین پشتوں سے طبابت چلی آ رہی ہے، آپ نے فن طب کی تعلیم اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کی اور فن جراحی کی تربیت بھی گھر ہی میں پائی۔

اس وقت آپ کے سوا سہسرام میں کوئی طبیب فن جراحی سے واقف نہیں ہے، ماشاء اللہ زخموں کے علاج میں آپ دست شفا ہیں۔ جون ۱۹۶۵ء آپ سے میں نے ملاقات کی، اس وقت آپ کی عمر ۶۷ سال کے قریب تھی۔

حکیم صاحب موصوف کے بڑے صاحبزادے منیر الدین صاحب کے اپنے والد سے

تعلیم وتربیت پاکر ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹار ہے ہیں، اور آپ کے دوسرے صاحبزادے حکیم شرف الدین صاحب نے باضابطہ طبیہ کالج پٹنہ میں تعلیم پائی، اور ان دنوں عالم گنج سہسرام میں مطب چلا رہے ہیں۔ (دونوں فوت ہو گئے۔ حاذق)

حکیم سراج الدین

میاں جی حکیم محمد سراج الدین صاحب محلہ نورن گنج سہسرام کے رہنے والے تھے اور حکیم رمضان علی شاہ صاحبؒ کے فرزند تھے۔ حکیم سراج الدین صاحب چار بھائی ایک ماں سے تھے، عبداللطیف صاحب تمام بھائیوں میں بڑے تھے، باقی حکیم عنایت اللہ اور محمد عثمان صاحب موصوف سے چھوٹے تھے۔

حکیم سراج الدین صاحب کی زندگی کے ایام زیادہ تر اپنے چچا حکیم یار علی صاحب کے پاس جگدیش پور میں گزرے، فن طب میں ان ہی کے شاگرد ہوئے، درس و تدریس کو زندگی کا مشغلہ بنایا تو جگدیش پور ضلع شاہ آباد (آرہ) ہی میں مسند درس پر بیٹھے۔ حکیم عبدالوحید صاحب مرحوم اور حکیم عبدالمجید صاحب جو جگدیش پور کے مشہور طبیب ہوئے، اور حکیم یار علی صاحب کے صاحبزادے ہیں، ان ہی کے شاگردوں میں سے ہیں۔

حکیم سراج الدین صاحب نے سوداگری کا مشغلہ بھی اختیار کیا، مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی، پچاس سال سے کم ہی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے، اور بطور یادگار اپنے ایک بچے (مولوی) محمد ضیاء الدین صاحب کو حالتِ شیر خوارگی میں چھوڑ گئے۔

حکیم سراج الدین صاحب کی بیوہ بی بی کلثوم جنھوں نے اپنے شیر خوار بچے کی پرورش کی اور انھیں بھی عالمِ دین بنایا، حضرت مولانا محمد قادر بخش صاحبؒ کی ہمشیر تھیں اور حضرت مولانا حکیم حسن صاحب سہسرامی کی صاحبزادی، مختصر یہ کہ بڑے گھر کی بیٹی نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ یہاں تک کہ بیٹا، باپ، دادا، نانا اور ماموں کا سچا جانشیں بنا۔ اللہ ہر ایک کی مغفرت کرے۔

حکیم سراج الدین

حکیم سراج الدین صاحب محلہ نیم کالے خاں (پٹھان ٹولی) سہسرام کے رہنے والے تھے۔ آپ بھی حکیم مولانا حسن علی صاحب (باڑہ) کے داماد تھے، حکیم سراج الدین صاحب کے ایک ہم زلف کا بھی وہی نام و پیشہ تھا جو حکیم صاحب موصوف کا تھا، اور اتفاق سے یہ دونوں ہم وطن بھی تھے۔ ہاں آپ نیم کالے خاں کے رہنے والے تھے اور دوسرے محلہ نورن گنج کے۔

خدا نے آپ کو دو اولادیں عطا فرمائیں، ایک حکیم منشی بہاء الدین صاحب اور دوسرے مولوی منہاج الدین صاحب عالی۔

حکیم منشی بہاء الدین کی شادی اپنی خالہ زاد بہن بنت منشی محمد جلیل صاحب سے ہوئی، منشی محمد عبدالجلیل صاحب بھی حکیم حسن علی صاحب کے داماد تھے۔

حکیم سراج الدین صاحب کے دوسرے صاحبزادے کا نکاح حکیم مولانا محمد مرتضےٰ ابن حکیم مولانا حسن علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔

افسوس آج ان سے کوئی بھی زندہ نہ رہا۔ منشی بہاء الدین صاحب تو پچاس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے، ان کے وصال کو بھی تقریباً بیس سال ہوئے، عالی صاحب عہد جوانی ہی میں رخصت ہو گئے۔ عالی صاحب کی اہلیہ اپنے محلہ میں ایک سرکاری مکتب کی معلمہ تھیں، اور گھر ہی میں درس دیا کرتی تھیں۔ حکیم سراج الدین صاحب نے نبض شناسی پر ایک مختصر رسالہ بھی لکھا ہے، جو راقم الحروف کی نظر سے گزرا۔ حکیم سراج الدین صاحب حسین آباد (پلاموں) میں طبابت کیا کرتے تھے۔ وہیں انتقال فرمایا، اور وہیں تدفین ہوئی۔

مولوی سکندر الزماں خاں

استاذی مولوی سکندر الزماں صاحب محلہ میواتی ٹولہ سہسرام کے رہنے والے تھے، میواتی

نامی حویلی میں رہتے تھے،ان کے والد ماجد سہسرام کے مشہور رئیس اور فائز المرام طبیب حکیم علی زماں خاں تھے، جن کا شجرۂ نسب مولانا نثار احمد خاں ناظم سہسرامی کے حالات زندگی میں لکھ چکا ہوں۔
مختصر یہ کہ استاذی مرحوم مدرسہ خانقاہ کے درجہ تحتانیہ کے بہترین مدرس تھے، طلبہ پر کڑی نظر رکھتے تھے، داڑھی، موچھیں اکثر بڑھی رہتی تھیں، طلبہ خوف کھاتے تھے، اور ان کی سزا کے ڈر سے ان کے اسباق یاد رکھتے تھے یا ایام درس میں راہِ فرار اختیار کرتے تو دوسرے روز سزا سے نہ بچتے تھے، افلاس میں بھی پابندیٔ وقت کے ساتھ مدرسہ آتے تھے، فضول گوئی میں وقت صرف نہ کرتے تھے، پابندی سے طلبہ کو اسباق پڑھاتے، خدا مغفرت فرمائے۔
۱۹۵۲ء میں میرے مدرسہ سے فراغت کے بعد شاید ۱۹۵۵ء میں انتقال کیا۔

حکیم سلامت اللہ

حکیم سلامت اللہ صاحب محلہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے، اور حکیم قربان علی صاحب کے صاحبزادے اور حکیم برکت اللہ صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ عالمِ دین بھی تھے اور طبیب بھی۔ شیر گھاٹی ضلع گیا میں اپنے والد صاحب کی جگہ پر طبابت کرتے تھے۔ روددادِ خیریہ کے متعدد شماروں میں ان کی تعلیمی فوقیت کا ذکر ہے۔
تقریباً ۸۰ سال کی عمر پائی اور اپنے وطن میں داعیِ اجل کو لبیک کہا، اور موروثی قبرستان میں تدفین ہوئی۔
خدا نے آپ کو چار لڑکے اور لڑکی کا باپ بنایا، آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی نذر اللہ صاحب رانی گنج بنگال کی کسی سرکاری اسکول میں معلم تھے، اور دوسرے صاحبزادے حافظ عتیق اللہ صاحب ایک مدیّن انسان تھے، تیسرے صاحبزادے حکیم نصیر اللہ عرف عمر صاحب طبیب ہوئے، اور محمد نعمت اللہ صاحب سہسرام سے منتقل ہو کر آسنسول چلے گئے اور وہاں اہل تجارت میں شہرت پائی، اور آپ کی صاحبزادی بی بی ساجدہ مرحومہ کے بطن سے دو صاحبزادے ہیں، اور دونوں تجارت کرتے ہیں، اور رانی گنج کے دینی مدرسہ کے مہتمم بھی تھے، ان کا مزار حاجی حرمین کے مقبرہ

کے قریب پچھم میں ہے (کچا ہے) مگران کا سالانہ عرس رانی گنج میں ہوتا ہے۔

رسالہ سر الشہادتین مصنفہ حضرت عبدالعزیز دہلویؒ کا ایک قلمی نسخہ ناچیز کے پاس موجود تھا، جس پر حضرت مولانا حکیم حاجی حسن علی صاحب کا حاشیہ تھا، اس حاشیہ کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حکیم سلامت اللہ صاحب نے بھی کوئی رسالہ تحریر...... کے نام سے لکھا تھا، جس کا جابجا مذکورہ حاشیہ میں حوالہ ہے، اور حکیم حسن علی صاحب، حکیم سلامت اللہ صاحب کو عزیزم کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس لیے قیاس ہے کہ یہ رسالہ سوائے آپ کے اور کسی دوسرے سلامت اللہ کا نہیں ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ قلمی رسالہ خدا بخش لائبریری میں داخل ہو چکا ہے۔

مولانا نذر اللہ کے حالات زندگی اسی جلد کے صفحہ ۱۷۲ پر درج ہے۔

حکیم سلامت اللہ کی لڑکی بمسمیٰ ...... کے بطن سے صولت حسین مرحوم عرف منو اور مرحوم طلعت حسین عرف جھنو اور سرفراز حسین برسوں سے چھوٹا شیخ پورہ سہسرام میں اپنی دکان کرتے ہیں۔

طلعت حسین عرف جھنو کی اہلیہ نفیسہ خاتون بنت لعل محمد مرحوم برادر حکیم اشرف حسین سہسرامی سے ہوئی تھی۔ اور یہ نفیسہ خاتون کے بطن سے انیس النساء عرف انیسہ، زوجہ حکیم انیس الزماں ابن حکیم مسیح الزماں مرحوم محلہ چوکھنڈی سے ہوئی، جس کے بطن سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ۲۰۰۵ء میں حیات سے ہیں۔

حضرت سبحان احمد خاں قادری

نام سبحان احمد خاں، ولدیت بندے علی خاں۔

برطانیہ گورنمنٹ کے ملازم تھے۔ بھاگلپور میں تھے۔ ۱۸۶۸ء سے بیگوسرائے اور مونگیر وغیرہ میں ناظر رہ چکے تھے۔ عمر ۷۰، ۸۰ سال سے کم نہ ہوگی۔ انتقال ۱۵/اگست ۱۹۱۶ء مطابق ۱۴/شوال المکرم ۱۳۳۴ھ بروز منگل وقت ۱۱ بجے دن۔

خلیق تھے، بدزبانی سے کبھی کام نہ لیا، عزیز و اقارب کو نصیحت کرتے تھے۔

لمبا قد، چہرہ بھی لمبا، بھرا بدن، بال سفید ہو چکے تھے، سر بڑا۔

حلقۂ مریدان : رانچی، ہزاری باغ، پورنیہ، بھاگلپور، مونگیر، زاید مرید رانچی اور پورنیہ، ڈہری سہسرام اور گریڈیہہ اور پلاموں وغیرہ میں تھے۔

خلفاء : مولوی کبیر احمد خاں صاحب (۱) ان کے بڑے صاحبزادے خود ان کے خلیفہ تھے، حاجی نذیر احمد صاحب (۲) بھی ان کے صاحبزادے اور ان کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولوی عبدالغنی چوکھنڈی سہسرام بھی ان کے خلیفہ تھے۔ ہمراز حسین صاحب شیر پور، بجنور بھی ان کے خلیفہ تھے۔ محمد نصیر خاں وکبیر خاں (یہ دونوں بھائی) ابن حرمت خاں چوکھنڈی بھی خلیفہ تھے۔ فی الوقت ظہیر احمد خاں صاحب ابن کبیر احمد خاں چچا نذیر احمد صاحب سے بیعت ہوئے، اور ان دنوں ان کے وارث ہیں (۱۹۶۶ء)۔

سبحان احمد خاں، قاضی محمد عنایت حسین چریا کوٹی، شاہ عبدالعلیم لوہاروی، شاہ خان علی پاک پٹنی، حضرت شاہ صوفی آبادانی سیالکوٹیؒ، میر محمد زکریا، میر محمد سندھی، شاہ محمد قریشی عباسی لاہوری، شاہ محمد خاں لودھی، پیر محمد خاں لودھی، شیخ آدم الشریف الحسین، شیخ احمد السرہندی الفاروقی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے آگے کا سلسلہ...... ہے۔ دس واسطے سے مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔ حاذقؔ

سبحان احمدؒ کے مزید حالات زندگی کے لیے دیکھئے: تاریخ سہسرام از مصلحؔ ص ۱۱۷۔

مولوی کبیر احمد صاحب کے استاد مولوی عبدالحق صاحب پیلی بھیتی تھے، جنھوں نے ان کا عقد ۱۳۱۹ھ میں بنت حافظ حسن علی خاں صاحب...... سے پڑھایا تھا۔ اپنے والد سے انھیں قادریہ کی خلافت ۱۴؍ مارچ ۱۹۱۲ء مطابق ۲۴؍ ربیع الاوّل روز پنجشنبہ کو ملی تھی۔

پروفیسر شعیب راہیؔ

پ ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء ف ۱۹۸۹ء

محمد شعیب نام تخلص راہیؔ ہے۔ مولانا محمد ایوب صاحب شمیم ندوی (محلہ شاہ ہارون

سہسرام) کے صاحبزادے، اور جناب عبدالسلام صاحب افسر (محلّہ شاہ جمعہ سہسرام) کے بھانجے ہیں۔ پٹنہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔اے کرنے کے بعد جی۔ال۔اے۔ کالج ڈالٹین گنج ضلع پلاموں، بہار میں پروفیسری کرتے رہے۔

عہد طالب علمی میں اشتراکیت سے کافی متاثر رہے، اور اس کے فعال کارکن بھی۔مگر آخرعمر میں سودائے اشتراکیت کم ہوتا نظر آیا، تاہم اس کی چھاپ ان کے فکراورفن دونوں میں موجود رہی۔

جسماً طویل القد، دراز دست اور چھریرے بدن کے نوجوان تھے، چپل استعمال کرتے، اور ہر جگہ بھٹکتے پھرتے تھے۔مگر طبیعت میں سادگی تھی، والدندوی مولانا ہیں اور نانا پیرطریقت تھے، یہ خاندانی وصف تاعمران میں موجود رہا۔

شعیب صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، پھر اپنے والد صاحب کی معیت میں سورجپورہ (ضلع آرہ) اور ڈالٹین گنج (پلاموں) میں رہے، کیوں کہ ان کے والد یہاں کے اسکولوں میں ہیڈ مولوی تھے، اسکول کی تعلیم سے فارغ ہوکر پٹنہ کالج چلے گئے اور ایم۔اے کیا (۱۹۶۲ء میں) ۔بعد تعلیم ڈالٹین گنج کالج میں اردو کے پروفیسر ہوئے۔

تاریخ پیدائش: ۱۲رمحرم الحرام ۱۳۴۷ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۲۸ء۔

تاریخ وفات: ۱۶راکتوبر ۱۹۸۹ء

شعیب راہی مرحوم نے ’’خواجہ آتش لکھنوی ــ حیات اور شاعری‘‘ پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھ کر پٹنہ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی سند ۱۹۷۳ء میں پائی۔ راقم ۲رمارچ ۸۶ء کو ان کے گھر ڈالٹین گنج میں ملا تو موصوف نے اپنا مطبوعہ مقالہ جو کتابی صورت میں جون ۱۹۸۲ء کو شائع ہوا، عطا فرمایا۔اس کتاب پر مولانا بیتاب صدیقی مرحوم کا مقدمہ ہے۔انھوں نے مقدمہ میں ایک جگہ صحیح لکھا

> ’’خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی کی حیات وشاعری کے مقالہ علمیہ کا سرسری طور پر میں نے مطالعہ کیا ہے، بلکہ اس کی طباعت واشاعت کی نگرانی بھی میں نے کی ہے، اس مقالہ علمیہ کے سلسلے میں یہ دعویٰ کرنا بیجا نہ ہوگا کہ مصنف نے بڑی تحقیق وجستجو، کدوکاوش، انتہائی جانفشانی اور پوری محبت سے کام لیا ہے... یہ ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے‘‘۔

شعیب مرحوم کی یہ تصنیف بلا شبہ ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے، جو انھیں ادبی دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گی، اور اردو نثر کے ارتقا پر غور کرنے والوں کے لیے ممد ثابت ہوگی۔

شعیب بکثرت لکھتے اور چھپتے رہے، اب ضرورت ہے کہ ان پر کوئی تحقیقی کام کرے۔

ڈالٹین گنج میں سہسرامی نثار اور شعرا اور حکماء مدتوں قیام پذیر رہے اور بعض نے وہیں فن ہوئے۔ ان میں مرزا عبدالستار مصنف مسالک السالکین، ضخیم سہ جلد۔ مرزا عبدالمجید فائق (قانون دان سہسرام) مہجور شمسی سہسرامی مرحوم مولانا شمس الضحیٰ شمس سہسرامی، مولانا شمیم ندوی سہسرامی اور شعیب راہی سہسرامی وغیرہ قابل ہیں، جن پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ اہل علم توجہ دیں۔

راہی کی وفات کے بعد ڈالٹین گنج میں ان کے مکان پر ان کی اہلیہ سے ۱۵ر فروری ۱۹۹۳ء کو ملا تو محترمہ نے راہی کی مطبوعہ کتاب ''انداز آگہی'' عطا کی۔

نمونہ کلام

نہ رنگ شام نہ روئے سحر کے دیوانے — کہ ہم ازل سے ہیں حسن نظر کے دیوانے

کبھی رہے ہیں جو شمس و قمر کے دیوانے — وہی ہیں آج تری رہگزر کے دیوانے

ذرا سا ہوش ہمیں کوہِ طور پر آیا — پھر اس کے بعد ہوئے عمر بھر کے دیوانے

ملا نہ تھا تو تری جستجو میں پھرتے تھے — ملا تو بن گئے ہم در بہ در کے دیوانے

درِ حبیب کہاں ہے، درِ رقیب کہاں!! — کدھر بہک کے چلے ہیں، کدھر کے دیوانے

قدم قدم پہ اگر پتھروں کی منزل ہے — قدم قدم پہ ہیں سودائے سر کے دیوانے

خلوصِ جذبۂ دل فکر و فن میں بھرنا ہے

کہ راہی آپ ہیں دستِ ہنر کے دیوانے

(ماہنامہ مریخ پٹنہ فروری ۱۹۶۸ء، ص ۴۶)

''مؤلف مسلم شعرائے بہار'' نے لکھا ہے کہ ''آپ کا ذوق سخن نہایت پاکیزہ اور دلکش ہے''۔ اور حسب ذیل کلام کے نمونے درج کیے ہیں:

یہ سوال تنگ طلب سہی، تری اک نظر کا سوال ہے

ترے آستاں کا فقیر ہوں، مری چشم تر کا سوال ہے

مہ و مہر دیر و حرم سہی تو کہیں سے مجھ کو جواب دے

تری رہ گزر کا سوال ہے، ترے سنگ در کا سوال ہے

تری رہ گزر کی میں خاک ہوں، مجھے اس نگاہ سے دیکھیو
تری اک نظر کا زیاں سہی، مری عمر بھر کا سوال ہے
تری ذات نور ہی نور ہے، مری ذات نور سے دور ہے
ترے نور جلوۂ عام سے فقط اک سحر کا سوال ہے
میں ہوں ایک راہیؔ خستہ جاں مجھے پیچ وخم سے بچائیو!
ترے آستاں کا جو دے نشاں اُسی رہ گزر کا سوال ہے

قطعات

کس نے مہتاب کی چاندنی چھین لی   شب کے سینے میں تاریک غم بھر دیا
اور بربط کے تاروں کی جھنکار میں   کس نے خاموشیوں کا الم بھر دیا

جانے کیوں زندگی کے حسین قافلے   آج بے رحم پتھر سے ٹکرا گئے !!
جانے کیوں آج مشعل بہ کف راستے   اجنبی شہر میں آکے دھندلا گئے !

(جلد دوم، ص۴۴-۴۵)

شعیب ادیب بھی تھے، شاعر بھی اور نقاد بھی، ان کی تنقید ے مارکسی فلسفۂ جدلیت کی حمایتی تھی، مگر ملک میں اپنا وقار باقی رکھنے کے لیے ہندوستان پر چین نے ۱۹۶۲ء میں حملہ کیا تو انھیں بھی قومی گیت گانے پر مجبوری لاحق ہوئی، اور جدلی فلسفہ کے مقابلے میں نہ مزدور یاد رہا اور نہ اس کا فقر و فاقہ، اور نہ سرمایہ دارانہ نظام کی مخالف ادا، بلکہ اس کے برعکس کچھ یاد آیا تو مہاتما بدھ کا فلسفہ اور ان کی اَہنسا۔ آگے کی نظم ''اہل ہوس چینیوں کے نام'' پڑھیں جس میں اسلامی اقدار کی تلمیحات بھی ہیں۔ علامہ اقبال کے کلام کا عکس بھی گویا نظم فنی احساسات اور تاریخی تلمیحات پر مبنی ہے، انجام کار تلوار اٹھانے کا حوصلہ بھی۔

شعیب راہیؔ کا مجموعۂ کلام بہار اُردو اکاڈمی کے مالی تعاون سے ۱۹۷۸ء میں چھپا ہے، مجموعۂ کلام کا نام ''گمنام کوچے کی صدا'' ہے، جو ان کی نظم کا عنوان ہے۔ کل صفحات ۸۶ ہیں۔ نظموں کی تعداد ۴۳ ہے۔ لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ ''انتساب'' میں کہا گیا ہے کہ ''ان قوتوں کے نام جو امن و جمہوریت اور سوشلزم کے لیے جدوجہد کرتی ہیں''۔ پیش لفظ میں شعیب نے لکھا ہے کہ ''تمام

اہل قلم کا فرض ہے کہ اپنے ملک میں اور بین الاقوامی پیمانے پر بھی امن، جمہوریت اور سوشلزم کے لیے جدو جہد کریں''۔ شعیب اصلاً ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ ہیں۔ اس لیے روس نوازی میں معروف بھی ہیں۔ ان کی بعض نظمیں جو اس مجموعہ میں موجود ہیں، ان کے خیالات کے شہکار ہیں، مگر یہ شاہکار اعلیٰ انسانیت کے نقطۂ نظر سے ادبی دنیا میں ''خام مواد'' سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے، بقول عبدالمغنی ''کسی فن کا مطالعہ کمزوریوں کی بنیاد پر کرنا یکسر غیر منطقی اور غیر علمی ہے''۔ افسوس کہ شعیب کا شعور بھی ہنوز خام ہے اور ان کا فن بھی، بعض نظمیں فن پر پوری نہیں اترتی، حتی کہ بعض مصرعے ناموزوں ہیں (ممکن ہے طباعت کی غلطی ہو) اس طرح کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں، ''امت اردو کا مرثیہ'' فکری طور سے جیسا بھی ہے فنی طور سے خام ہے۔ تاہم بعض نظمیں بڑی تاثراتی اور پڑھنے کے قابل ہیں۔

پروفیسر شمس شیدائی سہسرامی

پ ۱۹۱۳ء ف ۱۹۹۴ء

(پروفیسر) شمس الحق نام، شمس تخلص بن حکیم عبدالوحید انصاری مضطرؔ۔ متوطن محلّہ چوکھنڈی سہسرام۔ متوفی یکم رمضان ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۳ر فروری ۱۹۹۴ء، مدفن ڈھاکہ (بنگلہ دیش)۔ شیخ الاطبا شیخ بدرالدین صاحب مرحوم اپنے عہد کے مایہ ناز طبیب اور فن طب میں چند کتابوں کے مصنف تھے۔

آپ کے چچا مولوی عبدالحمید صاحب شیداؔ سہسرامی بھی اپنے وقت کے اچھے شاعر تھے، شمس صاحب اسی مناسبت سے اپنے آپ کو شیدائیؔ لکھتے ہیں۔ آپ کے والد بھی مضطرؔ تخلص فرماتے تھے۔ اوائل عمر میں شعر گوئی کا ذوق تھا۔ ان کا کلام ''مسلم شعرائے بہار'' میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

شمس شیدائی کی تعلیم و تربیت انگریزی اسکول و کالج میں ہوئی، ایک انگریزی تعلیم یافتہ مسلم بنگالی خاتون سے شادی کرنے کے بعد تقریباً ۱۹۴۴ء میں سہسرام تشریف لائے۔ ۱۹۴۵ء تک

ان سے میرا گہرا تعلق ہو چکا تھا، اردو و فارسی کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، میرے بڑے بھائی محمد صلاح الدین مرحوم جو پہلے لاب روڈ، دھان منڈی، ڈھاکہ مشرقی پاکستان میں اپنا مکان تعمیر کرنے کے بعد بس گئے تھے، پھر کراچی چلے گئے۔ یہ شمس صاحب کی عم زاد بہن بی بی قمر النساء مرحومہ کے شوہر تھے، اس لیے ان کی جہت کے سبب ان کو اور ان کی اہلیہ کو دیکھنے کا موقع ملا۔

نیز سہسرام میں راقم نے اپنے احباب کی معاونت سے ''انجمن بزم ادب'' کی تشکیل کی تھی۔ شمس صاحب کچھ دن اس کے سرپرست بھی رہے، ابتداً اس انجمن کی رہنمائی جناب عبدالسلام افسر سہسرامی کے مشورے کے بموجب ہوئی تھی۔

تقسیم ہند کے شمس صاحب سخت مخالف تھے، مگر تقریباً ۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے گئے۔

ٹی۔ ٹی۔ کالج کومیلا (Komilla)، ڈاکخانہ مشرقی پاکستان میں پرنسپل رہے، اور اپنے آپ کو اس۔ ایم۔ شمس الحق کہتے رہے۔ ان کی اہلیہ بھی پاکستان ریڈیو سے وابستہ تھیں۔

شمس شیدائی صاحب سب سے پہلے کس اخبار و رسالے میں چھپے صحیح طور تو معلوم نہیں، مگر میری نظر سے جو تحریر گزری، وہ ہے روزنامہ استقلال کلکتہ۔ اس کے ۲۳ر نومبر ۱۹۳۸ء کے شمارہ میں ان کا ایک مضمون بعنوان ''عید مبارک!'' ادارتی کالم میں چھپا۔

''استقلال'' کے کچھ شمارے ''انصار لائبریری سہسرام'' میں موجود ہیں، جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۸ء میں شمس صاحب کلکتہ میں مقیم تھے اور وہاں کی سیاست میں بھی کسی حد تک حصہ لیتے تھے، خصوصیت سے مولانا ابوالکلام کی ''امانت'' کے سلسلے میں ان کی مساعی بھی دیکھنے کے لائق ہے۔

شمس شیدائی مرحوم پر تحقیقی کام ہو چکا ہے۔ شمس شیدائی کے چچا شیدا سہسرامی پر بھی تحقیقی کام ہو چکا ہے، شیدا پر تحقیقی کام پروفیسر فصیح الدین (مگدھ یونی ورسٹی) نے انجام دیا۔ عزیزی فصیح الدین میرے ہاں آئے اور ''رجال سہسرام'' غیر مطبوعہ مواد سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی اہلیہ پروین بنت نسیم الدین (برادر فہیم الدین وی۔ سی) میواتی ٹولہ سہسرام کی باشندہ ہیں اور فہیم الدین اور نسیم الدین کے والد فصیح الدین مرحوم میرے والد مولوی ضیاء الدین سہسرامی کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور پروین، سلطان اختر سہسرامی کی ماموں زاد بہن ہے۔ (حاذق)

ان پر تحقیقی مقالہ بعنوان ''پروفیسر شمس الحق شمس شیدائی - حیات و خدمات'' لکھا جا چکا ہے۔

شمس شیدائی ابتدائی دور ہی سے نہایت شعر گو اور حوصلہ مند شاعر تھے۔ ان کے کلام میں اقبالیت بھی بدرجہ اتم تھی۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

دعوت

دیکھ نزدیک ہے ہنگام قیامت کی نمود — اُٹھ بپا بزم میں ہنگامۂ طوفاں کر دیں
ذرّۂ خاک کو دیں تابش پیہم کا پیام — ظلمتِ شرق کو خورشید بداماں کر دیں
چل کے گلشن میں پڑھیں مرثیہ فصل بہار — دیدۂ نرگسِ بیمار کو گریاں کر دیں
تابکے یہ گلۂ جنبشِ نوکِ مژگاں — چاک سینہ کو کریں، زخم نمایاں کردیں
تابکے روح مصلحتِ عقل، عناں گیر جنوں — دشتِ شوریدہ کو پھر وقف گریباں کر دیں
ناقۂ محملِ لیلیٰ کا دکھا کر جلوہ — قیس مہجور کو پھر دشت میں جولاں کر دیں
پھونک دیں روح عمل ہند کے ہر ذرّہ میں — جوئے بے مایہ کو گہوارۂ طوفاں کر دیں
منتظر رنگ حنا کی ہے عروس گنگا — آ کہ پھر تازہ رہ و رسم شہیداں کر دیں
آ دکھا دیں اثر ذوق گل افشانیٔ نطق — بزم کی بزم کو سرمست و غزل خواں کردیں

آ دکھادیں اثرِ شعلہ نوائی اے شمس
بزم دو شینۂ مسلم میں چراغاں کر دیں

(ماہنامہ مفکر سہسرام، جون ۱۹۴۷ء)

شمس شیدائی کی ایک غزل ۱۹۳۶ء کے اخبار آزاد ہند (کلکتہ) میں شائع ہوئی تھی، جس کے یہ چند اشعار ہیں:

کیا قیامت خیز ہے یہ رات بھی برسات کی — چھا رہی ہے اک گھٹا چاروں طرف ظلمات کی
ساری خلقت پر ہے اک افسردگی چھائی ہوئی — سرد آہیں بھر رہی ہیں پر فضا برسات کی
یہ نہیں معلوم کس فرقت زدہ کے حال پر — اشکِ غم برسا رہی ہیں بداماں برسات کی

(آبِ کوثر)

سید شمیم الدین احمد شمیم سہسرامی

(تخمینۂ ۱۹۴۰ء تا ۱۹۶۲ء)

سید شمیم الدین احمد صاحب شمیم سہسرامی ان دنوں پٹنہ میں مقیم ہیں۔ ان کے والد سید بدرالدین صاحب بدر سہسرامی بھی شاعر ہیں، دونوں باپ بیٹے نے ایک ہی طرح پر طبع آزمائی کی ہے، باپ کا کلام گزشتہ صفحات میں نقل کر چکا ہوں، اور ان کے دادا بشر سہسرامی کا بھی۔ اب کلامِ شمیم ملاحظہ ہو:

فلک کو ناز ہے اپنے چراغِ ماہ تاباں پر — تو ہے نازش مجھے بھی آفتابِ داغِ ہجراں پر
خدا حافظ ہے گر اپنا تو کوئی غم نہیں مجھ کو — بھروسہ ہے مجھے اے دوستو اپنے نگہباں پر
لہو سے سرخ ہو جائے گی مقتل کی زمیں ساری — چلی تلوار گر تیری گروہِ سرفروشاں پر
تو ہو جاتا ہے بس چشم زدن میں اُس کا ساماں سب — بھروسہ جس کو ہوتا ہے ہمیشہ اپنے یزداں پر

شمیم، ہے شاعری کا شوق سیکھو شعر کہنا بھی
کرو استاد کی خدمت نہ منہ آؤ سخنداں پر

وہ غصہ مجھ پہ کیوں فرما رہے ہیں — کہ اب در سے مجھے اُٹھوا رہے ہیں
پھنسائیں گے کسی کے دل کو شاید — وہ گیسو دوش پر بکھرا رہے ہیں
بڑی مشکل میں ہیں اب اہلِ الفت — لگا کر دل کو وہ پچھتا رہے ہیں
عجب ہیں باغباں صیاد و گل چیں — چمن اپنا اُجاڑے جا رہے ہیں

شمیم اچھی ہے یہ خوشبو تمھاری
جسے مرغوب سب فرما رہے ہیں

تم کہہ رہے ہو دل کی ضرورت نہیں رہی — میرا خیال ہے کہ محبت نہیں رہی
پوشیدہ ہم سے کوئی حقیقت نہیں رہی — پہلی سی آپ کی وہ طبیعت نہیں رہی
دل کے ہمارے وہ تو خریدار تھے مگر — اب ہم کو بیچنے کی ضرورت نہیں رہی

اچھا ہوا عوض جو مرے دل سے لے لیا — اب آپ کو تو مجھ سے عداوت نہیں رہی
بادِ خزاں سے گلشنِ ہستی ہوا تباہ — اب غنچوں اور گلوں میں وہ رنگت نہیں رہی
بیمارِ غم کا کوئی مداوا نہ ہو سکا — اب تو شفا کی کوئی بھی صورت نہیں رہی

پھیلی ہوئی ہے ہر طرف خوشبو شمیمؔ کی
کیوں کر یہ کوئی کہہ دے کہ نکہت نہیں رہی

شمیم سہسرامی کا کلام نہایت پختہ اور فنی کمالات سے مملو ہے۔ شاعری انھیں ورثہ میں نصیب ہوئی۔ ان کے والد بدرؔ سہسرامی ان کے دادا بشیرؔ سہسرامی اور ان کے پردادا امینؔ سہسرامی سہسرام کے ممتاز شعرا میں تھے۔ لیکن شمیم کا کلام حافظ عبدالحفیظ صاحب حسرتؔ سہسرامی کے شرف تلمذ سے جن بلند مضامین پر مشتمل ہے اس کا اعتراف خود اس کے اس شعر میں ہے:

فیض ہے یہ حضرت حسرتؔ کا مجھ کو اے شمیمؔ
کس طرح اشعار میں میرے مزا آتا نہیں

حکیم محمد شفیع اللہ اثرؔ قادری

(پیدائش ۱۹۱۹ء وفات ۱۹۷۴ء)

نام محمد شفیع اللہ تخلص اثرؔ، ابن حافظ شیخ وصی اللہ، متوطن مغل پورہ سہسرام بن داؤد علی بن قاسم علی بن عبدالحلیم بن محمد جان۔

مولانا شفیع صاحب کے والد ماجد ایک خدا رسیدہ بزرگ اور فخر الواعظین، حافظ حدیث مولانا محمد قادر بخش صاحب سہسرامیؒ کے مرید تھے۔

مولانا شفیع اللہ صاحب کے بڑے بھائی مولانا ثناء اللہ صاحب (متوفی ۱۹۶۰ء) مظاہر العلوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے، مولانا شفیع اللہ صاحب کے ایک بھائی مولانا رفیع اللہ صاحب مرحوم کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں ہوئی، اس کے بعد دونوں بھائی دارالعلوم

معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں داخل ہوئے، اور وہاں سے سند فراغت پائی، فراغت کے بعد دونوں بھائیوں کو مدرسۂ مذکور میں معلّمی کے فرائض کی انجام دہی کا بھی موقع ملا۔ آخر الذکر ۱۹۳۵ء تک حیات سے تھے۔

مولانا شفیع صاحب کے ایک بڑے بھائی حکیم قاری حافظ عزیز اللہ صاحب متوفی ۲۵ رصفر ۱۳۹۴ھ مطابق ار مارچ ۱۹۷۴ء چہار شنبہ۔ جن کی صاحبزادی سے راقم حاذق ضیائی کی اہلیہ محترمہ ہیں۔

مولانا شفیع اللہ صاحب کی شادی مولانا احمد حسین صاحب جوش سہسرامی مرحوم کی صاحبزادی محمودہ بیگم سے ہوئی، جوش صاحب کا مشغلہ بھی معلّمی تھا، درس وتدریس کے علاوہ شعر و شاعری کا بھی اچھا ملکہ رکھتے تھے۔ جوش صاحب کا مجموعہ کلام دامانِ گلستان کے نام سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

مولانا شفیع اللہ صاحب مدرسہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (پٹنہ) اور مدرسہ اجمیر میں بھی عرصہ تک شیخ الحدیث رہے۔ اور اجمیر شریف کے ایک عیسائی مشن اسکول میں بھی عرصہ تک معلم رہے۔

حکومت یوپی کے نصاب کے مطابق بھی علوم دینیہ کی سند پائی، اور عیسائی مشنری سے پوپ کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے، فن طب کی بھی تعلیم پائی، مگر ان کا اصل ذوق خدمت حدیث تھا۔

طبیعت غیر معمولی متین فکر سنجیدہ، شعر گوئی کا کسی حد تک ذوق تھا۔ مقالہ نگاری میں ماہر اور علوم دینیہ کے اچھے استاد تھے۔

تلامذہ کی تعداد بھی غیر معمولی ہے، ان کے ارشد تلامذہ میں حضرت مولانا محمد عون صاحب پھلواروی اور مولانا شاہ امان اللہ صاحب سجادہ نشیں خانقاہ مجیب پھلواری شریف قابل ذکر تھے۔ آخر الذکر کے لڑکے سجادہ نشیں شاہ رضوان اللہ صاحب نے مجھے ۱۰؍اگست ۹۹ء کو بتایا کہ وہ بھی مولانا مرحوم کے شاگرد ہیں۔ شاہ رضوان بھی گزشتہ سال ۲۰۰۵ء میں انتقال کر گئے۔ رہے نام اللہ کا۔

مولانا اثر صاحب گاہے گاہے نعتیہ کلام اور کسی کا سہرا لکھا، البتہ ان کے دینی وفکری مقالے ہندوستان کے بعض مشہور اخبار و رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں، مگر سب سے زیادہ

انھیں ماہنامہ المجیب پھلواری شریف میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مولانا کی تالیفات میں ''چہل حدیث'' اور ''انوار خواجہ'' پر ایک کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔ آخر الذکر کتاب حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر مشتمل ہے، جو عنقریب دوبارہ شائع ہونے والی ہے۔ ایک کتابچہ ۱۴۴۰ھ/ ۱۹۱۹ء میں دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف بنام ''عرس اور اس کی معنویت وحقیقت'' از حضرت مولانا محمد شفیع اللہ قادری مجیبی سہسرامی سابق شیخ الحدیث معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف وشیخ الحدیث دار العلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف نظر سے گزرا۔

نمونۂ کلام

نعت

ہر اک مخلوق سے افضل ہے نامِ سرورِ عالمؐ — بناؤں کیوں نہ حرزِ جاں نامِ سرورِ عالمؐ
ہے بالا عرش وکرسی سے بھی نامِ سرورِ عالمؐ — ازل سے عرش کا طغریٰ ہے نامِ سرورِ عالمؐ
امام الاوّلیں و آخریں ہیں شافعِ محشرؐ — خدائے ربِ داور ہے امامِ سرورِ عالمؐ
صدا صلی علےٰ کی گونج اٹھتی ہے فضاؤں میں — اگر دل سے لیا جاتا ہے نامِ سرورِ عالمؐ
ملائک چوم لیتے ہیں مرا کام و دہن بڑھ کر — زباں پر جب مری آتا ہے نامِ سرورِ عالمؐ
فرشتوں اور حوروں اور جنت کی ہر اک شے میں — ہوا کس شان سے منقوش نامِ سرورِ عالمؐ
حدیثیں آپ کی ہیں ترجمانِ وحیِ ربانی — کلامِ ربِ داور ہے، کلامِ سرورِ عالمؐ
مساوات و اخوت باہمی ہمدردی و اُلفت — یہی تھا سارے عالم کو پیامِ سرورِ عالمؐ
سلاطینِ زمانہ سے بھی ہیں اُن کے سوا رتبے — حقیقت میں ہوئے جو کہ غلامِ سرورِ عالمؐ
بنی نوعِ بشر کے آپ ہی ہیں محسنِ اعظم — رہے گا تا ابد باقی پیامِ سرورِ عالمؐ

اثرؔ ایمانِ کامل کے لیے یہ شرطِ اوّل ہے
کہ ہو محبوب تر ہر شی سے نامِ سرورِ عالمؐ

(المجیب، جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ)

محمدؐ کی سرکار اللہ اکبر — دو عالم کے سردار اللہ اکبر
یہ مہر منور یہ روشن ستارے — انھیں کے ہیں انوار اللہ اکبر

صداقت، عدالت، شجاعت میں کوئی　　نہیں اُن سا زنہار اللہ اکبر
نہیں جود و بخشش کی اُن کے کوئی حد　　وہ ہیں بحر ذخار اللہ اکبر
ستائش نہیں اُن کی ممکن بشر سے　　ہیں ممدوح و مختار اللہ اکبر
معطّر ہے کونین نکہت سے اُن کی　　ہیں صد رشک گلزار اللہ اکبر
حجاب خودی کو مٹا کر دلوں میں　　کیا ثبت اسرار اللہ اکبر
سدا سے جو تھے خوابِ غفلت میں سوئے　　کیا اُن کو بیدار اللہ اکبر
ہوا گامزن اُن کے نقشِ قدم پر　　ہر اک چار و ناچار اللہ اکبر
ہر اک جا پہ ہے دھوم صلی علی کی　　ہے گرم اُن کا بازار اللہ اکبر
ثنائے محمدؐ میں رطب اللساں ہیں　　محبّ اور اغیار اللہ اکبر
ہیں نورِ محمدؐ سے روشن یہ سارے　　ثوابت کہ سیّار اللہ اکبر
وہی وجہ تخلیقِ ارض و سما ہیں　　انھیں کا ہے سنسار اللہ اکبر
وہی عاصیوں کے ہیں دونوں جہاں میں　　شفیع و مددگار اللہ اکبر
معاصی مرے گرچہ حد سے سوا ہیں　　ہے رحم اُن کا بسیار اللہ اکبر
نہ لوٹا کوئی در سے محروم اُن کے　　عجب اُن کا دربار اللہ اکبر

آثر کی زباں اور دل میں ہو جاری
درودوں کی تکرار اللہ اکبر

مولانا محمد شہاب الدین مظفرنگری

۱۲۷۳ھ تا ۱۳۲۸ھ

نام مولانا مولوی حافظ قاری محمد شہاب الدین۔ ولدیت مولوی حاجی شیخ محمد صابر علی بن پیر جی قلندر بخش بن خیرات علی شیخ عثمانی۔ سن ولادت ۱۴ رمضان ۱۲۷۳ھ۔ وفات ۵ر جمادی الثانی ۱۳۲۸ھ۔

مولانا شہاب الدین صاحب کا وطن کیرانہ محلہ دربار ضلع مظفر نگر تھا۔ آپ مولوی حاجی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی (از اولاد جناب مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی چشتی صابری) کی ہمشیر زادہ تھے۔

آپ کی پیدائش ۱۴رمضان المبارک ۱۲۷۳ھ بروز جمعہ بوقت صبح صادق ہوئی، پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کے لیے مکتب بھیجے گئے، چند سال ہوئے تو حافظ قرآن ہو گئے، آپ نے حفظ سید فیاض علی ابن میر کرم علی دہلوی کی شاگردی میں حاصل کیا، جو اُن دنوں بھاگلپور میں متصل کوتوالی تشریف فرما تھے، جہاں انھوں نے اپنے جیب خاص سے مسجد مسافر خانہ علاوہ مکانات ودکانات بنوایا تھا، اوران سے کافی لوگوں نے دولت حفظ قرآن حاصل کی تھی۔

حفظ سے فراغت کے بعد جناب شہاب الدینؒ نے اپنے چھوٹے ماموں مولوی منشی محمد جلیل صاحب سے فارسی پڑھی۔ پھر اپنے والد کے ہمراہ بہاولپور چلے گئے جہاں ان کے والد نائب تحصیل دار تھے۔

ابتداً مولانا شہاب الدین صاحب کو حصولِ علم کا شوق نہ تھا۔ کنا پالتے تھے، لہو ولعب میں مشغول تھے۔ ایک روز باپ کی نصیحت سے متاثر ہوئے، خاندانی وجاہت کا پاس ہوا تو تحصیل علم کی طرف مائل ہوئے، اور اپنے والد سے جو ذی علم بزرگ تھے گلستاں وغیرہ پڑھی۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حصول علم میں مشغول رہے تکمیل مکہ معظمہ میں ہوئی علمِ ظاہر وعلمِ باطن کے جامع تھے، بیعت وخلافت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔

آپ جس وقت سہسرام تشریف لائے تو ابتداً مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں مدرس رہے۔ اسی مدرسہ میں ان کے برادرِ طریقت مولانا محمد حفیظ الدین صاحب بہاری اور مولوی حسن جان خاں صاحب نقشبندی ابوالعلائی سہسرامی بھی مدرس تھے، اور مدرسہ کو ان تمام مشائخین سے فیض پہنچ رہا تھا۔

آخر میں آپ نے مدرس کی ملازمت ترک کردی اور اصلاح خلق کی طرف مائل ہوئے۔
آپ کے مریدوں کی تعداد بہت ہے، بہار و بنگال کے علاوہ مدراس تک آپ کا سلسلہ بیعت پھیلا، آپ کے مریدوں میں ایک مشہور بزرگ محمد قاسم بن شیخ عبدالرسول ایجانگری ضلع اسحاق پٹنیں من مضافات مدراس تھے، جنھوں نے مولانا شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر ایک مبسوط کتاب لکھی، اور اس میں تصوف کے بہت سے مسائل کو بیان کیا۔ اس کتاب کا نام ''انوار

الشہابیہ فی حقائق الایمانیہ'' ہے، جو ۱۳۱۹ھ میں باہتمام خواجہ احمد حسن مالک مطبع نصرت الاسلام کلکتہ سے شائع ہوئی ہے۔ جس سے ناچیز نے استفادہ کیا ہے، نیز تاریخ سہسرام میں بھی آپ کے حالات زندگی درج ہیں، جس سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

اوّل الذکر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ارشد خلفا میں خلیفہ اوّل مولوی حمید حسین صاحب سہسرامی اور مولوی محمد علی صاحب سہسرامی اور مولوی اسد علی صاحب چاٹگامی اور مولوی عبدالحمید صاحب بنسہ اور حافظ مولوی جمال الدین صاحب اور مولوی حاجی سید محمد محی الدین صاحب اور مولوی وحید الحق صاحب بہاری قابل ذکر ہیں۔ نیز اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو جلدی مرید نہ کرتے تھے، دس دس سالوں تک لوگوں کو انتظار کرنا پڑتا تھا، اور اپنے مریدوں میں سب سے زیادہ اپنے خلیفہ اوّل کو روکا تھا، اور ایک عرصہ دراز کے بعد بیعت و خلافت عطا فرمائی تھی۔

آپ کے مریدوں کی تعداد بہن بتیا، موتیہاری، داناپور، سہسرام، اکبرپور، ڈالٹین گنج، حسین آباد، کبرہ، پھولی، علاقہ چاٹگام، عیسی پور، علاقہ عیسی پور، الیاپ رنگون، مدراس و علاقہ مدراس وغیرہ میں کافی تھے۔

آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ ۵؍ جمادی الثانی ۱۳۲۸ھ کو وصال ہوا۔ مزار مبارک محلہ میواتی ٹولہ سہسرام میں آپ کی خانقاہ جو خانقاہ شہابیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک پختہ عمارت میں ہے۔ جو ان دنوں لوگوں کی عدم توجہ سے اچھی حالت میں نہیں ہے۔

پہلے آپ کا سالانہ عرس بڑی ہمہ ہمی سے ہوا کرتا تھا، اب ان دنوں کمی آگئی ہے۔

آپ کے حالات زندگی کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ سہسرام میں آلِ نبی نامی کوئی مختار تھے، جن کے یہاں آپ نے مجلس سمع میں شرکت کی تھی، اور ان کے عہد میں منشی شجاعت علی خاں صاحب سکنڈ مولوی بھی حیات سے تھے۔

آپ کے ایک مرید حمید کا کہا ہوا قطعہ تاریخ جو ان کے لوح مزار پر کندہ ہے اور ان کے حالات زندگی کے ساتھ تاریخ سہسرام صفحہ ۱۱۶ پر مرقوم ہے، جو لائق مطالعہ ہے:

بود پنجم جمادی الثانی صبح صادق کہ برسید
مقتدائے زماں شہاب الدین مالکِ منزلِ خدائے رشید
عارف حق دلیل راہ ہدیٰ رازدانِ حقیقت و توحید

بسماع اذان صبح دہر راہیِ گلشنِ جناں گردید
گفت لبیک دعوت حق را طائر روح او بعرش پرید
عام وصلش حمید گفت سروش
شیخ دوراں و واصلِ جاوید

۱۳۲۸ھ

اغلب ہے کہ یہ حمید وہی ہیں جن کا ذکر مصلح صاحب نے مشاہیر شعرائے سہسرام میں یوں کیا ہے:

مولوی عبدالحمید ساکن محلّہ دائرہ، مرحوم پابند وضع اور متشرّع صورت تھے۔ بزرگانِ دین سے خاص الفت تھی، میاں جی ٹریننگ اسکول کا امتحان پاس کرنے کے بعد ڈہری کی جامع مسجد میں عرصہ دراز تک امام اور مدرس رہے، مرحوم اپنے پیر و مرشد سے تلمذ کرتے تھے، شاعری کا آغاز تھا کہ وفات پائی۔ خدا مغفرت فرمائے۔

مولانا کیرانوی کے خلیفہ مجاز شیخ محمد عباس انصاریؒ محلّہ نورن گنج تھے جن کی خانقاہ پورنیہ میں تھی۔ ۱۹۳۹ء میں حیات سے تھے۔ راقم نے دیکھا تھا۔

مولوی محمد شفاعت علی خاں ناشاؔد سہسرامی

(۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء تا ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء)

نام (مولوی) شفاعت علی خاں صاحب تخلص ناشاؔد، ولدت عنایت علی خاں مرحوم، باشندہ محلّہ نورن گنج سہسرام۔

مولوی ناشاؔد صاحب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ہوئی، درمیان میں اپنے چند ساتھیوں (مولوی حکیم بشیر الدین، ذکی شہید، مولوی وحید الحق نورن گنج، حکیم عبدالرزاق صاحب باغ بھائی خاں) کے ہمراہ مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد چلے گئے، ایک سال رہے، پھر اپنی قدیم تعلیم گاہ مدرسہ خانقاہ سہسرام لوٹ آئے، اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کے نصاب کے مطابق مدرسہ مذکور میں

تعلیم پائی۔ تاریخ فراغت ۱۸/اپریل ۱۹۱۳ء ہے۔

بعد فراغت ٹریننگ اسکول، جوکھر ضلع پورنیہ میں بحیثیت ہیڈ مولوی ملازم ہو گئے، سرکاری ملازمت تھی، تین سال قیام رہا، پھر تبدیل ہو کر بھاگلپور ضلع اسکول میں ہیڈ مولوی رہے، ۶/دسمبر ۱۹۴۶ء کو ریٹائر ہوئے۔ اور تاحیات پنشن پاتے رہے۔

ناشاد صاحب کو شعروشاعری و مضمون نویسی کا ذوق ابتدائی عمر سے رہا ہے، پروفیسر مولوی شجاعت علی حاں وجد سہسرامی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔

مجموعی حیثیت سے فارغ البال آدمی تھے، فرائض کے پابند، مگر جملہ نمازیں سوائے جمعہ کے گھر پر ادا کرتے تھے۔ امامت سے عمر بھر طبعاً مجتنب رہے۔ عہد جوانی میں شعر گوئی اور نثر نگاری کا اچھا ذوق تھا، مگر پیری میں شعر گوئی ترک کر دی تھی، البتہ کبھی کبھی کچھ کہہ لیتے تھے۔ ۸۰ سال حیات سے رہے، اور ۲۷/ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ مطابق ۶/جولائی ۱۹۶۷ء روز پنج شنبہ کو بوقت ۴ بجے شام واصل بحق ہوئے، اور اپنے خانہ باغ میں مدفون ہوئے۔

تاریخ دفن ۲۸/ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ/ ۷/جولائی ۱۹۶۷ء۔ میں نے یہ شعر کہا:

بچے بچے کی زباں پر ہے یہ مصرع حاذق ؎ موت ناشاد کی تیرہ سو ستاسی میں ہوئی

۱۳۸۷ھ

راقم کی نظر سے ناشاد صاحب کے دو نثری نمونے گزرے ہیں جو ماہنامہ منظر لکھنوی بترتیب ''مرقع منظر'' اور ''خواب حسرت'' کے عنوانات سے ستمبر ۱۹۱۸ء و فروری ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئے۔

نمونۂ کلام

کسی کا تصور کسی کی تمنا انیس جگر مونسِ دل یہی ہے
کریں گے محبت سے ناشاد توبہ بتوں کا اگر رنگ محفل یہی ہے

(ایضاً، اکتوبر ۱۹۱۸ء)

ذرّے کا آفتاب پہ حق ہے بہت بڑا پر حیف تابِ حسن کے قابل نہیں رہا

(ایضاً، نومبر ۱۹۱۸ء)

قطرۂ اشک مقابل میں اگر ہوتا ہے منفعل شرم سے عالم میں گہر ہوتا ہے

مجھ پہ ان کی جدائی کا اثر ہوتا ہے　　ساتھ اشکوں کے رواں خوب جگر ہوتا ہے

(ایضاً، اگست ۱۹۱۹ء)

شبِ فرقت میں ہر زخم دل سوزاں چراغاں ہے　　برنگِ شمع محفل ہجر میں جلتی رگِ جاں ہے
عجب پردہ ہے عاشق سے نہیں اغیار سے پردہ　　پری وش مردمک بن کے مری آنکھوں میں پنہاں ہے

(ایضاً، جون ۱۹۱۸ء)

ناشادؔ صاحب ایک غزل ''منظر'' کی اشاعت فروری ۱۹۲۱ء کے لیے کہہ رہے تھے کہ ان کے استادِ سخن حضرت وجدؔ سہسرامی کا انتقال ہو گیا، ذیل کا قطعہ اسی زمینِ غزل میں کہہ دیا، بطور یادگار نقل کرتا ہوں:

بزمِ دنیا کا ہر اک گوشہ تھا معمورِ اجل　　وجدؔ دو دن کے لیے بیکار مہماں ہو گئے
کر دیا ناشادؔ کو ناشاد داغِ ہجر نے　　موڑ کے منہ آپ زیرِ خاک پنہاں ہو گئے

نہیں ہے سہل کرنا ترجمانی جذبِ الفت کی　　کرے تفسیر کوئی کس طرح دردِ محبت کی
نہ مرتا اِن اداؤں پر تو اے ناشادؔ کیا کرتا　　وہ بھولی بھالی باتیں اور وہ شوخی قیامت کی

(حسن و عشق، مارچ ۲۴ء)

برقؔ انصاری سہسرامی

(۱۹۲۰ء تا ۱۹۹۱ء)

مولوی شمس التوحید صاحب برقؔ انصاری، جناب مولوی عبدالسبحان، محلّہ باڑھ سہسرام کے لڑکے تھے۔

برقؔ صاحب کی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں عالم تک ہوئی، بعد میں فاضل حدیث کیا۔ کیف سہسرامی کی ادارت میں طلبۂ مدرسہ خانقاہ نے ایک قلمی رسالہ ۱۹۴۰ء میں ''پیام اردو'' نکالا تھا، برق صاحب بھی اس رسالہ کی اشاعت میں شامل تھے۔

ابتدا ہی سے شعر وشاعری کا ذوق تھا، کیف صاحب کا کہنا ہے کہ وہ مجھ سے اچھا کہتے تھے، اپنے بھائی مخمور سہسرامی کے متعلق بھی ان کا یہی خیال ہے۔ نیز کیف کا کہنا ہے کہ میں اور برق اور مخمور تینوں اپنے کلام عہد طالب علمی میں لکھ کر استاذی غلام مخدوم صاحب مست سہسرامی کو دکھاتے تھے، انھیں لوگوں کی معیت میں میرا بھی ذوق شاعری پروان چڑھا۔

برق صاحب صاحبِ لحیہ، مولویانہ وضع کے آدمی تھے، نثر نگاری کا ذوق تھا۔ بانو وغیرہ میں ان کی بعض تحریریں میری نظر سے گزری تھیں۔

مدرسہ سے فراغت کے بعد چناری ضلع شاہ آباد (آرہ) کے ہائی اسکول میں عرصہ تک ہیڈ مولوی رہے۔

۱۹۶۵ء میں ان پر ہائی اسکول میں غبن کا الزام لگا، ماحول اور دل شکستگی سے پریشان تھے، کچھ روز سہسرام میں روپوش رہ کر وطن کو خیر باد کہا اور مشرقی پاکستان چلے گئے۔

پھر ایسا ہوا کہ وطن لوٹ آئے اور چناری میں معلم کی حیثیت سے کام کیا۔ ان کے دادا مولوی حکیم قادر بخش جن کا مزار مبارک باڑہ سہسرام کی مسجد سے متصل اُتر طرف ہے۔ یہ میری دادی کے رشتہ کے بھائی تھے۔ اور مشہور عبادت گزار پیر طریقت عامل آدمی تھے، کہتے ہیں جنات حضرات ان کے بڑے معتقد تھے، انھیں سے نکاح و جنازہ پڑھواتے تھے۔ خاندانی وصف جناب برق پر بھی آخر عمر میں ان پر بھی طاری ہوا۔ سماج سے کنارہ کشی کا جذبہ فزوں ہو گیا، ان کے بھائی کا نام ابوالحسن تھا جو گوشہ گیر بزرگ تھے۔ دعا و تعویذ بھی کرتے تھے ۱۹۵۰ء تک حیات سے تھے۔ برق صاحب دراز قد، چھریرہ بدن، چہرے پر چیچک کا داغ، نازک طبع مگر سنجیدہ آدمی تھے۔

سالمہ خاتون بنت محمد عثمان خلیفہ منڈی کشور خاں سہسرام، مولانا برق کی اہلیہ تھیں، جن کے بطن سے انوار التوحید بعمر ۲۲ سال فوت ہوا، دوسرا لڑکا تنویر التوحید ایم۔ اے کر رہا تھا کہ فوت کر گیا، تیسرا اضیاء التوحید عرف آفتاب عالم ۱۹۹۲ء میں حیات سے ہے، لڑکی کا نام شہناز بانو تھا۔

مولانا شمس التوحید تفسیر اچھی بیان کرتے تھے، اور مولانا آزاد کی تفسیر ان کے زیر مطالعہ رہتی تھی۔ ان کے ایک جواں سال لڑکے تنویر التوحید جو ایم۔ اے (اردو) کا امتحان دے رہے تھے کہ کسی نے زہر انڈے میں پیوست کر دیا، انڈے کو اس نوجوان اور اس کی ماں نے کھا لیا تھا، ماں پہلے انتقال کر گئی اور دوسرے دن تنویر کا بھی انتقال ہو گیا۔ آخر کار باپ بھی صدمہ کا شکار ہو کر صحت کھو گئے۔

میں نے بار باران سے ان کے کلام کے حصول کی سعی کی مگر وہ دنیا سے دل برداشتہ ہو چکے تھے، کلام تازہ نہ دے سکے۔ ۸ بجے صبح ۴ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۹۱ء بروز منگل وفات ہوگئی۔ تدفین بعد مغرب تین گنی باغ (باغ حرمین) میں ہوئی۔

عہد طالب علمی کا نمونۂ کلام:

شاعر کو دعوتِ انقلاب

شاعر رنگیں نوا رنگیں بیانی تا بکے
گل کا قصہ اور بلبل کی کہانی تا بکے؟

عاشق ومعشوق میں کب تک رہے گی چھیڑ چھاڑ
صورتِ موسیٰ حدیثِ لن ترانی تا بکے؟

ہجر و فرقت کے فسانے کس قدر دہرائیگا؟
داستانِ غم کہاں تک نوحہ خوانی تا بکے؟

الاماں طولِ شبِ فرقت کا قصہ الاماں
کوہکن کی طرح جوئے شیر لانی تا بکے؟

نجد کی صحرا نوردی بے ستوں کی کاٹ چھانٹ
مثل مجنوں صورتِ فرہاد ثانی تا بکے؟

پھونکنا چرخِ بریں کا آہِ آتش بار سے
گرمیٔ نالہ سے یہ آتش فشانی تا بکے؟

کر رہا ہے کس قدر مدحِ دہن وصفِ کمر
تا کجا نازک خیالی؟ نکتہ دانی تا بکے؟

مر کے جینا اور جی کے مرنا تیرا واہ واہ
مضحکہ انگیز تیری زندگانی تا بکے؟

ایک لفظ اب تک نہ تو نے بہر ملک و دیں کہا
کام کے موقع پہ تیری بے زبانی تا بکے؟

ساری دنیا سنتے سنتے تیرا گیت اُکتا گئی
گائے ہی جائے گا تو اک لے پرانی تا بکے؟

قوت تخئیل کو دے کر ذرا سی پیچ و تاب
انقلاب اے شاعر رنگیں نوا انقلاب !!

(پیام اردو، قلمی، سہسرام، ۱۹۴۱ء)

اپنی بیس سالہ عمر میں مدرسہ کے اندر، شہر کے اندر اپنا ایک علمی مقام پیدا کر چکے تھے، نئی اور روایتی شاعری سے ہٹ کر وہ دوسروں کو انقلاب فکر و فن کی دعوت دیتے تھے۔ اندازِ بیان صاف تھا تو طرز ادا میں ندرت تھی، چھپنے چھپانے سے پرہیز کرتے تھے۔ خدا مغفرت کرے!

تبسم سہسرامی

(حیات ۱۹۴۷ء)

شیخ احمد نام، تبسم تخلص، ولد محمد قدیر متوطن محلہ شیخ پورہ سہسرام مسیح ابوالعلائی سہسرامی کے شاگرد تھے۔

تبسم صاحب سے ہنوز واقفیت نہ ہوسکی، البتہ ان کے استاد سخن ایک مشہور شاعر اور میلاد خواں مولوی سید مسیح الدین احمد مسیح سہسرامی سے راقم کی ملاقات تھی۔ جیسا کہ مسیح مرحوم کے حالات میں لکھ چکا ہوں۔ البتہ تبسم کے اس شعر میں ان کی ندرت بیان دیکھ سکتے ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے زندہ ہوں گے۔

نمونۂ کلام

چشم و ابرو دیکھ لیں تیری تو دیوانے بنیں آہوئے چین رکھ دیں سر نیچے تری شمشیر کے

(آبِ کوثر)

تبارک حسین

آپ اردو کے ایک اچھے شاعر تھے، موصوف کے کلام پر عاشقانہ جذبات جاری و ساری نظر آتا ہے، آپ کی غزلوں میں سادگی عام فہمی جدت اور سلاست موجود ہے، آپ کے متعلق راز عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ تبارک حسین ابن میر قاسم علی باشندہ سہسرام شاگرد اشیخ

فرقت دلدار میں دل بھی ہوا مجھ سے جدا جس کو اپنا جانتا تھا حیف بیگانہ ہوا

(تاریخ شعرائے بہار، ص ۹۴)

شیخ محمد شمس الدین صاحب شمسؔ سہسرامی مرحوم
(۱۹۷۸ء)

نام شیخ محمد شمس الدین تخلص شمسؔ، ولد شیخ حیدر بخش، متوطن محلہ عالم گنج (بارہ دری) سہسرام، تلمیذ عشرت لکھنوی، وفات ۱۹۶۳ء۔

شمس صاحب مرحوم اپنے آپ کو شیخ محمد شمس الدین حنفی قادری مجددی لکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے پیر و مرشد حاجی محمد شیر صاحبؒ پیلی بھیتی کی منقبت میں ایک رسالہ لکھا تھا، جو ۱۹۱۲ء میں منظر پریس پاٹا ٹولہ لکھنؤ سے شائع ہوا تھا، کل صفحات ۱۶ تھے۔ راقم کی نظر سے گزرا تھا۔ معلوم ہوا کہ اور بھی چند رسالوں کے مصنف یا مؤلف تھے، مگر راقم کی نظر سے رسالہ مذکور کے علاوہ ہنوز ان کی کوئی تخلیق نظر سے نہیں گزری۔ رسالۂ مذکور میں ان کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ حیدر بخش متخلص بہ حیدرؔ درج ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں شعر و سخن کا ذوق اپنے والد سے ورثے میں ملا۔ حیدرؔ صاحب کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ ڈھاکہ میں بسر ہوا۔ حیدر صاحب کو لوگ شیخ غلام حیدر بخش بھی کہتے تھے۔

جناب شمس مرحوم جہان آباد ضلع گیا میں رجسٹرار (ہیڈ کلرک) تھے، طبیعت رسا پائی تھی، ہمیشہ اہل علم کی صحبت میں رہے۔

شعر و سخن میں انھیں خواجہ عشرت لکھنوی مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ منظر لکھنؤ میں، ہندوستان کے مشاہیر شعرا مثلاً عشرتؔ لکھنوی، داغؔ دہلوی، امیر مینائی لکھنوی جیسے اساتذۂ سخن کے کلام شائع ہوتے رہتے تھے۔ اس رسالے میں ۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۳ء بالخصوص جناب شمس کے کلام بھی طرح میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ جو راقم کی نظر سے گزرے۔

راقم شمس مرحوم کو بعض مشاعرے میں شریک ہوتے ہوئے دیکھ چکا ہے، اور ان کا کلام بھی اپنی اوائل جوانی میں سن چکا ہے۔

شمس صاحب نے دو شادیاں کی تھیں پہلی شادی محمد یوسف علی خاں صاحب محلہ چھوٹا شیخ پورہ سہسرام کی صاحب زادی سے ہوئی، جن کے بطن سے ان کے لڑکے ڈاکٹر شیخ صدر الدین صاحب ہومیو پیتھ جو بحمد اللہ ۱۹۷۳ء میں حیات سے تھے۔ جن کی اس وقت عمر تقریباً ۶۲ سال تھی،

اپنے نانا کے گھر میں رہتے تھے اور وہیں علاج ومعالجہ کرتے تھے۔ مطب لبِ سڑک تھا۔
شمس صاحب کی دوسری شادی وزیر علی صاحب بلہاڑی مقیم سہسرام کی لڑکی سے ہوئی، جن کے بطن سے ان کے ایک لڑکے شیخ نصیر الدین صاحب اپنے موروثی مکان محلّہ عالم گنج تھے۔
جناب شمس نے تقریباً ۸۵ سال کی عمر پائی، وصال ۹ رجولائی ۱۹۶۳ء کو ہوا۔
تاریخ وفات راقم کو شمس صاحب کے بڑے لڑکے سے معلوم ہوئی، شمس صاحب میانہ قد، صاف رنگ کے بڑے ہی شوخ طبع وسنجیدہ انسان تھے، یہی وجہ تھی کہ جیسی مجلس ویسی باتیں ان کی زبان سے سننے میں آتی تھیں، اب ایسے لوگ کہاں؟

نمونہ کلام

ان کے پیر کے منقبت نامے سے ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں، حمد ونعت، منقبت مرشد کا نمونہ سامنے آجائے گا۔

ان آنکھوں نے کیا کیا تیرا جلوہ نہ دیکھا ٭ مگر اس طرح پر کہ گویا نہ دیکھا
یہ بختی اپنی تھی اے شمس ورنہ ٭ وہ دل ہی میں جلوہ نما تھا نہ دیکھا

نواب قمر صاحب گیاوی مرحوم نے ''آب کوثر'' بھی صرف ان کے مذکورہ دو ہی اشعار منتخب فرمائے تھے۔
اسی زمین کا ایک مقطع یوں بھی ہے:

جھکے کس طرح شمس اوروں کے آگے ٭ کہ سجدے کے لائق ہی تجھ سا نہ دیکھا

نعت شریف کا ایک شعر:

شریعت میں فقط ہے نام کو اُن کا بشر ہونا ٭ حقیقت میں سراپا نور ہے ثابت مگر ہونا

پیر کی منقبت:

دیکھ لی جب تیری صورت یا محمد شیر پیر ٭ کھل گیا رازِ حقیقت یا محمد شیر پیر

جو حضرت کے کوچے میں آئے ہوئے ہیں ٭ وہ ہستی کو اپنی مٹائے ہوئے ہیں
کسی کی تمنا میں مدت سے اے شمس ٭ سر راہ آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں

ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں، بعض اشعار میں کچھ شوخیاں ہیں اور بعض میں

عبرت انگیز مضامین:

محبت میں مروّت میں وفاداروں میں یاروں میں
نہ پاؤ گے کوئی مجھ سا جو ڈھونڈو گے ہزاروں میں

قتلِ عام سے خوش ہو تو کیا صدمہ نہ پہنچے گا
کہاں تک فاتحہ پڑھتے پھرو گے تم مزاروں میں

نظر کے تیر کا مارا ہوا ہوں دیکھتے کیا ہو
نہیں ہے جان تک باقی تمھارے جاں نثاروں میں

نہ اترائیں حسینانِ جہاں یوں اٹھتے جوبن پر
ہمیشہ تازگی قائم نہیں رہتی اناروں میں

غرورِ حسن اگر ہے آپ کو تو حق بجانب ہے
نہیں ہے کوئی ایسی شکل وصورت کا ہزاروں میں

نہ دیکھے آدمی کم رتبہ انساں کو حقارت سے
کہ اچھے لوگ بھی رہتے ہیں اکثر خاکساروں میں

سنا ہے امتحانِ تیغ ہے مدنظر اُن کو
خوشی بس ہو رہی ہے اس خبر کی جاں نثاروں میں

تصدق بہتر تن پہ ہے سب جان و مال اپنا
ہوئے نام خدا پر جو فدا دل سے ہزاروں میں

کہیں کیا شمس ہم تم سے اب ایسا وقت آیا ہے
محبت ہے عزیزوں میں، احبا میں نہ یاروں میں

(ایضا، مئی ۲۰ء)

ہمراز رہتاسی سہسرامی

نام محمد شہاب الدین خاں تخلص ہمراز، جائے پیدائش اکبرپور رہتاس، سکونت راجپور ڈاکخانہ کٹمبہ (اورنگ آباد)۔

سال پیدائش ۱۹۲۵ء، تاریخ وفات ۲۶رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ/ ۱۷راپریل ۲۰۰۴ء، بروز ہفتہ۔ مدفن راجپور، اورنگ آباد (بہار)۔

شجرۂ نسب

محمد شہاب الدین بن محمد ضمیر خاں بن امیر زادے خاں بن جھبو خاں بن عبدالقادر خاں بن خدابخش خاں بن چھتیس خاں۔

شہاب الدین خاں ہمراز رہتاسی اپنی سوانح حیات اور مجموعہ کلام اچھا خاصہ مرتب کر چکے ہیں۔ میری فرمائش پر انھوں نے کچھ حالات اور نمونہ کلام عطا کیا۔

خاندانی احوال میں انھوں نے لکھا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کے وقت میں ایک نومسلم سپہ سالار رنجیت سنگھ جن کا عالمگیر کی نسبت سے اسلامی نام ''عالم خاں'' پڑا، آئے اور مستقل طور پر اکبر پور میں سکونت پذیر ہوئے۔

عالم خاں کی اولاد اکبر پور میں پھیلتی رہی، کسی کے سات بیٹے ہوئے تو ''ست گھروا'' اور کسی کے پانچ ہوئے تو پنچ گھروا اور چار گھر ہوئے تو چر گھروا کے نام سے موسوم ہوئے۔

آگے چل کر ہمراز صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے بچپن تک اکبر پور میں جو پٹھان بھی تھے وہ عالم خاں ہی کے خاندان سے تھے۔

ہمراز کی والدہ کا نام بی بی عطر جہاں بنت شیخ علیم الدین مقام راجپور جن کے بطن سے دولڑکے حافظ محمد مستقیم اور شہاب الدین ہوئے۔

حافظ محمد مستقیم صاحب مرحوم سے راقم حاذق کی ملاقات ۱۹۵۴ء میں ہوئی، جب وہ پنچت ڈیم ضلع دھنباد میں ملازم تھے، اور میں جرکنڈہ نندلال ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھا، اسی زمانے میں شہاب الدین ہمراز سے بھی ملاقات ہوئی۔ بعد میں دونوں بھائی جماعت اسلامی ہند کے رُکن ہو گئے تو مجھ سے ان کا ربط و تعلق بڑھا، آخر الذکر سے تادمِ تحریر ۱۹۹۹ء (نومبر) باقی ہے۔

ہمراز کے والد ایک تاجر تھے، انھوں نے رمانوج گنج علاقہ سرگجہ میں مسجد بھی تعمیر کرائی۔

ہمراز کی والدہ درجہ پنجم تک تعلیم یافتہ تھیں، ہمراز جس زمانے میں اپنی دادی کے ساتھ اکبر پور میں تھے، تو انھوں نے مڈل انگلش ۱۹۳۹ء میں پاس کیا۔

ہمراز نے دو شادیاں کیں، پہلی جمیلہ خاتون بنت حقیق خاں، جن کے بطن سے عفیفہ خاتون ہے، بیوی کی وفات کے بعد ساٹھ سال کی عمر میں مستقیمہ خاتون بنت عبدالمناف خاں راجپور سے شادی کی، جن کے بطن سے شبیہہ وشگفتہ خاتون ہیں۔

اردو کے ذریعہ اپنے مطالعہ کو وسعت دی، اور تحریکی زندگی اختیار کی، جماعت اسلامی کے ایک علاقہ کے ناظم بھی رہے، اور اس کا مکتبہ بھی سنبھالا۔ نظم ونثر دونوں پر قدرت ہے، غزلیں زیادہ لکھیں، کچھ نظمیں بہت مقبول ہوئیں۔ ایک مضمون جہیز پر لکھا جو ماہنامہ زندگی رام پور میں شائع ہوا، راقم کی نظر سے گزرا تھا۔ موصوف حج کر چکے ہیں۔ سفرنامۂ حج بھی لکھا ہے، جموئی میں تھے تو

مولانا نورالدین سیر مرحوم سے اصلاحِ سخن بھی لی تھی، شاعری ۱۹۳۹ء سے کر رہے ہیں۔

نمونۂ کلام

سجدے تو کر رہے ہیں ہم دل میں مگر خوشی نہیں
دل میں ہزاروں ولولے آنکھوں کو شوقِ دید ہے

تابِ نظر جو پہلے وہ مانگتے دعا میں
جی بھر کے دیکھ لیتے بے ہوش بھی نہ ہوتے

اس طرح بھی کٹتی ہے بھلا رات کسی کی
بیتابیِ دل دیکھ کے کہتے تھے ستارے

معرکے دل میں نہاں اور بھی ہیں
نہیں ہے فقط لن ترانی کا جھگڑا

کچھ کمی نہیں ہے درگاہ کبریا میں
ہمراز ہوگی پوری اک دن تمام حسرت

آہی جائیں گے کسی دن وہ تمھارے روبرو
جذبۂ شوق طلب ہمراز پیدا کیجئے

وجد سہسرامی

مولوی شجاعت علی خاں نام، وجد تخلص، متوطن محلہ شاہ جمعہ سہسرام۔

وجد صاحب انگریزی تعلیم یافتہ تھے۔ مدرسہ خانقاہ میں سے مولانا بیدل صاحب کی سرکردگی میں عربی کا امتحان دیا، مولانا مصلح صاحب وغیرہ ان کے ساتھیوں میں تھے، مصلح صاحب پر ان کی وجہ سے نقل پرچۂ امتحان کا الزام لگا تھا۔ آخر عمر میں عربی کا خیال ہوا تو مدرسہ کے امتحان میں شریک ہوکر کامیاب ہوئے۔ بیدل صاحب کے قریبی رشتہ دار تھے۔

گورنمنٹ سیٹی اسکول پٹنہ میں ہیڈ مولوی رہے۔ پھر وہیں کسی کالج میں پروفیسر ہو گئے تھے۔

مولوی شفاعت علی خاں صاحب ناشادؔ فنِ شاعری میں ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے

ذیل کے اشعار ان کی موت سے متاثر ہو کر لکھے، جو ماہنامہ منظر لکھنؤ فروری ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئے، جس سے ان کے سن وفات کا علم ہوتا ہے۔

بزم دنیا کا ہر اک گوشہ تھا معمور اجل — وجد دو دن کے لیے بیکار مہماں ہو گئے
کر دیا ناشاد کو ناشاد داغ ہجر نے — موڑ کے منہ آپ زیر خاک پنہاں ہو گئے

ماہنامہ 'دامن بہار' عظیم آباد پٹنہ جو مطبع اخبار الپنچ بانکی پور میں چھپتا تھا، اس کے ۱۹۰۳ء تک کے بعض شماروں میں وجد صاحب مرحوم کا کلام شائع ہوا تھا۔

نمونۂ کلام یہ ہے:

نقاب چہرۂ انور سے وہ جدا کر لیں — کہ ہم زیارتِ رخسارِ حق نما کر لیں
وہ نزع میں تو مرا آ کے سامنا کر لیں — حیات و موت کا ہم بھی تو فیصلہ کر لیں
جو زندگی میں نہ آئے وہ دیکھنے کے لیے — نماز کشتۂ ہجراں تو اب ادا کر لیں
خدا کے واسطے اے روز حشر شام نہ ہو — ہم اپنے قصۂ ہجراں کی انتہا کر لیں
سنیں سنیں نہ سنیں اختیار ہے ان کو — ہمیں یہ چاہیے اپنی سی التجا کر لیں
ثواب سے ہے سوا یہ عذاب بھی زاہد — بتوں کے سامنے سجدہ جو باخدا کر لیں
ہوا جو بعد کو جھگڑا تو میں نہ مانوں گا — وہ لے رہے ہیں مرا دل تو آزما کر لیں
دلا یہ کھیل ہے سب ان کی چشم فتاں کا — بنا بنا کے وہ لیں دل کو یا مٹا کر لیں
ادائے فرض ہے یہ بھی تو اپنے مذہب میں — بتوں کے آگے جو ہم سجدۂ خدا کر لیں
پیام باد ہوائی کا کیا ٹھکانا ہے — ہم اعتبار ترا کس طرح صبا کر لیں
خدا کے سامنے جانا ہے یہ بھی یاد رہے — نہ بھولیں حق کو جفا بانیٔ جفا کر لیں

لحد پہ وجد کے بولے کہ آ چکے جب ہم
تو آؤ فاتحہ کی رسم بھی ادا کر لیں

(بہار، شمارہ ۱۰، جلد ۱، اکتوبر ۱۹۰۳ء، کرامت لائبریری، سہسرام)

دیتی نہیں ہے چین تہ آسماں مجھے — لے جائے دیکھئے مری گردش کہاں مجھے
اُبھرا نہ وجد ڈوب کے دل ہجر میں ہائے — طوفانِ نوح ہو گیا اشک رواں مجھے

(دامن بہار، ۱۹۰۳ء)

-شجاعت
(۱۲۹۵ھ/۱۸۸۸ء)

مولانا ابو محمد مصلح صاحب نے تاریخ سہسرام (ص۱۱۰) میں منشی شجاعت علی صاحب طغرا نویس کے متعلق لکھا ہے کہ ''یہ بزرگ مولوی شہاب الدین صاحبؒ کے مرید اور خلیفہ تھے، دو کتابیں تصوف کے فن میں ان کی تالیف و تصنیف ہیں۔ یہ منشی بھی تھے، طغرے، وصلیاں، آیتِ قرآنی، قطعات، مصرعے، ابیات ان کے خوشخط لکھے ہوئے دور دور تک پائے جاتے ہیں مدرسہ خانقاہ کی عمارت پر اُتر جانب ''مدرسہ خانقاہ سہسرام'' ان ہی کی لکھی ہوئی یادگار ہے، مزار مذبح کے قریب ہے۔

مصلح صاحب ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' میں لکھتے ہیں کہ ''منشی شجاعت علی صاحب شجاعتؔ صوفی منش بزرگ تھے۔ آپ کی ایک ایک تصنیف مکتوبات میں ہے جس میں انھیں جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے، آپ بڑے منشی تھے، خصوصاً طغرا نویسی میں خاص امتیاز تھا، آج تک ان کی لکھی ہوئی وصلیاں دور دور تک گھروں اور کمروں کی زینت بنی ہوئی ہیں، ایک شعر ملاحظہ ہو

گلہائے مضامیں کے شگوفے میں شجاعت
پڑھنے میں غزل آپ کی آجائے تو جانیں''

منشی شجاعت علی مرحوم میرے محلّہ کے مشہور رئیس شہر اور اپنے عہد کے خان بہادر درسیر حاجی محمد وحید خاں صاحب (متوطن محلّہ نورن گنج سہسرام) کے ماموں تھے۔

منشی صاحب کے قلم کا نوشتہ ایک کتبہ مسجد محلّہ نورن گنج میں ہنوز موجود ہے جس پر راحت سہسرامی کے اشعار درج ہیں۔ اور راقم شجاعت علی لکھا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شجاعت صاحب ۱۲۹۵ھ میں حیات سے تھے۔ حاجی صاحب مرحوم کا مزار بھی ان کے ماموں کے مزار کے متصل ہے۔ حاجی وحید میرے ساتھی رفیع احمد (متوفی ۲۰۰۴ء) ان کے نانا تھے اور معراج احمد، رفیع احمد مرحوم کا لڑکا ہے۔

راقم حاذقؔ نے ان کی ایک کتاب مطبوعہ تصوف پر حکیم فخر الزماں سہسرامی چوکھنڈی سہسرام کے پاس دیکھی تھی۔

شمسؔ

(متوفی: ۱۹۶۹ء سے پہلے)

مصلح صاحب نے صرف اتنا لکھا ہے:

''شاہ شمس الدین صاحب شمسؔ متوسلین خانقاہ کبیر یہ سے تھے اور اچھا کہتے تھے''(۱)۔

خیال ہوتا ہے کہ وفات ۱۹۲۶ء اشاعت تذکرہ مشاہیر شعرائے سہسرام سے پہلے ہوئی۔

شہیدؔ

(متوفی ۱۹۲۶ء سے پہلے)

مصلح صاحب نے صرف اتنا لکھا ہے:

''غالباً شہیدؔ تخلص کے بزرگ محمد جعفر صاحب تھے، جنھوں نے خانقاہ کبیر یہ میں ایک پریس بھی جاری کیا تھا''(۲)۔

شاہ کبیرالدین احمد (شاہ کبیر ثانی) نے سہسرام میں ۱۸۵۰ء میں ایک پریس 'مطبع کبیری' کے نام سے قائم کیا تھا، دوسرا پریس مذکورہ عبارت حضرت مصلح سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد جعفر صاحب نے ۱۹۲۶ء سے پہلے قائم کیا ہوگا۔

مصلح صاحب نے خود ۱۹۲۶ء میں الاصلاح پریس سہسرام میں قائم کیا تھا۔ پھر شاہ نہال احمد نے محلہ کبیر گنج میں پاسبان نامی پریس ۱۹۴۶ء میں قیام کیا، جہاں سے ماہنامہ مفکر طبع ہوا۔

مصلح صاحب کو شہیدؔ سہسرامی کا نمونۂ کلام دستیاب نہ ہوا، اور عبارت مذکور نامکمل ہے۔

شمیم اکبرپوری سہسرامی

(حیات ۱۹۶۱ء)

الحاج ڈاکٹر ایم۔اے خاں شمیم اکبرپوری مقیم ہاٹا، ضلع شاہ آباد (بہار)۔اصل نام غالباً معین احمد خاں تھا۔شمیم صاحب اکبرپور (رہتاس) سب ڈویژن سہسرام کے رہنے والے ہیں۔

اکبرپور میں ان کے مکان پر ہومیو پیتھ ڈاکٹر کا بورڈ لگا ہوا تھا۔راقم نے ۱۹۶۱ء میں انھیں دیکھا تھا۔ان کا مکان مدرسہ اسلامیہ نیاز اکبرپور سے قریب شرقی جانب ہے۔

راقم سے بہت سنجیدگی سے ملے، رہائش زیبائش اچھی تھی۔

سلام و پیام

اے زائرینِ مکہ، اے زائرینِ طیبہ، اس بیقرار دل کا بھی اک پیام کہنا
اپنا سلام کہہ کر، آقائے دوجہاںؐ کی چوکھٹ پہ نام لے کر میرا سلام کہنا

اللہ رے یہ قسمت، تم جا رہے ہو گھر سے، اُس پاک سرزمیں کا تم کو سفر مبارک
کہسار کو، زمیں کو، ذرّوں کو اُس جگہ کو میرا سلام جا کر با احترام کہنا

جب مسجد نبیؐ میں، ہو حاضری تمھاری، جب سامنے تمھارے آ جائے اُن کی جالی
پیشِ نظر رہیں وہ، اُن پر درود پڑھنا، نظریں جھکی ہوئی ہوں، ان کو سلام کہنا

بڑھ جا رہی ہے دل کی، ہر بار بیقراری، جب دیکھتا ہوں جانے والوں کی میں سواری
اب ضبط کی نہیں ہے طاقت، مجھے بلالیں، سرکارِ دوجہاں سے میرا پیام کہنا

للہ جانے والو سرکار سے یہ کہنا، اب آپ کے شمیم خستہ کا ہے یہ عالم
اُس کے لبوں پہ ہے اب ہر دم درود جاری، اس کی زباں پر ہے ہر دم سلام کہنا

حالت جو میری پوچھیں، جو حال ہے ہمارا تم خود ہی دیکھتے ہو جا کر انھیں بتانا
پوچھیں جو نام میرا، کہنا شمیم خستہ، پوچھیں مقام اگر وہ، ہاٹا مقام کہنا

(المجیب، پھلواری شریف، جمادی الاوّل ۱۳۸۹ھ/ اگست ۱۹۶۹ء)

نعت پاک

یہ تقدیر اپنی بری یا بھلی ہے ‌ ‌ محمدؐ کے صدقے خدا سے ملی ہے
یہ رہ رہ کے جو درد اٹھتا ہے دل میں ‌ ‌ محبت کی اُن سے، ...... ملی ہے
گھڑی ہجر کی کٹ رہی ہے نہ کاٹے ‌ ‌ عجب بیقراری، عجب بیکلی ہے
محمدؐ، محمدؐ، محمدؐ، محمدؐ ‌ ‌ زباں پر مری اب یہی ہر گھڑی ہے
کسی خاص پیغام کے منتظر ہوں ‌ ‌ نظر میری طیبہ کی جانب لگی ہے
انھیں کی بدولت انھیں کے سہارے ‌ ‌ بھنور میں بھی کشتی چلی جارہی ہے
جسے ہو نہ الفت محمدؐ سے، اس کی ‌ ‌ بھلا زندگی بھی کوئی زندگی ہے
بھلا پھر اُسے اور اب چاہیے کیا ‌ ‌ محبت جسے آپ کی مل گئی ہے
یہ رونا مرا رات دن کام آیا ‌ ‌ کبھی کوئی محنت اکارت گئی ہے؟
درِ پاک تک مجھ کو لے جانے والی ‌ ‌ مری بیخودی ہے مری بیکلی ہے
مدینہ پہنچ کر یہ دیکھا ہے میں نے ‌ ‌ گلی اُن کی عرشِ بریں تک گئی ہے
جو گزرا تو گلیوں سے آواز آئی ‌ ‌ ادب سے چلو، مصطفےٰؐ کی گلی ہے

دوبارہ جو جاؤں تو پھر کر نہ آؤں
تمنا شمیم حزیں کی یہی ہے

المجیب، پھلواری شریف، جمادی الآخر ۱۳۸۹ھ/ اگست و ستمبر ۱۹۶۹ء)

محمد شہاب الدین ہمراز رہتاسی جو اپنی نانیہال راجپور اورنگ آباد میں رہتے تھے اور مکتبہ جماعت اسلامی ہند پٹنہ کے انچارج تھے، اور مختلف علاقوں کے ناظم اور درس گاہ جموئی کے استاد بھی تھے۔ ایک دن دفتر پٹنہ میں کہنے لگے اور اپنی بیاض پر لکھا کہ "اکبرپور" کے ایک اچھے شاعر معین الدین شمیم تھے جن کا ایک قطعہ یاد ہے:

مقدر میں لکھا تھا زندگی یوں ہی بسر کرنا ‌ ‌ بدلنا کروٹیں لے کر اور سسکیاں لے کر سحر کرنا
نکل کر جا نہیں سکتے شمیم اب وہ مرے دل سے ‌ ‌ بہت آسان سمجھا تھا کسی کے دل میں گھر کرنا

نادرؔ سہسرامی

(۱۸۶۲ء تا ۱۹۴۲ء)

مولوی منشی سید محمد شفیع صاحب نادرؔ سہسرامی محلہ شاہ جمعہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔

نادرؔ صاحب مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں محرر تھے، اور اس کے مشہور کتب خانے کے محافظ تھے اور صوفی مشرب اور نیک سیرت آدمی تھے۔ میرے عہد طالب علمی میں مدرسہ کے محرر تھے۔ نہایت خوش وضع، خوش اخلاق اور خوش نویس تھے۔ تقریباً ۱۹۴۲ء تک حیات سے رہے، ان کے بعد ان کے صاجزادے منشی عبدالقادر صاحب عرصہ تک مدرسہ کے محرر اور کتب خانہ کے محافظ رہے، ان کے زمانے میں مدرسہ کی کافی کتابیں خرد برد ہو گئیں۔ تقریباً ۱۹۴۸ء تک ملازم رہے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے۔

نادرؔ صاحب کا کلام دستیاب نہیں ہوتا ہے، مشکلوں سے راقم کو ان کے چند قطعات تاریخ حاصل ہو سکے، جو بطور یادگار نقل کیے جاتے ہیں۔

پہلا قطعہ رحلت میر ولایت حسین محلہ نورن گنج سہسرام کی لوح مزار سے نقل کیا جاتا ہے، مزار مدار سیلانیؒ کی تکیہ میں ہنوز موجود ہے اور پختہ ہے۔

مرے دوست سید ولایت حسین   ہوئے فوت فالج سے وہ جب کہ آہ
لکھا نادرِؔ غم زدہ نے یہ سال   بہشت بریں اُن کی آرام گاہ

۱۳۱۸ھ

دوسرا قطعہ رحلت اشرف النساء بی بی دختر سید کبیر حسن (نورن گنج) سہسرام کے لوح مزار پر اس طرح مرقوم ہے:

سیدہ اشرف النساء بی بی   نوجواں تھی ہنوز یہ بخدا
درد طاعون سے جو بس ناگاہ   ہو گئی مبتلائے رنج و بلا
چارہ جوئی کی سب عزیزوں نے   پر ذرا اس کا کچھ اثر نہ ہوا
ماہ ذی قعدہ بارہویں تاریخ   روز شنبہ تھا کر گئی وہ قضا

لے سر انس سال نادؔر نے
جائے اشرف ہوئی بہشت کہا

۱۳۳۰ھ

اس سال سہسرام میں بہت زور سے پلیگ پھیلا تھا۔ حاذق

یہ مزارات جناب سید افضل حسین صاحب (سپرنٹنڈنٹ آف اکسائز) مشہور بنام ڈپٹی فضل محلّہ نورن گنج کے اہل خاندان کے ہیں۔ اب (۱۹۹۹ء میں) تباہ ہورہے ہیں۔

نادر صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اردو اور فارسی ہر ایک میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔

مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے ایک مشہور مدرس اوّل مولانا حفیظ الدین احمد صاحب تھے، جنھوں نے ایک کتاب ''فوائد نوریہ'' کے نام سے لکھی تھی جو ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوئی، اس کتاب میں نادر صاحب مرحوم کا ذیل کا قطعہ درج ہے۔ کتاب کی شرح مؤلف نے ۱۳۰۳ھ بمطابق ۱۸۸۶ء میں لکھی۔

آں محمدؐ با حفیظ الدیں زہے مولائے من — چوں محمد شد حفیظ دیں شہ ابرارِ باد
نسخۂ کشف کمالش مخزن اسرار گشت — ہر سری از مخزنش چوں مخزن اسرار باد
صورتش پر از معانی معنیش بحر علوم — قطرۂ بحر علومش گوہر شہوار باد
شرح برمیزان منطق گفت چوں از شرح وبسط — شرح و بسط معنیش بر ہر زباں گفتار باد

بہر سال مصرعۂ نادؔر ہمیں باشد خدا
شرح ایں میزان منطق منبع انوار باد

۱۳۰۳ھ

شیر میر خاں مرحوم کی مشہور کتاب ''میلاد دل پذیر'' سے نادر صاحب کا ذیل کا قطعہ نقل کیا گیا:

شیر نیستاں ہمہ میر سخا — خاں بعالی حسبی خوش نسبی
نسخۂ میلاد شہ فخر رسل — کرد چو تالیف بہ نیکو سببی

گفت بتاریخ ز نادؔر دل او
ذکر ز میلاد حبیب عربی

۱۳۱۶ھ

دیگر

عیسوی سال میں نادر نے لکھا یہ تاریخ   چھپ گیا صلی علی خوب یہ ذکر میلاد
۱۸۹۹ء

۱۳۰۳ھ بمطابق ۱۸۸۶ء تا ۱۸۹۹ء کے مذکورہ اشعار سے بھی اُن کی حیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ کافی عمر ہو چکی تھی، نہایت خوبصورت تھے، کمر خمیدہ تھی مگر مدرسہ اکثر اپنے صاحبزادہ مذکور سے ملنے آتے رہتے تھے، اس لیے ان کی عمر تخمیناً میں نے اسی سال لکھا ہے۔

مولانا محمد شفیق صاحب شفق فریدی ظہیری

مولانا محمد شفیق صاحب کے والد کا نام سمارو میاں تھا اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد رفیق صاحب مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں عالیہ کورس کی تعلیم پائی تھی۔ نہایت دیندار آدمی تھے۔ مولانا محمد شفیق صاحب جب مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں (۱۹۳۹ء) داخل ہوئے تو مولانا شفیق صاحب اور ان کے ہم سبق کیفؔ صاحب اور برقؔ صاحب مولانا محمد صدیق جوندھی اور مولانا عبدالوحید خاں صاحب کے ہم سبق تھے، درجۂ عالم میں پڑھتے تھے، بعد میں فاضل حدیث کیا۔

مولانا صدیق صاحب جوندھی (مولانا اشفاق صاحب کے بہنوئی) ہائی اسکول بکرم گنج میں ہیڈ مولوی تھے اور مولانا شفیق صاحب سکنڈ مولوی تھے اور وہیں سے دونوں نے ابتدا کیا۔

مولانا شفیق صاحب کو کثرت سے حدیثیں یاد تھیں، فارسی اور عربی پر عبور تھا اور عربی بولنے پر بھی قادر تھے۔

مولانا شاہ ظہیر الدین چشتی کے مرید تھے۔ نمونہ کلام ''عقیدت حسین'' پر ایک نظم کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے:

السلام اے حسینؓ ابن حیدر   تم پہ قربان تسنیم کوثر
اب کرم کی نظر ہو شفق پر   میرے پیارے ....

وفات ۲۷ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ/ ۴ جون ۱۹۹۷ء۔

حکیم شمس الدین

حکیم شمس الدین صاحب مرحوم حکیم بدرالدین صاحب مرحوم کے بڑے بھائی تھے، یہ بھی اپنے دور کے ممتاز اور مشہور طبیب تھے، حکیم بدرالدین صاحب کی وفات سے ۱۰ سال پیشتر انتقال فرما گئے تھے، آپ کا مزار حضرت شمس الحق دیوان رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ کے متصل پورب جانب میں پختہ ہے۔

تاریخ وفات ۳۱؍اگست ۱۹۳۶ء (از بیاض شیخ کرامت علیؒ)

حکیم شمس الدین مرحوم کے لڑکے حکیم مولانا عبدالحیٔ مظاہری سہسرامی تھے، اور حکیم عبدالحیٔ کے بڑے لڑکے مولانا حکیم عبدالحق مرحوم تھے جو اپنے مکان منڈی کشور خاں میں طبابت کرتے رہے۔ اور محلّہ چوکھنڈی کی مسجد کے تاحیات امام تھے۔ آخر الذکر کے بڑے لڑکے جلیل احمد اور دوسرے لڑکے ماسٹر جمیل احمد ۲۰۰۵ء میں حیات سے ہیں اور ہائی اسکول میں ٹیچر ہیں۔

۲۲؍جولائی ۲۰۰۵ء کو شیخ شرافت حسین بخشی (پ ۱۹؍جولائی ۱۹۱۹ء) نے بتایا کہ حکیم شیخ شمس الدین مرحوم خوبصورت اور کم سخن تھے۔ قد لمبا تھا۔ ان فیض رسا بزرگ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ان کے پاس کوئی مریض آتا تو کہتے تھے کہ ''میرے چھوٹے بھائی حکیم بدرالدین کے پاس چلے جاؤ میرے پاس تمھارے لیے شفا نہیں ہے''۔ لباس میں سفید کرتا، شلوار اور پگڑی ۵ گز والی اور جوتا موزہ استعمال کرتے تھے۔ چشمہ نہیں لگایا، عمر تقریباً ۵۱ سال تھی۔ داڑھی مختصر تہجد گزار، ۱۲ بجے کے بعد تلاوت کرتے تھے۔ طبیعت سادہ اور نیک دل تھے۔

حافظ شیر محمد صاحب

حافظ شیر محمد صاحب ولد لعل محمد بن میاں جی احمد علی صاحب مرحوم۔ باشندہ پٹھان ٹولی سہسرام۔

حافظ شیر محمد صاحب نے تعلیم حافظ محبوب علی صاحب سے حاصل کی۔ بچپن میں چیچک نکل آئی، چار برس کی عمر میں نابینا ہو گئے۔

ان کے والد صاحب بنگال میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ کچھ روز کلکتہ رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان کے دادا املا گیری کرتے تھے۔ سہسرام میں دعا تعویذ اور امامت کرتے تھے۔

حافظ شیر محمد صاحب ندی کی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ آنکھ سے معذور تھے۔ مگر چھڑی کے سہارے شہر کے گھر گھر کا طواف کر کے مردوں کے لیے ایصال وثواب کرتے تھے، یعنی یہاں کی زبانی روح نکالنے کے نام سے مشہور تھے۔ میرے والد کی موت پر چہلم تک انھوں نے قرآن ۱۹۴۰ء میں پڑھا۔ ۱۹۶۸ء کے بعد وصال ہوا۔

ان کے حفظ کے ساتھیوں میں حافظ نور محمد نابینا بارہ دری سہسرام تھے جو شبینہ پڑھنے میں مشہور تھے۔ دیگر ساتھیوں میں قاری حافظ عبدالعزیز محلہ باغ بھائی خاں سہسرام اور حافظ عبدالغفور چکنیہ ٹولہ اور حافظ عبدالحمید ان کے بھائی تھے۔ حافظ عبداللہ (والد مولانا رفیع اللہ) چکنیہ ٹولہ سہسرام قابل ذکر تھے۔

مولانا محمد صدیق صاحب صادقؔ سہسرامی

نام ونسب

محمد صدیق نام، صادقؔ تخلص، محلہ تکیہ شاہ جلال سہسرام کے رہنے والے ہیں، والد کا نام فتح محمد، دادا کا نام، یار محمد، پردادا کا نام شیخ عبدالرحمٰن مرحوم تھے۔ یار محمد صاحب پٹھان ٹولی سہسرام میں رہتے تھے۔ خاندانی پیشہ کپڑے کی تجارت تھی، بنگال تک سفر کر کے لوگ کپڑے فروخت کرتے تھے۔ اس وقت کا یہی رواج تھا۔ سال پیدائش ۱۳۱۴ھ ہے، تاریخی نام منظور حسن ہے۔ مولوی عبدالقادر صاحب ان کے حقیقی ماموں تھے۔

شیخ الافتاء واستاذ العلما حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مہتمم مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام ان دنوں تقریباً بیس سالوں سے محلہ ذکی شہید میں مکان تعمیر کرا کے رہتے ہیں۔

خلافت

مولانا عبدالکافیؒ صاحب کے مرید اور خلیفۂ مجاز ہیں۔ مگر پیری و مریدی اور امامت مسجد کے مجتنب ہیں۔

تعلیم

مولانا موصوف کی ابتدائی تعلیم رواج زمانہ کے مطابق گھر پر ہوئی، اپنے والد اور چچا (نور محمد صاحب) سے قرآن پڑھا۔ چچا محترم قرآنی آیات پر بہت عبور رکھتے تھے، ناظرہ خواہ تھے، مگر حافظوں کو ٹوک دیتے تھے۔

والد اور چچا کے علاوہ ابتدائی تعلیم کریم بخش مرحوم انصاری سہسرامی پٹھان ٹولی سے حاصل کی، نیز مدرسہ حسنیہ (روضہ حسن خاں) میں شاہ بدیع الدین (محلّہ کرن سرائے) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، فارسی حکیم مولوی عبدالعلی صاحب سہسرامی مؤلف گلدستۂ معرفت (میلاد) متوطن پٹھان ٹولی سہسرام سے پڑھی۔ عبدالعلی صاحب کو شاعری کا بھی ذوق تھا۔ یہ شاعر کی پہلی صحبت تھی جو انھیں حاصل ہوئی۔

۱۳۲۹ھ کے آخر میں جب مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام کی بنیاد پڑی۔ مولانا فرخند علی صاحب فرحت رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی میں داخل ہوئے، اور جملہ علوم عربیہ کی تکمیل کی اور تقریباً ۲۳ سال کی عمر میں ۱۵رمحرم ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء کو فارغ التحصیل ہوئے، اور قاعدے کے مطابق دستار بندی ہوئی۔

حصول تعلیم کے بعد چند ماہ کٹک میں ایک رئیس کے یہاں معلم رہے، پھر مدرسہ رحمانیہ رائے بریلی میں ایک سال تک معلّمی کی، پھر مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد چلے گئے، اور اپنے استاد مولانا فرحت صاحب کے استاد و پیر طریقت مولانا کافیؒ کی معیت میں رہ کر مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے میں انھیں استاذ العلما مولانا محمد کافیؒ سے کافی فائدہ پہنچا۔ اس حیثیت سے مولانا محمد صدیق صاحب کا مدرسہ سبحانیہ میں قیام ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ تک رہا۔

اسی ماہ میں اپنے بھائی کی تقریب شادی میں شرکت کی غرض سے سہسرام تشریف لائے تو مولانا فرخند علی صاحبؒ نے انھیں بہ جبر روک لیا، ان کی معیت میں رہ کر نائب مہتمم کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔

مولانا فرحت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کی وصیت اور اہل شہر کی آراء سے مدرسہ خیریہ نظامیہ کے مہتمم ہو گئے۔ ۳/رجب المرجب ۱۳۵۴ھ تک نائب مہتمم کی حیثیت سے کام کیا، اس کے بعد سے آج تک مہتمم ہیں، ادھر چند سالوں سے مولانا فرخند علی صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد میاں صاحب کاملؔ سہسرامی کو اپنی نیابت میں رکھ کر تربیت دے رہے ہیں، مگر مولوی کامل اور ان کے مزاج میں بڑا فرق ہے۔ تاہم کاملؔ صاحب کی مساعی سے مدرسہ کو بہت مالی تعاون حاصل ہوا۔

مولانا صادق صاحب کو شعر و شاعری کا ذوق ہے۔ شعر گوئی کا باضابطہ ذوق خیریہ کی تعلیم کے دوران پیدا ہوا۔ مگر اب شعر و شاعری سے اجتناب فرماتے ہیں۔ ''گلدستۂ سخن'' میں ان کا کلام شائع ہو چکا ہے۔ نیز ایک مختصر رسالہ ''خیر المعانی فی تحقیق مسئلہ رویت الہلال'' اسرار کریمی الٰہ آباد سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا صادق صاحب کے علمی کارناموں میں ان کے فتوؤں کی بڑی اہمیت ہے، اگر ان کے فتاوے کا مجموعہ تیار کرایا جائے اور شائع کرایا جائے تو ان کے مبلغ علم کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے، کاش مولانا موصوف یا ان کا مدرسہ اس کی اہمیت کو سمجھے!

مولانا صادق صاحب کہنے کو تو بریلوی مسلک کے آدمی ہیں، مگر حقیقت میں مسلک کافی و مسلک فرخند سے کافی متاثر ہیں۔ احناف کے مسلک کو اعتدال سے پیش کرتے ہیں، مخالف بھی اُن کے اس علمی محاسن کے قدرداں ہیں۔ ایک مدیّن عالم کا یہ بڑا وصف ہے۔

راقم جس زمانے (۶۵-۱۹۶۴ء) میں پٹنہ کمشنری کا ناظم تھا اور گیا میں مقیم تھا۔ مدرسہ انوار العلوم گیا کے مشہور استاد مولانا محمد عتیق صاحب قاسمی نے راقم سے فرمایا کہ بریلوی علما میں ایک ہی عالم ایسا ہے، جس کو میں نے قریب سے دیکھا، اور وہ ہیں مولانا محمد صدیق صاحب، حقیقت تو یہ ہے کہ انھیں فقہ حنفیہ پر کافی عبور ہے۔ یہی وجہ مسلک احناف کے مطابق فتاویٰ لکھتے ہیں، اور کبھی اعتدال سے نہیں ہٹتے''۔ تاہم بعض مسائل میں مولانا کا ذہن خالص بریلوی ہے، البتہ تکفیر سے مجتنب اور تشدد سے عاری ہیں۔

ذہن میں متانت ہے، سعی بلیغ اور اوقات کے پابند ہیں۔ سودا سلف خود سے کرتے ہیں، اور شہر میں ان کی بڑی منزلت ہے۔ باہر والے علما تو یہ کہتے ہیں کہ ''سہسرام میں ایک ایسا شہر ہے، جہاں کے عوام خیریہ کی پیروی کرتے ہیں اور مولانا محمد صدیق صاحب کے پیرو ہیں، اور عوام پر ان کا

پورا قبضہ ہے''۔

ایک سال عید کے موقع پر دوسری جگہ چاند دیکھے جانے کا ریڈیو سے اعلان ہوا، مدرسہ خیریہ نے اس کی مخالفت کی، بعض شرپسندوں نے مقدمہ کردیا، مگر اس۔ڈی۔او سمجھدار تھا، علما کی قدر ومنزلت کا اندازہ لگا کر کیس کو خارج کرنے پر مجبور ہوا۔

مولانا نے دو شادیاں کیں، دوسری شادی منشی عبدالحفیظ صاحب نورن گنج کی دختر سے ہوئی، کثیر العیال آدمی ہیں۔ (خلف اکبر مولوی عین الہدیٰ (۶۸ء میں) بھاگلپور میں معلم ہیں۔ ۷۰ء میں عین صاحب مائی تھان ضلع دھنباد کے ایک اسپتال میں ملازم ہوئے، مدت ہوئی ریٹائر ہوئے۔

مولانا احمد اللہ صاحب ندوی نے ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' جلد سوم، (شمار ۵۴۰، ص ۲۷۸) میں مولانا صدیق کا نام صرف مولوی صدیق صاحب صادقؔ سہسرامی لکھا ہے، اور درج ذیل اشعار نمونے کے دیئے ہیں، اندازہ ہے کہ یہ کلام گلدستۂ خیریہ سے لیا گیا ہے۔ یہ کلام مولانا محترم کی ابتدائی عمر کا ہے:

یوں نہ بے پردہ اگر جلوہ نمائی ہوتی — مبتلا کاہے کو یہ ساری خدائی ہوتی
کرتا جاروب کشی روضہ کی میں پلکوں سے — کوئے محبوب خدا میں جو رسائی ہوتی
ہوتی دربارِ محمدؐ کی غلامی جو نصیب — بڑھ کے شاہی سے کہیں اپنی گدائی ہوتی

یادِ احمدؐ میں نکل جاتا اگر دم صادقؔ
روح حضرتؐ کی ترے لینے کو آئی ہوتی

سید صغیر الدین صابرؔ سہسرامی

بحوالہ ''مسلم تذکرہ شعرائے بہار'' جلد سوم ص ۲۷۷، نمبر شمار ۵۲۹۔
سید صغیر الدن نام تخلص صابرؔ متوطن سہسرام ضلع آرہ۔ نمونہ کلام یہ ہے:

گل کو کرتی ہے خجل رنگت گل رخسار کی — بڑھ کے سنبل سے سیاہی زلف عنبر یار کی

روح پرور ہے فضا جب کوچۂ دلدار کی
کوئی جا کر خاک اڑائے دامنِ کہسار کی

چارہ سازِ دردِ فرقت ہے شبِ ہجراں یہی
مرتے دم بھی کیا عنایت ہے خیالِ یار کی

دونوں گھر آباد اک اس کے تصور سے ہوئے
دل میں نقشہ یار کا آنکھوں میں صورت یار کی

طور کی صورت ہزاروں دل ہوئے ہیں جل کے خاک
روکشِ برقِ تجلی ہیں نگاہیں یار کی

وائے قسمت کب وہ آئے ہیں عیادت کے لیے
جب لگی ہیں چھت سے آنکھیں عاشقِ بیمار کی

جنبشِ ابرو ہے کافی قتلِ عاشق کے لیے
تجھ سے قاتل کو ضرورت ہی نہیں تلوار کی

لب پہ چھالے دل پہ نالے سرد آہیں چشم نم
جان آفت میں ہے تیرے عاشقِ بیمار کی

صبر کی کچھ حد بھی ہے صابرؔ کہاں تک ضبطِ عشق
ایک دل اور اس میں اتنی حسرتیں دیدار کی

الحاج مولانا حکیم مسیح الزماں صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ صغیر الدین صاحب محلہ برتلہ سہسرام کے رہنے والے تھے، اور مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام کے متعلم تھے۔ اور ان کے ساتھیوں میں تھے۔

مولانا دشاہ صغیر الدین صاحب کے والد کا نام سید شاہ بشیر الدین تھا، صابر کی علمی استعداد اچھی تھی، مدرسہ خیریہ کے فارغ التحصیل تھے، سند فراغت ۲۷ر جمادی الاوّل ۱۳۵۰ھ ہے۔ آخر عمر میں کلام کہتے تھے یا نہیں معلوم نہ ہوا۔ مذکورہ کلام ان کے طالب علمی کے زمانہ کا معلوم ہوتا ہے۔ مدرسہ خیریہ کے مشاعرے میں شریک رہتے تھے۔

صفدر

(متوفی ۱۹۸۲ء سے پہلے)

مصلح صاحب نے صرف اتنا ہی لکھا ہے، جس پر اضافہ ناممکن ہے:

"حافظ صفدر علی صاحب ۲۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔ کلام ملاحظہ ہو:

کہنے کا ان کے اس گھڑی صفدر برا نہ مان
بیخود ہیں آج پی کے وہ جامِ شراب سرخ''(۱)

ضیاؔ سہسرامی

(۱۳۲۱ھ تا ۱۴۱۳ھ)

مولانا ضیاء الحسن نام، ضیاؔ تخلص، ولد الحاج مولانا حافظ محمد حسن، متوفی محلہ منڈی کشور خاں (مستقل مقیم محلّہ بارہ دری) سہسرام۔

خاندانی حالات

حضرت مولانا ضیاء الحسن صاحب سہسرامؒ کے ایک ذی علم اور صاحب مرتبت بزرگ ہیں، انصار برادری سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے والد ماجد الحاج مولانا حافظ محمد حسنؒ اپنے عہد کے ایک مدیّن بزرگ تھے۔ حافظ صاحب منڈی کشور خاں سہسرام کے رہنے والے تھے، مولانا ضیا صاحب کی پیدائش اسی محلّہ میں ہوئی۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا حکیم نور الحسن مولانا قاری محمود الحسن قابل ذکر ہیں۔

پیدائش، وفات

تاریخ پیدائش روز جمعہ ۸؍ ربیع الاوّل ۱۳۲۱ھ ہے۔ اور وفات جمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ بوقت شب ٹاٹا میں ہوا۔ سہسرام میں ۵؍ جمادی الاخریٰ کو مدفون ہوئے۔

شعر وشاعری

مولانا موصوف کو عہد طالب علمی سے شعر گوئی کا ذوق ہے۔ مدرسہ خیریہ سہسرام میں رہ کر ان کے شوق شاعری کو مولانا فرخند علی صاحب فرحت کے ذوقِ ادب نے پروان چڑھایا، ان ہی سے اس صنف سخن میں شرف تلمذ حاصل ہے۔ عہد طالب علمی سے آج تک غزلیں، نعتیں، نظمیں،

قطعات تاریخ وغیرہ کہتے رہے ہیں۔

عربی، فارسی، اردو ہر ایک میں سخن گوئی کی عادت ہے۔ عربی میں طویل قصیدے اور فارسی میں بھی طویل قصیدے لکھے ہیں۔ فارسی اور اردو میں قطعات تاریخ بھی اچھا لکھتے ہیں، مولانا فرخند علی صاحب فرحت مرحوم کی ذیل مصرع سے تاریخ رحلت لکھی ہے۔

"حی لقد رضی اللہ عنہ"

غزلیں بھی پاکیزہ خیالات اور شگفتہ بیانی سے مملو ہوتی ہیں، مدرسہ خیریہ کے گلدستہ میں آپ کے عہد طالب علمی کا کلام شائع ہو چکا ہے، جس کو "مسلم شعرائے بہار" کے مؤلف نے بھی نقل فرمایا ہے:

اثر جذب محبت سے مسخر ہو کر	خود چلے آئیں گے وہ سامنے مضطر ہو کر
چبھ گئیں دل میں ادائیں تری نشتر ہو کر	تیری ابرو نے مجھے مارا ہے خنجر ہو کر
ضوفشاں ہجر کی شب ہوتے ہے سینے میں مرے	داغ دل داغ جگر مہر منور ہو کر
چھپ کے نظروں سے کیا لاکھوں کو بسم جس نے	کیا غضب ڈھائے گا پردے سے وہ باہر ہو کر
آئے بھی وہ دم آخر تو تکلم تھا محال	رہ گئی آنکھ سے بس آنکھ برابر ہو کر
سامنے ان کے نہ اک حرف تمنا نکلا	آرزو دل کی رہی دل ہی میں مضمر ہو کر
کس کی قامت کے نظارے کو چلے سوئے چمن	غیرت سرو سہی رشک صنوبر ہو کر

دیکھئے سچی محبت کا اثر ہے یہ ضیا
وہ بھی اب رحم پہ مائل ہے ستمگر ہو کر

مولوی محمد ضیاء الدین

مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ راقم الحروف کے والد پشتہا پشت سے اپنے جدی مکان واقع محلہ نورن گنج میں رہتے چلے آرہے تھے، یہیں ان کی پیدائش ہوئی اور یہیں ان کا وصال بھی۔

مولوی محمد ضیاء الدین صاحب حکیم سراج الدین صاحب کے صاحبزادے اور حکیم رمضان علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور فخر الاطبا واستاذ العلما حضرت مولانا حکیم حسن علی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور عالم بے بدل۔ حضرت حاجی حکیم مولانا محمد قادر بخش حافظ حدیث رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی کلثوم تھا، جو مولانا حکیم حسن علیؒ کی دوسری اہلیہ کے بطن سے تھیں۔

والد ماجد صاحب کی تعلیم از ابتدا تا انتہا مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ہوئی۔ انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھا ہے کہ جب تک مدرسہ سہسرام سے کامیاب نہ ہوا تھا، فرصت کے اوقات میں طلبہ کو اپنے غریب خانہ پر درس دیتا تھا۔

ان کی یادداشت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ جب تک مدرسہ میں رہے ہر سال کامیاب ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ۱۹۰۸ء میں ایک سال کے اندر دو جماعت یعنی جونیئر سال پنجم اور سینئر جماعت اوّل میں کامیاب ہوئے۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ کے نصاب کے مطابق ان کی تعلیم ہوئی۔ ۱۹۱۰ء میں جو جدید اسکیم کے شروع ہونے کا عہد تھا انھوں نے سیر جماعت سالِ چہارم میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں ہائر اسٹنڈرڈ سنٹرل اکزامینیشن مدرسہ کلکتہ کے امتحان میں شریک ہو کر کامیاب ہوئے۔

ان کے استاذ صدر المدرس مولانا ابوالحسن صاحب بیدل سہسرامی نے انھیں جو سند فراغت عطا کی ہے اس میں ان کی ذہانت وذکاوت کی تعریف کی ہے۔

مدرسہ سے فراغت کے بعد یہ بانکی پور میں ایک زمین دار کے یہاں معلم کی حیثیت سے رہے، اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں ریوبل گنج مدرسہ حمیدیہ ضلع سارن...... میں پہنچے، قریب نو دس ماہ کے یہاں قیام کیا۔ یہ ان کی پہلی تقرری تھی جو حکومت برطانیہ بہار کی جانب سے ہوئی، یہاں سے ۱۹۱۳ء میں مدرسہ انجمن اسلامیہ کشن گنج ضلع پورنیہ میں تشریف لے گئے، اور وہاں ڈھائی مہینہ رہنے پائے تھے کہ حسب الحکم انسپکٹر آف اسکول بھاگلپور ٹریننگ اسکول میں بھیج دیا گیا، جہاں انھوں نے ٹریننگ حاصل کی، اس کے بعد ہیڈ مولوی کی حیثیت سے شیخ پورہ (ضلع مونگیر) میں تشریف لے گئے اور یہاں ایم۔ ٹی۔ اسکول کی بنیاد رکھی۔ جہاں بحسن وخوبی چھ مہینہ ۱۳ دن تک رہ کر امورات سرکاریہ متعلقہ کو انجام دیتے رہے، اس اثنا میں بہت سے ٹیچروں نے ان کی

سرپرستی میں رہ کر کامیابی حاصل کی، ان کی کارکردگی سے متعلقہ حکام بہت خوش تھے، یہاں سے ۱۸ر جون ۱۹۱۹ء میں تبدیل ہوکر کونجر یا ٹریننگ اسکول پہنچے، اور ایک عرصہ تک یہاں رہے، معلمین کی تعلیم و تربیت میں غیر معمولی ملکہ ہو جانے کے سبب انھیں رائے بہادر انسپکٹر آف اسکولس بھاگلپور ڈویژن سے کارگزاری کی ایک سند حاصل ہوئی۔

یکم جنوری ۱۹۲۵ء میں تعداد متعلمین کی کمی کے سبب یہ اسکول ٹھپ کر دیا گیا تو انھیں پھر دوبارہ ان کی سابقہ جگہ شیخ پورہ بھیج دیا گیا۔ ۸ر جولائی ۱۹۲۵ء سے لے کر اپنی صحت کے زمانہ تک شیخ پورہ ہی میں رہے۔

خدا نے آپ کے مزاج میں غیر معمولی صبر و تحمل کا مادہ ودیعت فرمایا تھا، مصائب و شدائد کا برداشت کرنا اور اپنے آپ کو ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رکھنا، ان کی زندگی کا ایک امتیازی وصف تھا۔

اپنے ماموں مولانا قادر بخشؒ کے رنگ میں محفل وعظ و میلاد میں مثنوی مولانا روم اور دیگر اشعار پڑھا کرتے تھے، خدا نے خوش گلوئی عطا کی تھی، قرآن پاک بھی ایک انداز سے تجدیدی رنگ میں پڑھا کرتے تھے، رشد و ہدایت کا اچھا ذوق تھا، افسوس کہ خدا نے مجبور صحت بنا دیا تھا، پھر مختلف انداز میں خدمتِ خلق کیا کرتے، مہمان نوازی، اعزا و اقربا کی مدارت، فقرا و مساکین و دیگر حاجت مندوں کی احتیاج کا پورا کرنا ان کا یومیہ مشغلہ تھا۔

فن تعلیم پر ان کی نگاہ وسیع اور دقیق تھی، اس سلسلے میں انھوں نے جو ضخیم دو جلدوں میں یادداشتیں مرتب کی ہیں، اگر انھیں تصنیفی انداز میں مرتب کر دیا جائے تو فن تعلیم پر ایک اچھی کتاب تیار ہوسکتی ہے کیوں کہ اب فن تعلیم پر اردو ادب میں جو لٹریچر ہے وہ بعض معمولات خصوصیات سے خالی ہیں۔

۲ر شوال المکرّم ۱۳۵۹ھ مطابق ۳ر نومبر ۱۹۴۰ء روز یکشنبہ کو بوقت صبح صادق اس دارفانی سے رحلت فرما گئے اور مدار سیلانی کے باہری حلقہ پورب میں مدفون ہوئے۔ مزار نمایاں چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، آمین۔ مزار ۲۰۰۰ء میں تالاب میں ڈوب گیا۔

ظفرؔ کاکوی سہسرامی

(۱۹۳۹ء تا ۲۳؍جولائی ۲۰۰۵ء)

بحوالہ تذکرۂ شعرائے بہار نمبر ۶ص۴۳۶:

’’ظفر امام رضوی نام، ظفرؔ تخلص ہے۔ آبائی وطن موضع کاکو ضلع گیا ہے۔ ۱۵؍جنوری ۱۹۳۹ء تاریخ ولادت ہے۔ آپ کے والد حضرت مولانا سید موسیٰ رضا ایک جید عالم و فاضل تھے۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں عرصہ تک مدرس دوم کے عہدہ پر فائز رہے اور یہیں وفات پائی۔ والد ماجد کی وجہ سے ظفرؔ کو بھی سہسرام ہی میں سکونت اختیار کرنی پڑی۔ یہیں تعلیم پائی، اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم والد کے سایہ ہی میں پائی پھر اسکول میں داخل ہوئے میٹرک تک پہنچے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ اس کے بعد انٹرمیڈیٹ تک تعلیم پا سکے تھے کہ فکر معاش لاحق ہوئی۔ اس وقت یعنی ۱۹۶۷ء میں رجسٹریشن آفس میں کلرکی پر مامور ہیں۔ آپ کے والد کو بھی ذوق سخن تھا، عربی، فارسی اور اردو میں فکر فرماتے تھے اور رضاؔ تخلص کرتے تھے۔ جناب ظفرؔ کو بچپن ہی سے شاعری سے دلچسپی ہے اور ادبی سرگرمیوں میں برابر حصہ لیتے رہے ہیں، نوجوان اور نومشق شعرائے سہسرام میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ جناب حشرؔ سہسرامی تلمیذ حضرت فصاحت جنگ بہادر جلیلؔ مینائی سے تلمذ ہے، غم روزگار اور زندگی کی تلخ کامیوں کا عکس آپ کے کلام میں نمایاں ہے۔ آپ غزلیں زیادہ کہتے ہیں اگرچہ دوسرے اصناف سخن میں بھی آپ کا کلام موجود ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

جہاں دل جگر کو ملے سکوں، مجھے اس جہاں کی تلاش ہے
جو بسا ہوا ہے نگاہ میں اسی آستاں کی تلاش ہے

ہمیں ایسے ویسے سے کام کیا جسے درد دل کی خبر نہیں
جو غم و الم سے ہو آشنا اسی رازداں کی تلاش ہے

ظفر اپنے مونس و ہم نشیں پہ اثر ہوا بھی تو کیا ہوا
جو ہلا دے پایۂ عرش کو مجھے اُس فغاں کی تلاش ہے

چراغِ امید بجھ چکا ہے عجیب عالم ہے تیرگی کا
فسانۂ غم نہیں ہے اپنا یہ ایک ماتم ہے زندگی کا
کہ گود سونی ہوئی کسی کی سہاگ لوٹا گیا کسی کا
تمھیں خبر بھی ہے اس جہاں میں خلوص کی بات کرنے والو
ظفر محبت کے گیت گاؤ بلا سے کوئی نہ اس کو سمجھے
اگر کسی دل پہ ہو اثر تو کمال سمجھو یہ شاعری کا

ظفر کی وفات ۲۳ر جولائی ۲۰۰۵ء/ ۱۷ر جمادی الآخر ۱۴۲۶ھ میں رانچی میں ہوئی۔ مدفون احاطۂ خانقاہ ۲۴ر جولائی۔

ظہیر سہسرامی

(۱۹۲۴ء تا ۱۹۸۴ء)

ماہنامہ سہیل گیا (بھاگل پور کا موجودہ ماحول نمبر) ۱۹۶۹ء میں مرقوم ہے:

''ظہیر احمد ظہیر سہسرامی بن کبیر احمد خاں بن بندہ علی خاں۔ آبائی وطن سہسرام تھا۔ بھاگل پور کے محلّہ مجاہد پور میں بسلسلۂ تجارت مقیم تھے۔ والد بزرگوار کا نام حاجی کبیر احمد ہے۔ فی الحال سہسرام کے ایک محلّہ چوکھنڈی بازار میں قیام ہے۔ شعر گوئی سے فطری دلچسپی رکھتے ہیں

ازل سے ہم قتیل تیغ آبروئے صنم نکلے
ہمارے دل کے ارماں سب تہہ تیغ دو دم نکلے

مٹا دیں سب تمنائیں شب فرقت کے صدموں نے
ہزاروں حسرتوں کی ایک حسرت ہے کہ دم نکلے''

۸ر نومبر ۲۰۰۵ء کو میں ظہیر الدین مرحوم کے مکان پر گیا، ان کے اہل خانہ سے ملا ظہیر احمد

کے والد حاجی کبیر احمد خاں کے لڑکے حضرت مولوی سبحان احمد خاں تھے، جن کے حالات زندگی تاریخ سہسرام از مصلح صفحہ ۱۱۷ پر درج ہے۔ سبحان احمد خاں صاحب علیہ الرحمۃ قاضی محمد عنایت حسین صاحب چریاکوٹیؒ کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے۔ سبحان احمد خاں کے والد بندہ علی خاں عہد غدر کے آدمی تھے۔

ظہیر احمد صاحب میرے استاد بھائی تھے، ماسٹر عبدالرؤف خاں صاحب مرحوم سے انھوں نے بھی پڑھا تھا۔ آخر عمر میں کچہری سہسرام میں ٹائپ کا کام کرتے تھے۔ راقم حاذق سے تعلق اخلاص کا رکھتے تھے۔ ظہیر احمد ظہیر کے تین لڑکے نسیم احمد، قسیم احمد، وسیم احمد ۲۰۰۵ء میں حیات سے ہیں۔ آخر الذکر پاکستان میں رہتے ہیں۔

ظہیر صاحب کی تین لڑکیاں ہیں۔ سربا، منی اور نفیسہ عرف بے بی۔ آخر الذکر سے ملاقات ہوئی۔

ظہیر احمد صاحب کا انتقال تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں ۱۹۸۴ء میں ہوا۔ دیگر معلومات کے لیے دیکھئے قلمی جلد پنجم، ص ۳۱۳۔ بسلسلۂ حضرت سبحان احمد خاںؒ۔

مولوی عبدالواحد خاں سہسرامی

مولوی عبدالواحد خاں صاحب مرحوم سہسرام کے کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے، معلوم نہ ہوسکا البتہ محلّہ چوکھنڈی کے رہنے والے تھے۔

تادم تحریر جو کچھ واقفیت ہے، وہ مولانا ابوالکلام صاحب آزادؒ کے نوشتے کے مطابق ہی حاصل ہوئی۔

عبدالواحد کا عہد طالب علمی

مولانا آزاد مرحوم کے بیان سے معلوم ہوا کہ عبدالواحد خاں صاحب مرحوم مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی کے شاگرد تھے، مولانا چریاکوٹی نے جب غازی پور کے مدرسہ کو خیرباد کہا (جہاں ان سے مولانا شبلی نعمانیؒ نے پڑھا) تو سہسرام تشریف لائے اور مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام

میں صدر مدرس ہوئے، یہ تقریباً ۱۸۹۰ء کی بات ہے، اندازہ ہے کہ انھوں نے بھی ان سے اسی عہد میں پڑھا اور مدرسہ خانقاہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد باہر گئے۔

خاں صاحب کا سال وفات اور ان کا مدفن

اب یہ دیکھنا ہے کہ دونوں میں باہمی ربط کتنے دنوں تک رہا، حسن اتفاق سے آج سے چند سال پیشتر مجھے ایک سہسرامی کی زبانی خاں صاحب کے مزار کا علم ہوا، یہ مزار احاطۂ درگاہ شاہ شمس الحق دیوانؒ واقع محلہ چوکھنڈی سہسرام میں پختہ موجود ہے، لوح مزار پر ایک سنگی کتبہ ہے، جس پر ذیل کے اشعار درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلکتہ سے کب تشریف لائے اور وطن کی سرزمین میں سپرد خاک ہوئے، عبارتِ کتبہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چوں منشی مولوی عبد واحد　　بکلکتہ علامت روش بہ نمود
بظاہر قصد دیدار وطن کرد　　خمیر سہسرامش بود معہود
بدوشنبہ و بست و دو محرم　　ز ہجری سیزدہ صد نوزدہ بود
کہ با پیکِ اجل لبیک گفتہ　　بملک جاودانی راہ پیمود

(مطبوعہ المجیب پھلواری شریف، ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ)

خاں صاحب کا وصال ۱۳۱۹ھ میں ہوا۔ ظاہر ہے کہ ان کے وصال کے وقت آزاد صاحب ۱۴ سال کے تھے، آج دنیا میں ان دونوں میں سے کوئی نہ رہا تاہم ان کی علمی یادگاریں آج بھی زندہ ہیں، خدا ہر ایک کی مغفرت فرمائے۔ آمین

مولوی عبدالحمید شیدؔا سہسرامی

(۱۹۲۹ء تا ۱۸۸۹ء)

نام عبدالحمید تھا اور تخلص شیدؔا فرماتے تھے۔

حلیہ

طویل القد، جسم گٹھیلا مثل پہلوانوں کے، رنگ سانولا، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ قدرے لمبا، سر بڑا، پیشانی اونچی، لباس شروانی، پائجامہ چھوٹی مہری کا۔

خاندان

مولوی عبدالحمید صاحب شیدؔا مرحوم کے والد ماجد اپنے دور کے مشہور طبیب اور شہرہ آفاق معالج تھے۔ سہسرام کا کون ایسا فرد ہے جو ان کے والد حکیم بدرالدین صاحب (محلّہ چوکھنڈی) سے واقف نہ ہو۔ حکیم صاحب بڑے رکھ رکھاؤ کے آدمی تھے، خدا نے علم بھی دیا تھا اور دولت بھی، راجہ مہاراجہ سے بھی اچھے تعلقات تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت دنوں تک سرگجہ مہاراج (راجہ رگھو ناتھ سنگھ دیو، متوفی ۷اء) کے طبیب خاص رہے۔ نیز حکیم صاحب سہسرامی کی انصار برادری کے ممتاز فرد تھے۔

> شیدؔا صاحب کے خاندان خصوصیات میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کے آبا و اجداد کا پیشہ سپاہ گری تھا، اور ان کے خاندان کے مورث اعلیٰ جو ایک غیر مسلم چھتری تھے عہد شاہ جہاں میں ایک سپاہی کی حیثیت سے سہسرام تشریف لائے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اوچھاہل سنگھ بن پریو سنگھ بن حکیم محمد یوسف بن دوست محمد بن عنایت اللہ بن حکیم شمس الدین و حکیم بدرالدین۔

عائشہ بیگم وفؔا سہسرامی

(عہد ۱۹۳۴ء)

نام اور تخلص

عائشہ بیگم نام، وفؔا تخلص ہے، کس محلے کی رہنے والی، کس کی بیٹی اور بیوی تھیں، ہنوز معلوم نہ ہوا۔

ہاں ہفتہ وار ''ہماری زبان'' علی گڑھ یکم دسمبر ۱۹۶۲ء (جلد ۲۱، شمارہ ۴۵، ص ۱) پر اقبال کرشن کے قلم سے ''اردو رسائل کے چند خاص نمبر'' کا تعارف شائع ہوا ہے، جس میں ''یادگار لاہور کے سالنامہ ۱۹۳۴ء جلد ۵، نمبر ۲۵ و ۲۶، بابت ماہ جنوری و فروری، صفحات ۲۰۴ کے تعارف کے ذیل میں ایک جگہ ''حصہ نثر'' میں عائشہ بیگم سہسرامی کا ذکر آیا ہے جن کا کوئی مضمون ''سوتیلی ماں'' کے نام سے اس سالنامے میں شائع ہوا تھا۔

عائشہ بیگم کے سلسلے میں فصیح الدین بلخی اپنی تالیف ''تذکرہ نسواں'' میں لکھتے ہیں کہ

''وفاؔ تخلص اور عائشہ بیگم نام سہسرام کی رہنے والی شاعرہ تھیں، رسالۂ فطرت میں ان کی غزل شائع ہوئی تھی، جس کے تین شعر یہ ہیں:

نکلنا یاد ہے گلشن سے باغباں مجھ کو — میں آشیاں کو روتی ہوں آشیاں مجھ کو

کبھی حرم میں کبھی دیر میں کبھی دل میں — ملا ہے جلوہ نما تو کہاں کہاں مجھ کو

وفاؔ اسیرِ قفس رہ کے چپ رہوں کیوں کر — ستا رہی ہے بہت یادِ آشیاں مجھ کو''

مذکورہ چند اشعار ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ وفاؔ کی طبیعت رسا تھی اور انھیں زبان و بیان پر بھی اچھی قدرت تھی۔

موصوفہ کے علاوہ ۱۹۹۹ء تک مجھے کسی سہسرامی خاتون کا نمونۂ کلام دستیاب نہ ہوا۔

اب تک کی تحقیق کے حوالوں کی روشنی میں بلاشبہ موصوفہ کو سہسرام کی پہلی نثر نگار خاتون اور پہلی شاعرہ کہا جاسکتا ہے۔ ''سوتیلی ماں'' جس نے لکھا شاید اسی چوٹ نے انھیں ادیب اور شاعرہ نہ بنادیا ہو۔ ''آشیاں'' کے قوافی پر ان کے دونوں اشعار کی معنویت مجھے ایسی ہے کہ کسی کے ظلم وستم نے شاید ان کے آشیاں یعنی ماں باپ کا گھر چھڑا دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

''سوتیلی ماں'' ایک مختصر افسانہ ہے۔ زبان سلیس و رواں ہے۔ نمونہ نثر:

''ناصر بیگ کے سات سعیدہ کی شادی کو ہوئے ابھی پورے دو سال نہ گزرے ہوں گے کہ اس کے ایک حسین گلاب کے پھول ایسی لڑکی پیدا ہوئی، اس زمانے میں سعیدہ کی زندگی اس خبر سے بالکل مکدر ہوگئی کہ ناصر کو اس کی شادی سے قبل ایک عورت سے واسطہ تھا اور اس کے بطن سے دو سال کا ایک بچہ بھی ہے''۔ (سالنامہ لاہور، ۱۹۳۴ء، ص ۱۹۰)

مہجور شمسی سہسرامی

مولانا سید عبدالقیوم صاحب مہجور سہسرامی، محل اڈا سہسرام کے باشندے تھے، ان کے والد سید محمد ادریس صاحب انسپکٹر آف پولس تھے۔

مہجور صاحب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ہوئی۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ چلے گے، اور یہیں سے فاضل کیا۔ اس لیے اپنے آپ کو مہجور شمسی لکھتے ہیں۔

فراغت کے بعد گیا ضلع اسکول میں سکنڈ مولوی کی حیثیت سے ملازم ہوئے، بتدریج ترقی کرتے ہوئے، چائے باسا ضلع اسکول میں ہیڈ مولوی کے عہدہ پر پہنچے، یہاں سے منتقل ہوکر ڈالٹین ضلع ہائی اسکول پہنچے، اور عرصہ سے یہاں کی ملازم ہیں۔

مہجور صاحب کو شعر وشاعری کا اچھا ذوق ہے، خوش گلو ہیں، اس لیے نہایت خوش آوازی سے کلام پڑھتے ہیں۔ مجمع مست ہوجاتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ باضابطہ موسیقی کے فن کار ہیں۔ شمس الہدی میں جب تھے، وہاں برابر ہارمونیم پر گایا کرتے تھے، اساتذہ ان کی اس روش سے بہت نالاں تھے۔ مگر ان کا ذوق موسیقی کبھی کم نہ ہوا۔ اب اکثر پٹنہ ریڈیو پر دیکھے جاتے ہیں۔ پٹنہ ریڈیو سے جب بھی آل انڈیا مشاعرہ وغیرہ ہوتا ہے۔ ان کی شرکت لازم ہوتی ہے۔

سہسرام کم ہی آتے ہیں، ناچیز بھی ان سے متعدد بار مل چکا ہے۔ خلیق آدمی ہیں، ایک بار حکیم نجابت حسین سہسرامی نے انھیں اپنے یہاں مدعو کیا تو راقم کو بھی انھیں قریب سے دیکھنے اور کلام سننے کا موقع ملا۔

طبیعتاً مشرقی ہیں مگر وضعاً مغربی، کہنے کو ''مولوی'' ہیں، مگر چہرہ لحیہ سے خالی ہے۔ سینہ میں ایمان رکھتے ہیں۔ البتہ عمل میں کوتاہ ہیں۔ جسم بھی اچھا پایا ہے اور شکل بھی، ایک خوش اخلاق معلم کی حیثیت سے بھی کامیاب ہیں۔ یہ بڑی بات ہے۔

سب سے پہلے ان کے کلام کا تعارف پروفیسر عبدالمغنی سلمہ نے ایک اخبار میں کرایا، جس میں ان کے کلام محاسن کی توصیف کی۔

راقم کی نگاہ میں ان کا کلام اچھا اور پاکیزہ ہے، مگر ان کا اسلوب زیادہ پُرکشش نہیں ہے، جتنی ان کی آواز۔ تاہم جو کچھ کہتے ہیں، لائق توصیف ہے، البتہ ان کی بعض ترکیبیں دل کو کھٹکتی ہیں۔

مؤلف ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' کے پاس کالیہ نواس کے شرما نے مہجور شمسی کے حالات زندگی قلم بند فرما کر بھیجا جس کی روشنی میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے:

''...مہجور اپنی غزلوں کی بعض ایسی بحروں میں جہاں اصلی تخلص مہجور کی گنجائش نہیں ہوتی، اس سے کام چلاتے ہیں۔۱۹۱۴ء سال ولادت ہے۔ابتدائی تعلیم کے بعد ثانوی اعلیٰ تعلیم مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں حاصل کی۔آخری سند فاضل کے بعد انگریزی مضمون ...... پٹنہ یونیورسٹی سے پرنسپل اردو میں بی۔اے کی سند کے درسیات کا سلسلہ ختم کیا اور اپنی تعلیم گاہ مدرسہ شمس الہدی کی نسبت سے شمسی لکھتے ہیں۔۱۹۳۹ء سے بحیثیت اردو و فارسی گورنمنٹ اسکول سے وابستہ ہیں، ۱۹۴۸ء سے ڈالٹین گنج گورنمنٹ سکنڈری اسکول (پلاموں) گیا سے تبدیل ہو کر آ گئے ہیں اور تا حال ڈالٹین گنج میں قیام پذیر ہیں''۔

حضرت مہجور کی زندگی مرنجان مرنج واقع ہوئی ہے، کھانے پینے میں تفریح اور مطالعہ میں وقت کی پابندی کرتے ہیں، سادہ کھاتے ہیں، سادہ پہنتے ہیں، خوش مزاج، ملنسار اور بذلہ سنج ہیں، فٹ بال اور والی بال پہلے کھیلتے تھے۔اب عمر کے لحاظ سے چوّن کے پیٹھے میں ہیں اس لیے صرف کیرم کھیلتے ہیں، اشعار ترنم سے پڑھتے ہیں اور اس سوز وگداز سے پڑھتے ہیں کہ اس عمر میں بھی آپ کی آواز سامعین کے دلوں میں اُتر جاتی ہے، ۱۹۵۴ء سے فشار الدم میں مبتلا ہیں جس نے آپ کو ناتواں کر دیا ہے۔سخت پرہیز اور اوقات کے پابند ہو گئے ہیں، مشاعروں کی دعوتیں اب کم قبول کرتے ہیں تاہم رانچی اور پٹنہ ریڈیو کی دعوت، اگر طبع مائل ہو تو کبھی رد نہیں کرتے، سلامت روی اور بلند کرداری ان کی زندگی کے مستحکم اصول ہیں۔

شاعری میں وہ غزلیں ہی زیادہ کہتے ہیں، غزل کے بعد مختصر قطعات میں اختصار بیان کے ساتھ نادر تصویریں پیش کرتے ہیں وہ اگرچہ کم گو ہیں، مگر خوب کہتے ہیں۔مہجور صاحب کو اپنے صوبہ بہار کے لوگ بھی انھیں صرف مشاعروں کی شرکت کی وجہ سے جان سکے ہیں، رسالوں میں اُن کا کلام کمتر نظر آتا ہے، نہ خود نقل کر کے کسی کو بھیجتے ہیں نہ دوسروں کو نقل کرنے کی اجازت دیتے ہیں، جناب کے شرما صاحب پھر لکھتے ہیں کہ برسوں ہمہ دم مُصر رہ کر میں اُن کی غزلوں کا ایک مختصر انتخاب کرا لینے میں کامیاب ہو گیا جو ''پردۂ ساز'' کے نام سے انشاءاللہ عنقریب اشاعت پذیر ہو گا۔ (راقم کے۔شرما کالیہ نواس، ناشر پردۂ ساز، ڈالٹین گنج، پلاموں)۔

جناب کے۔شرما صاحب نے حضرت مہجور شمسی کی دوغزلیں بھیجی ہیں وہ یہ ہیں:

قتل گہ میں، وہی خونیں جگراں رہتے ہیں — جن کا خوں، دار و رسن پی کے جواں رہتے ہیں
اہل عرفان و یقیں ہیں کہ جہاں رہتے ہیں — وہیں بے شائبۂ وہم و گماں رہتے ہیں
محو آرائش آذر کدۂ حسن و جمال — بن کے ہم شانۂ گیسوئے بتاں رہتے ہیں
خاکسارانِ ازل، عرش نہیں، فرش سہی — خانہ بردوش ہی رہتے ہیں جہاں رہتے ہیں
وہ پرستارِ چمن ہیں کہ خزاں ہو کہ بہار — بے نیازِ خلشِ سود و زیاں رہتے ہیں
جب مسرت نہ رہی، غم بھی گزر جائے گا — جان کر ہم بجہانِ گزراں رہتے ہیں
آ نہ جائے کسی دیوانے کو پتھر کا خیال — جانے کس خواب میں یہ شیشہ گراں رہتے ہیں
چہرۂ وقت پہ رہ جاتی ہے، آنسو کی لکیر — مٹنے والے، کہیں بے نام ونشاں رہتے ہیں

کھل کے دیتا نہیں مہجور کوئی دادِ سخن
کیسی محفل ہے، جہاں اہلِ زباں رہتے ہیں

راقم (حاذق) کے پاس حضرت مہجور کی یہی غزل جو پہلے سے موجود ہے اس کا مطلع اس طرح ہے۔

جن کا خوں پی کے جواں تیر وسناں رہتے ہیں — قتل گہ میں وہی خونیں جگراں رہتے ہیں

یہ مطلع پرمعنی ہے، بخلاف اوپر والے مطلع کے۔

گردشیں بنتی گئیں دورِ جہاں بنتا گیا — اس زمیں پر جانے کب سے آسماں بنتا گیا
قید میں مرغِ تخیل پُرفشاں بنتا گیا — اور قفس، دامِ فریبِ آشیاں بنتا گیا
میرے نغموں سے تو یہ جنت نشاں بنتا گیا — میں غبارِ خاطر ہندوستاں بنتا گیا
خاک روبِ صحن میخانہ رہا ہر تشنہ کام — اور اک اک بغچہ یاں پیر مغاں بنتا گیا
کیسے اب سمجھائیں کہ رمز سرخوشیِ بندگی — ہم جبیں رکھتے گئے اور آستاں بنتا گیا
مرحبا دستِ ہنر اے باغبانِ چارہ گر — گلستاں، اپنے لہو سے گلستاں بنتا گیا
ایک بارِ غم لیے بزم دو عالم میں پھرا — تیری ہر محفل پہ میں بارِ گراں بنتا گیا

وحشتیں، دامن میں سو ویرانیاں رکھتی گئیں
پہلوئے مہجور میں اک گلستاں بنتا گیا

افسرؔ سہسرامی

(۱۴ اپریل ۱۹۱۳ء تا ۱۹۹۳ء)

نام سید عبدالسلام۔ ولدیت شاہ امیر الدینؒ۔ باشندہ محلہ شاہ جمعہ سہسرام۔ تلمیذ وحشتؔ کلکتوی۔

یوں تو عبدالسلام صاحب سے راقم کا تعلق ۱۹۴۳ء سے تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب راقم حاذقؔ اپنے محلہ میں ایک ادبی انجمن بزم ادب کے نام سے قائم کر چکا تھا، اس انجمن کا پہلا نام ''بزم سخن'' تھا، مگر عبدالسلام صاحب کے مشورے کے بعد اس کا نام ''بزم ادب'' رکھا گیا، اور ان کی سرپرستی میں اس کا دستور مرتب کیا گیا، یہ انجمن ۱۹۴۵ - ۱۹۴۵ء تک چلتی رہی۔ انجمن کی جانب سے متعدد مشاعرے بھی ہوئے۔ ایک مشاعرہ عبدالرحمٰن خاں صاحب رئیس شہر کے حیات میں ان کے ہال میں ہوا تھا، جو عوام کی نگاہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

عبدالسلام صاحب مختلف تحریکوں میں رہے، سہسرام میں اشتراکی تحریک کے احیا اور اس کی سربلندی میں بھی ان کا غیر معمولی ہاتھ تھا۔ ۱۹۵۳ء کے بعد سے اس تحریک سے متنفر ہو گئے، اور اس کا واحد سبب جماعت اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ تھا۔

عبدالسلام صاحب انجمن سازی کے امام ہیں، اور ہر دور میں طلبہ کی علمی تربیت کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ سہسرام کی کوئی انجمن بھی ان کے مشورے سے محروم نہیں رہی ہے، اور ہر تحریک نے اپنے دور میں ان سے تعاون کرنا ضروری سمجھا ہے، مقامی حیثیت سے ان کی زندگی کا یہ وصف بہت مشہور ہے۔ مگر مزاج کا تلوّن ان کی ترقی میں مانع رہا۔ یہی ایک کمزوری ان کی معیشت کو نقصان پہنچاتی رہی ہے۔ یہ وصف ان کی حیات کا حصہ تھا۔

عبدالسلام صاحب نے اپنے حالات زندگی بیان فرماتے ہوئے، بیان کیا ''ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اپنے والد سے کچھ دنوں تک اردو، فارسی اور قدرے عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں عالیہ نصاب کے مطابق سال جونیئر ششم تک تعلیم حاصل کی۔ مگر اتفاقاً شاہ محی الدین سجادہ نشیں خانقاہ سہسرام کی بے عنوانیوں کے سبب مدرسہ بند ہو گیا، اس لیے آگے تعلیم جاری نہ رکھ سکا، انگریزی تعلیم کی جانب مائل ہوا، سہسرام ہائی اسکول سے میٹرک کرنے

کے بعد سنز یونیرس کالج کلکتہ میں انٹرمیڈیٹ میں داخلہ لیا، مگر خانگی الجھنوں کی وجہ سے تعلیم ترک کر دینا پڑی کیوں کہ والد صاحب جو سہسرام کے ایک مشہور صوفی اور صاحب طریقت بزرگ تھے، حالت جذب میں مبتلا ہو گئے۔ نتیجتاً تعلیم چھوڑ کر موروثی جائداد اور زمینداری کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ شاعری کا شوق آگے بڑھا تو علامہ وحشت کلکتوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۹۳۷ء میں صداقت آشرم میں مسلم ماس کینکٹیک کے آفس انچارج کی حیثیت سے کام کیا، اپنے چھوٹے بھائی (عبدالقدوس) کے انتقال کے بعد گھر کے کاموں میں بھی لازماً حصہ لینا پڑا، اس کے بعد مختلف سیاسی تحریکوں میں شامل رہ کر ملکی اور قومی خدمت انجام دینے کی کوشش کی۔

عبدالسلام صاحب کو نثر نگاری اور نظم نگاری دونوں کا ذوق ہے۔ پہلے عارف تخلص فرماتے تھے، آج کل افسر تخلص کرتے ہیں۔

نمونۂ کلام

سمجھ رہے ہو جسے اک حجابِ منزل شوق ۔ نشان راہ وہی گردِ کارواں تو نہیں
گنوایئے نہ اسے داستاں سرائی میں ۔ یہ زندگی گل و بلبل کی داستاں تو نہیں

وہ نظر جب نگاہِ کرم بن گئی ۔ صبح عشرت مری شام غم بن گئی

میں وہ آوارۂ منزل ہوں کہ ہر منزل پر ۔ اک نئی راہ سے تجدید سفر ہوتی ہے

بھولتا ہی نہیں وہ کیف نظر کا عالم ۔ زندگی کم تھی جہاں شام و سحر سے پہلے

مجھے حیرت ہے ان کی سادہ لوحی پر جنھیں اکثر ۔ نظر دشمن کی چشم دوستاں معلوم ہوتی ہے

سہارا چاہیے جب کچھ نہ کچھ دنیا میں جینے کا ۔ تو بہتر ہے یہی میں غم کو اپنے جاوداں کرلوں

وقت جو خوابِ تغافل میں گنوایا میں نے ۔ بس وہی وقتِ دعا تھا، مجھے معلوم نہ تھا

۴؍جولائی ۲۰۰۵ء کو افسر مرحوم کے دروازہ پر گیا ان کا لڑکا جاوید ملا، تاریخ وفات بتائی،

۲ر جنوری ۱۹۹۳ء بروز سنیچر۔ نماز جنازہ مفتاح سہسرامی امام محلہ شاہ جمعہ نے پڑھائی تھی۔

جناب مرزا عبدالستار بیگ صاحب

(متوفی ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء)

نام مرزا عبدالستار بیگ، پیشہ مختاری، باشندہ محلہ بارہ دری سہسرام۔

مرزا عبدالستار صاحب شہر کے ایک مشہور رئیس، اور لائق ستائش قانون داں، اور گراں قدر مصنف تھے۔ سہسرام میں نثر نگاری میں ان کا کوئی مثیل نہیں گزرا، نظمیں بھی اچھی کہتے تھے یعنی فارسی قطعات۔ مگر کوئی تخلص اختیار نہیں کیا۔

خاندانی حالات

مرزا صاحب کے والد کا نام مرزا دلدار بیگ بن جلیل بیگ بن مرزا اسحاق بیگ تھا۔

مرزا دلدار بیگ اس خاندان کی مشہور و معروف شخصیت تھے، جھیلم چھاؤنی میں فوجی افسر تھے، غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں انھوں نے فوجیوں کے اندر اس فتویٰ کی تشہیر کی کہ کارتوس میں چربی شامل ہے۔ اسی سلسلے میں انگریزوں نے انھیں اس سال پھانسی دے دی۔ مزار جھیلم ہی میں ہے، جہاں انھیں ''معصوم شاہ اور خاکی شاہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مرزا عبدالستار صاحب کے لڑکے جناب مرزا عبدالجلیل صاحب نے راقم حاذق کو بتایا کہ جس سال دلدار صاحب کو پھانسی دی گئی، اس سال ان کی عمر ۷۰ سال تھی۔

خصوصیات

مرزا عبدالستار صاحب تھے تو مختار مگر قانون دانی میں غیر معمولی مہارت تھی، جرح میں ان کا کوئی مثیل نہ تھا۔ سر علی نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ ''میں نے آپ کے بارے میں جتنا سنا تھا، اس سے زیادہ پایا''۔ موصوف سر علی جیسے مشہور قانون داں ہی کو نہیں، بعض دوسرے مشاہیر قانون داں کو بھی اپنے مقابلہ میں شکست دے چکے تھے۔

ڈالٹین گنج کو مستقر بنالیا تھا، اور وہاں ہی مختاری کرتے تھے۔ نماز کے اتنے پابند تھے کہ ۷ برس کی عمر سے جو نماز شروع کی تو وصال کے دن بھی نماز عصر پڑھ کر راہی ملک بقا ہوئے۔ تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں مرض فالج کا شکار ہو کر مؤرخہ یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو رحلت فرمائی۔ اپنے انتقال سے پہلے خود اپنی تاریخ وصال لکھا، گئے تھے۔ تاریخ وصال خود ان کے لڑکے مرزا عبدالجلیل صاحب نے لکھا تھا، جس کا تفصیلی ذکر آگے آتا ہے۔

حلیہ

حضرت محمد شبیر صاحب پیلی بھیت سے مرید تھے، اور ان کے بڑی ہی عقیدتمند تھے۔

مرزا عبدالجلیل صاحب نے بتایا کہ جس سال والد صاحب کا وصال ہوا، اس سال سہسرام کی چند اہم شخصیتوں کا بھی وصال ہوا تھا، انھیں میں حضرت مولانا محمد قادر بخش صاحب اور میرے چچا مرزا عبدالجلیل صاحب فائق سہسرامی اور رمنیجر ریاست علی خاں شیخ پورہ صاحب اور للّی بابو مختار کے والد بابو مہیش پرشاد مختار سہسرامی بھی شامل ہیں۔

تاریخ سہسرام صفحہ ۱۱۵ میں مولانا مصلح صاحبؒ لکھتے ہیں:

''آپ کو حاجی محمد شیر شاہ صاحبؒ پیلی بھیتوی سے بیعت حاصل تھی، آپ ایک گندم گوں اور وجیہ صورت تھے۔ طبیعت میں سادگی حد درجہ کی تھی۔ عبادت و ریاضت میں بیشتر اوقات گزرتے تھے، آپ کی حاصل زندگی کتاب مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین اوّل و دوم حصہ طبع ہو چکے ہیں، تیسری جلد ابھی نامطبوع ہے۔ خدا کرے وہ بھی جلد چھپ جائے۔ آپ کا وصال ۲۷ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ کو ہوا۔ مزار آپ کا موضع ستار گنج میں کھبے والے بزرگ کے مزار سے دکھن ہے۔ ایک قطعہ آپ اپنی وفات کے متعلق حالتِ مرض میں خود فرما دیا ہے۔ قطعہ

صاحب ذکر واصلانِ خدا　　شد ز دنیا بسوئے ملک بقا
روز ترحیل او بفضل ودود　　بست و ہفتم ربیع الاول بود
ہست ترحیل من بلا شک و ریب　　غفر اللہ لک ز ہاتف غیب''

عبدالقیوم قمرؔ سہسرامی

مولانا حکیم سید احمد اللہ ندوی اپنی تالیف "تذکرہ مسلم شعرائے بہار" جلد چہارم میں لکھتے ہیں:

"حضرت قمرؔ ٹکاروی قصبہ سہسرام ضلع آرہ کے رہنے والے تھے، مگر مستقل طور پر ٹکاری ضلع گیا میں آکر آباد ہو گئے تھے، اردو، فارسی اور عربی میں اچھی تعلیم پائی تھی، آپ ایک اچھے حکیم تھے، شروع میں اپنا کلام حضرت شمشادؔ لکھنوی کو دکھایا، پھر مستقل طور سے علامہ شفقؔ عماد پوری گیاوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ کا انتقال ۱۹۵۴ء میں ہوا۔ نمونہ کلام یہ ہے:

گل کو چمن میں اُلفتِ رخسار ہو گئی — نرگس بھی چشم یار کی بیمار ہو گئی

اب تو مریض عشق کا چہرہ بحال ہے — آمد تمھاری صحتِ بیمار ہو گئی

دوزخ میں لے چلی تھی مری معصیت قمرؔ — رحمت خدا کی میری مددگار ہو گئی

خواب در خواب زندگی ہے قمرؔ — اس سے بہتر مثال مت پوچھو

(تاریخ شعرائے گیا)

قمر صاحب کا اسم گرامی عبدالقیوم تھا، آپ انصاری گھرانے کے فرد تھے، آپ کے والد ماجد ڈاکٹر فیض اللہ صاحب ذی علم آدمی تھے، علوم قدیم کے علاوہ علوم جدید کے بھی ماہر تھے۔ سہسرام کے انصاری گھرانے میں سب سے پہلے ڈاکٹر ہوئے۔ انگریزی تعلیم پائی تھی۔ مہاراجہ ٹکاری کے خاص معالج تھے:

محمد اسحاق صاحب مرحوم محلہ نیم لوہار سہسرام قمرؔ کے اپنے بھانجے تھے، قمر صاحب کا جدی مکان بھی اُسی محلہ میں تھا۔

احمد سلیم محمد اسحاق صاحب مرحوم کے لڑکے ادیب و شاعر دونوں تھے۔ سلیم الدین سلیمؔ سہسرامی، احمد سلیم کے ماموں تھے۔ اسی نسبت سے اپنے کو سلیم لکھتے تھے"۔

۱۹۹۹ء میں کلکتہ سے سہسرام آئے تو ان کے گھر پر ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے

بھائی اختر سلیم سلمہ ریٹائرڈ افسر نے ۲۴ نومبر ۲۰۰۵ء کو بتایا کہ قمر نکاروی کا اصل نام مظاہر قیوم تھا۔ گیانودے کلکتہ میں ہندی سے وابستہ رہے۔ ہندی، اردو دونوں میں لکھتے، کلکتہ ریڈیو پر ان کا فیچر نشر ہوا۔ ہفتہ وار اردو اخبار عالم، فاتح فرخ کی شرکت میں نکالا تھا۔ ترقی پسند ادبا میں شمار تھا۔ نور جہاں، خالہ زاد بہن سے شادی ہوئی تھی۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی، لڑکی کی وفات کی خبر پا کر خود بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

عبدالرزاق صاحب بیخود سہسرامی

عبدالرزاق نام، بیخود تخلص، ولدیت فیض بخش انصاری، تلمیذ نوح ناروی، وفات ۱۹۲۰ء کے بعد۔

فیض بخش صاحب انصاری ایک ذی علم آدمی تھے۔ عرصہ تک کانپور میں...... رہے۔ بیخود صاحب پہلے برہمن ٹولی سہسرام میں رہتے تھے، پھر محلہ مغل پورہ سہسرام چلے آئے۔ مغل پورہ کا محل انھوں نے سادات گھرانے سے خریدا تھا، اور اسی میں رہتے تھے۔ حضرت سلیمان (سلیمان گنج) کی مسجد احاطہ سے متصل دکھن۔

ماسٹر محمد سلیمان صاحب سہسرامی مرحوم مقیم چرکنڈہ (دھنباد) کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ بیخود صاحب مرحوم کی ابتدائی تعلیم الہ آباد میں ہوئی تھی۔ بی۔اے، بی۔ایل تھے۔

حلیہ

رنگ سانولا، دبلے پتلے، قد لمبا، بڑی مہری کا پاجامہ استعمال کرتے تھے، کوٹ اور انور کیپ عمر بھر زیب تن کئے رہتے۔ عمر تقریباً بوقت وصال پچاس سال تھی۔

بیخود صاحب محض شاعر نہ تھے بلکہ ایک اچھے قانون داں بھی تھے، اُورَئی (Aurai) کانپور میں وکالت کرتے تھے، وہیں آنریری مجسٹریٹ بھی ہو گئے تھے۔

بیخود صاحب کی دو شادیاں ہوئیں، پہلے برہمن ٹولی میں رہتے تھے۔

۱۹۲۰ء میں الہ آباد میں ناصری صاحب کی صدارت میں ایک مشاعرہ ہوا تھا، طرح تھی ؎

مگر آساں نہیں ہے نرگس بیمار کا بیمار ہو جانا

بیخود صاحب کو اس مشاعرہ میں میڈل ملا تھا۔ ان کا جو شعر اس مشاعرہ میں مقبول ہوا، لائق مطالعہ ہے:

نشاط زندگی کو گرچہ ہم سمجھے تو یہ سمجھے یہ ایسا ہے کہ جیسے خواب میں بیدار ہو جانا

بہت سے شعرا نے ''خواب سے بیدار'' ہونے کا جو مضمون پیدا کیا وہ اچھوتا تھا۔

مقطع کا شعر کچھ اس طرح تھا:

محیط عشق میں بیخود تلاطم پر تلاطم ہے میسر دیکھئے ہوتا ہے کب تک پار ہو جانا

تلمذ

بیخود صاحب کو حضرت نوح ناروی مرحوم سے فن شاعری میں شرف تلمذ حاصل تھا۔

حضرت مولانا محمد قادر بخش سہسرامیؒ کے سانحۂ ارتحال متاثر ہو کر بیخود صاحب نے ایک نظم لکھی تھی، جس کا ایک شعر یہ تھا:

قصۂ درد، غم و رنج سنانا ہے مجھے آج رونا ہے مجھے اور رُلانا ہے مجھے

بیخود صاحب کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تادم تحریر (۱۸/اکتوبر ۱۹۶۹ء) حیات سے ہیں۔ لڑکے کا نام عبدالوہاب (بی۔اے) جوان دنوں مغربی پاکستان کراچی میں رہتے ہیں۔

بیخود صاحب کی صاحبزادی کی شادی فہیم الدین (بن محمد جسیم محلہ مغل پورہ، سہسرام) سے ہوئی۔

بیخود صاحب چار بھائی تھے۔ بڑے بھائی کا نام محمد صدیق تھا، جو بڑے تھے، اور آخر عمر میں میرے محلہ نورن گنج میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ پھر الہ آباد تشریف لے گئے، اور وہیں رحلت فرمائی۔ چھوٹے بھائی ایم۔پی تھے۔ ایک بھائی فوج میں تھے، امام مظفر صاحب ایم۔بی۔بی۔ایس۔ڈاکٹر ہیں۔ اُورَئی میں مقیم ہیں۔

حکیم علیم الدین احمد سوزاںؔ سہسرامی

نام علیم الدین احمد، تخلص سوزاںؔ، ولدیت مولوی شیخ کمال الدین احمد قادری، ولادت تقریباً ۱۸۷۹ء، وفات ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء، پیشہ طبابت، وطن محلّہ چوکھنڈی سہسرام۔

حکیم سوزاںؔ صاحب عہد جوانی تک سہسرام میں رہے۔ پھر مظفر پور چلے گئے اور اپنی وفات ۳۰، ۳۵ سال پہلے محلّہ لال باغ دربھنگہ نزد ٹاؤن ہال میں پختہ مکان تعمیر کرنے کے بعد وہیں مقیم ہو گئے، اور تاحیات طبابت کرتے رہے۔

دربھنگہ میں فنِ طب کی خدمت کے ساتھ وہاں کے حلقۂ شعرا میں کافی شہرت حاصل کی، اور وہاں کے اساتذۂ سخن میں شمار ہوئے۔

راقم الحروف جب درس گاہ جماعت اسلامی اسلام نگر (متصل رسول پور الپٹی) دربھنگہ صدر مدرس کی حیثیت سے ۱۹۶۵ء میں پہنچا تو اُن سے متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے مجھے میری ولدیت سے پہچانا، اور دعائیں دیں۔ ۸۰ سال سے زاید عمر ہو چکی تھی۔ آنکھوں میں موتیا بند کا پانی آ چکا تھا۔ کم نظری کے سبب مجبور ہو گئے تھے۔

قد لمبا، چھریرا بدن، چہرے پر داڑھی، چہرے سیاہ فام، آواز میں کرختگی اور اندازِ گفتگو میں خود اعتمادی تھی۔ مذہب کے بہت پابند تھے، اور معتقدات میں بہت سخت۔

ایک روز سوزاں صاحب (۱) کی ملاقات کے لیے مولانا ابواللیث صاحب ندوی اصلاحی کے ہمراہ ان کے چھوٹے صاحبزادے انیس الدین صاحب سہسرامی (سابق انسپکٹر آف اکسائز) ان کے مکان پر تشریف لائے تو انھوں نے ہم لوگوں کی چائے سے ضیافت کی۔ پہلے جماعت اسلامی سے بہت بدگمان تھے، اب شدت کم ہو گئی۔ ان کا غیض و غضب بہت مشہور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک روز دربھنگہ کی ایک مجلس میں ایک غیر مسلم بھی شریک تھا، اس نے حکیم صاحب اور دوسرے شرکائے مجلس سے پوچھا کہ اگر ہندو مسلم فساد ہوا تو آپ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے، ایک مسلم رئیس نے کہا، تمھیں معاف کر دیں گے، حکیم صاحب نے فرمایا، تم میرے دوست سہی مگر جنگ کے میدان میں تم میرے سامنے آؤ گے تو تمھاری گردن مار دیں گے، سائل ان کے جواب سے بہت خوش ہوا، اور کہا کہ آپ مذہب کے پابند آدمی ہیں۔ موقع

آنے پر بہت ممکن ہے آپ مجھے معاف کر دیں۔ مگر جنھوں نے مداہنت سے کام لیا ہے تو یقیناً جان مار دیں گے۔

ایک بار حکیم صاحب کسی مشاعرے میں شریک ہوئے، کسی معاصر شاعر نے کسی لونڈے سے ذیل کا شعر پڑھوا دیا، جس پر سوزاں صاحب بہت خفا ہوئے، تاہم یہ شعر بہت مشہور ہو گیا۔

عشق میں سوزاں جلے ایسے کہ کالے ہو گئے بھائی لیلیٰ کے بنے مجنوں کے سالے ہو گئے

سوزاں صاحب کہنہ مشق شاعر تھے، غزلیں اور نظمیں دونوں لکھتے تھے۔

ان کا ایک منظوم رسالہ ''غیض سوزاں'' نظر سے گزرا۔ کل صفحات ۱۶ ہیں، مطبع ادریس چاوڑی بازار دہلی چھپا ہے، اس نظم میں بہار کے مشہور زلزلہ ۱۹۳۴ء/۱۳۵۲ھ کے حالات کو نظم کیا گیا ہے۔ غیض سوزاں تاریخی نام ہے۔ ۱/۲ ۸ × ۱۵ انچ

قطعہ تاریخ زلزلہ ملاحظہ ہو:

غم کی تصویر کیا بنی دنیا زخم خندان بصد کرامت تھا
فکر کتنی ہے آہ سوزاں زلزلہ قہریا قیامت تھا

۱۳۵۲ھ

سوزاں صاحب کا انتقال ۲۹ جنوری ۱۹۶۶ء (۸ شوال ۱۳۸۵ھ) بروز پیر ۶ بجے شام کو فالج کے باعث ہوا۔ لال باغ دربھنگہ میں مدفون ہوئے۔

نمونۂ کلام

کٹی ہے عمر گلوں میں پر اشکبار ہوں میں چمن میں رہ کے بھی نادیدۂ بہار ہوں میں
ریاضِ دہر میں تم بھی ہو میں بھی ہوں لیکن تمھیں ہے چین اور آشفتہ روزگار ہوں میں
مری نمود سے صبح وجودِ شام عدم کبھی خزاں ہوں کبھی جلوۂ بہار ہوں میں
کٹی ہے شمع کی مانند عمر اے سوزاں جہاں میں آج چراغِ سر مزار ہوں میں

(دعوت دہلی، ۳ جولائی ۶۵ء)

آئے تھے جس کے واسطے وہ کام کر گئے ہم داغہائے عشق نبی کھا کے مر گئے
غافل اسی کو عمر کا حاصل شمار کر عشقِ رسول میں جو ترے دن گزر گئے
جس سمت سے گزر ہوا محشر بپا کیا جس پر نظر پڑی اسے دیوانہ کر گئے

دونوں جہاں کے رنج و الم مانگ کر لیے ہم وہ نہیں جو وقت مصیبت کے ڈر گئے
(حسن وعشق ڈہری، مئی جون ۲۹ء)

قتل کر دیجئے ہو جائے تمنا پوری ہے یہی آپ کو منظور تو حجت کیا ہے
نہ یہ نکہت، نہ نزاکت، نہ ملاحت اِس میں برگ گل کو ترے رخسار سے نسبت کیا ہے
زلف پیچاں کا گرفتار ہے سوزاںؔ تیرا پھر اسے طوق و سلاسل کی ضرورت کیا ہے
(مسلم شعرائے بہار)

حافظ عبدالحمید صاحب حسرتؔ سہسرامی

(۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۸ء تا ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء)

میں ۲ر جنوری کو سہسرام پہنچا تو معلوم ہوا کہ ۴ر رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۸ر دسمبر ۱۹۶۵ء بروز سہ شنبہ حافظ عبدالحمید صاحب حسرتؔ (بن عبدالرحیم صاحب انصاری) کا انتقال ہوگیا۔ کفِ افسوس مل کر رہ گیا اور آپ سے آخری ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا۔ موصوف محلّہ چکنیہ ٹولہ (شاہ جمعہ) سہسرام کے رہنے والے تھے۔ طبعی عمر کو پہنچ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ تقریباً اسّی پچاسی سال کی عمر تھی۔

آپ کے صاحبزادے مولانا مولوی عبدالرشید صاحب جو عربی کے چند مروّجہ اور مفید رسالوں کے مؤلف ہیں اور جامعہ عباسیہ رشید منزل بھاولپور (پنجاب، مغربی پاکستان) میں عربی لکچرر ہیں۔ انھوں نے اپنی تالیف میں بطور انتساب ذیل کی عبارت لکھی ہے:

> ''اپنے والد بزرگوار حافظ عبدالحمید صاحب حسرتؔ کے نام جن کی ابتدائی سنگدلی اور مار پیٹ تو میرے حق میں سخت عذاب اور زحمت بنی رہی، لیکن اب جوں جوں سن رُشد کو پہنچتا جاتا ہوں، وہ زحمت کا نقطہ مضمحل اور دھندلا ہوتا جاتا ہے اور اُمید ہے کہ یہ تالیف کردہ زندہ جاوید کتابیں مسلسل رحمت کا ایک مستقل سرچشمہ بنتی جائیں گی''۔

اچھی اولاد والدین کے حق میں صدقہ جاریہ ہے، خدا کرے بیٹے کی یہ نیک آرزو باپ کے حق میں پوری ہو۔

رشید صاحب جب بھی سہسرام تشریف لائے، ان سے ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ پہاڑ جانے کا بھی موقع ملا، پنجابی لب و لہجے میں گفتگو کرتے ہیں۔ عربی روانی سے بولتے ہیں، علمی استعداد اچھی ہے۔

حسرت صاحب مختلف جگہ بسلسلۂ معاش رہ چکے تھے۔ کچھ دنوں امجدیہ ہوٹل کلکتہ میں ملازم تھے۔ جناب امجد علی انصاری محلّہ نیم لوہارو سہسرام کے رہنے والے تھے، ان کا ہوٹل کلکتہ میں مشہور ہوٹل تھا۔

حسرتؔ صاحب اوسط قد سے ذرا کم خمیدہ کمر بزرگ تھے۔ صاف ستھرے کُرتے میں ہمیشہ دیکھے جاتے تھے۔ نحیف الجسم تھے۔ میری دادی ام کلثوم مرحومہ (بنت حضرت مولانا حکیم الحاج حسنؔ علی حسن سہسرامی) کے قریبی رشتہ دار تھے۔ داری مرحومہ کے ساتھ مجھے متعدد بار لڑکپن میں حسرتؔ کے ہاں جانے کا موقع ملا تھا۔ دادی کے ماموں کے بیٹے تھے۔

نمونۂ کلام

کیا مرتبہ ہے واہ رسالت مآب کا — دیباچہ بن کے آئے خدا کی کتاب کا

دم نکلنے دو چلے جاؤ گے جلدی کیا ہے — بے رُخی اتنی بھی اچھی نہیں بیمار کے ساتھ

(گلدستۂ سخن)

وہاں کا ذرّہ ذرّہ مطلع الانوار ہوتا ہے — جہاں روشن نشانِ نقش پائے یار ہوتا ہے

اُسی کو خضر سمجھو کوچۂ جاناں کا تم حسرت — جو رہبر ہر قدم پر نقش پائے یار ہوتا ہے

(آبِ کوثر)

حسرت صاحب کا خاندان شیخ لاہوری کہلاتا ہے۔ اس کی ایک شاخ میں شیخ کرامت علی، شیخ محمد اسمٰعیل، شیخ عبداللطیف تھے۔ دوسری شاخ کے مورث خدا بخش تھے۔ خدا بخش کے لڑکے عبدالقادر، قدرت اللہ، فیض اللہ اور عبدالرحیم تھے اور عبدالرحیم کے لڑکے حافظ عبدالحمید تھے اور عبدالحمید کے لڑکے مولانا عبدالرشید تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا قدرت اللہ کے پوتے حافظ

عبداللہ تھے اور حافظ عبداللہ کے لڑکے مولانا محمد رفیع اللہ شوکتؔ سہسرامی تھے، اردو فارسی پر قدرت تھی، سخن اچھا تھا۔ مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام کے فارغ تھے اور مدتوں چرکنڈہ ضلع دھنباد کی مسجد میں امام تھے اور راقم چرکنڈہ نندلال ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھا۔ ہر نماز کے وقت مولانا سے ملاقات ہوتی تھی اور علمی اور ادبی گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مولانا ضیاء الحسن ضیا کے شاگرد تھے۔ فارسی مولوی وجاہت حسین صاحب سے پڑھی تھی۔ مولانا رفیع اللہ صاحب کی وفات ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔

منشی عبدالحمید صاحب اسدؔ سہسرامی

(وفات ۱۹۳۸ء)

منشی عبدالحمید صاحب اسدؔ سہسرامی محلّہ تکیہ شاہ جلال، سہسرام کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ گھیسو تھا۔ انصاری گھرانے کے فرد تھے۔ قومی حمیت کا جذبہ غیر معمولی تھا۔ تحریکِ مومن انصار میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔

منشی مولا بخش مرحوم (ساکن محلّہ ذکی شہید) اسدؔ صاحب کے بھتیجے تھے۔ اسدؔ صاحب کی متعدد اولادیں ہوئیں۔ محمد اقبال جوان کے صاحبزادے ہیں مشرقی پاکستان (ڈھاکہ) میں ٹکٹ کلکٹر تھے۔

اسدؔ صاحب کی ایک صاحبزادی عبدالرحمٰن صاحب سائل سہسرامی مرحوم سے بیاہی گئی۔ حکیم شفیع الزماں صاحب مرحوم (عطار) بھی ان کے خویش تھے۔

اسد صاحب کا وصال تقریباً ۱۹۳۸ء میں ہوا۔

اسد صاحب کی ایک غزل (۱۰ اشعار) ترجمان مومن انصار بنارس بابت صفر ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوئی تھی، نظر سے گزری، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

گلشن ایوب کے سوکھے ہوئے پودوں کو میں　　سینچ کر خونِ جگر سے لہلہا دوں تو سہی

کون کہتا ہے نثارِ قوم اب کوئی نہیں　　قوم کے خاطر گلا اپنا کٹا دوں تو سہی

برق سے بڑھ کر اثر رکھتی ہے مظلوموں کی آہ　　دشمنانِ قوم کی ہستی مٹا دوں تو سہی

جس قدر آنسو گرے قوم کی خاطر اسدؔ
ان سے ساری قوم کو گوہر بنا دوں تو سہی

ذیل کی نظم جس میں کچھ اسقام بھی ہیں، پروفیسر اظہر حسین صاحب کے ایک بوسیدہ پرچہ (نوشتہ) سے درج کرتا ہوں، جس سے شاعر کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ بے اصلاح ابتدائی دور کا نمونہ ہے، میں اور ہم دونوں ایک ہی نظم میں لکھنا یہاں مدتوں درج رہا ہے۔ یعنی مقامی لہجے میں:

تجھ سا اے قوم زمانے میں تو غمخوار نہیں   لاکھ ہو تجھ پہ ستم ہوتی ہے بیزار نہیں
دل دیا کتنوں کو پر ایک بھی دلدار نہیں   کیا کہوں کس سے کہوں طاقت گفتار نہیں
کوئی سنتا نہیں افسوس کہانی میری
خوابِ غفلت میں کٹی مفت جوانی میری

صرف مسلم ہی نہیں دین کے انصار بھی ہیں   جان دے دینے کو اسلام پہ تیار بھی ہیں
ہیں گنہگار مگر جرم سے بیزار بھی ہیں   کفر کے سامنے بے نیام کی تلوار بھی ہیں
موت کی گھاٹ پر کفار کو پہنچاتے ہیں
عزت اسلام کی رکھتے ہوئے مرجاتے ہیں

سچے مومن ہیں ہمیں دیکھ لو بدکار نہیں   مجھ سے اشرف تو کوئی دوسرا زنہار نہیں
میرا حق سب سے بڑا پھر کہو حقدار نہیں   آپ سے بڑھ کے تو دیکھا گیا غدار نہیں
شرم آتی نہیں مسلم پہ جفا کرتے ہوئے
وائے افسوس کہ بھائی سے دغا کرتے ہوئے

واسطہ اپنا سنو احمد مختارؐ سے ہے   شاخ اس قوم کی ایوبؓ کے گلزار سے ہے
سچی ہمدردی ہمیں حیدرؓ کرار سے ہے   باغ اسلام ہرا آج بھی انصار سے ہے
ہم کو تکلیف نہ دو ورنہ قیامت ہوگی
روبرو احمد مرسلؐ کے ندامت ہوگی

جب سے اسلام کو سینے سے لگایا ہم نے   کفر باطل کو زمانے سے مٹایا ہم نے
بے وطن آئے جو یثرب میں بسایا ہم نے   مال و زر دینِ محمدؐ پر لٹایا ہم نے

میری شمشیر سے دل ہل گیا کفاروں کا
حوصلہ توڑ دیا ہم نے ستمگاروں کا
قوم کیا ڈر ہے تجھے صاحب ایمان ہے تو کسے معلوم نہیں عامل قرآن ہے تو
شان رکھتی تو نہیں واقعی ذیشان ہے تو دینِ سلطانِ رسالت کی فقط جان ہے تو
روز روشن سا چمکتا رہے دمِ خم تیرا
مثل کافور کے اُڑ جائے اسدغم تیرا

جناب عبدالرحمٰن صاحب سائلؔ سہسرامی

۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۰ء تا ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء

نام عبدالرحمٰن تخلص سائلؔ، ولدیت امیر علی صاحب مرحوم، متوطن محلّہ بارہ دری سہسرام۔

سائلؔ صاحب حضرت مولانا فرخند علی فرحتؔ سہسرامی کے بھتیجے ہیں۔ مولانا فرحتؔ تین بھائی تھے۔ احمد علی، امیر علی اور خود حضرت مولانا مرحوم۔ مولانا بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔

سائل صاحب کی پیدائش ۱۹۰۰ء/ ۱۳۲۱ھ تخمیناً ہے۔

سائلؔ صاحب کو شعر و شاعری کا اچھا ذوق ہے۔ تعلیم اپنے چچا کے مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں پائی، مگر فراغت سے پہلے تعلیم ترک کردی۔

سائل صاحب کے ساتھیوں میں مولانا شاہد حسن صاحب سوزؔ ناروی الہ آبادی بھی تھے۔ سوز صاحب کا ایک کتابچہ ''ملکہ تاریخ گوئی'' دفتر اخبار برق جونپور (حسن پریس) سے ۱۹۳۵ء شائع ہوا تھا۔ جس میں سائل صاحب کا ایک مصرع تاریخ، جو انھوں نے اپنے عم مکرم احمد علی صاحب کی وفات پر کہا تھا، درج ہے۔ ع

خلد بریں شاداں ہیں کیا احمد علی

سائل صاحب کا کہنا ہے کہ انھیں ابتدا شعری ذوق مدرسہ کی فضا اور سوزؔ کی معیت سے حاصل ہوا۔

سائلؔ صاحب ابتداً کپڑوں کا بنگال کے علاقے میں کاروبار کرتے تھے۔ ادھر پندرہ

سالوں سے ادرہ (ریلوے سکشن) کے ایک دینی مکتب میں مدرس رہے۔ مگر اب سبکدوش ہو چکے ہیں۔ (علالت کے باعث)

سائل صاحب راقم کے مکان پر ۱۸ر جون ۱۹۶۸ء کو ملے تو معلوم ہوا کہ ان کے اساتذہ سخن میں شوقؔ سہسرامی اور شفقؔ عمادی دونوں قابل ذکر بزرگ ہیں۔

سائل صاحب کا کہنا ہے کہ جب حضرت شفقؔ سہسرام کی پہاڑیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے تشریف لائے تو انھیں اپنا کلام دکھایا، وہ بہت جلد اصلاح فرماتے تھے، تقریباً انھیں دوسو غزلیں دکھائی ہیں۔

تاریخ وفات ۹ر فروری ۱۹۸۷ء/ ۹ر جمادی الآخر ۱۴۰۷ء۔ سائل سہسرامی پر میرا ایک مکمل مضمون بعنوان ''سائل سہسرامی، بہار کا ایک معمر، گمنام شاعر'' سہ ماہی زبان وادب پٹنہ اپریل مئی جون ۱۹۸۷ء میں چھپا ہے۔

نمونۂ کلام

چاند سی صورت کسی کی رہتی ہے پیش نظر — آج کل اپنا مقدر مایۂ صد ناز ہے
داد جو کچھ مل گئی سائل غنیمت جانئے — آپ کی نغمہ سرائی کا ابھی آغاز ہے

مشعل جلا کے ہجر میں سوز نہاں سے ہم — دل کی لگی بجھاتے ہیں اشک رواں سے ہم
بجلی گرا کے خاک نہ کر اے نگاہِ ناز — خود لوٹتے ہیں آگ پہ سوز نہاں سے ہم
آخر یہی جبیں مری ہوگی یہی زمیں — سر کیوں اٹھائیں آج ترے آستاں سے ہم
سائل غزل ہماری ہے یا سحر سامری — اصلاح لیتے ہیں کسی جادو بیاں سے ہم

حکیم عبدالوحید مضطرؔ سہسرامی

(۱۸۷۷ء تا ۱۹۵۷ء)

حکیم عبدالوحید نام، مضطرؔ تخلص، خلف اکبر شہر طبیب حکیم بدرالدین صاحب متوطن محلہ

چوکھنڈی سہسرام۔

حکیم عبدالوحید مضطرؔ نے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی، فن طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔

کچھ روز تک عہد جوانی میں کلکتہ میں طبابت کرتے رہے، طبیعت میں بڑی آزادروی تھی، وضع قطع مشرقی تھا۔

آخر عمر میں مولوی عبدالوحید صاحب گھر ہی پر رہتے تھے، اپنے والد کے ذریعہ سے گزر اوقات کرتے تھے، والد کی وفات کے بعد پریشان رہے، اکثر مزار مدار سیلانی پر فاتحہ خوانی کے لیے جاتے تھے۔ ۱۹۵۷ء میں وصال ہوا۔

وہ ہمیشہ اچکن ڈالے گھر سے نکلتے، ہاتھ میں ایک چھڑی ہوتی، جسے چلتے وقت دونوں ہاتھوں کو پشت کی جانب لے جاکر کمر کے پاس چھڑی رکھتے تھے، جس سے ان کی شان بڑھ جاتی تھی۔

گاہے کسی مریض کو نسخہ لکھ دیتے تھے تو شفا ہو جاتی تھی۔ ان کی اولادوں میں پروفیسر شمس الدین صاحب شمسؔ شیدائی زیادہ ذی علم اور مشہور ہوئے۔

مسلم شعرائے بہار میں ان کو باشندہ سہسرام اور مقیم کلکتہ لکھا، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ شعر گوئی کا شوق عنفوانِ شباب سے تھا۔ قمر گیاوی نے ان کا ایک شعر اسی غزل کا اپنے تذکرہ میں نقل فرمایا ہے۔

مجھے جہاں تک معلوم ہے، آخر عمر میں انھیں شعر وشاعری کا ذوق نہ تھا۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

مریض عشق کو جانے مسیحا کیا دوا دینا ۔۔۔ دیا ہے دردِ دل جس نے وہی جانے شفا دینا

نہ سونے دے گا مرقد میں دلِ بیتاب یوں ہرگز ۔۔۔ مرے پہلو میں اُس کی چھوٹی سی تربت بنا دینا

مری آہِ رسا! راہِ طلب میں ناتوانی سے ۔۔۔ برنگِ اشکِ حسرت جب گروں، مجھ کو اٹھا دینا

بھٹک کر راہ اے دل، وہ چلے ہیں غیر کی جانب ۔۔۔ ذرا بڑھ کر مرے گھر کا انھیں رستہ بتا دینا

بڑھانا آبرو میری جو ہو منظور کشتوں میں ۔۔۔ کبھی آکر مری تربت پہ دو آنسو بہا دینا

ثبوتِ دعویٔ الفت اگر مانگیں تو اے مضطرؔ
دلِ صد پارۂ زخمی جگر اُن کو دکھا دینا

ماسٹر حکیم عبدالحمید

(حیات: ۱۹۳۵ء)

حکیم ماسٹر عبدالحمید صاحب سہسرام کے ایک مشہور طبیب تھے، آپ کے والد کا نام حکیم احمد حسین تھا، جو حکیم جمال الدین صاحب مرحوم کے فرزند تھے۔

حکیم ماسٹر عبدالحمید صاحب ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم دستور زمانہ کے مطابق گھر پر ہوئی، انگریزی تعلیم کے لیے علی گڑھ تشریف لے گئے، وہاں ایک حد تک تعلیم پانے کے بعد ہائی اسکول سہسرام میں ٹیچر ہو گئے۔

طب کی تعلیم اپنے والد محترم سے گھر پر حاصل کی، درس و تدریس کے علاوہ طب میں بھی کافی شہرت پائی۔

چند اجزا سے لوگوں کا علاج کرتے تھے، اور سستی دوا دینے میں مشہور تھے، بہت سے بندگانِ خدا کو ان کی ذات سے فائدہ پہنچا، دست شفا تھے اور صاحب سرمایہ بھی۔

حصول دولت کی طمع میں ان کے بعض رشتہ داروں نے انھیں قتل کر دیا، دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ بہت اذیت کے بعد انھیں لوگوں نے قتل کیا تھا۔

حکیم صاحب کی شادی ان کے عم محترم جناب اکبر حسین صاحب وکیل سہسرام کی صاحبزادی کمال بی بی سے ہوئی تھی۔

حکیم کے خسر اور عم مکرم بھی شاہ جمعہ سہسرام میں رہتے تھے۔ حکیم صاحب کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

۲۱ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو عبدالسلام صاحب افسر نے بتایا، ۱۹۳۵ء میں مقتول ہوئے تھے۔ افسر سہسرامی مرحوم ان کے رشتہ دار تھے۔

حکیم قاضی مولوی عبدالشکور بن شیخ دلاور علی

(وفات: ۱۹۲۵ء)

قاضی مولوی عبدالشکور بن شیخ دلاور علی بن عبدالرحمٰن پہلوان محلّہ کبیر گنج (میاں محل) سہسرام کے رہنے والے تھے۔

آپ کی شادی بی بی رقیہ بنت رئیس الاطبا حکیم مہر علی صاحب محلّہ نورن گنج سے ہوئی تھی، اور حکیم مہر علی صاحب مرحوم ۱۹۲۰ء میں قاضی صاحب مرحوم کو اپنی جائداد کا وکیل مطلق بنا گئے تھے۔

قاضی صاحب کے خاندان میں بعض کاغذاتِ عالم شاہی موجود تھے جسے میں نے دیکھا تھا۔ شجرۂ نسب حکیم مسیح الزماں صاحب مدظلہ العالی کے شجرۂ نسب کے مطابق ہے، اور دونوں خاندان کا سلسلہ ایک ہی بزرگ یعنی غریب اللہ تک پہنچتا ہے۔ تفصیل بھی معلومات افزا ہے، مگر یہاں اس کا نقل کونا مشکل ہے۔

قاضی صاحب اچھے طبیب اور خطیب تھے۔ خطبۂ جمعہ نورن گنج کی مسجد میں مولانا محمد قادر بخش صاحب کے رنگ میں دیتے تھے، بلکہ ان کے خطبہ کا چربہ اپنے الفاظ میں بیان کرنے میں قادر تھے۔ سرائے کی مسجد کے بھی امام تھے۔ قاضی صاحب کی ہمشیرہ بی بی ولیکن مرحومہ کا عقد نکاح مولانا قادر بخش صاحب سے ہوا تھا، جن کے بطن سے صرف ایک لڑکی ہوئی، جس کا نام افضل النساء تھا جو جناب محمد سلیم الدین صاحب (ذکی شہید) کے عقدِ نکاح میں آئی، جس کے حالاتِ زندگی حسن جان خاں صاحب کے حالاتِ زندگی میں گزر چکے ہیں۔

قاضی صاحب اپنے خطہ کے باضابطہ قاضی تھے، لوگوں کا نکاح پڑھا کر قاضیانہ وصول کرتے تھے، انھوں نے جن لوگوں کا نکاح پڑھایا تھا، ان کے اندراجات کا رجسٹر ان کے خاندان کے لوگوں کے پاس ۱۹۶۰ء تک موجود تھا، جس سے بہتیرے افراد کے نکاح کا علم ہوتا تھا۔

قاضی صاحب کو عملیات سے بھی دلچسپی تھی، طبابت کے ساتھ ساتھ دعا تعویذ بھی کرتے تھے۔

قاضی صاحب کا وصال میری پیدائش سے چند سال پیشتر تقریباً ۱۹۲۵ء میں ہوا۔

قاضی صاحب کے صاحبزادے محمد (عرف فقیر محمد عرف فقیرا شاہ) متوفی ۱۹۶۳ء بھی آخر

عمر میں عملیات میں ممتاز تھے۔ جن وآسیب اُتارنے اور مارگزیدہ کے علاج میں شہرت رکھتے تھے۔ اپنے منہ سے سانپ کا زہر نکال دیتے تھے۔ پہلے منہ میں اپنی خود ساختہ دوا لگا لیتے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں کو بنوٹ کا فن آتا تھا۔

قاضی صاحب کی ایک صاحبزادی بسم اللہ مرحومہ تھیں، جن کا عقد نکاح حضرت مولانا فرخند علی صاحب فرحت سہسرامیؒ سے ہوا تھا، جن کے بطن سے ایک لڑکی ہوئی، جس کا نکاح حضرت مولانا ضیاء الحسن صاحب مدرس مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام سے ہوا تھا۔

محمد عمر صاحب کے تین لڑکے، قمر الدین، علیم الدین اور کلیم الدین تھے، صاحب اولاد تھے۔ تینوں وفات پا چکے۔ (۲۰ر اکتوبر ۱۹۹۹ء)۔ ان کے مکانات میرے مکان سے متصل پورب اور اتر تھے جواب ان کے صاحبزادوں کے نام ہیں۔ ان کی اہلیہ کا نام بی بی ظہورن تھا، جو داؤ دنگر کی تھیں، نہایت جمیل وخوبصورت اور حد درجہ دلیر۔ ان کے پوتا پوتی، نواسے کی تعداد اچھی ہے۔

مسرور سہسرامی

(وفات: ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء)

تذکرہ مسلم شعرائے بہار میں ہے:

''سید شاہ محمد عبدالرحیم نام اردو میں مسرور اور فارسی میں اکبر تخلص ہے، جناب سید شاہ محمد عبدالکریم کے خلف اکبر تھے، قصبہ سہسرام ضلع شاہ آباد آرہ آپ کا مسکن تھا، اس قصبہ کے آپ مشہور رئیس اور آنریری مجسٹریٹ تھے، آپ نے علوم ظاہری کی تعلیم جناب راحت سے پائی، جو سہسرام کے باکمال عالم اور شاعر تھے، اور علوم باطنی کی تعلیم اپنے عم مکرم حضرت سید شاہ عبدالرزاق قدس سرہٗ سے حاصل کی اور آپ ہی سے فردوسیہ سلسلے میں مرید ہوئے، آپ نے عربی اور فارسی کی درسی تعلیم کے علاوہ اپنے خداداد ذہن وذکاء اور جودتِ طبع سے ہندی، بنگلہ اور انگریزی بھی سیکھ لی تھی، آپ کی طبیعت کو صنعت سے بھی بہت زیادہ

مناسبت تھی، چنانچہ آپ نے روضۂ شیر شاہ کا ایک ہو بہو نقشہ بانس کی قمچیوں اور تیلیوں سے تیار کیا تھا۔ سیر و شکار سے بھی شوق رکھتے تھے، اور بچپن ہی سے شعر و سخن کا ذوق آپ کو تھا۔ شاعری میں جناب راحتؔ سہسرامی موصوف کے تلامذہ میں تھے، آپ نہایت خلیق، متواضع، منکسر المزاج اور صاحب استقلال واقع ہوئے تھے، اور خاص و عام میں ہر دل عزیز تھے۔ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں رحلت کی۔ ''شاہ عبدالرحیم در جنت'' تاریخ وفات کا مادہ ہے۔ حضرت فریدالدین المعروف حضرت شاہ بوڑھن دیوان رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کی نرینہ اولاد میں خلف اکبر شاہ غلام مخدوم عرف بلّو میاں متخلص بدمست، خلف دوم شاہ محمد یحییٰ متخلص بہ مسحور اور خلف اصغر شاہ معین ہوئے، اور آپ کی ایک دختر سید شاہ محبوب عالم خلف سید فتح عالم کے حبالۂ عقد میں آئیں اور دوسری صاحبزادی کی شادی شاہ ممتاز سے ہوئی، حضرت مسرور کے معاصرین میں حکیم محمد علی صادقؔ سہسرامی، مولوی فرخند علی خندآںؔ سہسرامی اور حافظ کلّو دانشؔ سہسرامی تھے''۔

احمد اللہ ندوی نے مسرور کی معیت کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے جب ان کی عمر بارہ سال تھی اور مدرسہ شریفیہ سہسرام میں زیر تعلیم تھے۔

نمونۂ کلام

نشاطِ زندگی ہے بغل میں یار کا ہونا — فروغِ شیشہ جیسے ہو مئے گلنار کا ہونا
الٰہی ڈر ہے موجِ اشک سے طوفاں نہ برپا ہو — مجھے رُسوا کرے گا دیدۂ خونبار کا ہونا
تصور میں نظر کے سامنے تصویر جاناں ہے — نگاہِ شوق کو مانع نہیں دیوار کا ہونا
نہ منہ پھیریں گے عشّاق ابروئے خونریز قاتل سے — ہمیں منظور ہے گھائل اسی تلوار کا ہونا

انھیں ہے کشتی سے میل مجھ کو خاکساری سے — اٹھائیں تیغ وہ تو میں جھکاؤں اپنی گردن کو
عجب اک چیز ہے مسرور بے فکری جو بس ہوتا — جوانی بیچ کر ہم مول لے لیتے لڑکپن کو

شجرۂ نسب

راقم کو ان کے خاندان کے ایک فرد جناب تمنا سہسرامی (ابن سید اظہار عالم صاحب مختار) سے ان کا نسب نامہ دیکھنے کو ملا، جس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''سید شاہ عبدالرحیم بن سید شاہ حاجی عبدالکریم بن سید شاہ حیم الدین بن سید شاہ محمد اسحاق فردوسیؒ بن سید شاہ غلام محی الدین فردوسی المعروف لالہ بن حضرت دیوان سید شاہ محمد زاہد فردوسیؒ بن حضرت سید شاہ محمد شریف بن حضرت دیوان فرید الدین المعروف بوڑھن دیوان رحمۃ اللہ علیہ۔

عارضۂ بخار میں مبتلا ہو کر ۱۸ر شوال روز شنبہ ۱۳۲۸ھ کو وصال فرمایا''۔

عیسیٰ سہسرامی

(۱۳۲۷ھ تا ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء)

مسلم شعرائے بہار، جلد سوم ص ۲۸۲ نمبر ۵۴۶ سے ان کے مندرجہ ذیل حالات نقل کیے گئے ہیں:

''شاہ محمد عیسیٰ خاں نام، پہلے داغ ثانی بعد عیسیٰ تخلص فرماتے تھے، وطن سہسرام تھا، اوائل عمر میں آپ کو کشتی کا شوق تھا اور فن کشتی میں ماہر تھے اردو کی اچھی استعداد تھی، طبیعت طرحدار پائی تھی، شاعری کا ذوق تھا۔ حضرت محمود سہسرامی سے تلمذ تھا۔ آخر عمر میں حضرت محمود سہسرامی کی وفات کے بعد آپ کے جانشیں حضرت مسعود سہسرامی سے مرید ہو کر پیر کی صحبت اختیار کی اور فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے، فن دعا و تعویذ میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ حضرت عیسیٰ کے معتقدین کانپور، لکھنؤ، بنارس اور اٹاوہ وغیرہ شہروں میں کافی تعداد میں تھے، آپ سیر و سیاحت کے بہت زیادہ دلدادہ تھے۔ ۱۳۸۴ھ میں ستاون (۵۷) برس کی عمر

میں بمقام شہر بنارس آپ کا انتقال ہوا اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ نمونہ کلام یہ ہے:

ملا ہے فیض محمود الحسن سے داغ ثانی کو　　کہ لب پر شعر جو آتا ہے اُستادانہ آتا ہے

لذتِ عیش میں بھی موت کا کھٹکا نہ گیا　　یہ وہ کانٹا ہے جو چبھ کر دلِ انساں میں رہا

یہی مختصر سی ہے روداد عیسیٰ　　پریشانیاں تھیں پریشانیاں ہیں

محمد عیسیٰ صاحب کو راقم نے اچھی طرح دیکھا، فضول گوئی میں استاد تھے، طبیعت میں بے ساختگی حد درجہ تھی۔ آخر عمر بنارس کی دال منڈی میں گزاری، وہاں کی طوائف ان کی بہت معتقد تھیں، ان کے ذریعہ اُن کی دعا و تعویذ کا کاروبار چمکا ہوا تھا۔

محمد عیسیٰ صاحب کے والد ماجد کا نام اصغر علی خاں تھا۔ یہ محلّہ شیخ پورہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔

غزل ہذا محمد عیسیٰ صاحب نے مشاعرہ کاشانہ سہسرام میں ۲۸ نومبر ۱۹۵۰ء کو پڑھی تھی، غزل مجھے فصیح صاحب بانی مشاعرہ سے بیس دن بعد ملی جس میں انھوں نے اپنے کو تلمیذ وجیہ الدین (حشر سہسرامی) لکھا ہے:

اب اتنا بڑھ گیا ہے ربط دل کو کوئے قاتل سے　　نہ ہم سے دور منزل ہے نہ ہم ہیں دور منزل سے
ملے گی پھر حیاتِ جاوداں شمشیر قاتل سے　　تماشا بن گیا ہے آج مقتل رقصِ بسمل سے
کچھ ایسی دل جلی اے ہم نشیں نکلی فغاں دل سے　　کلیجہ تھام کر اٹھنا پڑا اُن کو بھی محفل سے
نہیں کچھ منحصر ہے رونقِ حسنِ گلستاں پر　　نشیمن اپنا روشن ہے ضیائے ماہ کامل سے
مرے غم کی مکمل ترجماں ہے اب فغاں میری　　یہ دولت کم نہیں مجھ کو ملی ہے اُن کی محفل سے
شبِ ہجراں ستم ڈھایا ہے کیا کیا یاد نے اُن کی　　امنڈ آیا ہے دریا آنسوؤں کا چشم بسمل سے
حرم ہی میں نہیں کچھ دیر میں بھی حق کے جلوے ہیں　　یہ دونوں گھر منور ہیں اسی اک شمع محفل سے
مرے داغِ جگر پر رشک کرتا ہے مہِ کامل　　ضیائے حسن پھیکی ہو گئی ہے تابشِ دل سے
حریم ناز کے پردے تھے یا اعجاز تھا اُن کا　　نظر کی آرزو کے حوصلے بڑھتے رہے دل سے
چمن کا گوشہ گوشہ بن گیا ہے حسن کی دنیا　　شباب گل جمالِ انجمن ہے ماہِ کامل سے

جو ہوتے بے خبر وارفتگیٔ شوق سے عیسیٰ
تصور باخبر ہوتا رہِ الفت کی منزل سے

آصفؔ سہسرامی

(حیات: ۱۹۲۴ء)

حکیم عبدالعزیز نام، آصفؔ تخلص۔
افسوس کہ آصفؔ صاحب مرحوم کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں، صرف رسالہ ''حسن وعشق'' سے کلام کا علم وانداز ہ ہوا۔

نمونۂ کلام

معطر پھول ہیں خوشبو سے تیرے حسن سیرت کی　　فدائے گل ہے بلبل یعنی تیرے حسن صورت کی
(حسن وعشق فروری ۱۹۲۴ء)

اثر نرگس مخمور ہے پیمانے میں　　بادہ کشِ مۓ ناب ہے میخانے میں
ترے اندازِ کرم نے کیا گستاخ مجھے　　ورنہ کب تاب تکلم تھی یہ دیوانے میں
منفعل شمع شبستانِ جہاں سوز ہوئی　　آتش اندوز ہوا عشق جو پروانے میں
(حسن وعشق، اپریل ۲۴ء)

فائقؔ سہسرامی

(پیدائش تقریباً ۱۲۶۳ھ، متوفی ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء)

مرزا عبدالمجید نام، فائقؔ تخلص، پیشہ مختاری ووثیقہ نویسی، متوطن محلہ بارہ دری سہسرام۔

فائق صاحب مرزا عبدالستار صاحب مؤلف ''مسالک السالکین'' کے چھوٹے بھائی تھے، والد کا نام مرزا دلدار بیگ تھا، جن کو پھانسی دی گئی تھی۔ خاندانی احوال ان کے بڑے بھائی عبدالستار صاحب کے حالاتِ زندگی میں درج کر چکا ہوں۔

فائق صاحب مرحوم کا پیشہ تو مختاری تھا، سب ڈویژن کے مشہور مختار تھے۔ مگر ان کا علمی ذوق بھی اپنے بھائی جیسا تھا، ڈالٹین گنج میں بھی مدتوں رہے۔ دونوں بھائی جہاں ماہر قانون تھے، وہاں ہی انھیں تصوف کا بھی اچھا ذوق تھا۔ بڑے بھائی نے نثر میں ایک ضخیم کتاب صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی میں لکھ کر شائع کی تو مرزا فائق صاحب نے سہسرام کے ایک مشہور عالم دین مولانا محمد فرخند علی صاحب خنداںؔ انصاری سہسرامی کی ایک نثری تالیف ''چمنستانِ سرور'' کو نظم کا جامہ پہنا کر کتاب کو عوام کے لیے دل پسند بنانے کی سعی فرمائی۔

مرزا فائقؔ صاحب اپنے عہد کے مشہور پیر طریقت اور بے مثل شاعر حضرت نیاز احمد صاحب نیاز بریلویؒ کے ہاتھ پر شرف بیعت حاصل کر چکے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی طبیعت میں بھی تصوف رچ بس گیا تھا۔

مرزا فائق صاحب کی کوئی اولاد نہ تھی، جس کا انھیں قلق تھا۔ ایک جگہ خود فرماتے ہیں:

اب مرنے کے عنقریب ہوں میں اولاد سے بے نصیب ہوں میں

فائق صاحب جہاں اچھے قانون داں تھے وہیں اچھے وثیقہ نویس بھی تھے۔ وثیقہ نویسی میں اُن کا کوئی مثل نہ تھا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ انھیں اس فن کے ذریعہ پانچ پانچ ہزار روپے بطور محنتانہ حاصل ہوئے، مرزا الطاف حسین صاحب مرحوم متوطن محلہ بارہ دری سہسرام اُن کے فن وثیقہ نویسی میں شاگرد تھے۔

حکیم مولانا محمد علی صاحب صادقؔ مرحوم فائقؔ کے دوستوں میں تھے۔ صادقؔ نے فائق کے پیشہ کے متعلق ذیل کا شعر کہا ہے:

مشفق شفیق مرزا عبدالمجید فائق مختار سب ڈویژن سرچشمۂ فضیلت

کہا جا چکا ہے کہ فائق صاحب صاحبِ تصنیف بزرگ تھے، اُن مثنوی ''خزینۃ الحقائق'' کے نام سے دوبارہ چھپ چکی ہے۔

پہلی بار یہ کتاب مطبع قیصر ہند الٰہ آباد سے ۱۸۹۹ء (مطابق ۱۳۱۷ھ) میں چھپی۔ کل صفحات ۱۸۴ ہیں۔

فائق صاحب کو غزل گوئی کا شوق کہاں تک تھا، معلوم نہ ہوا، البتہ فارسی قطعات کہتے تھے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ گوئی پر بھی قدرت تھی۔ گویا اردو اور فارسی دونوں میں نمونۂ کلام ملتا ہے۔

نمونۂ فارسی کلام

''خزینۃ الحقائق'' پر اُن کی کہی ہوئی، تاریخ بھی درج ہے، ایک شعر ملاحظہ ہو:

فائق ...... از گلشن ایں چند گل بہر سنش　　ناز و نیاز حسن و عقل الطاف و ساز عشق و نفس

۱۳۱۷ھ

میلاد دل پذیر مؤلفہ شیر میر خاں صاحب بیتاب سہسرامی سے ذیل کا قطعہ تاریخ نقل کیا جاتا ہے:

منت خدائے را کہ بہ آوانِ عز و جاہ　　شیر دلیر بیشۂ تمکین و امتناں
سر دفتر ریاست و مرد از دی وقار　　عالی ہمم امیر مہمیں شیر میر خاں
تالیف کرد نسخۂ مطبوع و دل پذیر　　در ذکر پاک مولد پیغمبر زماں
آمد نوید ہاتف غیب از سر یقیں　　میلاد سرور عرب و شاہ انس و جاں

دیگر

مہمین منزلت مولوئ شیر میر امیر سر افراز عالی نسب
چو فرمود تالیف ایں نسخہ بہ ذکر شہنشاہ امی لقب
ز فائق شد ایں سال تالیف او　　زہے ذکر میلاد مطلوب رب

۱۳۱۶ھ

قمر گیاوی مرحوم نے ''آب کوثر'' میں لکھا ہے کہ میں نے فائق کی قلمی مثنوی ''گلدستہ معرفت'' دیکھی، یہ بعد میں طبع بھی ہو چکی ہے''۔

غالبًا یہی وہ مثنوی ہے، جو بعد میں ''خزینۃ الحقائق'' کے نام سے شائع ہوئی۔ قمر صاحب نے گلدستہ نسیم سحر (گیا) مطبوعہ ۱۹۰۲ء کے حوالے سے فائق صاحب کے دو اشعار اپنی قلمی یادگار ''آبِ کوثر'' میں نقل فرمائے تھے، جو راقم کی نظر سے بھی گزرے تھے درج کیے جاتے ہیں۔

اے طائر دل شاخ تمنا پہ ہے بیٹھا　　اک تیر نظر پھیک دے او ترک ادھر بھی

جو حد سے بڑھا جلد گھٹا صورتِ سیماب ہے سود کے پردے میں یہاں شکل ضرر بھی

فائق صاحب کے بھتیجے مرزا عبدالجلیل صاحب (وکیل) نے راقم سے اپنی حیات میں فرمایا تھا کہ ''فائق کا انتقال ۱۹۱۹ء میں ہوا''۔ فائق صاحب نے اپنے بڑھاپے اور بے اولاد (اولادِ نرینہ) ہونے کا ذکر ایک شعر میں کیا ہے، عمر تقریباً ۶۲ سال تسلیم کی جائے تو سال پیدائش تقریباً ۱۲۶۳ھ ہوگا۔

عزیزؔ سہسرامی

(حیات: ۱۹۳۵ء)

ابوالعالی حافظ عبدالعزیز نام، عزیزؔ تخلص، شاگرد احقر سہسرامی۔
قمر گیاوی نے اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا۔

نمونۂ کلام

چھیڑتے ہیں گلرخوں کو گالیاں دیتے ہیں لطف کیا جانے کوئی اس جرم، اس تعزیر کے
سرخرو رکھے خدا مقتل میں تم کو اے عزیزؔ امتحاں وہ آج لیں گے عاشقِ دلگیر کے
(آبِ کوثر)

عطاؔ سہسرامی

(حیات: ۱۹۲۲ء)

حکیم محمد عطا کریم نام، عطاؔ تخلص، بن حکیم مہر علی صاحب انصاری سہسرامی، متوطن محلہ نورن گنج سہسرام۔

عطا صاحب اپنے والد حکیم مہر علی صاحب مرحوم کے وصال کے بعد راجہ رام نگر بنارس

کے معالج رہے۔اپنے وقت کے اچھے طبیب تھے۔

عطا صاحب کے جانشیں اُن کے صاحبزادے مولوی حکیم نعیم الدین صاحب نعیم ہوئے، باپ بیٹے دونوں کو شاعری کا ذوق تھا۔

قمر گیاوی مرحوم نے عطا صاحب کو ۱۹۲۲ء میں سنا تھا، انھوں نے لکھا ہے کہ ''جناب مشتاق بنارسی (رام نگر بنارس) کے شاگرد تھے، پیشہ طبابت تھا''۔

عطا صاحب کے پوتے حکیم وسیم الدین صاحب شارقؔ اور جمیل احمد صاحب شاداںؔ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔

نمونۂ کلام

آئی جو دمِ نزع تری یاد ستانے صورت مجھے دکھلائی وہیں آ کے قضا نے

حکیم نعیم الدین کے چار لڑکے تھے حکیم وسیم الدین، شمیم الدین، جمیل احمد شاداںؔ اور کفیل الدین۔

جمیل احمد شاداںؔ کی شادی ڈاکٹر نجابت حسین مرحوم اور ڈاکٹر وجاہت حسین، نورن گنج سہسرام کی بہن نور جہاں سے ہوئی تھی، جس کے بطن سے دو لڑکے ۲۰۰۵ء میں حیات سے ہیں۔ جمال احمد اور اخلاق احمد۔

شاداں کو اوائل جوانی میں شعر گوئی کا ذوق تھا، افسوس کہ ان کے دادا اور والد اور بھائی کے کلام کا بڑا حصہ دستیاب نہیں۔

شاداں بزم ادب سہسرام کے ایک مشاعرہ مطب حکیم لیاقت حسین مرحوم نورن گنج میں شریک تھے اور غزل پڑھی تھی۔

اسی انجمن بزم ادب کے ذیل میں کسی وقت یہ شعر کہا تھا، جو مجھے یاد رہ گیا

پوچھتے پھرتے ہیں بزمی سے کہ دفتر ہے کہاں دفتر تو میرے دل میں ہے اور انجمن بنگلے میں ہے

اس شعر میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

تیغ سہسرامی

(تقریباً ۱۸۴۵ء تا ۱۹۳۰ء)

حافظ علی احمد نام تخلص تیغ، ابن کالے خاں، باشندہ محلہ باغ بھائی خاں سہسرام۔ راحت سہسرامی کے شاگرد تھے۔

قمر گیاوی نے لکھا ہے کہ ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں تھے۔ تاریخ وفات ہنوز معلوم نہ ہوئی۔ مگر لوحِ مزار کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۰ھ تک یقیناً حیات سے تھے، جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

نمونۂ کلام

تو وہ ہے ساقی سرمست میں تیرے صدقے ترا کرم ہو تو پیری میں بھی شباب رہے
اے تیغ لڑکپن تھا یہ دن تھے محبت کے کیوں اٹھتی جوانی میں روگ لگا بیٹھے

تاڑی میں سہسرام کے لطف و سرور ہے پاسن کا گھر بہشت ہے پاسن ہی حور ہے

پکڑ کے پیر مغاں نے بزور مٹھی میں غریب تیغ کو بھی آج بادہ خوار کیا
(آبِ کوثر)

تیغ مرحوم کا ایک قطعہ مولانا حکیم محمد علی صاحب مرحوم کے لوح مزار پر ہنوز کندہ ہے، جو راقم کی نظر سے گزرا۔ یہ مزار درگاہ تلے جاتے ہوئے سڑک سے اتر جانب ہائی اسکول سے متصل دکھن جانب ہے، کتبۂ مزار کے پتھر پر کندہ ہے:

دریغا چو شیخ محمد علی طبیب و فقیہ و مشیخت پناہ
بتاریخ بست و نہم ماہ حج بوقت ظہر خوش بیادِ الٰہ
این حجرہ شدہ رونق افزائے خلد برید از جہاں رشتۂ رسم و راہ
بلوحِ مزارش رقم کرد تیغ فنا شد باللہ آخر چو آہ

۱۳۱۹ھ

تیغ مرحوم کا ایک قطعہ رحلت شیخ محمد جان صاحب بزاز محلہ باغ بھائی خاں کے قبرستان واقع تکیہ مدار سیلانی میں ایک مزار پر لگا ہوا ہے، سال وفات ۱۳۳۰ھ درج ہے، راقم نے اس کو دیکھا، مگر پوری طرح پڑھا نہ جا سکا، اس کتبہ سے معلوم ہوا کہ تیغ صاحب ۱۳۳۰ھ تک یقیناً حیات سے تھے۔

تیغ صاحب زمیندار تھے اور کالے خاں کے لڑکے تھے، حافظ علی احمد خاں تیغ صاحب اوسط قد، گداز بدن، مشرقی وضع قطع کے دبنگ آدمی تھے، شیرو اور کھبو محلہ بارہ دری کا ایک موضع گھٹکن تھا جو مصری پور کے قریب ہے، حافظ صاحب اس موضع کے خود مختار تھے۔ شیرو اور گھبو صاحبان نے ان کو موضع مذکور کا مالک بنا دیا تھا، جن کی مساعی سے غلے وغیرہ حاصل ہو جاتے تھے۔ اپنی وفات کے وقت موضع مذکور کو انھوں نے اصل مالکوں کے نام درج کر دیا۔ نیز ابو مسعود خاں محلہ بارہ دری اور فیاضو خاں محلہ پٹھان ٹولی کی زمینداری اور کاشت کی بھی دیکھ بھال کرتے تھے۔

حافظ علی احمد خاں صاحب کے چند لڑکے ہوئے، ایک کا نام مولوی ولی احمد خاں تھا جو مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے فارغ التحصیل تھے، اور موضع مرچا گڑھ ضلع مظفر پور میں کسی اسکول میں سرکاری معلم تھے۔

نیز معلوم ہوا کہ حافظ صاحب مرحوم نے سہسرام کے متعلق کوئی کتاب لکھی تھی، اور جناب عنایت کریمؒ چریا کوٹی سے بیعت تھے، حافظ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے مرشد کے کوئی مرید سہسرام آئے اور حافظ صاحب کی مذکور قلمی کتاب بطور یادگار اپنے ساتھ چریا کوٹ لے گئے۔

مولوی ولی احمد صاحب مرحوم کے بالترتیب پانچ لڑکے ہوئے۔ امین احمد خاں مرحوم، مسیح احمد خاں، بشیر احمد خاں، مشتاق احمد، ممتاز احمد خاں مرحوم۔ تین لڑکے ۱۹۷۰ء تک حیات سے تھے۔ بشیر الدین صاحب حاذق سے تعلق وتعارف تھا۔

حافظ صاحب کے انتقال کے چھ ماہ بعد ان کے لڑکے مولوی ولی احمد خاں صاحب کا بھی وصال ہو گیا، حافظ صاحب کی عمر بوقت وصال تقریباً اسی سال تھی۔ وصال تقریباً ۱۹۲۵ء میں ہوا۔

حافظ صاحب کے ایک پوتے کی زبانی ان کے دو شعر معلوم ہوئے:

چراغِ طور کا پروانہ ہوں میں رسول اللہ کا دیوانہ ہوں میں
نہ چھیڑو قبر میں مجھ کو نکیرو رسول اللہ کا دیوانہ ہوں میں

معلوم ہوا کہ حافظ صاحب کے ایک شاگرد نبی خاں محلہ املی آدم خاں تھے جو ان کے رشتہ

میں سالہ ہوتے تھے، اکثر حافظ صاحب کے پاس تشریف لاتے تو مذاقاً ان کا یہ مصرع گنگناتے ع

نہ چھیڑو قبر میں مجھ کو نکیرو !

حافظ صاحب نے تنگ آکر فرمایا، تم میرے پاس برابر یہی مصرع کیوں پڑھتے ہو، مجھ کو منکر نکیر سمجھتے ہو۔

بشاش سہسرامی

(حیات: ۱۳۱۷ھ)

حکیم شیخ عبدالعلی نام، بشاش تخلص، بن مولوی شیخ غلام نبی مرحوم، شاگرد مولوی حسن علی خاں راحت سہسرامی۔

بشاش صاحب محلہ پٹھان ٹولی کے رہنے والے تھے، ڈالٹین گنج پلاموں میں طبابت کرتے تھے، شعر گوئی کا بھی ذوق تھا، ''گلدستہ معرفت'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا، جو ۱۵ر فروری ۱۹۱۶ء میں مطبع حکیمی...... انجمن کٹرہ کلکتہ میں چھپا تھا، قمر گیاوی مرحوم نے اس کی گلدستہ کو دیکھا تھا، ''ان کا کہنا ہے کہ اس میں بہت سے اسقام وعیوب تھے''۔ تاہم ان کے کچھ اشعار بہت صاف ہیں، نمونۂ کلام یہ ہے:

مجھے وہ جام دے ساقی شرابِ ارغوانی کا — کہ باقی نشۂ پیری تک رہے جوشِ جوانی کا

کیا تاب، سنگ ریزۂ طیبہ کے ہوں عدیل — بشاش گر صدف میں دُرِ شاہوار ہوں

کوئے جاناں تک اگر اپنی رسائی ہوتی — ہاتھ میں کاسۂ سر لے کے گدائی ہوتی

وصل کی شب رہے خاموش اسی کے باعث — بات جو منہ سے نکلتی وہ پرائی ہوتی

یاد میں اک برق وش کی روتے روتے مر گیا — قسمتِ بشاش میں تھی یہ قضا برسات کی

نمونۂ فارسی

والا گہر بلند مکاں شیر میر خاں تالیف کرد نسخۂ بس قابل شنفت
د ذکر خیر مولد سلطانِ انبیا در سلکِ نظم درِّ معانی چہا بسفت
منقوط را بگیر کہ بشاشؔ بہر سال ذکر جمیل خواجۂ ہر دوسرا بگفت
نسخہ ہر دل عزیز از شیر میر آمدہ در ذکر خیر الانبیا
ہر کہ او را دید یا بشنید گفت لوحش اللہ آفریں صد مرحبا
فکر کردم چوں برائے سال آں از سروش غیب آمد ایں ندا
خوش بگو بشاشؔ در منقوطہ سال
حبّذا میلادِ محبوبِ خدا

۱۳۱۶ھ

تاریخ اطبائے بہار جلد دوم مؤلفہ مولانا حکیم اسرار الحق مرحوم نے بحوالہ مسلم شعرائے بہار جلد اوّل سے یہ عبارت نقل کی ہے:

''حکیم مولوی شیخ عبدالعلی بشاشؔ سہسرامی، ولدیت مولوی شیخ غلام نبی مرحوم سکونت سہسرام ضلع رہتاس، مولوی حسن علی خاں راحتؔ سہسرامی کے شاگرد تھے، فارسی عربی کے علاوہ طب میں دستگاہ رکھتے تھے، مدت تک قصبہ ڈالٹین گنج ضلع پلاموں میں مطب کرتے رہے۔ ''گلدستہ معرفت'' آپ کی تصنیف ہے۔

نمونۂ کلام یہ ہے:

مجھے وہ جام دے ساقی شرابِ ارغوانی کا
کہ باقی نشہ پیری تک رہے جوشِ جوانی کا

مثالِ اشک گر کر خاک سے ہم اٹھ نہیں سکتے
یہ عالم ہو رہا ہے اپنے ضعف و ناتوانی کا''

قمرؔ گیاوی نے صرف پہلا شعر لکھا، یہاں دو شعر درج ہے۔ ''میلاد دل پذیر'' پر بشاشؔ سہسرامی کا قطعہ مرقوم ہے جس سے علم ہوتا ہے کہ بشاشؔ مرحوم ۱۳۱۷ھ تک حیات سے تھے۔

مولانا شمس الضحٰے صاحب شمسؔ سہسرامی مرحوم بھی محلہ چوکھنڈی سہسرام کے خاندانی مکان

سے منتقل ہوکر ڈالٹین گنج میں جا بسے، بشاش سہسرامی کے نواسے تھے۔

اسدؔ سہسرامی

(حیات: ۱۹۳۱ء)

شیخ عبدالحمید انصاری نام، تخلص اسدؔ تھا، ان کے والد کا پکارو نام شیخ گھیسن تھا۔ سہسرام کے مشہور استاد سخن حضرت شیداؔ سہسرامی کے شاگرد تھے۔ نواب قمر گیاوی مرحوم کی بیاض ''آب کوثر'' سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں حیات سے تھے۔

نمونۂ کلام

عشق کی منزل اسد مانا بہت دشوار ہے ہ اس کا طے کرنا بھی تو ہے کام آدم زاد کا

کمسنؔ سہسرامی

(حیات: ۱۹۲۳ء)

شاہ محمد عبداللہ نام، کمسنؔ تخلص۔ کس محلّہ کے رہنے والے تھے معلوم نہ ہوسکا۔

ماہنامہ 'تاج' گیا، جنوری ۱۹۲۳ء میں ذیلی غزل شائع ہوئی تھی:

دکھلایا اثر ہائے دعا نے نہ دوا نے ہ منہ پھیر لیا تیرے مریضوں سے شفا نے

دیکھی جو مری نبض لگے اشک بہانے ہ ڈوبی ہوئی کشتی کو چلے اور ڈبانے

اللہ رے اٹھاتے ہیں وہ سینہ سے لگا کر ہ کیا کام نکالے ہیں مری لغزش پا نے

معلوم نہیں چھین لیا کس نے مرا دل ہ ظالم کے خط و خال نے یا زلفِ دُتا نے

چھنوائی کبھی خاک کبھی ہم کو رُلایا ہ کیا کیا نہ کیا مجھ پہ ستم تیری ادا نے

کس شان سے بکھرائے ہیں وہ دوش پہ گیسو　　کس شان سے گھیرا ہے مجھے آج بلا نے
آ کر دم آخر تو ذرا شکل دکھا دو　　دم لینے کو بیٹھی ہے اجل میرے سرہانے
کمسن میری بربادی کا کچھ حال نہ پوچھو
مٹی میں ملایا ہے حسینوں کی ادا نے

شاباش
(عہد ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء)

مشاہیر شعرائے سہسرام میں ہے:

''محمد عبدالحفیظ نام شاباش تخلص۔ اپنے والد حکیم عبدالعلی بشاش کے شاگرد تھے۔ شیر شاہی پنڈ کے مغربی سمت میں آپ کا مزار ہے۔ پڑھے لکھے آدمی تھے، موت جواں مرگ ہوئی۔ ایک رسالہ میلاد میں چھپ چکا ہے، جس کا نام ''باقیات صالحات در میلاد سید کائنات'' چند شعر بطور انتخاب کلام ہدیۂ ناظرین ہے:

داغِ عشق مصطفٰے کو دل میں جا دوں تو سہی　　غنچۂ دل کو گل و لالہ بنا دوں تو سہی

بیمار مصطفٰے کو نہ زحمت ہوئی کبھی　　عیسیٰ کا بھی علاج نہ کچھ کارگر ہوا
حاجت نہیں ہے عاشق حضرت کو خضر کی　　سوئے مدینہ شوق مرا راہبر ہوا

حور کو بھول کے دیکھے گا نہ وہ جنت میں　　آپ کے نور منور کا جو مائل ہو گا

جذب دل کھینچ ہی لے جائے گا طیبہ میں اُسے　　کیا ہوا ہند میں گر لاش کو دفناتے ہیں

خنداں سہسرامیؒ کی ایک کتاب، جس کا نام ''چمنستانِ سرور'' ہے اور جس کا موضوع تصوف ہے، ایک عمدہ عبرت خیز مثنوی ہے، پر شاباش کا نام مولوی حفیظ مرقوم ہے۔ راقم حاذق کی نظر

سے مذکورہ کتاب ''باقیات صالحات در میلاد سید کائنات'' نہیں گزری۔

''چمنستان سرور'' ۱۹۰۸ء میں لکھی گئی تھی، جب شاباش سہسرامی زندہ تھے۔

واضح رہے کہ شاباشؔ کے والد بشاشؔ ایک مشہور طبیعت تھے اور محلہ پٹھان ٹولی کے رہنے والے تھے، اور انصاری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ''چمنستان سرور'' کو پڑھ کر ضرورت ہے کہ بہار میں جتنی مثنویاں لکھی گئیں اور شائع ہوئیں ان کا باہم تقابلی مطالعہ کر کے اس کا جن مثنوی میں درجہ اور مقام متعین کیا جائے، تنقید نگار توجہ دیں، یہ کتاب خدا بخش لائبریری میں داخل ہو چکی ہے۔

مولوی حکیم عبدالقادر قدس سرہ العزیز

مولوی حکیم عبدالقادر ساکن محلہ باڑہ سہسرام، راقم کی دادی ام کلثوم بنت حکیم مولانا الحاج حسن علیؒ کے قریبی رشتہ کے بھائی تھے، میری پیدائش ہوئی تو تشریف لائے اور مجھے دم کیا۔ دادی سے یہ بھی سنا کہ اجنہ ان کے مرید و معتقد تھے۔ ان کا نکاح اور جنازہ پڑھاتے تھے، انھیں میاں جی قادر بخش بھی کہتے تھے۔ شہر میں یہی مشہور ہے۔ مزار مسجد باڑہ کی شمالی دیوار سے متصل احاطے میں ہے، اور قبر سنگ مرمر پر درج ہے۔

لوحِ مزار

شیخ عبدالقادر خلوت گزیں بود ملک فقرا و بادشاہ
در رضا و صبر یکتا جہانے شکل اُو کہ شام و پگاہ
بہر جسم و جاں طبیبے کاملے میر...... از مرض در یک نگاہ
روز جمعہ ہیفس رمضاں بود کز جہاں گشتم رواں سوئے اللہ
فکر سال رحلتش فرحتؔ چو کرد گفت درویش کامل رفت آہ

۱۳۴۸ھ

از نتیجہ فکر جناب مولوی محمد فرخند علی صاحب فرحتؔ سہسرامی کاتب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب

میاں جی قادر بخش صاحب مجاز بزرگ اور خلیفہ تھے، ان کے مرید خاص مولوی عبدالحمید

مرحوم مدرسہ فیض الغربا نورن گنج تھے، راقم انھیں چچا کہتا تھا۔ مشہور معلم تھے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد وفات پائی۔

سحرؔ سہسرامی

(پیدائش ۱۹۳۰ء)

عبدالستار انصاری نام تخلّص سحرؔ، ولدیت شیخ محمد قادر بخش انصاری متوطن محلّہ تکیہ شاہ جلال سہسرام۔

سحرؔ سہسرامی کی تعلیم زیادہ نہیں ہے، اردو ادب کے مطالعہ اور جناب سلیمؔ سہسرامی کی معیت نے ان کو شاعر بنا دیا، ابتدأ کلکتہ میں وہ سلیم سہسرامی کا کلام وہاں کے مشاعرے میں پڑھتے رہے، پھر خود شعر کہنے کی طرف مائل ہوئے، اور سلیم سہسرامی سے اصلاح سخن لینے لگے، سلیم سہسرامی نے ان کے ذوق اور اپنی مصروفیت کے پیش نظر انھیں مشورہ دیا کہ کسی اچھے شاعر سے وابستہ ہو جایئے، سحرؔ کی نظر انتخاب جناب جرمؔ محمد آبادی پر پڑی، اب انھیں سے اصلاحِ سخن لیتے ہیں، اور کلکتہ میں کسی حد تک مشہور ہو چکے ہیں، ان کی بعض غزلیں چھپ بھی چکی ہیں، عمر ۷۰ء میں تقریباً ۴۰ سال ہے۔ ان کی غزلوں کو کلکتہ کے قوال زیادہ گایا کرتے تھے۔ کلکتہ میں ان کی پان کی دکان پری سنیما کے پاس تھی۔

سحرؔ سہسرامی نے ذیل کی غزل سہسرام کے مشاعرہ منعقدہ محلّہ نیم لوہار سہسرام میں ۱۵ر مارچ ۱۹۵۲ء کو طرح پر پڑھی، جو درج کی جاتی ہے:

کیوں ہوش سے اپنے بیگانے دیدار کے خواہاں ہوتے ہیں
کیا چہرے سے پردہ اٹھنے کے آثار نمایاں ہوتے ہیں

یہ طرفہ قیامت تو دیکھو اُس شوخ نظر کے عشوے بھی
ترچھے ہوں تو خنجر بنتے ہیں، سیدھے ہوں تو پیکاں ہوتے ہیں

جو مست ہو اپنے جلوؤں میں، یہ راز بھلا کیا جانے
اک سوختہ ساماں کے دل میں، سو طرح کے ارماں ہوتے ہیں
جذبات کے سیدھے رستے میں، ہوتی ہے جو ناکامی حائل
ہر ذرّے کے دامن سے پیدا پُر ہول بیاباں ہوتے ہیں
اب راز محبت دنیا پر کھل جانے میں کچھ دیر نہیں
بیتابیٔ دل کے ہر گوشے چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں
تسکین کی خاطر ہاں کر لیں، یہ بات علیحدہ ہے ورنہ
اک روز بھلائے جائیں گے جو وعدۂ پیماں ہوتے ہیں
اُلفت کے پرستاروں کی سحر رودادِ محبت کیا کہیے
آنکھوں سے جو آنسو گرتے ہیں، بڑھ کے وہی طوفاں ہوتے ہیں

دوا سازی کی ایک مشہور کمپنی (ڈابر لمیٹڈ کلکتہ) کی جانب سے ایک گلدستہ شائع کیا جاتا تھا، جس میں سحر سہسرامی کی یہ غزل چھپی تھی:

اس طرف ملنے کا ان کو شوق دامنگیر ہے — اس طرف شرم و نزاکت پاؤں میں زنجیر ہے
زندگی کا کیا بھروسہ اس کی کیا توقیر ہے — چلتی پھرتی موج ہے، طوفان کی تصویر ہے
فرقتِ محبوب میں کس طرح حاصل ہو سکوں — ہر نفس سینے میں اک چبھتا ہوا سا تیر ہے
دل کی بربادی میں دونوں ہیں برابر کے شریک — کچھ خطا ہے حسن کی کچھ عشق کی تقصیر ہے
تیرے دیوانے کو وحشت میں نہیں اس کی خبر — پاؤں ہے زنجیر میں یا پاؤں میں زنجیر ہے
اب یہ عالم ہے مری وارفتگی شوق کا — اپنی صورت کو بھی کہتا ہوں تری تصویر ہے
خاک ہو کر بھی نہ پہنچے تیرے دامن تک کبھی — اب بتا ملنے کی تجھ سے اور کیا تدبیر ہے
موسم گل آتے ہی زنداں سے یہ آئی صدا — آ اِدھر دیوانے تیری منتظر زنجیر ہے

میں جو چھپ جاؤں تو دنیا میں ہو تاریکی کا دور
اے سحر میرے ہی دم سے بزم پُر تنویر ہے

سحر سہسرامی سہسرام کے مذکورہ مشاعرہ میں شریک ہوئے۔ راقم نے بھی اس مشاعرہ میں غزل پڑھی تھی، مشاعرہ ماسٹر فصیح الدین بن عبدالحکیم مرحوم یعنی جناب ڈاکٹر محمد شریف صاحب

بریگیڈیر کے بھتیجے نے کرایا تھا۔ سہسرام کے معمر ترین شعرا نے اس میں شرکت کی تھی۔ بڑا پُر وقار مشاعرہ تھا اس کے بعد تو مشاعرہ میں تہذیبی زوال آ گیا۔ سحر کا انتقال کب ہوا معلوم نہیں۔ ان کی شرکت مشاعرہ کو ہی سامنے رکھ کر تاریخ پیدائش قیاساً لکھی ہے۔

عشرت سہسرامی

(۱۸۴۶ء تا ۱۹۰۷ء/ ۱۳۲۸ھ)

نام عشرت علی ابن مولوی شیخ اشرف علی تخلص عشرت، عرف میاں جان، متوطن محلہ شاہ عبدالجلیل عرف املی آدم خاں۔

سن پیدائش ۱۸۴۶ء، سال وفات ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۰۷ء۔

احوال تعلیم و ملازمت

عشرت مرحوم شیخ اور سید دونوں نسب سے تعلق رکھتے تھے، عقیدتاً سنی المذہب تھے۔ کمسن تھے کہ ان کے والد مولوی شیخ اشرف علی صاحب کا وصال ہو گیا، ان کے چچا مولوی حافظ شیخ علی اکبر صاحب مرحوم نے سرپرستی فرمائی، اور اپنی تعلیم و تربیت سے نوازا، چچا کی خدمت میں رہ کر جب کچھ پڑھنا آ گیا تو آرہ چلے گئے۔ جہاں اُن کے والد کے تعلق کے آدمی مرزا محمد ابراہیم صاحب صدر اعلیٰ (پنشنر) تھے، صدر اعلیٰ صاحب نے عشرت صاحب کو شرفا کے بچوں کی طرح انھیں ضروری تعلیم دلوائی، ضروری تعلیم کے بعد عدالت دیوانی میں ملازم ہو گئے اور ترقی کر کے پیش کار ہو گئے۔ مگر مرزا صاحب کی فیض رسا صحبت سے برابر مستفید ہوتے رہے۔ ان کے سامنے اخبار حبل المتین (فارسی) پڑھتے، اور مرزا صاحب کی معلومات سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہے۔

خوش نویسی

عشرت صاحب خوش نویس بھی تھے، اس فن میں منشی سید محمد جعفر صاحب مرحوم کے شاگرد تھے۔

شادی

عشرت صاحب کے والد مرزا صاحب کے اسٹیٹ کے تحصیل دار تھے، متوسط گھرانے کا یہ لڑکا والد کے انتقال کے بعد مفلس ہو گیا تھا۔ جب بر سر کار ہوا تو والدہ نے شادی کی ٹھانی۔ مختصر یہ کہ سہسرام کے ایک رئیس شیخ امام بخش (برادر نسبتی شیخ قادر بخش) کی صاحبزادی ام الخیر سے نکاح ہوا اور دونوں کی زندگی بحسن وخوبی بسر ہوئی۔

عشرتؔ کی ابتدائی زندگی کے چند واقعات

عشرت صاحب نے آرہ میں رہ کر عربی، فارسی کے علاوہ کچھ انگریزی بھی سیکھ لی تھی، سہسرام تشریف لائے تو ان کے سر پر گول مخملی ٹوپی تھی۔ ان کے محلے کے ایک بزرگ ڈاکٹر انور علی صاحب کے مکان پر محلّہ کے بزرگوں کی ایک نشست ہوتی تھی، عشرتؔ صاحب نے بھی معمولاتِ محلّہ کے مطابق بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا، سب نے دعائیں دیں، دریافت خیریت کے بعد پوچھا، کیا پڑھتے ہو، انھوں نے عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی کا بھی نام لیا۔ انگریزی کا نام سننا تھا کہ سب لوگ چونک پڑے، تاسف اور برہمی کا اظہار کیا، مجلس میں ان کے چچا حافظ صاحب بھی موجود تھے، ان کو مخاطب کر کے کہا، لڑکا یتیم ہے اور تم سرپرست، قیامت میں تم سے سخت پرسش ہوگی، یہ انگریزی پڑھ رہا ہے، سر پر گول ٹوپی بھی پہن لی ہے، صرف چھجہ باقی ہے، (جس کو انگریزی میں پیکڈ کہتے ہیں) اب اس کے کرسٹان ہونے میں کیا کسر باقی رہ گئی ہے۔ چچا پر اس گفتگو کا بڑا اثر ہوا، بھتیجے کو اپنے ساتھ گھر لائے، اور فرمانے لگے، بیٹا! تمھیں معلوم نہیں جو انگریزی پڑھتا ہے اس کا چہرہ موت کے وقت سور جیسا ہو جاتا ہے"۔ چچا نے کتاب نذر آتش کر دی، اس طرح انگریزی کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی۔

اسی طرح عشرتؔ صاحب کے چچا کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ ۱۸۶۰ء میں ایک انگریز افسر سہسرام آیا، پامر باغ میں مقیم ہوا، یہ لوگوں کو پولس میں بھرتی کرنا چاہتا تھا، ایک روز اس افسر کی ان کے چچا حافظ شیخ اکبر علی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ قد آور اور خوبرو نوجوان تھے اس نے ان کو دیکھا تو کہا کہ پولس میں بھرتی ہو جاؤ، یہ وہ عہد تھا جب انگریزی حکومت پولس کا انتظام کر رہی تھی۔ ان کے چچا نے انکار کر دیا، اس نے کہا کہ اگر بھرتی ہو جاؤ گے تو داروغہ بنا دوں گا، جب اس نے دیکھا کہ اس میں وہ تیار نہیں تو اس نے کہا کہ انسپکٹر بنا دوں گا، انھوں نے یہ سن کر تامل فرمایا اور کہا کہ

اپنے چچا سے دریافت کروں گا، جب اپنے چچا لطیف اللہ صاحب سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ "بیٹا! کوئی بھلا آدمی بھی پولس کی ملازمت کرتا ہے۔ اس سے بہتر تو بھیک مانگنا ہے"۔

عشرت صاحب کے بچپن کا واقعہ ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کا سہسرام پر خاص اثر پڑا تھا۔ ہر طرف لوٹ مار مچی ہوئی تھی۔ گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ باغیوں نے ان کے چچا کو پکڑ لیا، عشرت صاحب سے نہ رہا گیا، ایک چھوٹا اوزار (بچھوا) لے کر دوڑے اور باغیوں سے کہا کہ میرے چچا کو چھوڑ دو۔ ان لوگوں نے پوچھا، بچے! اگر ہم لوگ نہیں چھوڑیں گے تو کیا کروگے، انھوں نے جواب دیا کہ بچھوا تم لوگوں کے پیٹ سے چبھا دوں گا۔ اس پر سب ہنس پڑے، اور میرے بچپن کی گفتگو سے متاثر ہو کر چچا کو چھوڑ دیا۔

ان واقعات سے اس عہد کے مسلمانوں کی دینی حمیت، ملی تشخص، انگریز دشمنی اور انگریزی سے نفرت، بچوں کی جرأت ہر ایک کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔

بیعت

جناب عشرت صاحب مرحوم کو مصباح الطالبین حضرت مولانا شاہ محمد علی حبیب قدس سرہ مجیبی پھلواری شریف سے شرف بیعت حاصل تھا، اکثر پیر و مرید میں خط و کتابت بھی ہوتی رہتی تھی۔ مکتوبات کے کچھ نمونے مجموعۂ کلام عشرت جو "تحفۂ عشرت" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

وفات

مرض اسہال میں مبتلا ہوئے، ڈھائی مہینے تک بیمار رہے، ان کے بڑے صاحبزادے مولوی مختار احمد صاحب لندن تشریف لے جا چکے تھے، چھوٹے صاحبزادے داروغہ خیرالدین صاحب بسلسلہ ملازمت ڈمراؤں میں مقیم تھے، تشریف لائے، علاج و معالجہ کیا، صحت بحال نہ ہو سکی۔ ۱۳ر رمضان المبارک کو حالت زیادہ نازک ہوگئی۔ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ مؤذن نے فجر کی اذان دی، اذان سن کر تیمم کیا اور زور سے اللہ اکبر فرمایا، ہاتھ باندھ لیے۔ معلوم ہوا کہ نماز میں ہیں۔ کچھ دیر بعد دیکھا گیا تو اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔

مزار شہر کے پورب باغ میں ہے، لوحِ مزار پر جناب انور حسین عرف منجھو صاحب آرزو

جانشیں جلال لکھنوی کا ذیل کا قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

اے خوشا قسمت نماز صبح یوں ہو وصال　　جس طرح اللہ سے ملتے ہیں خالق کے ولی
پہنچا ہنگام ادائے فرض ہی حکم قضا　　جو خفی تھا مرتبہ وہ ہو گیا لب پر جلی
نام ہی ہے مصرع تاریخ رحلت آرزو
عابد و زاہد جناب مولوی عشرت علی

۱۳۲۸ھ

شاعری

عشرت صاحب کو شعر گوئی کا بھی ذوق تھا، مگر کسی مشاعرے وغیرہ میں شریک نہ ہوتے تھے، ان کی حیات تک ان کے چند احباب کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا کہ ان کو شعر گوئی کا بھی ذوق ہے۔

جناب خواجہ سید محمد فخر الدین حسین صاحب سخن دہلوی (صدر اعلیٰ) سے ان کی اپنی ملا زمت کے سبب کچھ دنوں صحبت رہی۔ اغلب ہے کہ ان ہی صحبت کا اثر تھا کہ ان کو شاعر بنا دیا، عجب نہیں سخن دہلوی سے انھیں شرف تلمذ بھی حاصل رہا ہو۔

سخن دہلوی کا ایک ضخیم دیوان شائع ہو چکا ہے، جس میں انھوں نے اپنے دیگر احباب کے ساتھ اپنے دو شعر میں عشرت صاحب کا ذکر کیا ہے۔

عشرت کا مطبوعہ کلام

کہا جا چکا ہے کہ عشرت صاحب مرحوم کا کلام ان کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ''تحفۂ عشرت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس کے مرتب ان کے چھوٹے صاحبزادے داروغہ خیر الدین صاحب سہرامی تھے۔ کتاب کے ۲۴ صفحات تک مصنف کی حالاتِ زندگی اور دوسرے شعرا کے قطعات رحلت وغیرہ درج ہیں۔ ۲۶ صفحہ سے ان کا کلام شروع ہوتا ہے۔ راقم کے پیش نظر جو نسخہ ہے اس کے صفحات کل ۵۶ ہیں، اس کے بعد کے کچھ صفحات غائب ہیں، اس لیے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا، یہ کتاب کس مطبع میں چھپی۔

البتہ کتاب کے شروع میں ابوالمکارم خیر الدین احمد قادری مجیبی سہرامی (سب انسپکٹر آف پولس) کے قلم سے ایک دیباچہ ہے، جس کو انھوں نے کٹوریہ (ضلع بھاگلپور) میں ۲۷ محرم

الحرام ۱۳۴۵ھ کو لکھا ہے۔

نمونۂ کلام

یا الٰہی کہ بینم من جمال مصطفٰے　　می تپم ہر شب بامید وصالِ مصطفٰے
گریۂ غمہائے ہجرش بس پریشاں ساخت است　　مضطرم، بس بیقرارم در خیالِ مصطفٰے
جلوۂ حسن حسیناں جہانِ راشد فروغ　　از فروغ روئے تاباں و جمالِ مصطفٰے

دلم بادا فدایت یا محمد　　سرم قربانِ رایت یا محمد
نگاہے از کرم از بہر سبطین　　بحال زار عشرت یا محمد

اے آرزوئے جان من اے شاہِ من سلطانِ من　　بادا فدایت جانِ من سر در رہت قربانِ من
جز شوقِ دیدار رخت عشرت ندارد آرزو　　گاہے نگاہِ لطف خود بر من کن اے سلطان من

عمر ما بگزشت اندر انتظارت یا رسولؐ　　روزگارم صرف شد بہر لقایت یا رسولؐ
عشرت شوریدہ ہچون مرغ بسمل می تپد　　ہست کافی بہر وے تیغ نگاہت یا رسولؐ

اے جلوۂ نورِ خدا محبوبِ حق جل و علا　　اے سیدِ ہر دوسرا ہم سرورِ صدق و صفا
از نور حق پیدا ست تو وز نور تو پیدا شدہ　　انسان و جنات و ملک ہم عرش و کرسی و سما

عبدالولی سہسرامی

(۱۹۰۶ء تا ۱۹۶۶ء/۱۳۸۶ھ)

عبدالولی خاں نام تخلص ولی، (میخ)، ولد عبدالعلی خاں، متوطن محلہ شیخ پورہ سہسرام۔
ولی احمد خاں سہسرام کے ایک پُر مغز غزلگو تھے، ہزل گوئی میں تو ان کا کوئی مثیل نہ تھا۔ جوانی

کے کچھ حصے کلکتہ میں گزرے، وہاں بھی شہرت پائی۔ ایک بار ہنٹر کلکتوی کی یاوہ گوئی کے جواب میں تیغ تخلص اختیار کیا، اور اسی وقت سے تیغ سہسرامی کی حیثیت سے بھی مشہور ہو گئے۔

آخر عمر میں مے خواری اور افیون کے چسکے نے ان کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ ماؤف الدماغ ہو گئے تھے۔

ذریعہ معاش کچہری سہسرام میں وثیقہ نویسی تھی، بہت ہی حاضر دماغ اور برجستہ شعر کہنے والے تھے۔

سہسرام کے بداطوار رئیسوں کی ایسی ہجویں لکھتے تھے کہ ان کے مخالف بھی ان کا لوہا ماننے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

۲۸/ جمادی الآخر ۱۳۸۶ھ/ ۱۴/ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز جمعہ وصال فرمایا، اور تکیہ مدار سیلانی میں مدفون ہوئے۔ راقم ان کے مزار سے واقف نہ تھا۔ سفر سے واپس آیا تو تکیہ فاتحہ خوانی کے لیے پہنچا۔ کیوں کہ راقم کے والد کا مزار مبارک بھی وہیں ہے۔ والد کے مزار سے قریب ولیؔ صاحب کا مزار تھا۔ ان کے مزار پر راقم نے ایک عجیب اور پُر ہیبت کیفیت دیکھی، جس کا ذکر فضول ہے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ یہ ۲۰/ اکتوبر ۱۹۶۶ء کا واقعہ ہے۔

۲۰۰۰ء میں یہ مزارات تالاب میں سما گئے اور نشان بھی مٹ گئے۔

ولی صاحب کے صاحبزادے فیروز خاں کے پاس ان کا سارا کلام محفوظ ہے، ایک مجموعۂ کلام ''میخانۂ ولی'' کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

تقسیم ہند کے قریبی سال کا واقعہ ہے، ہندوستان میں ایک بڑا دمدار ستارہ ظاہر ہوا۔ سہسرام میں بھی دیکھا گیا۔ راقم ایک روز کچہری پہنچا تو ولیؔ صاحب نے اپنا شعر سنایا، جس کی بڑی شہرت ہوئی۔

دیکھا ہے میں نے چرخ کو جھاڑو لیے ہوئے
ایسا نہ ہو کہ ہند کا خطہ بہار دے

وفات کے وقت عمر تقریباً ساٹھ سال تھی۔ بلانوش تھے۔ آخر میں خمیدہ کمر ہو گئے تھے مگر کچہری جانا نہ چھوڑا۔

نمونۂ کلام

دل چھینا ہے عاشق کا تری زلف دُتا نے — کعبہ پہ بھی قبضہ کیا اس کالی بلا نے

آئے ہیں عیادت کو مری غیر کو لے کر　دیتے ہیں مجھے زہر وہ شربت کے بہانے
شانے کو سزا دیتے ہو دنداں شکنی کی　برہم کیا گیسو کو ترے بادِ صبا نے
عاشق کو دکھاتی ہے وہ ملک عدم یہ　رہبر کا کیا کام تری تیغ ادا نے
کیوں شیخ و برہمن نہ دل و جاں سے فدا ہوں　بے مثل کیا اس بت کافر کو خدا نے
خالی کوئی جاتا ہی نہیں وار تمھارا　ناوک فگنی تم کو سکھائی ہے قضا نے
دل میں ہے ٹیس درد جگر آنکھیں ہیں پُرنم　کیا کیا میں سناؤں شب فرقت کے فسانے

کیا غم ہے ولؔی حشر کا جب شاہِ رُسل کو
بخشا ہے لقب شافع محشر کا خدا نے

(ماہنامہ 'تاج' گیا، جنوری ۱۹۲۳ء)

مانوؔس صاحب نے ان کے تین پھڑکتے ہوئے اشعار سنائے، جنھیں راقم نے نوٹ کرلیا۔

تلاشِ یار میں کیا کیا کہاں کہاں دیکھا　نئی زمین نیا ہم نے آسماں دیکھا

ولؔی، میؔر، مرزؔا سے ملتے ہیں مضموں　مگر ہاں طبیعت جدا آپ کی ہے

ہشیار رہو، چالاک رہو، غدار زمانے والے ہیں　منزل پہ پہنچنا مشکل ہے، رہبر بہکانے والے ہیں

ولی آخر عمر میں مشاعرے میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اوپر جوان کی غزل نقل کی گئی ہے، انھوں نے سہسرام کے ایک طرحی مشاعرے میں پڑھی تھی، جس کی روداد مذکورہ رسالے میں شائع ہوئی تھی۔ عہد جوانی کے کلام کا اُسے نمونہ سمجھنا چاہیے۔

اپنے محلّہ کے اکثر نوجوانوں کو کسی مشاعرے کے لیے غزلیں لکھ دیا کرتے تھے۔ خود شریک مشاعرہ نہ ہوتے تھے۔ نوجوان حضرات اُسے اپنے ناموں سے مشاعرے میں پڑھ دیتے تھے۔ بڑے ہی قادرالکلام تھے۔

سید شاہ نہال احمد باشندہ محلّہ کبیر گنج (میاں محل) اپنے مکان میں پریس قائم کیا اور اس پریس سے ''مفکر نامہ'' ماہنامہ طبع ہوا، تو جناب ولؔی سہسرامی کا بھی مزاحیہ کلام اس میں شائع ہوتا رہا۔ افسوس کہ اس کے شمارے ایک صاحب لے گئے تھے، ہنوز واپس نہ کیا۔

مخمور سہسرامی

(۱۹۱۹ء تا ۱۹۷۵ء)

تخلص مخمور، نام سید عبدالوہاب، بن سید واجد حسین، متوطن محلہ شیخ پورہ سہسرام، مقیم محلہ نورن گنج، سہسرام۔

سال پیدائش ۱۹۱۹ء، وفات ۲۷؍جمادی الاوّل ۱۳۹۵ھ/ ۸؍جون ۱۹۷۵ء۔

خاندانی احوال کے سلسلے میں اتنا لکھنا کافی ہے کہ جناب مخمور صاحب جناب کیفؔ سہسرامی کے بڑے بھائی ہیں، اور کیفؔ کے خاندانی حالات تفصیل سے ان کے حالاتِ زندگی میں لکھ چکا ہوں، جس کا دیکھنا کافی ہوگا۔

مخمور صاحب نے ابتدائی تعلیم مولوی زاہد صاحب محلہ چکنیہ ٹولی سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں تقریباً ۲۹ء میں داخل ہوئے۔

تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ راقم کے عہد طالب علمی میں مدرسہ خانقاہ سہسرام میں زیر تعلیم تھے۔ درجہ مولوی تک نصاب پڑھ سکے۔ مگر امتحان میں شرکت کا موقع نہ ملا۔ غالباً ۱۹۴۹ء تک مدرسۂ مذکور میں زیر تعلیم تھے۔

۱۹۵۳ء سے ہائی اسکول گڈھنی میں ہیڈ مولوی رہے۔ نیز اس اسکول میں مدرسہ خانقاہ کے فارغ التحصیل مولوی حامد علی صاحب مضطرؔ سہسرامی مرحوم سکنڈ مولوی تھے۔

مخمورؔ صاحب کا بیان ہے کہ مدرسہ کے ماحول سے متاثر ہو کر شعر و سخن کی طرف مائل ہوئے، مدرسہ کے مشہور استاد سخن جناب غلام مخدوم صاحب مست سہسرامی (مدرس فارسی) جو ان کے قرابت مند بھی تھے، ان کی صحبت رسا سے مستفید ہوتے، اور انھیں سے عرصہ تک اصلاح سخن لیتے رہے۔ پھر بذریعہ خط و کتابت ایک سال تک آرزوؔ لکھنوی سے اصلاح سخن لی۔

مخمورؔ صاحب کی شادی جناب شمس الدین خاں صاحب محلہ نورن گنج کی لڑکی مسمیٰ عائشہ خاتون سے تقریباً ۱۹۵۲ء میں ہوئی، جن کے بطن سے حسب ذیل اولادیں ہیں۔

جاوید عالم، خورشید عالم، صبیحہ خاتون، تنویر جہاں۔

مخمورؔ صاحب کی اہلیہ کا وصال ۱۹۶۳ء میں ہوا، تو انھوں نے کوئی شادی نہ کی، اپنے خسر

کے مکان میں اپنے بال بچوں اور اپنے چھوٹے بھائی کیفؔ سہسرامی کا ساتھ دیتے رہے۔ صحت نے مجبور کر دیا۔ مگر کلام میں جولانی، روانی اور جوش رہا۔ مشاعروں میں اکثر کامیاب رہے۔ پڑھنے کا انداز بھی اچھا تھا مگر اشاعت کلام کا شوق نہ تھا۔

۳۰ر اکتوبر کو برمکان رفیع احمد صاحب محلہ نورن گنج سہسرام ایک طرحی مشاعرہ بزیر صدارت جناب حشرؔ سہسرامی منعقد ہوا۔ مخمورؔ سہسرامی نے بھی طرح میں ایک غزل لکھی، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

درد اُٹھتا مگر موردِ الزام نہ ہوتا　　آنسو نہ نکلتے تو میں بدنام نہ ہوتا
کچھ ہوتا مگر دردِ جگر خام نہ ہوتا　　کانٹا بھی نکل جاتا تو آرام نہ ہوتا
ہوتے جو پر و بال نشیمن تو نہ تھا دور　　پرواز بھی آتی تو تہہ دام نہ ہوتا
وہ ملتے نہ ملتے یہ الگ بات تھی لیکن　　غیروں کی زباں پر مرا پیغام نہ ہوتا
پی لیتا جو میخانے میں زاہد کو دکھا کر　　میں عرصۂ محشر میں بھی بدنام نہ ہوتا

میرے ہم مدرسہ، باکمال اور کہنہ مشق شاعروں میں مخمورؔ تاحیات مشاعرہ میں دیکھے گئے۔

آخر عمر میں مرض برص میں مبتلا ہو گئے تو صحت گر گئی، نہایت نحیف ہو گئے تھے۔ اپنی سسرال محلہ نورن گنج سہسرام میں ۲۷ر جمادی الآخر ۱۳۹۵ھ مطابق ۸ر جون ۱۹۷۵ء اتوار کو فوت ہوئے۔

مسلم شعرائے بہار، جلد ششم میں ص ۳۰۵ پر ان کی یہ غزل مرقوم ہے:

اُلفت کی نگاہوں میں جلوے جب حسن کے عریاں ہوتے ہیں
بنتے ہیں حریفِ قلب و نظر غارت گرِ ایماں ہوتے ہیں
بیمار محبت کو تیرے آئی نہ ہنسی تا زیست کبھی
سنتے ہیں کہ وقتِ دفن مگر منہ گور کے خنداں ہوتے ہیں
آنسو تو ہوئے خشک آنکھوں میں ماتھے کے پسینے رُک نہ سکے
مجبور محبت کے دل میں جو راز تھے عریاں ہوتے ہیں
مخمورؔ نہ جانے اک دل میں ہیں داغ محبت کے کتنے
رہ رہ کے اُبھرتے رہتے ہیں مٹ مٹ کے نمایاں ہوتے ہیں

قوی ڈہروی سہسرامی

(۱۹۰۷ء تا ۱۹۹۵ء)

محمد عبدالقوی انصاری نام، تخلص قوی، ولد منشی مولوی عبدالحق، متوطن ڈہری آن سون سہسرام۔

قوؔی صاحب جناب عبدالقیوم صاحب انصاری کے چھوٹے بھائی ہیں، اور ڈہری آن سون اپنے موروثی مکان میں رہتے تھے، جو ایک قلعہ نما اور شہر کا مشہور مکان ہے، آج کل اس مکان میں بعض سرکاری دفاتر بھی کھلے ہوئے ہیں۔

قوؔی صاحب اپنے بھائی کے مقابلے میں بڑے ہی آزاد رو ہیں۔ ایک بنگالن غیر مسلمہ سے شادی رَچا کر اپنے بال بچوں کا نام بھی ہندو جیسا رکھنے کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔

عبدالقیوم صاحب کی سیاست سے چاہے کسی کو اختلاف ہو مگر انھیں ہر شخص پابند صوم وصلوٰۃ ہی سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس قوؔی صاحب کو اسلام سے کوئی نسبت نہیں معلوم ہوئی۔ انھیں بھی شعر گوئی کا ذوق ہے۔

نمونۂ کلام یہ ہے:

مجھ کو خزاں سے کام نہ فصلِ بہار سے ۔۔۔ بس اک غرض ہے اپنے دلِ داغدار سے

جی چاہتا ہے گورِ غریباں میں جاؤں جب ۔۔۔ روؤں لپٹ لپٹ کے میں ہر ہر مزار سے

بے وجہ آہ میں نہیں پشتِ خمیدہ ہوں ۔۔۔ گردن جھکی ہوئی ہے گناہوں کے بار سے

نخلِ امید پھولنے پھلنے سے پاک ہے
مطلب نہیں ازل سے مجھے برگ و بار سے

(حسن وعشق، فروری ۱۹۲۴ء)

معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بھی شعر گوئی کا اوائل عمر سے شوق تھا، آخر عمر میں سنا کہ مذہب کی طرف طبیعت کا میلان ہو گیا تھا۔

ڈہری کے ٹیلر ماسٹر انوار عالم مرحوم کی دکان پر قوی صاحب کو راقم نے کئی بار دیکھا تھا۔ طویل قامت، صاف رنگ بظاہر ملٹری مین معلوم ہوتے تھے۔ تقریباً ۱۹۹۵ء تک حیات سے تھے۔

عبدالقیوم حاوی ڈہروی سہسرامی
(۱۹۰۵ء تا ۱۹۷۳ء)

عبدالقیوم انصاری نام، حاوی تخلص، والد کا نام منشی عبدالحق، متوطن ڈہری آن سون۔
پیدائش ڈہری آن سون، یکم جولائی ۱۹۰۵ء۔ وفات ۱۸ر جولائی ۱۹۷۳ء۔

انصاری صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر ڈہری مڈل اسکول میں، اس کے بعد ہائی اسکول، سہسرام میں حاصل کی۔ اکرام الحق صاحب عرف کمو وکیل اور ماسٹر عبدالرؤف خاں صاحب پرنسپل مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام (باشندگان محلّہ پٹھان ٹولی سہسرام) ان کے ہم درس تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی اور پھر کلکتہ و الہ آباد یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم رہے۔ مگر تعلیم مکمل نہ کر سکے۔

منشی مولوی عبدالحق صاحب ڈہری کے ایک لاکھ پتی انسان تھے اور ایک بڑے تاجر تھے۔ گیا کی بعض دکان سے لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپوں کے لوہے بیک وقت لے کر اٹھتے تھے۔ غازی پور کی بستی سے ڈہری آئے، ایک بڑی حویلی بنائی جو ہنوز موجود ہے۔

''انصاری صاحب کی زندگی کے چند روپ'' کے عنوان سے قیوم خضر صاحب بہار کے مشہور صحافی نے اپنے ماہنامہ اشارہ پٹنہ جون ۱۹۶۶ء میں سات صفحات کا ایک طویل مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے، جس سے جستہ جستہ کچھ واقعات نقل کیے جا رہے ہیں:

> ''انصاری صاحب کا گھرانہ بے انتہا دولت مند گھرانہ رہا ہے، اس گھرانے میں دولت کے ساتھ ساتھ علم کی بھی روشنی رہی ہے۔ انصاری صاحب کے نانا حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری مرحوم ہندوستان کے نامور عالم اور جید فاضل گزرے ہیں۔ ان کے علم و فضل کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے علمائے وقت بھی احترام سے سر جھکاتے تھے۔ ان کی والدۂ محترمہ صفیہ بیگم صاحبہ بلند درجے کی عابدہ و زاہدہ ہیں اور فارسی کی علمی لیاقت نہایت ہی اچھی ہے۔ ان کے والد ماجد حضرت مولانا عبداللہ غازی پوری مرحوم کی تربیت کا یہ نتیجہ ہے کہ موصوفہ

ہنوز تہجد کی نماز قضا نہیں کرتی ہیں۔ انصاری صاحب نے ایسی ماں کی گود میں پرورش پائی اور ایسی بزرگ ماں کا دودھ پیا ہے۔ گود کا یہ اثر ہے کہ انصاری صاحب کی بھی نمازیں قضا نہیں ہوتیں، روزہ چاہے جس موسم میں پڑے اور چاہے وہ جس حال میں ہوں پابندی سے اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ تہذیب و شائستگی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، میں نے ان کے منہ سے کبھی بھی کوئی گالی یا گندہ لفظ نہیں سنا۔ گفتگو میں بہت احتیاط اور شریفانہ رکھ رکھاؤ برتتے ہیں، ملنے جلنے کا انداز ایسا ہے کہ جو ایک بار ملتا ہے، ان کے حسن اخلاق کا قائل ہو کر ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ حسن اخلاق ہی ان کے پاس ایک ایسا حربہ ہے جس کے سہارے وہ اپنے بڑے بڑے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں اور فتح مند ہیں''۔

عبدالقیوم انصاری صاحب کو راقم بھی عرصہ سے جانتا تھا، تقسیم ہند سے پہلے ہی انھوں نے بہت شہرت پائی۔ ۱۹۲۴ء میں مولانا ابومحمد مصلح سہسرامی کا ساتھ رہا، ان کی معیت میں رہ کر ڈہری آن سون سے حسن و عشق نامی ماہنامہ جاری کیا، جس کے مدیر اعلیٰ مولانا اور نائب مدیر انصاری صاحب تھے۔ ۱۹۲۶ء میں مولانا کی فرمائش پر انھوں نے اپنے سرمایہ سے الاصلاح پریس سہسرام میں قائم کیا۔ جہاں مولانا کی سرپرستی میں الاصلاح نامی ماہنامہ بھی نکلتا رہا۔ جس کی اب بھی کچھ کاپیاں اہل سہسرام کے پاس موجود ہیں اور خاص کر کرامت لائبریری سہسرام میں۔ نیز اسی پریس سے مولانا کی مشہور تالیف ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' شائع ہوئی اور مختار احمد سہسرامی صاحب کا 'دیوان مختار' بھی۔

مصلح صاحب، انصاری صاحب سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی ایک منظوم کاوش ''قرآن کا پیغام اہل سہسرام کے نام'' کے دیباچہ میں لکھا کہ ''اگر خدا مجھ سے پوچھے گا تو میں روز حشر انصاری اور عبدالرؤف خاں کو پیش کروں گا کہ ان دونوں کو انسان بنا کر تیری بارگاہ میں لایا ہوں۔

مگر یہی انصاری صاحب سیاسی دنیا میں جا کر کھو گئے تو مصلح صاحب سے ربط باقی نہ رہا۔ مولانا نے راقم حاذق سے اپنی وفات کے ایک سال پیشتر حیدرآباد میں بوقت ملاقات فرمایا کہ عبدالقیوم کی مساعی سے مجھے ریاست حیدرآباد میں کچھ حکومت کی جانب سے زمین الاٹ کردی گئی ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ انصاری صاحب مومن تحریک میں شریک ہو کر اس میں جان ڈال دی۔

تقسیم ملک کے بعد اپنی برادری کے لوگوں کو کافی زیادہ ملازمت میں داخل کرایا اور ہمیشہ مسلم لیگ اور اس کی ذہنیت کے کھلے دشمن رہے۔

تقسیم ہند کے بعد ریاست بہار میں پہلے وزیر تعمیرات عامہ کی حیثیت سے بہت مشہور ہوئے، اور ان کی کارکردگی لائق تحسین رہی، بہار میں دوبار وزیر ہوئے اور ایک بار شکست کھائی۔ بہار کی ریاستی شاخ کانگریس کے صدر بھی رہے۔ ۱۹۷۰ء میں اندرا گاندھی کی وزارت عظمیٰ کے باعث پارلیمنٹ (راجیہ سبھا) کے ممبر ہوگئے۔

انصاری صاحب کی سیاست سے عام مسلمان ہمیشہ بیزار رہے، اور ان پر سب سے بڑا الزام ''تفریق بین المسلمین'' کا ہے، مگر ان کا اپنا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسلمان امرا و رؤسا نے ہندوستان میں بالخصوص جولاہوں کو اپنا غلام بنا کر رکھا، اسلام نے ذات برادری کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کی۔ مگر یہاں علما اور رؤسا نے جلاہوں کو ہمیشہ حقیر سمجھا حتیٰ کہ وہ انھیں اپنے برابر بٹھانا بھی ناپسند کرتے تھے۔ مسلم لیگ کی قیادت بھی انھی امرائے زمانہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس لیے میں نے ان کی مخالفت کی۔ کانگریس اور بالخصوص گاندھی جی نے مومنوں یعنی انصاریوں سے کہا کہ آزادی کے بعد ہم تمھارے حقوق دلائیں گے۔ اس لیے ہم نے ان کا ساتھ دیا۔ تو کیا مسلمانوں کے کسی طبقہ کو معاشی، اخلاقی اعتبار سے اونچا اٹھانا اور پیشہ کی حفاظت کرنا اور حقوق طلبی کی جدوجہد کرنے کو کبھی بھی تفریق بین المسلمین کہہ سکتے ہیں۔

موصوف نے ۱۹۷۰ء کے آخر میں ٹاؤن ہال سہسرام میں بھی مومن کانفرنس ضلع شاہ آباد کو خطاب کرتے ہوئے ایسی ہی تقریر فرمائی تھی۔ راقم بھی ان کی تقریر میں شریک تھا۔

ان کے افکار سے چاہے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو مگر ان کا بڑا سے بڑا مخالف بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ ہندوستان کی عام اکثریت کے مقابلے میں ڈٹ کر انھوں نے اپنی برادری کے تقریباً تین کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے انھیں تیس سالوں میں کافی اونچا اٹھانے میں کامیاب ہوئے۔ انصاری صاحب کی تقریریں بھی بڑی مؤثر ہوتی تھیں، اردو ادب کا بھی اچھا ذوق تھا۔ سخن فہمی میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے، اوائل عمر سے شعر کہتے اور حاوی تخلص فرماتے تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

مئے الفت ہو جو ساقی ترے پیمانے میں   بھر دے بے مانگے ہر اک رند کے پیمانے میں
لے لیا اک نظر، ایک ہی پیمانے میں   دل کی ارزانی کا یہ ہو گیا اپنے عالم

ہوش والوں سے بھی بڑھ کر ہے کہیں ہوش اس میں کون سی عقل نہیں ہے ترے دیوانے میں

(حسن وعشق، ڈہری، فروری ۱۹۲۴ء)

ابتدا میں انھیں شعر وسخن اور صحافت کا ذوق تھا۔ مؤثر تقریر تاعمر کرتے رہے۔ سہسرام میں غوثیہ اسکول (محلہ شاہ جمعہ سہسرام) میں قائم ہوا تو موصوف کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں راقم نے بھی تقریر کی۔ انھوں نے میری تقریر کو سراہا۔

انصار لائبریری سہسرام کے اجلاس میں بھی ان کی شرکت ہوتی تھی۔ ان کی ذہانت و فراست یہ تھی کہ وہ فصیح الدین (ٹیلر ماسٹر) کے محل شیخ پورہ سہسرام کے ایک اجلاس میں اس استفسار پر کہ ہندوستان میں طریقۂ انتخاب بدلا جائے، بجائے افراد کے الکشن پارٹیوں کے نمائندے منتخب کیے جائیں تو موصوف نے برجستہ فرمایا کہ ہندوستان کی روح سیاست ذات پات ہے۔ کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پارٹی جن نمائندوں کا بھی فیصلہ کرے گی، ذات پات ہی کی بنیاد پر کرے گی۔ میں ان کا یہ برجستہ جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔

عبدالقیوم صاحب نے ایک تقریر اسلامیہ ہال پٹنہ میں کی، مگر ان کے نام سے پٹنہ کے ایک مشہور صحافی غلام سرور صاحب نے یہ تقریر منسوب کر دی کہ ''ہندوستان کے نوے فی صد مسلمان مسلم لیگی ذہن کے ہیں''۔ یہ ایک اخبار کی شرارت تھی۔ اجلاس کے شرکا میں سے بعض نے مجھ سے کہا کہ اس طرح کا جملہ اصلاً عبدالاحد محمد نور نے کہا تھا، قیوم صاحب نے نہیں۔ بیشمار لوگ مدتوں اس تقریر کے انتساب کے سبب انھیں کوستے رہے اور طرح طرح کی گالیاں دیتے رہے۔ اسی زمانے (غالباً ۱۹۶۱ء) کی بات ہے کہ میں سید جمال احمد صاحب ایم۔ اے پٹنہ کے گھر ان سے ملنے گیا، کچھ لوگ جمع تھے، اور مذکورہ تقریر کے حوالے سے قیوم صاحب کو مسلم دشمن، مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے والا کہہ رہے تھے۔ گفتگو تلخ ہوگئی تو انجام کار جمیل صاحب نے میرے سامنے فرمایا کہ مولانا ابوالکلام صاحب نے میرے سامنے کہا کہ میں تو اپنی ملت کے لیے کچھ نہ کر سکا، کم از کم عبدالقیوم انصاری نے تو اتنا کیا کہ اپنی برادری کا حق منوالیا۔ اس سے کس کو فائدہ ہوگا، مسلمان ہی کو تو''۔ جمیل صاحب نے اہل مجلس سے بڑے ہی تلخ لہجے میں کہا کہ سیاست بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ آپ لوگوں کا قیوم صاحب کو مطعون کرنا غلط ہے۔ جمیل صاحب سے میرا تعارف نہ تھا۔ میں اچانک ان کی محفل میں شریک ہوگیا تھا۔ ان کی گفتگو سن کر میں حیران تھا کہ ایک سید کیا کہہ رہا ہے، اور حوالہ کس کی بصیرت کا دے رہا ہے۔ سید محی الدین ابوالکلام آزاد کا۔

تقی رحیم صاحب نے فاطمی صاحب کا یہ تاثر صحیح لکھا کہ قیوم صاحب نے اپنی برادری جس کی ہنرمندی سے ملک کی ترقی تھی، انگریزوں نے اس برادری کے پیشہ کو تباہ کر دیا۔ اپنی قوم کی بدحالی ان سے دیکھی نہ گئی، ان کے نانا علمائے حق کی اس جماعت کے اپنے وقت کے ایک اہم رہنما تھے جو مسلسل ڈیڑھ سو برسوں سے ایک طرف تو فرنگیوں سامراجوں کے خلاف عملی جہاد اور دوسری طرف ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ و بقا کے لیے جدو جہد کرتی چلی آرہی تھی۔ اس لیے انصاری صاحب کے خون میں بہاری جوش اور دینی جذبہ پیدائشی طور پر رواں تھے۔ انصاری صاحب کے والد ایک روشن دماغ اور متمول تاجر تھے۔ تحریک آزادی میں شریک رہے، ۱۹۲۲ء میں جیل بھی گئے۔

(روزنامہ سنگم، ۷راگست ۱۹۸۶ء)

انصاری صاحب موصوف خلافت اور ترک موالات کی تحریک میں شامل رہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس ۱۹۲۰ء کلکتہ میں ہوا، اس میں شریک رہے۔ گاندھی کی پکار پر اسکول چھوڑا تو اپنے وطن ڈہری آن سون میں ایک اسکول کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۳۱ء میں سائمن کمیشن کے خلاف مظاہروں میں شریک تھے۔ اسی سال شاہ آباد ضلع کمیٹی کے سکریٹری اور ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۳ء بہار پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر، ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۱ء کانگریس مجلس عاملہ کے رُکن اور ۱۹۷۰ء میں کل ہند کانگریس کمیٹی کے اقلیتی شعبے کے رُکن رہے۔ انھوں نے مقامی اداروں، قانون ساز اداروں، حکومت اور سرکاری روزگار میں مومن برادری کے لیے علیحدہ نمائندگی کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے ۱۹۳۷ء میں بہار صوبائی جمعیۃ المومنین قائم کی اور ۱۹۴۷ء تک اس کے صدر رہے۔ ۱۹۴۰ء میں بہار مومن کانفرنس کی صدارت کی اور ۱۹۴۷ء سے تا قیامت کل ہند مومن کانفرنس کے صدر رہے۔

۱۹۵۶ء سے کل ہند پسماندہ مسلم فیڈریشن کے صدر اور ۱۹۵۲ء میں حکومت ہند کے ذریعہ پس ماندہ طبقات کے ایک رُکن رہے۔ ۱۹۶۹ء میں کل ہند مومن تعلیمی فنڈ قائم کیا اور ۱۹۵۵ء سے بہار صوبائی ہنڈلوم بنکر کانفرس کے صدر رہے اور ۵۹-۱۹۵۳ء تک کل ہند ہینڈلوم بورڈ کے رُکن بھی رہے۔

موصوف ۱۹۴۶ء میں بہار اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے لیکن ۱۹۵۲ء میں الکشن ہار گئے مگر اسی سال ضمنی انتخاب میں ان کو کامیابی حاصل ہوئی، اور وہ ۱۹۶۱ء تک ممبر رہے۔

انصاری صاحب کئی بار بہار میں وزیر رہے۔ ان کے پاس ۵۴-۱۹۴۶ء تک امور عامہ، گھریلو صنعتوں، راحت و باز آبادکاری اور پسماندہ مسلم برادریوں کی فلاح و بہبود کی وزارتیں ۵۷-۱۹۵۵ء تک امور عامہ، صحت عامہ، انجینئر نگ اور مکان سازی کی وزارتیں، ۶۳-۱۹۶۲ء کے دوران امداد باہمی کی وزارت اور ۶۷-۱۹۶۳ء تک صحت اور جیلوں کی وزارتیں ۶۳-۱۹۶۲ء کے دوران امداد باہمی کی وزارت اور ۶۷-۱۹۶۳ء تک صحت اور جیلوں کی وزارتیں رہیں۔

امداد باہمی میں سرگرم حصہ لیتے ہوئے وہ ۶۲-۱۹۶۰ء تک قومی امداد باہمی یونین کے صدر رہے اور انھوں نے ۱۹۶۱ء میں سوئزرلینڈ کے شہر لاسین میں ۲۱ویں بین الاقوامی امداد باہمی کانفرنس میں ہندوستانی وفد کی قیادت کی۔ انھوں نے چیکوسلوواکیہ، روس، فرانس، برطانیہ، اٹلی اور مصر کا دورہ کیا اور وہاں امداد باہمی تحریک کا مطالعہ کیا۔

انصاری صاحب کو تعلیم سے گہری دلچسپی تھی۔ ۵۷-۱۹۴۰ء تک پٹنہ یونیورسٹی سینٹ میں فیلو رہے اور ۵۴-۱۹۵۱ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے رُکن رہے۔

پسماندہ علاقوں میں بہت سے اسکول قائم کرائے اور پسماندہ مسلم برادریوں کے طلبہ کے لیے وظائف کی ایک اسکیم کا اجرا کرانے میں بھی ان کا ہاتھ تھا۔

وہ انجمن ترقی اردو بہار سے وابستہ تھے۔ ۵۲-۱۹۴۵ء کے دوران ماہانہ تہذیب پٹنہ سے جاری کیا، جو بہت مقبول رہا۔

انصاری صاحب سیاسی نظریہ کے اعتبار سے قوم پرست تھے۔ اس لیے انھوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی، ان کی قیادت میں کل ہند مومن کانفرنس جدوجہد آزادی کے دوران انڈین نیشنل کانگریس کی حلیف بنی رہی۔ ۱۹۴۷ء میں انھوں نے جموں و کشمیر پر پاکستانی حملے کی مذمت کی۔ ۱۹۵۷ء میں کل ہند مسلم یوتھ کشمیری محاذ قائم کیا۔ انھوں نے مختلف سطحوں پر فرقہ پرستی کی مخالفت کی اور قومی یکجہتی کی علم برداری کی۔

انصاری صاحب ۱۸/جولائی ۱۹۷۳ء کو اپنے ضلع میں راحت کام کرنے کے دوران انتقال کر گئے۔ انھوں نے اپنی بیوی اسمیٰ بیگم جن سے ان کی شادی ۱۹۳۳ء میں ہوئی تھی۔ دو بیٹیاں اور دو بیٹے چھوڑے ان کی موت کا بڑے پیمانے پر سوگ منایا گیا۔

(اقتباس، مسلم انڈیا، دہلی، اکتوبر ۱۹۸۷ء)

قیوم صاحب صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، تحریک مجاہدین سے ان کا لگاؤ تھا۔ مسلکاً

اہلحدیث تھے۔ مگر دیوبندی اور بریلوی عوام وخواص سے ان کا یکساں لگاؤ تھا، اس معاملہ میں وہ تنگ نظر نہ تھے۔

ان کے اثر ورسوخ کا یہ عالم تھا کہ جب وہ وزیر کے بجائے ریاست بہار کی پارٹی کے صدر تھے۔ جماعت اسلامی بہار کے پانچ ارکان مولانا عبدالغنی وغیرہ اس وقت کے گورنر آئینگر کے اشارہ پر رانچی سے گرفتار کر لیے گئے تو راقم جماعت کے پانچ افراد کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر ڈھائی بجے دن کو ملا اور گورنر نے ایک سرکاری مجلس میں جو کچھ کہا تھا۔ حوالہ دیا تو موصوف نے فرمایا ہاں میرے سامنے بھی کہا تھا۔ ان کے یہاں کافی بھیڑ تھی۔ سب کے سامنے ان کے اظہار صداقت کے بعد میں نے کہا کہ کانگریس پارٹی کی کوئی قرارداد جماعت اسلامی کے خلاف ہے۔ موصوف نے فرمایا نہیں تو میں نے کہا پھر گورنر ہوں یا چیف منسٹر وہ جماعت کے سلسلے میں کیوں کچھ کہہ سکتے ہیں۔ کسی نے ایسا کیا ہے تو وہ آپ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس سے پوچھئے موصوف نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ موصوف سے ملنے کے بعد ہم لوگ چیف منسٹر سے ملنے کی سعی ہی کر رہے تھے کہ اطلاع ملی۔ دو بجے دن کو ریڈیو سے خبر آئی کہ جماعت اسلامی رانچی کے پانچوں ارکان رہا کر دیے گئے۔ ایسا محسوس ہوا کہ ان سے ہم لوگوں کی گفتگو کی اطلاع محکمہ خفیہ نے سرکار کو کر دی، نتیجتاً ان لوگوں کی آناً فاناً رہائی ہوگئی۔ ظاہر ہے یہ رسوخ انصاری صاحب مرحوم کا تھا۔

حسن خاں سور کے بیرونی دروازے کے دوران اجلاس کانگریس سے اٹھ کر وہ میرے سامنے مسجد حسن سوری میں نماز کے لیے چلے گئے۔ یہ تقسیم ہند سے پہلی کی بات ہے۔ مگر راقم نے ان کی زندگی میں یہ تضاد بھی پایا کہ سہسرام میں گاندھی میموریل کی استھاپنا انھیں کے ہاتھوں انجام پائی۔ پنڈوں کے پوجے کی ادائیگی کے بعد پہلے چیف منسٹر پر چھواچوری کا الزام لگا تو اسی استھاپنا کے موقع پر موصوف نے اس کی ناروا توجیح پیش کی، جس کا لوگوں پر خراب اثر پڑا۔ پہلی وزارت کے خاتمے کے بعد اُن کے رکشہ کا پیسہ دیتے ہوئے میں نے مولانا بیتاب صدیقی کو دیکھا، موصوف نے طوفان پٹنہ کی ادارت بیتاب صدیقی اور کلیم سہسرامی کے سپرد کی مگر کلیم صاحب سہسرامی مشرقی پاکستان چلے گئے تو انھیں بہت ملال ہوا۔

عزیز سہسرامی

ماہنامہ سہیل گیا (بھاگلپور کا موجودہ ادبی ماحول نمبر ۱۹۶۹ء) میں مرقوم ہے:

عزیز احمد عزیز سہسرامی، ظہیر احمد ظہیر کے عم زاد بھائی ہیں، حاجی نذیر احمد والد کا نام ہے۔ بھاگلپوری سلک کی تجارت کرتے تھے اور اسی سلسلہ میں مقیم تھے۔ انتقال ہو چکا ہے۔ دو شعر نمونۃً درج ہے۔

نظر اس شوخ کی چھپنے لگی شرم و ندامت سے　　سرِ محشر جو خوں آلودہ دامن لے کے ہم نکلے
نتیجہ ہے بزرگوں کی دعاؤں کا سراسر یہ　　عزیز احمد جو ہم اس عمر میں اہل قلم نکلے

آخری شعر سے شاعر کا کم عمری میں اہل قلم ہونا ایک خاص ہنرمندی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ممکن ہے کہیں اور بھی چھپ چکے ہوں۔

عبدالرحمٰن شعلہ سہسرامی

(۱۹۲۹ء تا ۱۹۷۰ء)

تخلص شعلہ، نام عبدالرحمٰن انصاری، متوطن محلّہ نیم لوہار، سہسرام۔

محلّہ نیم لوہار میں گھِسو نامی ایک صاحب تھے، جن کے چھوٹے سے ایک خام مکان میں ستمبر ۱۹۲۹ء کو ان کے یہاں ایک چاند سا بچہ پیدا ہوا، جس کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔

یہی عبدالرحمٰن نامی بچہ جب چند سال کا ہوا تو اس کے والد نے اسکو محلّہ کے مکتب (نذیر اپر اردو اسکول) میں داخل کرایا، اس نے اس اسکول میں بعہد ہیڈ مولوی ماسٹر عبدالعزیز صاحب مرحوم، سال پنجم تک تعلیم پائی۔

پھر پرائیوٹ طور پر کلکتہ میں عبدالقدوس صاحب خار رمضان پوری سے کچھ مزید لکھنا پڑھنا سیکھا، ان ہی کی صحبت کے اثر سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوا۔

بیڑی بنا کر زندگی بسر کرتا رہا، سہسرام کے بعض مشاعروں میں بھی شریک ہوا نیز سہسرام

کے بعض گلدستے میں اس کی بعض غزل شائع ہوئی۔
مختصر یہ کہ شعلہ صاحب کو تقریباً ۱۹۵۸ء سے مانوس سہسرامی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ان ہی سے اصلاحِ سخن لیتے آئے ہیں، اور اپنے کو شعلہ مانوس لکھتے ہیں۔
شعلہ صاحب کی شادی ماسٹر عبدالجلیل صاحب مرحوم (نیم لوہار، سہسرام) کی صاحبزادی حمیدہ خاتون سے ہوئی، جن کے بطن سے حسب ذیل اولادیں ہیں:
(۱) حسن آرا (۲) ہمایوں اختر (۳) جاوید اختر (۴) جہاں آرا (۵) امجد علی (۶) کنیز فاطمہ (۷) اجمل حسین (۸) منّی۔
شعلہ کا ۱۹۷۰ء کے بعد انتقال ہوا۔ ہومیو پیتھ سے بھی واقفیت تھی۔ بیڑی سازی کا کام کرتے تھے، کم علم تھے مگر علمی دلچسپی تھی۔ ہومیو پیتھک سائنس پر راقم سے ان کا تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا۔ ایک ڈاکٹر کے ساتھ رہ کر بھی فنی مشق بہم پہنچائی تھی۔

نمونۂ کلام یہ ہے:

حسن پابند نہیں وقت کے پیمانے کا ۔۔۔ آج ہر موڑ پہ اک لطف ہے میخانے کا
بوئے مئے ہی کی نہیں تاب ہے پینا کیسا ۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ بڑا ظرف ہے پیمانے کا
رات دن مشق سخن کرتے ہو شعلہ لیکن ۔۔۔ ہے سلیقہ بھی کسی چیز کو اپنانے کا

شاہ عبدالقادر سہسرامی

شاہ عبدالقادر صاحب ایک خدارسیدہ، زاہد و عابد، عامل اور درویش صفت بزرگ تھے۔ آپ محلہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے، اور میاں جی عبدالقادر کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا مزار مسجد محلہ باڑہ سے متصل ہے۔
آپ نے چلہ کشی میں کافی ریاض کیا تھا، اجنہ آپ کے مطیع تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ممصوف اپنے بند کمرے سے غائب ہو جاتے، کبھی ایسا ہوتا کہ کسی جن کی موت ہو جاتی تو وہ شاہ صاحب موصوف کو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے لے جاتے، کسی پر اگر جن سوار ہوتا تو شاہ صاحب کا وہاں

پہنچ جانا کافی تھا۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ محمد عمر صاحب جو قاضی حکیم عبدالشکور صاحب کے صاحبزادے تھے۔ اپنی ابتدائی عمر میں اپنے ماموں زاد بھائی حکیم لیاقت حسین صاحب مرحوم کے ساتھ جمعرات کو تکیہ مدار سیلانی، شکار کے لیے چلے گئے، ایک خوبصورت پرندہ کو ٹڑیا کو ایک تار پر بیٹھے ہوئے دیکھا، محمد عمر صاحب تانت کی غلیل چلانے میں طاق تھے۔ ایسا نشانہ جمایا کہ پرندہ مجروح ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اُس کا ایک بازو ٹوٹ گیا، دونوں اُسے پکڑ کر گھر لائے، حکیم لیاقت حسین صاحب کو پرندوں کے پالنے کا شوق تھا، اپنے بلند مکان کی چاندنی میں پنجرے کو لٹکا کر سو رہے، صبح کو اٹھے تو دیکھا کہ پنجرہ موجود ہے، اور پرندہ غائب، پنجرے سے پرندے کے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ تھی، تشویش ہوئی، چند دن بعد خیال جاتا رہا۔ پھر کسی نے کچھ خیال نہ کیا، چھ ماہ بعد محمد عمر صاحب سخت بیمار پڑے، ان کے والد حکیم عبدالشکور صاحب علاج کرتے کرتے عاجز آچکے، ایک روز کا ذکر ہے کہ شاہ صاحب موصوف کسی کے جنازے میں شریک ہوئے، اور وہاں سے فرصت پا کر حکیم صاحب کے مکان پر ان کے لڑکے کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے، جیسے ہی مکان میں داخل ہوئے، مریض نے بڑے ہی تپاک سے سلام کیا، حالانکہ مریض کا یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ جلد کسی سے سلام و کلام نہ کرتا تھا، لوگوں کو حیرت ہوئی، شاہ صاحب نے حکیم صاحب کا نام لے کر فرمایا، ''عبدالشکور تم کس چکر میں پڑے ہوئے ہو، لڑکے پر آسیب کا اثر ہے، ترکیب کرو''۔ مختصر یہ کہ ان کے کہنے کے مطابق حکیم عبدالشکور جو خود عملیات میں دخل رکھتے تھے، متوجہ ہوئے تو راز فاش ہوا کہ جو پرندہ مجروح ہوا تھا، اصل میں وہ ایک نوجوان جن تھا۔ بہرحال خدا نے مریض کو شفا دی۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے، جسے اختصاراً لکھ دیا ہے۔ ان کے کمالات کا ذکر شہر میں عام طور سے آج بھی سنا جا سکتا ہے۔

میری دادی مرحومہ شاہ صاحب کی رشتہ دار تھیں اور وہ ان کے کمالات باطنیہ کی معتقد تھیں اور ان کے بہت سے محاسن بیان کیا کرتی تھیں۔

شاہ کے مریدوں میں مولوی عبدالحمید صاحب مرحوم جو میرے محلّہ کے رہنے والے تھے اور مدرسہ فیض الغربا نورن گنج میں معلم رہ چکے تھے، اور ان کی مکتب چمکی ہوئی تھی، تہجد گزار اور صادق القول آدمی تھے۔ میں نے ان کو دیکھا تھا، اور پرندہ کا واقعہ خود محمد عمر صاحب کی زبانی اور دیگر اہل خاندان سے سنا تھا۔ ان کے احوال باطنیہ کو جاننے کے لیے یہ کافی ہے۔ شاہ صاحب کے انتقال پُر ملال کی تاریخ رحلت مولانا شاہد حسن صاحب سوز ناروی جو مولانا عبدالکافی صاحبؒ الٰہ آبادی کے

پڑھتے تھے اور مدرسہ خیریہ میں زیر تعلیم تھے۔ اچھی تاریخ کہی ہے:

شاہ عبدالقادر اُس عالم کو جب راہی ہوئے ۔ کیا کہوں میں کیسی رونق اُٹھ گئی اس شہر سے
سوز میں نے مصرعۂ تاریخ لکھا حسب حال ۔ اُٹھ گیا آج آہ وہ درویش کامل دہر سے

۱۳۴۸ھ

مولانا حکیم حافظ عبداللطیف عرف بندعلی

حافظ مولانا حکیم عبداللطیف صاحب محلہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے، آپ کے والد محترم حکیم امیر علی صاحب مولانا حکیم حسن علی صاحب (غفر اللہ لہم) کے بھائی تھے۔ کل ملا کر یہ حضرات پانچ بھائی تھے، مولانا حکیم حاجی حسن علی صاحب حسنؔ سہسرامی، حکیم امیر علی صاحب، حکیم یار محمد صاحب، حکیم امداد علی صاحب اور عبدالرحمٰن۔

حکیم عبداللطیف صاحب کی شادی بی بی فضل النساء سے ہوئی۔ جو شیخ کرامت علی صاحب منڈی کشور خاں سہسرام کی برادر زادی ہیں اور ہنوز حیات سے ہیں۔

عالم دین اور طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا شمار مشائخ طریقت میں بھی تھا۔ بہت سے لوگ آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

رامپور (یوپی) کے کسی مدرسہ میں درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دینے کا موقع ملا تھا اور وہیں کے کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔

آخر عمر میں آسام میں طبابت کرتے تھے اور وہاں آپ کے کافی معتقدین و مریدین تھے۔ ان ہی میں دو حضرات کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ایک قاضی عبدالرحمٰن صاحب اور دوسرے حاجی فیض الدین صاحب۔

آپ کا صوبہ آسام میں محلہ ڈھائی علی ڈاکخانہ نظرا، ضلع سیب نگر میں رہتے تھے۔ وہیں وصال فرمایا اور دفن ہوئے۔

حکیم عبدالحمید سہسرامی

اصل نام حکیم حمید حسن تھا۔ حکیم عبدالحمید ابن ناصر علی صاحب مرحوم ومغفور محلہ نورن گنج سہسرام کے رہنے والے تھے، صاحب عظمت اور بڑے ہی دبدبے کے آدمی تھے، جس گھڑی اپنے مکان سے باہر تشریف لاتے، یا مسجد جاتے، تمام ایسے افراد جو محلہ میں چوک پر بیٹھے ہوتے یا لہو ولعب میں مشغول ہوتے، ان کے جلال اور خوف سے خاموش اور مہذب ہو جاتے۔

فقیرانہ مزاج پایا تھا، مگر ظاہری شان تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ ساتھ کچھ اس طرح کی تھی کہ ہر صاحب ثروت بھی ان سے مرعوب ہو جاتا تھا۔

فن طب میں بڑی مہارت حاصل تھی، خدمت خلق کا غیر معمولی جذبہ رکھتے تھے۔ ان کے اہل محلہ کے لیے اعلان تھا کہ شب میں اگر کسی مریض کی حالت خراب ہو جائے، اور مجھے جگانے کی کوشش کی جائے، اور خدانخواستہ میری آنکھیں نہ کھلیں تو حاجتمندوں کو اختیار ہے کہ وہ میرے مکان میں چھلانگ لگا کر داخل ہو جائیں یا مکان میں ڈھیلے پھینکیں۔ حقیقت میں ان بزرگ نے طبابت کو صرف ذریعہ معاش نہ سمجھا تھا بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ طبابت ایک ذریعہ خدمت خلق ہے
۔

بہت سے مریضوں کو مفت دوائیں تقسیم کرتے تھے، غربا کی خدمت کرنے اور امرا سے ادویہ کی قیمتیں وصول کرنا ان کا خصوصی شیوہ تھا۔

ایک مرتبہ کی بات ہے کہ ان کی اہلیہ بی بی نذیرن سخت پریشان ہوئیں۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، حکیم صاحب موصوف اپنے بنگلے میں بیٹھے کتابوں کا مطالعہ فرما رہے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ وہ جس چوکی پر بیٹھ کر مریضوں کو دیکھا کرتے تھے۔ وہاں ہی ان کا مصلیٰ بچھا رہتا تھا، اور کتابیں ان کے اردگرد بے ترتیبی سے رکھی رہتی تھیں، وہ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے، اہلیہ نے ان سے استغنی اور بے فکری کی شکایت کی اور کہا آج بچوں کو کھانا کہاں سے ملے گا۔ یہ سننا تھا کہ حکیم صاحب پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے، انھوں نے فرمایا کہ رزق رسانی خدا کے ذمہ ہے، گھبرا اُٹھی ہو اور صبر نہیں کرسکتی ہو تو اب یہ تعویذ لے جاؤ، اور اسے جلتے ہوئے توے پر رکھ کر ہلکی ہلکی آنچ دو۔ کچھ

دیر ان کی اہلیہ نے ایسا ہی کیا، تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتی ہیں کہ شہر کے ایک رئیس کا پیادہ حکیم صاحب کو بلانے کے لیے آیا، اور اس نے کہا، جلد تشریف لے چلئے، پیٹ میں شدید درد ہو گیا ہے۔ حکیم صاحب مشیتِ الٰہی کے منتظر ہی تھے، اٹھے، رئیس کو جا کر دیکھا معمولی دوا دی، شفایاب ہو گئے۔ ہاں یہ بات ضرور سامنے رکھی کہ جب حکیم صاحب رئیس کو دیکھنے جانے لگے تو اندازہ لگایا کہ وہ کتنی دیر میں مریض کے مکان پر پہنچیں گے، اور اُسے دیکھنے میں وقت کتنا صرف ہوگا۔ اُسی اندازے کے مطابق اپنی بیوی کو ہدایت کی تو اُتار دینا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، حکیم لوٹ کر آئے تو نقدی بیوی کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے فرمایا، لو، تم کو اسی کی حاجت تھی، خدا نے بھیج دیئے۔ اتنی رقم تو کئی روز کے لیے کافی ہے۔

آپ کا وصال بھی حیرت انگیز طور پر ہوا، ایک دن آپ سر شام اپنے محلّہ کے احباب کے ہمراہ (املی تلے، چوک پر) تشریف فرما تھے کہ اچانک ان کی طبیعت میں اضطراب ہوا، انھوں نے فرمایا کہ کسی نے سحر کی ہانڈی میرے پاس بھیجی ہے۔ تمام لوگ جو ان سے قریب بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے محسوس کیا کہ کوئی چیز اچانک تیزی سے سنسناتی ہوئی اُڑ کر آئی ہے، اور حکیم صاحب کے سر پر گردش کر رہی ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ میں اُسے واپس کر سکتا ہوں، لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ جس نے میرے ساتھ یہ ظالمانہ حرکت کی ہے، وہ خود اس کی کاٹ جانتا بھی ہے یا نہیں۔ اگر میں نے واپس کیا اور اُسے اس کی کاٹ نہ آئی تو اُس کی موت یقینی ہے، اس طرح ایک آدمی کے خون کا الزام میرے سر آئے گا۔ مختصر یہ کہ آپ نے ہانڈی واپس نہ کی، وہاں سے اٹھے، گھر آئے اور گھر والوں کو آگاہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد ان کے سینے میں غیر معمولی چبھن محسوس ہوئی اور انجام کار روح پرواز کر گئی۔ یہ ان کی موت کا واقعہ محلّہ کے تمام لوگوں کو معلوم ہے۔ بے شمار لوگوں کی زبانی اس واقعہ کا علم ہوا، ساحرہ خود محلّہ کی ایک رشتہ دار اور معمر خاتون تھیں۔ یہ بھی ان کے قریب کے لوگوں کو معلوم ہے۔ بہر حال میں نے جیسا سنا درج کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حکیم عبدالحمید نے اپنی دو اولادیں چھوڑیں، بڑے صاحبزادے کا نام حکیم محمد اشرف تھا۔ یہ عالم دین بھی اور طبیب بھی تھے۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام سے فراغت کے بعد گڑھوا ضلع پلاموں میں طبابت کرتے تھے۔

دوسرے صاحبزادے لعل محمد صاحب عرف کلو کلکتہ میں تجارت کرتے تھے۔

حکیم عبدالحمید صاحب نے حکیم مہر علی صاحب نے بھی استفادہ کیا تھا۔ حکیم مہر علی صاحب کی تصنیف لطیف "مجربات سجادیہ" کی ایک تلخیص، جسے حکیم عبدالحمید نے مرتب کیا ہے، راقم الحروف کی نظر سے گزری ہے، اور جس کا ذکر دوسری جگہ کر چکا ہوں۔

حکیم عبدالرزاق

(۱۸۱۰ء-۱۹۶۰ء)

حکیم عبدالرزاق صاحب محلہ باغ بھائی خاں سہسرام کے رہنے والے تھے۔ آپ نے حکیم عبدالحمید کے فیض صحبت سے فائدہ اٹھایا، اور ان سے طب پڑھی۔

۴ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو انتقال فرمایا اور بعد مغرب مدفون ہوئے۔ خوش اطوار، اوسط قد، جاکٹ سینہ پر آویزاں بھلی معلوم ہوتی تھی۔ مولانا حافظ عبدالمنان صاحب ان کے صاحبزادے مولانا حکیم عبدالحق مرحوم کے ساتھی تھے۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔ حکیم عبدالرزاق صاحب کے داماد حافظ تفضل حسین مرحوم (ابن دھوبن انصاری ذکی شہید سہسرام) تھے۔

حکیم عبدالرزاق صاحب کے گہرے دوستوں میں مولانا شفاعت علی خاں ناشاد سہسرامی اور حکیم فصیح الدین شہر کی مشہور شخصیت تھے۔ محلہ ذکی شہید میں آخر الذکر کے میدان اور بنگلے پر ان لوگوں کی تقریباً روزانہ نشست ہوتی تھی۔ انتقال تقریباً ۱۹۶۰ء کے بعد ہوا۔ بوقت وصال عمر تقریباً ستر سال تھی۔

مولوی پروفیسر عبدالرشید

مولوی پروفیسر عبدالرشید صاحب، حافظ عبدالحمید صاحب حسرت سہسرامی کے

صاحبزادے اور چلکیہ ٹولہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔

سن پیدائش ۲۲ر ستمبر ۱۹۲۲ء ہے۔ تعلیم مظہر العلوم عربیہ کالج بنارس اور اورینٹل کالج لاہور اور دیگر عربی مدارس میں پائی۔

عرصے سے جامع عباسیہ بہاول پور پنجاب میں عربی کے لکچرر ہیں، اور ''الطریقة السهلة'' کے نام سے چند عربی رسالے لکھے ہیں۔ یہ رسالے ابتدائی عربی سیکھنے والے بچوں کے لیے نہایت ہی مفید ہیں، ''الطريقة السهلة'' کی چار جلدیں ہیں، اس کے علاوہ ایک کتاب ''عربک گرامر'' کے نام سے لکھی ہے۔ اسکول سائز کے یہ چند رسالے انھوں نے ناچیز کو بھی نمونہ کے طور اعانت فرمائے۔ میں نے انھیں مفید پایا۔

مرزا عبدالجلیل بیگ

(۱۸۸۸ء تا ۱۹۵۲ء)

نام مرزا عبدالجلیل بیگ ولد مرزا عبدالستار بیگ مرحوم بن مرزا دلدار بیگ بن جلیل بیگ بن مرزا اسحاق بیگ۔

مرزا دلدار صاحب اپنے خاندان کے مشہور و معروف شخصیت تھے۔ جہلم (پنجاب) میں آپ کو ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے پھانسی دی، ان کا مزار وہیں موجود ہے۔ انھیں وہاں ''معصوم شاہ'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

انگریزی فوج میں افسر کی حیثیت سے جہلم چھاؤنی میں تعینات تھے۔

عبدالجلیل صاحب کی پیدائش ۱۸ر ستمبر ۱۸۸۸ء۔ تعلیم سہسرام اسکول میں انٹرنس تک ہوئی۔ اس کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ وہاں دو سال رہے، ۱۹۰۸ء میں ایف۔ اے پاس کیا۔ اس کے بعد الٰہ آباد کرشچین کالج سے ۱۹۱۰ء میں بی۔ اے۔ پاس کیا۔ الٰہ آباد یونیورسٹی لاء کالج سے ۱۹۱۳ء میں لاء (فرسٹ ڈویژن) کیا۔ پھر سہسرام میں دو سال پریکٹس کیا۔ مئی ۱۹۱۶ء میں گیا چلے

گئے۔ وہاں مئی ۱۹۴۸ء سے ۳۲ سال تک وکالت کی۔ ابتدا میں سیاسی لگاؤ تھا۔ ۳۹-۱۹۳۷ء تک خاکسار تحریک کے صوبہ بہار کے حاکم اعلیٰ تھے۔

عبدالجلیل صاحب کے بڑے بھائی ان سے ۵ سال بڑے تھے۔ نام مرزا عبدالوہاب بیگ تھا۔ لندن سے بارایٹ لاء کر کے آئے اور پورنیہ میں بیرسٹری کرتے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں تقریباً ۴۶ سال کی عمر میں وصال پاگئے اور پورنیہ ہی میں دفن ہوئے۔

عبدالجلیل صاحب جب تک حیات سے تھے۔ راقم حاذقؔ سے ان کا تعلق برقرار رہا۔ ۱۹۵۲ء کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

مولانا عبداللطیف صاحب

مولانا عبداللطیف صاحب ابن شیخ ذاکر علی انصاری محلّہ مغل پورہ سہسرام کے رہنے والے ہیں۔ ۱۵ر محرم الحرام ۱۳۳۶ھ میں مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام سے فارغ ہوئے۔ مدرسہ مذکور کے بہت دنوں تک محصل اور مبلغ رہے، اس کے بعد کچھ دنوں تک مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کے محصل و مبلغ تھے۔ اس کے بعد کلٹی ضلع بردوان میں خطیب اور امام جامع مسجد کی حیثیت سے معروف تھے۔

۲۸ر محرم الحرام ۱۳۸۷ھ کو سہسرام میں تپ دق کے مرض میں وصال ہوا۔ مولانا عبدالستار مرحوم (ادرا) ان کے چچازاد بھائی تھے، اور مولانا عبدالستار ایک اچھے مقرر اور واعظ تھے۔ مثنوی شریف خاص انداز ترنم میں پڑھتے تھے۔ راقم الحروف حاذقؔ جب چرکنڈہ ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی تھا تو مولانا عبداللطیف صاحب مرحوم سے ہفتہ عشرہ میں کلٹی میں جاکر ملاقات کیا کرتا تھا۔ دیوبندی اور بریلوی کشمکش کے باعث دوشاہ آبادی علما مولانا محمد اسحاق خاں صاحب بھٹوا رسول پور اور عبداللطیف صاحب کی یہاں خوب پذیرائی ہوئی، اور کئی مناظرانہ طرز کے دونوں جانب سے بڑے جلسے ہوئے۔

راقم مولانا عبدالستار کا واعظ بھی سہسرام میں چند بار سن چکا ہے۔ پسندیدہ تقریریں فرمایا کرتے تھے۔

حافظ محمد عتیق اللہ

حافظ محمد عتیق اللہ محلّہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ماجد حکیم مولانا سامت اللہ سہسرامی اپنے محلّہ کی مشہور شخصیت تھے۔ ان کا مکان روضہ حسن خاں سور کے دکھن جانب حافظ عبدالعلی صاحب مرحوم (مدرسہ حفظ خانہ سہسرام) کے مکان سے متصل قابل ذکر تھا۔ اب اس کی صورت بدل گئی ہے۔

حافظ محمد عتیق اللہ ایک دیندار، عبادت گزار شخص تھے۔ ان کا پہلا لڑکا عبیداللہ بچپن میں فوت کر گیا۔ دوسرے لڑکے خلیل اللہ عرف خلیل احمد انصاری تھے۔ خلیل اللہ انصاری کی شادی بی بی جمیلہ مرحومہ بنت لعل محمد نورن گنج سے ہوئی تھی، جو راقم حاذقؔ کی رضاعی بہن تھی۔ اس کے بطن سے عقیل احمد، طفیل احمد، جمیل احمد ہرسہ بچپن میں فوت ہو گئے۔ ۲۰۰۵ء میں کفیل احمد عرف منوا اور غلام محی الدین عرف ٹنو، موجودہ سکونت محلّہ پٹھان ٹولی سہسرام میں حیات سے ہیں۔

متوفی ۱۹۹۷ء خلیل احمد کی دوسری بیوی کے بطن سے معراج الدین بچپن میں فوت، صرف وکیل احمد حسن کا پیشہ علاج و معالجہ ہے۔ زندہ ہے، اور اس کی بہن شبانہ خاتون حیات سے ہیں۔

مولانا عبدالستار

مولانا عبدالستار صاحب ابن عبدالشکور محلّہ مغل پورہ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم رائے بریلی میں مدرسہ رحمانیہ میں مولانا فرخند علی فرحت سہسرامی کے عہد میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ خیریہ سہسرام سے درس نظامیہ کی تکمیل کی۔ سال فراغت ۱۵ر محرم ۱۳۳۶ھ تھا۔

ان کے ہم درس حضرات عبداللطیف، محمد صدیق، حاجی محمد حنیف گیاوی، قمر الدین، عبدالقادر، عبدالواحد۔ دیکھئے روداد مدرسہ مذکور ۱۳۷۸ھ) تقریباً ۱۹۵۵ء تک حیات سے تھے۔

کچھ دنوں تک مدرسہ خیریہ میں محصل اور مبلغ رہے۔ اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ کے کئی

سالوں تک مبلغ رہے۔اس کے بعد سے مدتوں ریلوے جامع مسجد ادرہ میں امام وخطیب تھے۔وعظ وتبلیغ اور اشاعت دین میں شہرت رکھتے تھے۔خوش گلوئی میں خصوصی وصف رکھتے تھے۔انداز بیان شگفتہ وموثر تھا۔چھریرے بدن کے آدمی تھے۔قد لمبا تھا۔خوش لباس، پہاڑ کی سیر کے رسیا تھے۔

ان کے ایک صاجزادے حسام الدین صاحب برسوں ادرہ میں قیام کیا۔اس کے بعد سہسرام میں رہے پھر بمبئی چلے گئے۔مولانا عبدالستار صاحب کے بھائی ماسٹر محمد سلیمان صاحب چرکنڈہ کے ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر تھے۔ان کے لڑکے محمد اخلاق اور مشتاق ہیں۔اوّل الذکر کورڈوبی میں ہیں۔راقم جب چرکنڈہ میں تھا تو ماسٹر محمد سلیمان صاحب کے ہاں کمارڈبی میں رہتا تھا۔

ان کے لڑکے حافظ جلال الدین صاحب نے ادرہ میں باپ کی جگہ کام پر کیا۔ہر سال وہاں تراویح پڑھاتے رہے۔(۲۰۰۵ء) امسال بھی تراویح پڑھانے گئے مگر طبیعت نے ساتھ نہ دیا،عمر تقریباً ۷۵ سال ہے۔دارالعلوم مسیحیہ صابریہ باسہ (رہتاس) میں درسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔اب سہسرام میں ہیں۔

عبدالحئ

عبدالحئ بن عبدالغنی مرحوم محلّہ نورن گنج سہسرام کے رہنے والے تھے،سہسرام ہائی اسکول سے میٹرک کیا۔علمی ذوق رکھتے تھے۔بہار یونیورسٹی سے آئی۔اے۔کیا،اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں دماغ خراب ہوگیا۔صحت ہوتی تو رحمانیہ ہائی اسکول آسنسول میں ٹیچر ہو گئے۔تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۰ء میں اپنے بڑے بھائی عبدالقوی صاحب ڈائرکٹر آف ٹیلی فون اینڈ ٹیلیگرام ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) کے سبب ڈھاکہ چلے گئے۔اور ڈی۔ٹی۔آئی آفس میں ملازم ہو گئے۔دماغی حالت پھر خراب ہوگئی۔چند بچوں کو چھوڑ کر ۲۷/اکتوبر ۱۹۶۶ء کو ڈھاکہ میں راہی ملک بقا ہو گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی چار لڑکیاں مہتاب پیکر، پروین، تنویر ثریا، حمیدہ ناہید، ان میں سے ایک اہلیہ ماسٹر

مسرور عالم (ابن شیخ فرزند علی انصاری) بی۔ اس۔ سی۔ لیکچرر بوٹنی ہائی اسکول بکرم گنج ۲۰۰۵ء میں حیات سے ہیں۔

عبدالحیٔ صاحب کے بڑے بھائی عبدالولی مرحوم تھے جو آسنسول میں فونٹن پین کی دکان (عبدالکریم صاحب سہسرامی گھڑی ساز کی دکان سے متصل) چلاتے رہے۔ سیاسی ذوق کے آدمی تھے۔ جگ جیون بابو سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ ہمیشہ ان کی کامیابی کے لیے کوشاں رہے۔ ولی صاحب کے لڑکے قیصر عالم سرکاری ملازم ہیں۔ دوسرے لڑکے سید احمد پولس میں ہیں۔ تیسرے منیر اعظم بھی سرکاری ملازم ہیں، چوتھے مسعود ہیں جو اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

عبدالحیٔ مرحوم کے چچا زاد بھائی عبدالقیوم بھی ۱۹۷۱ء میں ڈھاکہ میں شہید ہوئے۔ عبدالقیوم کے والد منشی عبدالحفیظ صاحب مومن تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ آخر الذکر کے ایک لڑکے محمد اسلم صاحب ریلوے ملازم ریٹائر آسنسول میں رہتے ہیں اور مولانا ضیاء الحسن ضیا سہسرامی کے داماد اور مولوی ڈاکٹر مظفر عالی سہسرامی کے بہنوئی ہیں۔

مولوی حکیم عبدالحیٔ

حکیم عبدالحیٔ صاحب مرحوم حکیم شمس الدین صاحب مرحوم محلّہ چوکھنڈی سہسرام کے لڑکے اور حکیم بدرالدین صاحب مرحوم کے بھتیجے اور داماد تھے۔ حکیم بدرالدین صاحب کی ایک ہی صاحبزادی تھیں۔ بی بی فاطمہ، جن سے ان کی شادی ہوئی۔

حکیم عبدالحیٔ صاحب نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں علوم دینیہ کی تعلیم پائی اور ۱۹۰۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا یحییٰ صاحب کوچس (شاہ آباد) قابل ذکر ہیں۔

فن طب کی تکمیل مدرسہ طبیہ دہلی سے ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔ حکیم اجمل خاں صاحب دہلوی کے شاگردوں میں تھے۔

تعلیم کے بعد راما نوج سرن سنگھ والی سرگجہ جو مہاراج کے نام سے مشہور تھے، ان کے

طبیب خاص رہے۔ (۱۹۱۰ء سے ۱۹۵۰ء) تک یعنی ۴۰ سالوں تک۔ ۱۹۱۶ء میں کچھ روز اداگڑھ (یوپی) اور نیڑا (راجپوتانہ) میں ۱۹۱۹ء میں اور ہری پور مارواڑ میں ۱۹۲۱ء میں، ریاست راگوگڑھ (سی پی) میں ۱۹۲۴ء میں بھی رہنے کا موقع ملا۔ اور ہر جگہ لوگوں کو اپنے فن سے فائدہ پہنچایا۔ آخر عمر میں وطن کے ہو کر رہ گئے اور محلّہ منڈی کشور خاں میں ایک مکان تعمیر کرایا اور طبابت کرنے لگے، آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ وطن ہی میں وصال ہوا۔

مولوی حکیم عبدالحق

(وفات: ۲۶/ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ/ دسمبر ۱۹۹۱ء)

حکیم عبدالحق عرف حقو، حکیم عبدالحیٔ صاحب مرحوم کے لڑکے ہیں، اور ان دنوں اپنے مکان محلہ منڈی کشور حاں میں طبابت کرتے ہیں۔ اور اپنے محلّہ چوکھنڈی کی مسجد میں اعزازی طور پر امام ہیں۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے نانا حکیم بدرالدین صاحب سے ۴ سالوں تک فن طب کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد آخر میں حکیم سید فخر الدین جعفریؒ پان دری باغ الہ آباد سے فروری ۱۹۳۶ء میں فن طب کی سند حاصل کی۔

عبدالرحمٰن کوتوال شہر ریاست حیدر آباد، دکن

عبدالرحمٰن صاحب ابن حافظ عبدالکریم چیف جسٹس (حیدرآباد، دکن) ابن عبدالقادر خاں محلّہ چوکھنڈی سہسرام کے رہنے والے تھے۔

عبدالکریم صاحب غریب اور مفلوک الحال انسان تھے۔ دن کو بکریاں چراتے اور رات

میں میونسپلٹی کی لالٹین میں کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔آخر میں قانون کی کتابیں فارسی زبان میں پڑھی اور بہار و بنگال میں وکالت کے امتحان میں فرسٹ ہوئے، اور بھاگلپور میں وکالت کرنے لگے۔آخر میں نظام حیدر آباد کی معیت میں رہے اور وہاں چیف جسٹس ہوئے۔ان کی وفات کے بعد عبدالرحمان خاں نظام صاحب کو وہاں کوئی عہدہ مل گیا۔ نیز ان کو اور ان کی ماں کو ۳۲ سال تک ساڑھے تین سو روپے بالترتیب نظام کے یہاں سے وظیفے ملتے رہے۔عیش و آرام کی زندگی بسر کی۔اور اپنے باپ کے مکان میں رہ کر دادِ عیش دیتے اور شراب نوشی میں مصروف رہتے۔آدمی ذہین اور رئیسانہ مزاج کے تھے۔آپ کا مزار سبحان احمد خاں کے احاطے میں ہے۔عبدالکریم صاحب نے موضع بانسا علاقہ سہسرام میں گلشن کریم کے نام سے ایک باغ تعمیر کیا۔

حکیم فخر الحسن فخر سہسرامی نے قطعہ تاریخ وفات کہی:

وسیع النظر مرجع خاص و عام مرے محترم عبد رحمان خاں
وہ شیریں زباں پیکر حسن و خلق مثال ان کی اس شہر میں اب کہاں
محرم کی تاریخ تھی ساتویں بروز جمعہ چل بسے ناگہاں
کہا حاتم غیب نے یہ حکیم گئے اہل حق سوئے باغ جناں

۱۳۶۷ھ

شیخ عبدالحفیظ صاحب حفیظ سہسرامی

حفیظ صاحب، شیخ المشائخ حضرت حسن جان خاں صاحب حسن سہسرامی علیہ الرحمہ کی شاعری میں شریک تھے۔میلاد دل پذیر (ص۴۲) پر ایک خطبہ چھپا تھا، جو پڑھا جا سکا، حسب ذیل ہے۔

نسخہ پاک زد رقم گشت عیاں کمال او
گشت برائے آخرت دولت لازوال او

منشی عبدالکریم خاں برقؔ

سہسرام کے ایک بزرگ منشی عبدالکریم خاں سہسرامی تھے۔ تخلص برقؔ فرماتے تھے۔ میلاد دل پذیر از شیر میر خاں پر ان کا ایک قطعہ تاریخ نظر سے گزرا تھا، جس سے ان کا سہسرامی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

عبدالرؤف خاں

عبدالرؤف خاں صاحب جناب رجسٹرار راحت حسین خاں صاحب ساکن محلّہ پٹھان ٹولی سہسرام۔ راقم الحروف کے نہایت شفیق استاد تھے۔ گریجویٹ کرنے کے بعد ہائی انگلش اسکول سہسرام میں ٹیچر رہے، اسکے بعد مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے پرنسپل ہو گئے۔

مدرسہ کو انھوں نے اپنے عہد پرنسپلی میں کافی فروغ دیا، ناچیز ۱۹۳۹ء سے ۱۹۵۲ء تک مدرسہ میں ان کے عہد پرنسپلی میں دیا، جن سے تعلیم و تعلم کے علاوہ دیگر معاملات زندگی میں درس حاصل کرنے کا موقع ملا۔ نہایت متشرع اوز باغ و بہار آدمی تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستان سے دل برداشتہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۳ء میں وطن کو خیر باد کہا اور نواب گنج ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) میں جا کر تجارت کرنے لگے۔ اور وہیں کسی ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔

ابو محمد مصلح سہسرامی کے رفیق خاص میں ان کا شمار تھا۔ الاصلاح پریس کے زمانے میں ان کے مدد رہے۔ نیز مصلح صاحب کی عالمگیر تحریک قرآنی میں غیر معمولی طور پر حصہ لیتے رہے۔ سہسرام میں بیت المال قائم کیا، وہاں درس قرآن کی مجلسیں گرم کیں، مصلح صاحب جب حیدر آباد منتقل ہو گئے تو سہسرام سے یہ کام بھی ختم ہو گیا۔

خاں صاحب سہسرام میں مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے، مدرسہ بھی ان کی وجہ سے لیگ کا ایک سرگرم ادارہ بن گیا تھا۔ اساتذہ کے علاوہ طلبہ پر بھی لیگ کا گہرا اثر تھا۔ یہ ۱۹۴۷ء کی بات

ہے جب ناچیز وسطانیہ چہارم میں پڑھتا تھا،اور یکاوتنہا سارے طلبہ واساتذہ میں غیر لیگی ذہن رکھتا تھا،اوران کے خلاف دوسری تحریک کا غیر معمولی حمایتی تھا۔قدم قدم پر ناخوشگوار حالات کا سامنا تھا۔طلبہ تو طلبہ بسا اوقات اساتذہ سے بھی تو تو میں میں ہو جاتی تھی،اور آخر کار معاملہ خاں صاحب کے پاس پہنچا۔وہ پرنسپل تھے،وہ کسی کے ساتھ کوئی بھی سلوک کر سکتے تھے۔مگر داد دینی چاہیے ان کے ظرف کی کہ وہ ہمیشہ معاملات کو از راہِ انصاف دیکھتے تھے۔اس لیے معاملہ ہر بار رفع دفع ہو جاتا تھا۔

چاپلوسی ان کی طبیعت میں نہ تھی۔مدرسہ میں جب تک رہے متولی نوازی نہ کی۔غیر معمولی ایثار کے ساتھ رہے،اور ہمیشہ طلبہ کا ساتھ دیا،اساتذہ کے علاوہ طلبہ کی خاطر و مدارات کا غیر معمولی طور پر لحاظ رکھتے رہے۔اوران کے لیے ہمیشہ اپنی جیب کو زیر بار رکھا۔

پہاڑ کی سیر کے بڑے شوقین تھے۔خوب سیر و تفریح کرتے تھے۔مختصر یہ ہے کہ طلبہ کی نفسیات سے آگاہ،درس و تدریس کے ماہر،اہل علم کے قدرداں،مردم شناس،نیک سیرت اور نیک خصال جیسے اوصاف کے مالک،رہنما اور قابل قدر استاد ہیں۔صداقت حسین خاں اور کمو خاں دونوں بھائی وکیل تھے اور عبدالرؤف خاں عمر میں ان دونوں سے چھوٹے تھے۔جب تک میں اور میرے ہم سبق سید شاہ محی الدین (بن سید شاہ بدیع الدین کبیر گنج،سہسرام) مدرسہ سے ۱۹۵۲ء میں عالم کا امتحان پاس نہ کر لیا،پرنسپل صاحب نے مدرسہ سے استعفیٰ نہ دیا۔۵۵ء تک غالباً حیات سے تھے۔ڈھاکہ میں دفن ہیں۔

سید شاہ عطا حسین کبیر گنج سہسرام

سید شاہ عطا حسین صاحب ابن سید شاہ صابر حسین ایک عالم فاضل بزرگ تھے اور مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں مدرس تھے۔اور مولانا عبدالحفیظ صاحب صدر مدرسہ خانقاہ سے بیعت تھے، اوران کے خلیفہ تھے۔ان ہی سے شاہ مخدوم میاں ابن سید شاہ غوث عالم بن سید شاہ فتح عالم۔(شاہ غوث صاحب کے قطب عالم نامی ایک اور بھائی تھے) اور فتح عالم صاحب کی ایک شادی معین

میاں سجادہ نشیں، سہسرام کی بہن سے ہوئی تھی۔مخدوم میاں شاہ ابدال عالم کے بڑے بھائی تھے)۔

شاہ عطا حسین صاحب تصوف میں درک رکھتے تھے۔ اور ان ہی سے شاہ بدیع الدین صاحب کو بہت سی تصوف کی تعلیم بحکم پیر حاصل ہوئی۔ انھوں نے ایک وظیفہ بتایا، جس کے سبب شاہ بدیع الدین صاحب نے خواب میں ایک بار بڑے پیر کو دیکھا۔

شاہ عطا صاحب کی وفات کو تقریباً ۴۰ سال ہوئے ہوں گے۔ یہ ۲۷؍جون ۱۹۶۶ء کی بات ہے جب بدیع الدین چچا نے راقم کو مذکورہ باتیں بتائیں۔شاہ بدیع راقم حاذق کے ہم سبق شاہ محی الدین محلّہ کبیر گنج سہسرام کے والد تھے۔شاہ محی الدین کے ایک داماد شاہ ابوالخیر محلّہ برتلہ سہسرام تھے جو اپنے کو ابوالخیر کریمی لکھتے تھے۔ ان کا مرقوم مقدمہ نغمات تصوف (مجموعۂ کلام استاذی محمود الحسنؒ) پر مرقوم ہے۔ ابوالخیر ایک ہائی اسکول میں ٹیچر تھے۔شعروادب کا ذوق تھا۔ جھاڑ پھونک کے شغل نے جواں عمری ہی میں جان لی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت سید شاہ غلام مخدوم فردوسی مستؔ سہسرامی

(۱۸۸۵ء تا ۱۹۵۵ء)

نام ووطن

سید شاہ غلام مخدوم نام، بکّو میاں عرف، مستؔ تخلص کرتے تھے۔ ایک بزرگ نے 'مست بادہ الست' کا خطاب دیا تھا۔ محلّہ چمر تکیہ (اڈا) میں سکونت پذیر تھے اور درگاہ شاہ بوڑھن کے متولی تھے۔

نسب نامہ

سید شاہ غلام مخدوم عرف بکّو میاں بن سید شاہ عبدالرحیم بن سید شاہ عبدالکریم بن عبدالرزاق المعروف بہ راجہ میاں بن شاہ رحیم الدین بن شاہ محمد اسحاق فردوسی بن شاہ فقیر اللہ فردوسی بن شاہ محی الدین معروف بہ لالا بن حضرت دیوان سید شاہ محمد زاہد فردوسی بن حضرت دیوان سید شاہ شریف بن حضرت دیوان شیخ فرید الدین المعروف بہ بوڑھن دیوانؒ۔

حضرت شاہ بوڑھن دیوانؒ کی تاریخ وفات ۱۰۰۷ھ بتائی جاتی ہے، اور یہ وہ زمانہ تھا جب شیر شاہ کے والد حسن خاں سور سہسرام تشریف لا چکے تھے۔

چند تحقیق طلب امور

حضرت شاہ بوڑھن دیوانؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی قاضی سید شاہ محمد مبارک بن قاضی سید شاہ ابومحمد تھا۔

مولانا ابومحمد مصلح سہسرامی مصنف تاریخ سہسرام نے لکھا ہے کہ آپ کا سلسلہ نسب چھبیسویں پشت میں جا کر خلیفہ سوم (یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) ملتا ہے''۔

ناچیز نے اس سلسلے کی تحقیق کی تو کسی خاص نتیجہ تک نہ پہنچ سکا۔ اس وقت جو حضرات اپنے آپ کو حضرت شاہ بوڑھنؒ کے خاندان سے وابستہ بتاتے ہیں ان میں دو قابل ذکر حضرات کے پاس جو شجرہ نسب موجود ہے وہ متضاد ہے۔ اس سلسلے کی ایک یادداشت تو مولانا سید عبدالرؤف صاحب اورنگ کے پاس ہنوز موجود ہے، جسے ناچیز نے بھی بچشم خود دیکھا ہے۔ سلسلۂ نسب مصنفِ تاریخ سہسرام کی تحریر کے مطابق ہے اور دوسرا جناب سید اظہار عالم مختار سہسرامی کے پاس موجود ہے، جس میں سلسلہ نسب کا امام زین العابدینؓ کے واسطے سے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ہونا درج ہے۔

حضرت شاہ بوڑھنؒ کو دیوان کیوں کہتے تھے۔ نیز آپ سہسرام میں کس ولی اللہ کے دیوان تھے، ہنوز تحقیق طلب ہے۔ مصلح صاحب لکھتے ہیں کہ ''حضرت دیوان صاحب بموجب حکم وارشاد حضرت مخدوم الملک شرف الحق شرف جہاں بہاری قدس سرہ سہسرام میں تشریف لائے''۔ مصلح صاحب نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اگر ان کے بیان کو تسلیم کیا جائے تو بلاشبہ انھیں شیخ شرف الدین بہاریؒ کا ہی دیوان ماننا چاہیے۔ یا شاہی دیوان بمعنی قاضی ومنصرم۔

شاہ بوڑھنؒ کے پیر ومرشد کا نام حضرت شاہ ابوالخیر فردوسی تھا، جن کا مزار قصبۂ روح کے متصل ہے، اور ان کا خاندان بھی اسی علاقے میں منصب قضا پر مامور تھا۔

قمر گیاوی صاحب ہملٹن سروے سپرنٹنڈنٹ پر اعتماد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> ''حسن خاں سوری اور شاہ بوڑھنؒ یکے بعد دیگرے سہسرام میں ایک ہی وقت میں آپہنچے تھے۔ ۱۸۰۷ء سے ۱۸۱۰ء کی سروے رپورٹ میں ہے کہ اوّل

اوّل حسن خاں سوری نے یہاں اسلام پھیلایا''۔ (تاریخ سہسرام ص ۸۷)

مصلح صاحب نے لکھا ہے کہ جس روز شاہ بوڑھنؒ مخدوم الملکؒ کے حکم صاحب ولایت ہوکر قصبۂ سہسرام میں تشریف لائے، اسی روز سہسرام کے صاحب ولایت بزرگ مخدوم شیخ صالح کا وصال ہوگیا، اور انھوں نے ہی نماز جنازہ پڑھائی۔

میرے نزدیک ہملٹن کا بیان بعض لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ اسلام کی اشاعت کا آغاز حضرت سید میر حسنؒ کے ہاتھوں قصبۂ سہسرام میں ہوا تھا، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید میر حسنؒ سلطان شہاب الدین محمد غوری کے زمانے میں ۵۸۷ھ میں تشریف لائے۔

مست کے گھر کا علمی ماحول

استاذی المکرم مست سہسرامیؒ نے اپنے عہد طفولیت و عہد شباب میں اپنے گھر کے کن بزرگوں کو دیکھا، اس سلسلے میں تفصیلی معلومات فراہم کرنا تو میرے بس میں نہیں، تاہم اتنا معلوم ہے کہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم اردو میں مسرور اور فارسی میں اکبر تخلص فرماتے تھے۔ صوفیانہ رنگ میں مملو ایک رباعی درج (۲) کرتا ہوں، جسے میں نے خود استادِ مکرم کی زبانی سنا تھا:

معشوق اگرچہ کہ ہے شوق و طناز ٭ رکھ سرّ مجازی سے نہ تو اس سے ساز

کر پیر سے الفت کہ خدا ملتا ہے مسرور حقیقت ہے یہی مجاز

مست صاحب کے جد مکرم کو بھی شاعری کا ذوق تھا، نام سید شاہ عبدالکریم تھا اس لیے تخلص بھی کریم فرماتے تھے۔ ان کا ایک شعر جو مست صاحب کی زبانی سنا، درج کرتا ہوں۔

سیرت کے ہم غلام ہیں صورت ہوئی تو کیا سرخ و سفید مٹی کی مورت ہوئی تو کیا

اس کو پڑھ کر فارسی کے مشہور شاعر صائب کا یہ شعر یاد آتا ہے

موئے سفید و روئے عیب مشک نیست با خلق خوش بصورتِ زیبا چہ حاجت

''مشاہیر شعرائے سہسرام'' میں ان بزرگوں کے حالات زندگی مع نمونۂ کلام مصلح صاحب نے درج کیے ہیں۔ میں ان سے یہاں صرفِ نظر کرتا ہوں۔

حلیہ حضرت مست

میانہ قد، تنومند جسم، وجیہ صورت، گندمی رنگ، پُر گوشت خدوخال مگر مناسب، ہونٹ سبک اور موافق، ناک سیدھی سڈول وضع دار، کان نمایاں اور زیب چہرہ، گردن چوڑی اور گوشت

بھری، سنہرا روپ دھارے مہندی لگی ہوئی گھنی اور بھر کلا داڑھی، بال بھرے، سنجیدہ ابرو، گوشت بھری چھاتی اور سینے چوڑے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بڑھاپے میں بھی اچھے خاصے پہلوان معلوم ہوتے تھے۔
لیکن بدقسمتی سے وسط عمر میں وسیع حلقہائے چشم کی دونوں آنکھیں بے نور ہوگئی تھیں۔ ایک آنکھ کا دیدہ قدرتی تھا تو دوسری آنکھ مصنوعی اور پتھر کا۔

لباس

سر پر گول ٹوپی، گیروے رنگ کا کرتا اور تہبند ہمیشہ زیب تن کئے رہتے تھے، کبھی کبھی چھوٹی مہری کا سادہ پاجامہ بھی پہنتے تھے، لیکن کسی موقع پر سفید پاجامہ پہنے، سبز عمامہ باندھے، خوش وضع اور طلائی رنگ کی عینک لگا کر تشریف لاتے تو آپ کی صورت خاص طور سے دیدہ زیب ہوتی تھی۔

عہد شباب

جوانی کی بات ہے، زمینداری کی دیکھ بھال کے سلسلے میں قصبات میں جانا ہوا، آسامیوں نے راہ میں سخت زدوکوب کی، اپنی دانست میں مار ڈالا، کھوپڑی کے تین ٹکڑے کر دیئے، ہڈیاں ٹوٹ گئیں، مونڈھے اُتر گئے۔ جوانی اور پہلوانی دونوں کے نشے نے انھیں اس مقام تک پہنچایا، حیات تھی، بچ گئے۔ نتیجتاً سر مخدوم سے سودائے مخدومیت جاتا رہا۔ آنکھیں بھی اسی حادثے میں بے نور ہوگئیں۔ اسی ''بے نوری'' نے انھیں ''صاحبِ نور'' بنایا، عجز وانکسار کے پُتلے ہوگئے۔ فقیرانہ وضع اختیار کی تو زندگی بھر نبھایا۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر کے ماحول میں ہوا، مکتب ان کے والد نے کرایا، اور انھیں کے آغوش شفقت میں رہ کر دینی و دنیوی تعلیم حاصل کی۔ ہوش سنبھالا تو اپنے شہر کے مشہور عالم دین حضرت مولانا ابوالحسن صاحب خوشدل سہسرامی (جو مدرسہ خانقاہ میں مدرس اوّل اور شیخ الحدیث تھے) کی فیضِ صحبت میں رہنے لگے۔ علوم عربیہ کی چند ابتدائی کتب کی خواندگی کے بعد طبیعت فارسی کی جانب مائل ہوئی تو اپنے استاد سے بہتر (۷۲) کتب متداولہ فارسی زبان میں سبقاً سبقاً پڑھیں۔ یہاں تک کہ انھیں فارسی میں غیر معمولی مہارت ہوگئی۔ فن شاعری میں بھی اپنے استاد سے

استفادہ کیا، اور عروض و بلاغت کی کتابیں بھی انھیں سے پڑھیں۔

اپنے استاد اور والد کی معیت کے علاوہ علامہ اجل و حافظ حدیث مولانا محمد قادر بخش سہسرامیؒ اور حضرت حسن جان خاں صاحب حسینؔ سہسرامی کی مجالس خیر میں رہنے کا موقع ملا۔ نیز راحت سہسرامی کو بچشم خود دیکھا اور ان کے کلام سے مستفید ہوئے۔

فن طب اور علم رمل و جفر کی تعلیمات وغیرہ سے بھی بہرہ ور تھے۔ اکثر خود کہا کرتے تھے کہ ''بعض ایسے علوم جس کے سکھانے کی مجھے دستگاہ ہے، اپنی آنکھوں کی مجبوری سے اپنے شاگردوں کو بھی نہیں سکھا سکتا''۔

شاعری

حضرت مستؔ کو شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ بہت سے مشاعرے پڑھے، تاہم وہ شاعر سے زیادہ شاعر گر تھے۔ خصوصاً طلبہ میں مذاق شاعری پیدا کرنے میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔

جوانی میں کلام کا مجموعہ مرتب کیا تھا۔ مگر ان کے ایک رفیق کے پاس ضائع ہو گیا۔

سہسرام کے ایک طرحی مشاعرہ کی روداد ماہنامہ تاج گیا (جنوری ۱۹۲۳ء) میں چھپی تھی۔ حضرت مستؔ بھی شریک ہوئے تھے۔ حضرت مستؔ کی غزل بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں:

وہ روٹھ کے بیٹھے انھیں ہم اٹھے منانے — اس بیٹھنے اُٹھنے کا مزا کیا کوئی جانے
مرتے ہی کیا زندۂ جاوید خدا نے — کچھ دن نہ چکھی موت کی لذت شہدا نے
منہ باغ میں گل آج ہیں گل چیں سے پھلائے — کیا پھونک دیا کان میں آتے ہی صبا نے
چن چن کے ترے والہ و شیدا کو ہے مارا — گن گن کے قدم آج بڑھائے ہیں قضا نے
عقبیٰ میں حیاتِ ابدی آئی کہاں سے — کچھ خضر نے لے لی ہے تو کچھ آبِ بقا نے
تقریرِ نکیرین کی ہم قبر میں سمجھے — کچھ بات نہ نکلی تو لگے بات بنانے
منہ مثلِ قضا تم نے چھپایا جو شبِ ہجر — مارا مجھے ظالم ترے اندازِ حیا نے

اے مستؔ نئی روشنی والوں کا ہے مجمع
مضمون نکالے ہیں نئے طبع رسا نے

متعدد افراد آپ سے بیعت بھی تھے۔ مگر پیری مریدی ان کا مشغلہ نہ تھا۔ تولیتِ درگاہ

کے سلسلے میں بھی مطعون رہے۔ نیز ان کی تولیت کے متعلق بھی ان کے اہل خاندان شاکی تھے۔

بسا اوقات مست صاحب کو اپنی طبیعت کی سادگی سے نقصان بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ اسی طرح ان کی ایک قلمی یادگار جس میں انھوں نے اپنے اسلاف کے حالاتِ زندگی قلم بند فرمایا تھا، ان کے ایک شاگرد کے پاس رہ گئی۔ پتہ نہیں آج وہ محفوظ ہے یا ضائع ہوگئی۔

وفات

حضرت مست طبعی عمر کو پہنچے، ستر سال سے کم عمر نہ تھی، ضعیفی نے ستا رکھا تھا۔ بواسیر کی شکایت ہوگئی تھی، آخر میں تو بہت ہی نڈھال اور نحیف ہوگئے تھے۔

۶ رشوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۹ رمئی ۱۹۵۵ء روز یکشنبہ بوقت شام راہئ دارالبقا ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف چند اولادیں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

تجہیز و تکفین

رات بھر نعش گھر میں رہی، دوسرے دن ۱۰ بجے دن کو اپنے موروثی قبرستان درگاہ شاہ بوڑھن میں ٹھیک شاہ بوڑھن دیوانؒ کے مزار کے پائیں جانب پھاٹک کے متصل مدفون ہوئے۔

ابوالانوار مولانا مولوی غلام مصطفٰے صاحب فخؔر سہسرامی

(۱۲۸۵ھ/۱۸۷۰ء تا ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء)

حکیم مولانا ابوالانوار غلام مصطفٰے صاحب فخؔر سہسرامی محلہ موچی ٹولہ (پٹھان ٹولی) کے رہنے والے تھے۔ جناب فاخر صاحب ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ خاندانی احوال جناب فاخؔر کے حالاتِ زندگی میں گزر چکے ہیں۔

جناب فخؔر صاحب کا کلام ان کے نواسے ریاض احمد ریاضؔ گیاوی ''یادگارِ فخؔر'' کے نام سے شائع کرا چکے ہیں۔

فخر صاحب کی خود نوشت سوانح عمری ان کے نثری نمونے کے طور پر درج کی جاتی ہے:

''ابوالانوار کنیت، غلام مصطفٰے نام، فخر تخلص، فی الحال سابق تخلص شفا سہسرامی، والد ماجدؒ کا نام شیخ فخر الدین صدیقی نسباً حنفی، مذہباً نقش بندی ابوالعلائی مشرباً۔ میرے دادا بزرگ بڑے عابد وزاہد ومرتاض تہجد گزار تھے، آپ نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ قلعہ رہتاس گڑھ موضع اکبر پور میں تجارت اور زراعت کے ذریعہ بسر فرمایا۔ عوام وخواص آپ کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے۔ میاں صاحب کے عرف سے آپ کی شہرت تھی۔ نام آپ کا حضرت میاں پیر محمد صاحب صدیقی تھا۔ آپ مولانا فصیح صاحب غازی پوری کے مریدین خاص میں تھے (ذکرواذکار اوراد وظائف) تلاوت قرآن مجید کی پابندی اس درجہ تھی کہ دنیا کا کوئی کام آپ کو معمولات سے روک نہ سکا۔ آخر عمر تک یہی حال رہا۔ قریب سو سال کی عمر پائی۔ آپ فقیر کے لیے ہمیشہ دعاء علم فرماتے رہے۔

میری ولادت ۱۲۸۵ھ میں بمقام پٹھان ٹولی قصبہ سہسرام ضلع شاہ آباد (آرہ) میں ہوئی۔ ابتدائی کتابیں میں نے سہسرام کے مدرسہ خانقاہ میں پڑھیں۔ سال اوّل تک کا نصاب پڑھنے کے بعد میں حضرت مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی کی خدمت میں لکھنؤ پہنچا۔ علم وادب اور معقولات سے فارغ ہو کر کانپور مولانا عبدالوہاب بہاری کی خدمت میں پہنچا، بقیہ کتابیں درسیات کی دارالعلوم کانپور میں ختم ہوئیں۔ کتب حدیث اور تکمیل علوم کے خیال نے حضرت محمود الحسنؒ شیخ الہند کے کفش برداری نے مجھ کو سرفرازی بخشی۔ وہاں سے سند تکمیل حاصل کرنے کے بعد مظفر پور، پورنیہ اور دربھنگہ وغیرہ مدرس اسلامیہ میں مدرس اوّل رہا۔ غرض کہ زندگی کہ دور نے دنیا کے مختلف شعبوں کی سیر کرائی۔ کبھی فن طبابت سے کام لیتا رہا اور کبھی مدرسی کرتا رہا۔ حضرت سلطان العارفین مولانا سید شاہ حفیظ الدین لطیفی ابوالعلائی کی نظر کیمیائے اثر نے مجھ کو ہر طرف سے بے نیاز بنا رکھا ہے، اور اب

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ۔۔۔ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

بار اجازت سر پر ڈال دیا گیا اور حکم ہوا کہ تم اپنی زندگی خدمتِ خلق میں بسر کرو اس میں تم کو بہت کچھ ملے گا۔

شعر وسخن کا مذاق تو فطری ہے میں ابتدا سے نظمِ سخن کا عادی ہوں مگر شاعر نہیں ہوں، کچھ لکھا یاروں نے اس کو مشاعروں میں پڑھا، کبھی کسی نے اصلاح لی تو اپنے مبلغ علم کے موافق اس کے اشعار درست کر دیئے مگر میں ہمیشہ اس سے محترز رہا کہ کوئی مجھ کو شاعروں میں شمار کرے۔ خدا بھلا کرے مولانا قمر گیاوی صاحب مؤلف ''آبِ کوثر'' کا کہ انھوں نے نہ معلوم کس خیال سے میرا نام آبِ کوثر میں داخل کرلیا ہے، ورنہ میری حقیقت تو صرف اتنی ہے اور بس۔

شاعروں میں ہوں نہ رندوں میں نہ میخواروں میں ہوں
اے بتو بندہ خدا کا میں گنہ گاروں میں ہوں

تالیف و تصنیف کا بھی مشغلہ رہا۔ (۱) صیف الاعظم علی الدلیل المحکم، (۲) نصیحۃ المنانی، (۳) تحصیل معرفت، (۴) جمال مصطفائی، قصہ حلیمہ دائی، (۵) انوار العزیز، (۶) رحمت کے چودہ پھول۔ یہ کل رسالے مطبوعہ ہیں۔ مختلف مطابع میں یہ طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ غیر مطبوعہ رسالے ابھی تک معرض تعویق میں ہیں۔ (۱) چہل حدیث، (۲) اصلاح الظنون فی جواز الخروج من بلد الطاعون، (۳) تذکیر الاحباب فی علم الکتاب، (۴) رد الاعلام مدفع الاوھام، (۵) کلید مثنوی معروف بہ اسلام کی کنجی، (۶) خیر القصص وغیرہ۔

خاکسار غلام مصطفےٰ فخر سہسرامی عفی اللہ عنہ''

ریاض گیاوی نے فخر صاحب کی تالیفات و تصنیفات کی تعداد تیرہ لکھی ہے جو دورانِ سیاحت میں لکھی گئی۔ کتابوں کا تعارف بھی کرایا ہے جسے طوالت کے خوف سے یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ جناب فخر ایک مدین عالم دین، کامیاب واعظ اور خوش گفتار ادیب و شاعر تھے۔ شاعری کم کرتے تھے۔ جو کلام دستیاب ہوسکا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فکر پر مذہب کا اثر زیادہ تھا۔ اشعار بھی زیادہ تر انھیں رنگ میں ہیں۔

فخر کی ایک منظوم تصنیف ''قصہ دائی حلیمہ'' ریاض صاحب کی کاوش سے دوبارہ طبع ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ راقم نے اس کتاب کو دیکھا ہے، ایک اچھی منظوم کاوش ہے۔

فخر کا وصال وطن سے دور قصبہ مئوگنج ضلع دیوان (مدھیہ پردیش) میں ۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ (۳ر مارچ ۱۹۵۰ء) میں اپنے ایک مرید کے یہاں دوران قیام میں ہوا۔ مزار وہیں دامنِ کوہ میں ہے۔

نمونۂ کلام

ترا وصف پاک تری ثنا تری شان جل جلالہٗ — نہ ہوئی کسی نہ ہو ادا تری شان جل جلالہٗ
تو جمیل ہے تو جمیل ہے نہیں کوئی تیرا مثیل ہے — تو ہی لاشریک ہے ربنا تری شان جل جلالہٗ
ہے خدا سے فخر کی آرزو کہ جہاں میں رکھے وہ آبرو — بہ طفیل حضرتِ مصطفٰے تری شان جل جلالہٗ

بلاؤں میں تیری طرف دھیان ہو — جو مشکل پڑے ہم پہ آسان ہو

فخر یہ بندہ ترا ہے بیکس و مظلوم ہے — بعد مردن مغفرت ہو مصطفٰے کے واسطے

خطائیں مری بخش دے یا الٰہی — کہ ہے نام مشہور غفار تیرا

نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ — جلوہ فرما یہاں وہاں ہے تو

بہت گھبرا گیا جی ہند میں اے فخر جینے سے — دعا یہ ہے طلب کا حکم اب آئے مدینے سے

سنا ہے فخر مدینے سے آج آئے ہیں — مزارِ پاک کا صندل وہاں سے لائے ہیں

کچھ بضاعت ہے نہ پونجی پاس ہے — اک فقط رحمت کی تیری آس ہے

عشق کا مطلب سمجھنے کے لیے — جایئے حضرت کسی کامل کے پاس

زخمِ دل پھوٹ گیا نشترِ غم سے شاید — آبلے روتے ہیں سینے میں صدا ہوتی ہے

کیا حقیقت ہے فرازِ عرش کی فخر ہم کرتے ہیں سیر بامِ دل

غلام نبی فاخر سہسرامی

(۱۲۸۸ھ/۱۸۶۹ء تا ۱۳۸۹ھ/۱۹۷۰ء)

نام غلام نبی، تخلص فاخر بن مولانا شیخ فخرالدین بن مولانا میاں پیر محمد ہمدانی۔

حکیم فاخر سہسرامی، سہسرام کے مشہور شاعر ہیں۔ راقم نے انھیں ایک مشاعرے میں دیکھا تھا۔ یہ مشاعرہ تقسیم ہند سے کچھ دن پہلے عبدالرحمٰن خاں صاحب کی چھت پر ہوا تھا مسلم لیگ سہسرام کی جانب سے۔ اس مشاعرہ میں مولانا حکیم عبدالواجد صاحب شائق سہسرامی بھی شریک تھے۔ جناب فاخر نے اس مشاعرے میں اپنے آپ کو حضرت شائق کا شاگرد بتایا تھا۔ راقم بھی اس مشاعرے میں سامع کی حیثیت سے شریک تھا۔

مگر افسوس کہ فاخر صاحب کا جو تذکرہ ''دبستان سخن'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں کہیں بھی ان کے نواسے ریاض الدین صاحب ریاض گیاوی نے حضرت شائق کا ذکر نہیں کیا ہے۔ انھیں شاید اس کا علم نہ ہو کہ طب ان سے پڑھی۔

''دبستان سخن'' کے مرتب ریاض صاحب ہیں۔ یہ تذکرہ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں تاج پریس باری روڈ گیا سے اسکول سائز میں چھپا ہے۔ لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ کل صفحات ۱۰۵ ہیں۔ کتاب کا انتساب علامہ شفیق رضوی عماد پوری کے نام کیا گیا ہے۔ اس کے بعد استاذی المکرم مولانا ریاست علی صاحب ندوی مدظلہ العالی کے قلم سے تقریظ ہے۔ انھوں نے جستہ جستہ کلام کو دیکھ کر تقریظ لکھی ہے۔ اس کے بعد ''تعارف'' مولانا شاہ غلام مصطفٰے صاحب فخر سہسرامی کے قلم سے ہے۔ اس کے مرتب کے قلم سے ''احوال مصنف'' کے عنوان سے فاخر صاحب کے حالاتِ زندگی کل پانچ صفحوں میں لکھے گئے ہیں۔

جناب فاخر کا نام غلام نبی ہے۔ فاخر تخلص فرماتے ہیں۔ یہ مولانا محمد مصطفٰے صاحب فخر سہسرامی کے بھائی ہیں۔ اور محلہ پٹھان ٹولی سہسرام کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم بہت زیادہ نہیں،

تاہم معلومات اچھی ہے۔ شعروشاعری کا اچھا ذوق ہے۔ اردو وفارسی کی کچھ کتابیں بشاش سہسرامی سے پڑھیں۔

فاخر صاحب کے والد کا نام مولانا شیخ فخر الدین صدیقی ہے۔ دادا کا نام مولانا میاں پیر محمد ہمدانی تھا۔ ان کے والد کا مزار اکبر پور میں ہے۔ اور دادا کا مزار شیر شاہ کی میٹھ پر۔

فاخر صاحب کے دادا ایک متدیّن آدمی تھے، جو مولانا فصیح الدین صاحب غازیپوریؒ کے مرید تھے۔ کہا جاتا ہے کہ فاخر صاحب کے پردادا کا نام شریف احمد یا نذیر احمد صدیقی تھا، جو شہنشاہ ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں متوفی ۱۰۷۰ء کے عہد سلطنت میں ہمدان مضافاتِ ایران سے آئے تھے۔

فاخر صاحب کی تاریخ پیدائش ۹ ربیع الاوّل ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۶۹ء ہے۔ فاخر صاحب کو شعروشاعری میں فخر سہسرامی، سریر کابری اور شفق عمادی سے استفادہ کا موقع ملا۔ فاخر صاحب نے اپنے دو اساتذۂ سخن کا ذکر ذیل کے شعر میں کیا ہے:

سریر خوش بیاں سرمایۂ ناز شفق فاخر نصیبوں سے مجھے عزت ملی دونوں کی خدمت میں

فاخر صاحب سہسرام کی ایک ایسی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، جسے سہسرام میں ''کمونگر'' کہتے ہیں، اس برادری کا کام کاغذ کے پھول، تعزیے اور دوسرے سامان بنا کر فروخت کرنا ہے۔ اس برادری کے لوگ سہسرام میں نہایت ہی پس ماندہ ہیں۔ مگر جناب فخر کے حالاتِ زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے خاندان کا اصل پیشہ نہیں تھا۔ فاخر صاحب خود ڈالٹین گنج (پلاموں) میں کچھ دنوں ٹھیکہ داری کرتے رہے۔ پھر سنگر کمپنی میں منیجر ہوئے، کچھ انگریزی پڑھی، کچھ روز سہسرام میں کپڑے بیچے۔ مگر یکا یک آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ اعمیٰ ہو گئے۔ ابرا ضلع گیا میں طبابت کرتے تھے۔ اور ۱۹۳۰ء سے یہیں مقیم تھے۔

حافظہ اچھا تھا۔ زبانی اشعار سناتے تھے اور بہت ہی لحلخے سے پڑھتے تھے، آواز میں درد تھا۔

''فریادِ مسلم'' کے نام سے ایک کتاب پہلے بھی سہسرام میں طبع ہو چکی تھی۔ اب ان کا مجموعۂ کلام ''دبستانِ سخن'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔

روشن نہ کیوں ہو داغِ جگر شمع طور سے جلتا ہے یہ چراغ محمدؐ کے نور سے
واعظ ڈرا نہ مجھ کو جہنم کی آگ سے رحمت کو چار چاند لگے ہیں قصور سے

برقِ نگاہ کفر کے خرمن پہ جب پڑی　　ظلمت کے گھر میں آگ لگی اس کے نور سے
دل بھی خدا کا گھر ہے یہیں سر جھکائیں گے　　زاہد سلام ہے ترے کعبہ کو دُور سے
کوثر کا جام ساقیِ کوثر پلائیں گے　　بھر دیں گے میرا شیشۂ دل اپنے نور سے
فاخرؔ یہ کہہ رہی ہے تمنائے مغفرت
مایوس ہو نہ رحمتِ ربِ غفور سے

غلام غوث فخریؔ سہسرامی

(وفات: تقریباً ۱۹۳۵ء)

تذکرہ مسلم شعرائے بہار حصہ سوم، ص ۲۰۳، نمبر شمار ۵۶۱ میں ان کا حال مختصر اور صرف ایک شعر درج ہے۔ حالانکہ فخری صاحب کو صرف اردو ہی میں نہیں عربی، فارسی، بھوجپوری، بنگلہ، اڑیا اور انگریزی ہر ایک میں درک تھا۔ ان کی ایک غزل ایسی ہے، جس میں مذکورہ زبان کے الفاظ کو انھوں نے بہت خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ بہرحال تذکرہ میں جو کچھ لکھا ہے، درج ذیل ہے۔

''غلام غوث نام، فخریؔ تخلص، خلف حضرت مولانا شیخ فخر الدین صدیقی بن مولانا میاں پیر محمد ہمدانی (مرید مولانا فصیح صاحب غازی پوری) متوطن محلہ نیم کالے خاں قصبہ سہسرام ضلع آرہ۔ آپ حضرت مولانا غلام مصطفٰے صاحب فخرؔ سہسرامی کے سوتیلے بھائی تھے۔ محلہ امر تلہ کلکتہ میں مدتوں قیام پذیر رہے۔ عرصہ ہوا سہسرام میں وفات پائی۔ شعر زیادہ تر مزاحیہ کہتے تھے۔ تاریخ کہنے میں مہارت حاصل تھی۔ کچھ سنجیدہ کلام بھی موجود ہے۔ آپ کا کلام آپ کے وارثوں کے پاس منتشر طور پر پایا جاتا ہے۔

سنائیں کس کو رو رو کر ہم اے دل درد دکھ اپنا　　گیا پہلو سے ظالم لیے سب چین دسکھ...... اپنا''

اضافہ از قلم حاذق

فخری صاحب مرحوم غزلوں کے علاوہ قومی اور مزاحیہ نظمیں بھی لکھتے تھے۔ان کا خاندانی پیشہ کمونگری تھا۔گویا اُن کے خاندان کو کاغذوں کی گل تراشی کے ساتھ ساتھ علم وفن کے گلدستے سجانے میں بھی غایت درجہ کی مہارت تھی۔مانوسؔ سہسرامی کی زبانی یہ شعر سننے میں آیا

ختم منزل ہو چکی بہر خدا دم لینے دو   اے فلک محتاج ہوں بس چار ہی تکبیر کا

تقریباً ۱۹۳۵ء تک حیات سے تھے۔

آگے جو اُن کی معرکتہ الآرا غزل جس کی ردیف بھوجپوری میں ہے اور الفاظ اردو، فارسی، انگریزی ہر سہ زبان کی غزل کے حسن کو بڑھانے میں ایک خاص انداز سے ادا ہوئے ہیں۔ اردو اِملے میں آسانی سے نہیں پڑھے جاسکتے ہیں۔غور کرنے والوں سے توقع ہے کہ صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ لیں گے۔ یہ پوری غزل مانوسؔ سہسرامی مرحوم کو یاد تھی، اور وہ خود بھی ایک خاص انداز اور ترنم کے ساتھ گا ہے ہم لوگوں کو سناتے تھے تو واقعتۂ فخری مرحوم فخری معلوم ہوتے تھے۔خدا ہر ایک کی مغفرت فرمائے، آمین!

غوثؔ سہسرامی

(حیات: ۱۸۹۵ء)

''آبِ کوثر'' میں قمر گیاوی نے تحریر فرمایا کہ ''محمد غوث عالم صاحب غوثؔ سہسرامی چمر تکیہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔۱۸۹۵ء میں حیات سے تھے۔درگاہ بوڑھن شاہؒ سے ان کا تعلق تھا۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

دل گیسوئے پرخم پہ جو مائل نہیں ہوتا   شہرہ یہ جنوں کا سرِ محفل نہیں ہوتا

گلشن میں کیا مزا ہو جو پہلو میں یار ہو   بلبل کے چہچہے بھی ہوں فصلِ بہار ہو

غلام فرید الدین فرید سہسرامی

قمر گیاوی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ

''مولوی غلام فرید الدین ولد شیخ وجیہ الدین، برتلا سہسرام، تاریخ

انتقال ۴؍محرم ۱۳۴۴ھ۔

جب حسینوں کو ازل میں عشق کی دولت ملی　　آہ دردِ دل تھا حصہ عاشقِ دلگیر کا

سینے سے پار دم میں ہو برچھی نگاہ کی　　دیکھیں مری طرف جو کبھی اک نظر سے آپ

ان کے فرزند مولوی ظہیر الدین صاحب نے ان کا قلمی مجموعۂ اشعار

مجھے دکھایا''۔　　　(آبِ کوثر)

مذکورہ فرید (ثانی) سہسرامی پر اب ایک جامع کتاب ان کے پوتے اخی المدرسہ مولانا احتشام الدین (پیدائش ۱۹۲۶ء۔ وفات: ۲۵؍جنوری ۲۰۰۸ء) نے تاریخ ابلاغ چشت لکھی۔ کل صفحات ۲۰۸ مطبوعہ ۲۰؍مئی ۱۹۹۲ء۔ اس میں انھوں نے راقم حاذق کا بھی ذکر کیا ہے۔ کتاب تاریخی نوعیت کی ہے جو لائق مطالعہ ہے۔

عید گاہ سہسرام کی امامت کے سلسلے میں اس کتاب میں جو کچھ مرقوم ہے۔ واقعہ اس کے سوا ہے۔ سرکار مدعی بمقابلۂ امجد علی و مولوی فرید الدین، ایس۔ ڈی۔ او سہسرام، ڈبلو۔ جے۔ س۔ لادری اسکواڑ مؤرخہ ۲۶؍نومبر ۱۹۱۱ء کو اپنے فیصلہ میں یہ کہا ''...اور اپنا فیصلہ صادر کرتا ہوں کہ اکثریت کی مرضی کے خلاف ۲، ۳؍دسمبر کو ایم فرید الدین احمد عید گاہ میں بقرعید کی نماز کی امامت نہیں کر سکتے، لیکن یقینی طور پر عید گاہ میں عام نمازی کی حیثیت سے انھیں روکا نہیں جا سکتا''۔ وفات ۲۰۰۷ء۔ (حاذق)

غلام مرتضےٰ جنوؔں سہسرامی

جن حضرات کی نظر مشاہیر شعرائے ہند کے تذکروں پر ہے، وہ یقیناً شاہ غلام مرتضےٰ جنوؔں سہسرامی کے نام سے واقف ہیں۔

عرصہ تک تو یہ بات پردۂ خفا میں رہی کہ حضرت جنوؔں اصل باشندہ کہاں کے تھے۔ الٰہ آبادی ہونا تو ان کا معروف تھا مگر سہسرامی بہاری ہونا کم ہی لوگ جانتے تھے۔ حالانکہ متعدد تذکروں میں ان کا اور ان کے والد کا سہسرامی ہونا مرقوم تھا۔

میرے علم کی حد تک حضرت جنوؔں پر کسی نے پہلی بار سیر حاصل مضمون لکھا، تو وہ جناب مولانا سید عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی تھے۔ موصوف بہاری کا مضمون بعنوان مولانا شاہ غلام مرتضےٰ جنوؔں سہسرامی، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تو بہت سی نئی باتوں کا علم ہوا۔ مولانا نے ان کے حالاتِ زندگی کے ساتھ، ان کے عہد کی بھی تعیین کی، اور ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ حصۂ تفسیر کی بھی نشاندہی فرمائی اور ان کی تفسیر کی نوعیت بھی واضح کی۔ مولانا موصوف نے اپنے اس مضمون میں لکھا تھا:

> ''مولانا شاہ غلام مرتضےٰ نسباً علوی اور وطناً بہاری ہیں۔ سن پیدائش اور وفات صحیح معلوم نہیں۔ سید عزیز الدین رازؔ مؤلف تاریخ شعرائے بہار لکھتے ہیں کہ ۱۱۵۰ھ سے پہلے پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ کے بعد وفات پائی۔ جائے پیدائش اور جائے وفات بھی صحیح معلوم نہیں۔ مشہور شاعر سوؔدا کے ہم عصر تھے۔ سودا نے ان کے ایک مصرع پر تضمین کی ہے۔
>
> اے جنوں مصرع ترا سوؔدا کی ہے زنجیر پا
> قید سے تیرے نہیں ہونے کو اب آزاد ہم''

پھر مولانا موصوف نے تذکرۂ شورشؔ اور تذکرۂ عشقی وغیرہ سے کچھ باتیں یکجا کر دی تھیں۔ پھر ان کی مطبوعہ تفسیر پارہ سے نمونۂ کلام کی مثالیں اچھی خاصی پیش فرمائی تھیں۔

افسوس کہ مولانا موصوف کے مضمون مذکور کی پہلی ہی قسط شائع ہو کر رہ گئی۔ مضمون مذکور کے آخر میں لفظ ''باقی'' لکھا رہ گیا۔

راقم ۱۴؍مارچ ۱۹۷۳ء کو مولانا مرحوم سے ان کے مکان واقع نیو قاضی محلہ، اورنگ آباد (بہار) پر ملا تو مولانا موصوف کی ایک بیاض یادداشت دیکھنے کا موقع ملا تو علم ہوا کہ مولانا موصوف پہلے یہ سمجھتے تھے کہ جنوںؔ کا وطن چین پور علاقہ سہسرام ہے۔ مگر ان کی رائے، معلوم ہوتا ہے، قاضی عبدالودود صاحب سے ملنے کے بعد بدل گئی، جیسا کہ ان کی ذیل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

''ایضاً۔ حقیقتاً یہ الٰہ آبادی نہیں، بہاری و سہسرامی ہیں۔ ان کے والد سہسرام کے رہنے والے تھے۔ اور جنوںؔ غالباً سہسرام ہی میں پیدا ہوئے تھے، بعد میں ان کا تعلق الٰہ آباد سے ہو گیا۔ سوداؔ نے ان کے مصرعے تضمین کیے''۔

(از قاضی عبدالودود، بارایٹ لا، پٹنہ)

اس کے بعد مولانا موصوف نے اپنی ''یادداشت'' مذکور میں ذیل کی عبارت لکھی:

''جنوں تخلص الٰہ آبادی، اسمش شیخ غلام مرتضےٰ ابن شاہ تیمور سہسرامی از تلامذہ مولوی برکت مرحوم است۔ مدتے ست کہ چشمش از بینائی عاطل گشتہ در الٰہ آباد بانزوامی گزارند۔ بایں خاکسار آشنا و ذہنش فہم معانی رسا است از وست

وجود اس جہاں کا عدم دیکھتے ہیں — عجب خواب ہے، یہ جو ہم دیکھتے ہیں
مٹے ہے نہ پیچ و تاب اپنے دل کا — جب اس زلف کا پیچ و خم دیکھتے ہیں

آفت جاں ہو گئی آخر یہ بینائی مجھے — جو بلا کہیئے سو ان آنکھوں نے دکھلائی مجھے
دل مرا ہر شب الجھتا ہے صنم کی زلف سے — ایک شب کب چین دیتا ہے یہ سودائی مجھے

(گلزار ابراہیم قلمی مؤلفہ نواب علی ابراہیم خاں خلیل)

کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس وقت سوداؔ نے جنوںؔ کے مصرعے کی تضمین کی۔ جنوںؔ ایک کامیاب غزل گو کی حیثیت سے زیادہ معروف تھے اور سودا قصیدہ گو کی حیثیت سے زیادہ معروف تھے اور سودا قصیدہ گو کی حیثیت سے۔

مرزا محمد رفیع سوداؔ، از خلیق انجم مطبوعہ علی گڑھ صفحہ ۱۶۳ پر ہے:

''سوداؔ ایک عظیم شاعر تھے، لیکن غزل گو نہیں''۔

نیز صفحہ ۷۵ پر ہے کہ:

''مرزا کو ریختہ گو شاعر کی حیثیت سے ۱۱۵۴ھ کے لگ بھگ مقبولیت
حاصل ہونی شروع ہوئی''۔

گمان غالب ہے کہ مرزا سوداؔ جس زمانے میں فیض آباد میں بعہد شجاع الدولہ مقیم تھے،
اسی زمانے میں شاید جنوں سے زیادہ قریب ہوئے اور انھوں نے جنوں کے ایک صاف اور رواں
مصرع کی تضمین کہی۔ پھر بھی سودا کا مصرع فارسی ترکیب ''زنجیر پا'' کے سبب زیادہ رواں نہ ہو سکا،
البتہ معنویت اس ترکیب سے زیادہ ہویدا ہوئی۔

جنوں کا تعلق درد دہلوی سے بھی تھا اور دردؔ کو بھی اہل سہسرام سے گہرا تعلق تھا۔ دردؔ کے بعض
اہل خاندان کے مزارات ناصری گنج، علاقہ سہسرام میں آج بھی زیارت گاہ عام ہیں۔

نیز خواجہ میر درد کا دیوان ''درد دل و شمع محفل'' مطبوعہ مطبع کبیری سہسرام ۱۲۶۷ھ (مطابق
۱۸۵۰ء) آج بھی دستیاب ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہے کہ خواجہ میر دردؒ کے ایک خلیفہ مسمّیٰ فقیر شیعت کے ازالے کے لیے
تشریف لائے تھے، اور یہیں مدفون ہوئے۔

تذکرہ گلشن ہند صفحہ ۱۰۱ کے حوالہ سے خواجہ میر دردؔ ذکر اور فکر مصنفہ قدیر احمد صفحہ ۲۲۲ مکتبہ
شاہراہ، اردو بازار دہلی میں ہے:

''جنوں کا بغیر نام دیئے ہوئے صاحب صاحب تذکرہ گلشن ہند نے
آپ کو بھی دوستان خواجہ میر درد میں لکھا ہے: گویند از مرحوم دہلی دوستانِ خواجہ میر
درد بودہ بہر تقدیر سلامت گفتار از اشعارش پیداست''۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے جنوں کی وفات دہلی میں ہوئی۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ سوداؔ اور درد دونوں سے جنوںؔ کا لگاؤ واضح ہے۔ ممکن ہے دہلی ہی
کی ملاقات ہو یا کہیں اور کی بھی۔ اور سوداؔ فرخ آباد یا فیض آباد میں بھی تھے۔

حضرت جنوںؔ کے سلسلے میں بڑی دشواری یہ ہے کہ انھیں کسی نے ''شیخ'' یا کسی نے
''شاہ'' لکھا ہے اور ان کے والد کو کسی نے ''سید'' کسی نے ''شاہ'' لکھا ہے۔ اسی طرح ان کی تفسیر بھی
مختلف شہروں سے منسوب ہو گئی جہاں وہ گئے۔ کسی نے انھیں الٰہ آبادی، کسی نے شاہجہانپوری بنا دیا
ہے۔ مگر وہ اصلاً چین پور سہسرامی ہی معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تذکرہ گلشن سخن میں ہے

حضرت جنوں کی تفسیروں کا ذکر ان کے تخلص کے اظہار کے بغیر مولانا حکیم سید عبدالحئ (والد ماجد مولانا ابوالحسن علی ندوی) سابق ندوۃ العلما لکھنؤ اپنی مشہور کتاب ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ سلسلہ دارالمصنفین نمبر ۱۰۱ میں بہ زیر عنوان ''فن تفسیر میں ہندوستانی مصنفین کی کتابیں'' یہ عبارت صفحہ ۲۳۵ پر لکھی ہے:

''منظوم تفسیر قرآن، بزبان اردو مرتبہ شیخ غلام مرتضے بن تیمور الہ

آبادی صفحہ ۲۳۹ کی عبارت یہ ہے:

سورۂ یوسف کی منظوم تفسیر بزبان اردو مرتبہ شیخ غلام مرتضے الہ آبادی

صفحہ ۲۴۰ کی عبارت یہ ہے:

سورۂ ملک کی تفسیر منظوم مرتبہ شیخ غلام مرتضے شاہ جہاں پوری''۔

راقم کا خیال ہے کہ مذکورہ شاہ جہاں پوری کی مذکورہ تفسیر کی بھی اگر تحقیق کی جائے تو کیا عجب یہ بھی جنوں سہرامی کی تصنیف ثابت ہو۔

یہ تو محقق ہے کہ اردو میں قرآن پاک منظوم ترجمہ یعنی سب سے پہلا ترجمہ شاہ غلام مرتضے جنوں سہرامی کا ہے۔ البتہ یہ کہتے ہیں کہ نثر میں اوّلیت شاہ مراد اللہ انصاری کے مطبوعہ ترجمہ ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۷۰ کو ہے۔ تاہم ابھی یہ کہنا مشکل ہے کہ اوّلیت ترجمہ کی اوّلاً سب سے پہلے کس کی سعادت میں آئی۔ بہر حال جنوں بھی حضرت شاہ مراد اللہ انصاری کے معاصر ہیں۔

جنوں کا ترجمہ قرآن پاک جو اَب تک راقم کو دستیاب ہو سکا، سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ ان کی منظوم اُردو تفسیر کا مخطوطہ سورۂ بنی اسرائیل وکہف، خدا بخش لائبریری (فارسی مخطوطہ نمبر ۱۴۶۲ وغیرہ میں شامل ہے) تعداد صفحات ۱تا ۱۴۸ یا ۱۴۹ ہے۔

جنوں کے علمی کارناموں کو مختلف انداز میں جانچنے، پرکھنے اور منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔ ان کی تفسیر بھی گوناگوں علمی مباحث سے پُر ہے۔ ان کی تفسیر عالمانہ بھی ہے، اور صوفیانہ اور محققانہ بھی۔ بعض امور میں غیر معمولی غلو بھی ہے، اور زبان وادب کے تسامحات بھی ہیں۔ تاہم ان کا کلامِ منظوم بیشتر معیاری ہے۔ ضرورت ہے کہ ان پر کھل کر عالمانہ اور محققانہ کام ہو۔ میری غایت تو صرف اتنی ہے کہ لوگ دستیاب مخطوطوں سے آگاہ ہو جائیں۔

حکیم غلام علی

حکیم غلام علی صاحب محلّہ باڑہ سہسرام کے باشندہ اور حکیم محمد مسعود غفر اللہ کے صاحبزادے تھے۔ روضہ حسن خاں سور سے متصل آپ کا مکان تھا۔

آپ ہی کے پوتے مولانا حکیم حاجی حسن علی صاحب سہسرام کے مشہور طبیب، عالم دین اور صاحب روحانیت اور مرتاض بزرگ گزرے ہیں۔

حکیم غلام علی صاحب کی زندگی کے بارے میں تفصیلی معلومات مشکل ہے۔ ڈاکٹر حکیم انوار الحق صاحب (باڑہ سہسرام) کی زبان صرف اتنا علم ہوسکا کہ موصوف شیر گھاٹی ضلع گیا کی کسی ریاست (راجواڑے) سے وابستہ تھے۔ انتقال سہسرام میں ہوا، اور اپنے موروثی قبرستان (پیڑ تالاب شیر شاہ) میں دفن ہوئے۔

خدا نے حکیم غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دو اولادیں عطا کیں، ایک حکیم یار علی اور دوسرے حکیم غلام محمد، اوران میں سے ہر ایک اپنے عہد کے طبیب حاذق اور صاحب حال ہوئے، اوران دونوں کی نسلوں میں متعدد علما، اطبا اور صوفیا پیدا ہوئے، جن کے تفصیلی حالات آپ کو اس کتاب کے مختلف صفحات میں بآسانی مل جائیں گے۔

حکیم غلام محمد

حکیم غلام محمد سہسرامی، محلّہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔

آپ کے والد ماجد کا نام حکیم غلام علی اور دادا بزرگوار کا نام حکیم محمد مسعود تھا۔

اندازہ ہے کہ حکیم غلام محمد صاحب جو ایک ذی علم گھرانے کے چشم و چراغ تھے، اور جن کا موروثی پیشہ طبابت تھا، گھر ہی کے بزرگوں سے علوم طبیہ کی تعلیم پائی ہوگی۔ اب آپ کی زندگی کے تفصیلی حالات جاننا مشکل ہے، ہاں تحقیقات سے اتنا علم ہوا کہ موصوف پھلوریہ عرف باڑہ سہسرام

میں طبابت کرتے تھے، اور سہسرام ہی میں انتقال فرمایا، اور اپنے موروثی قبرستان (تالاب شیر) میں دفن ہوئے۔

حکیم غلام محمد صاحب حکیم یار علی صاحب کے بھائی تھے۔ خدا نے آپ کو ایک فرزند عطا کیا جو حکیم قربان علی کے نام سے مشہور ہوئے۔

مولانا فرخند علی خنداںؔ سہسرامی

(۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء تا ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۶ء)

نام و تخلص

فخر الدین نام تھا مگر مولانا فرخند علی کے نام سے مشہور ہوئے۔ خنداں تخلص فرماتے تھے۔

خاندانی احوال

مولانا فرخند علی صاحب خنداںؔ سہسرامی حضرت حکیم ریاض علی صاحب ریاضؔ سہسرامیؒ کے لڑکے تھے۔ ریاض علی صاحب کا شجرۂ نسب یہ ہے:

حکیم ریاض علی بن حکیم یاد علی بن حکیم رحمت اللہ بن محمد شریف بن محمد فاضل بن غریب اللہ بن شہزد۔

مولانا فرخند علی کے خنداں کے جملہ افراد ذی جاہ اور صاحب مرتبت تھے، اور ہر ایک کو اپنے زمانے میں علمی تفوق حاصل تھا۔

شہزد صاحب کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ یہ ایک نو مسلم تھے، جن کا تعلق راجپوت گھرانے سے تھا۔

شہزاد صاحب کے بیٹے محمد شریف صاحب کے دو لڑکے ہوئے، محمد فاضل اور خان محمد، یہ دونوں حضرات سلطان الہند شاہ عالم کے زمانے میں تجارت کیا کرتے تھے، اور ان دونوں حضرات کو امرائے سلاطین سے واسطہ تھا۔ سہسرام میں یہ دونوں حضرات پارچہ بافی کا کام کیا کرتے تھے،

اور حکومتِ وقت کی جانب سے انھیں بعض سندیں حاصل ہوئی تھیں، جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات حکومت وقت کی جانب سے پارچہ بافی کی صنعت کے ایجنٹ تھے۔

مولانا خنداں صاحب کے پردادا حکیم رحمت اللہ صاحب کے چار لڑکے تھے، حکیم سراج علی، حکیم یاد علی، حکیم زاہد علی، حکیم مراد علی اور ان میں سے ہر ایک اپنے علم وفن میں مشہور ہوئے، حکیم رحمت اللہ صاحب محلّہ چوکھنڈی سہسرام کے رہنے والے تھے، جن کا مزار مسجد محلّہ سے متصل ہے۔

پیشہ

مولانا فرخند علی صاحب خنداں کا مشغلہ درس وتدریس تھا، مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں بہت دنوں تک مدرس رہے۔ آخر عمر میں چھپرہ تشریف لے گئے اور وہاں ایک ہائی اسکول میں مدرس ہو گئے اور چھپرہ کے ایک رئیس کی وساطت سے حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے، بشیو رسمزی چھپرہ میں انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ تک حیات سے تھے۔

علمی یادگاریں

مولانا فرخند علی صاحب خنداںؔ کی مشہور تالیف ''چمنستانِ سرور'' ہے۔ یہ کتاب ان کی نثری کاوش کا نمونہ ہے۔ حجم ۱/۲ ۵ × ۲/۸ ۹ اور کل صفحات ۳۲ ہیں۔

یہ کتاب اہل تصوف کے لیے ایک بہترین مختصر اور جامع کتاب ہے، جس کا مطالعہ اصلاحِ نفس کے سلسلے میں نہایت مفید ہے۔ صفحہ ۲۶ تک نثری عبارت ہے، اس کے بعد اس صفحے سے مؤلف کتاب کا کہا ہوا ایک قطعہ تاریخ طباعت ہے جو اردو زبان میں ہے۔ اس کے دوسرے قطع تاریخ فارسی زبان میں مؤلف ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے، اس کے بعد ان دو ہم وطن شعرا کے تین قطعات ہیں۔

صفحہ ۳۱ پر مؤلف کے عم مکرم مولانا محمد عبد العلی متخلص بہ صادقؔ سہسرامی (بن حکیم سراج علی مرحوم) کی ایک تقریظ ہے۔

شاعری

مولانا فرخند علی صاحب خنداں مرحوم کو شعر وشاعری کا اچھا ملکہ تھا، اس سلسلے میں ان کی

منظوم تصنیف ''خیال خنداں'' کے نام سے علوی پریس کریم چھپرہ میں طبع ہوئی۔ اس رسالہ میں حمد و نعت کے علاوہ شجرۂ قادریہ کو منظوم کیا گیا ہے، خنداں صاحب کو غازی پور کے فصیحی سلسلے میں مولوی امانت اللہؒ سے بیعت حاصل تھی۔ ''خیال خنداں'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عافیت دنیا میں دے اور عاقبت کی خیر ہو　　صاحبانِ صوفیانِ با صفا کے واسطے
پنج حرفی ہو تو ھو اللہ خنداں کو حصول　　اتباعِ پنجتن آلِ عبا کے واسطے

میرے مرشد، میرے ہادی مولانا جناب　　گلشنِ ہستی میں تھے باغ فصیحی کے گلاب

''چمنستان سرور'' سے قطع تاریخ ملاحظہ ہو:

جمیع حمد ہے اوس خاص ذات رحمٰں کو　　دل حزیں میں دیا جس نے نور ایماں کو
اک امر کن سے کیا کان لعل و مرجان کو　　صدف میں تن کے چھپایا لولوئے مرجاں کو
نصیب کیا ہی چمکتا ہے ایسے لوگوں کا　　عبور کر کے جو بیٹھے ہیں بحر عرفاں کو
بھلا مذاق تصوف ہنود کیا جانیں　　یہ کچھ عجیب تصرف ملا مسلماں کو
جو خوض کرنے کو ڈوبوں میں بحر لفظوں میں　　نکالوں دُر کی طرح معنی درخشاں کو
کسے خبر ہے یہ کیا ہے اور کس کی ہے تمہید　　مجھے سنانی ہے تاریخ صاف طبعاں کو
کہ یہ رسالہ تصوف میں جب ہوا تیار　　کہا سروش نے خوش ہو کے بس یہ خنداں کو
اٹھا قلم کو ذرا لکھ دے ایسی صنعت میں　　کہ پیدا کرتے ہوں منقوط سال پنہاں کو
ضیا بخش ہے اہل خرد کا یہ نسخہ　　فروغ بخشتا ہے دیدۂ سخنداں کو

پس اس لیے یہ مناسب ہے مصرعۂ تاریخ
عجب چراغ ہے عقل فہیم انساں کو

ج ب چ غ ی ق ف ن ن
۳ ۲ ۳ ۱۰۰۰ ۱۰ ۱۰۰ ۸۰ ۵۰ ۵۰

۱۳۰۸ھ

دیگر بصنعت توشیح

حمد ایزد را سزد کایں ترجمہ شد اختتام　　ق　　قاریش را یا الٰہی بہر در گرداں مدام

روزیش کن حسن توفیق عمل از خوانش | غ | غنچۂ امید او را ساز خنداں صبح و شام
از سر ہر مصرعہ یک حرف از گیری ز شوق | | سال اتمامش پدید آید ز تو شیخ کلام
از ہمہ خوانندہ می خواہم دعاء عافیت | | در خطائی رفتہ باشد عفو خواہم والسلام

۱۳۰۸ھ

افسوس ہے کہ خنداں صاحب کے اور کلام دستیاب نہیں ہو سکے۔ ورنہ ان کی شاعری جس انداز کی ہے، ان کی قادر الکلامی کا مزید ثبوت فراہم ہوتا ہے، یہ اشعار جس کتاب سے لیے گئے ہیں، انھوں نے خود راقم کے والد کو عنایت فرمایا تھا۔ کیوں کہ والد صاحب مرحوم ان کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ سرورق پر خود مؤلف کے قلم سے ذیل کی عبارت درج ہے:

''بمطالعہ ساطعہ عزیزم مولوی محمد ضیاء الدین سلمہ...........''۔

حسن اتفاق سے شیخ کرامت علی صاحب مرحوم ساکن محلہ منڈی کشور خاں کی ایک ذاتی بیاض میں مولانا خنداں صاحب کی مندرجہ ذیل نظم نظر سے گزری، خنداں صاحب مرحوم بہ نظم حضرت شاہ مسیح الدین احمد صاحب سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام کے یہاں بتقریب 'دسہرہ' پڑھی تھی۔ شیخ کرامت صاحب کے قلم سے اُن کی بیاض پر ۵ر شعبان ۱۳۲۱ھ کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔ اس نظم کے بعض اشعار صحیح طور پر پڑھے نہ جا سکے، جس طرح پڑھے جا سکے ہیں، نقل کر دیے گئے۔ شاید بعد میں کسی صاحب کو اس کی کوئی دوسری نقل ملے تو ممکن ہے اس کی تصحیح ہو جائے، میرا مقصد اصل میں مرحوم کے کلام کا جمع کرنا ہے، جو جس طرح ملا، اسی طرح نقل کر دیا، تاہم اس نظم کے بعض اشعار بہت صاف ہیں:

ہے آج یہ ہنگامۂ توزیع ہویدا | اے فکر کچھ اب نقد مضامین ہو پیدا
مضمون دسہرے کا رقم کر کے دکھا دے | ہاں خامہ سلامی کے لیے سر کو جھکا دے
موقع تجھے اس وقت حضوری کا ملا ہے | خم ہو پئے تسلیم کہ تعظیم کی جا ہے
اَلمِنَّۃُ لِلّٰہ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ | ہر ماہ مبارک ہو نیا سال پھر آیا
سجادہ نشیں صاحب اقبال و کرم تھے | ذی شوکتِ سر دفتر اربابِ ہمم تھے
آراستہ یہ مجلسِ توزیع کیا ہے | تشریف سے اس بزم کو رونق بھی دیا ہے
با بارِ خدا بہر رسائی بزرگاں | شاداں رہیں سرکار معہ اہل و عزیزاں
یہ عیسیٰ دوراں رہیں خوشحال ہمیشہ | دولت میں ترقی رہے اقبال ہمیشہ

جب تک کہ زمانہ میں رہے دورِ ریاست ہر لحظہ ترقی پہ رہے فہم و فراست
جب تک رہے عالم میں بپا رسم سلاطیں خوش وقت رہیں شاہ کے جتنے ہیں اراکیں
خنداں ہے بہت فکر، نہ ہو طولِ کلامی
ہے بندہ نوازی جو ہو مقبول سلامی

حکیم فریدالدین جاؔمی وارثی

نام حکیم محمد فریدالدین تخلص جاؔمی، سلسلۂ وارثی سے تعلق ہونے کی بنا پر اپنے کو وارثی لکھتے ہیں۔ تاریخ پیدائش ۹رفروری ۱۹۱۹ء ہے۔

جاؔمی کے والد ماجد حکیم عبدالمجید صاحب وارثی سہسرامی (متوفی ۲۹رجب ۱۳۸۰ھ مطابق ۳رنومبر ۱۹۶۷ء) تھے۔ ان کے چچا کا نام حکیم عبدالوحید تھا۔ دادا کا نام حکیم یار علی سہسرامی تھا جو حکیم رمضان علی شاہ صاحب سہسرامی ثم حیدرآبادی کے چھوٹے بھائی تھے۔

حکیم یار علی صاحب سہسرام سے جگدیش پور ضلع آرہ تشریف لے گئے، بابو رگھوناتھ کے بھتیجے رائے بہادر شاردھا سنگھ کا عہد بھی دیکھا، نیز جگدیش پور کے مسلم اسٹیٹ بخشش علی خاں اور ان کے لڑکے وارث علی خاں سے بھی قربت رہی، اور ان حضرات کے خصوصی معالج رہے۔

محمد فریدالدین صاحب جاؔمی بھی اپنے والدین اور اپنے جد کی طرح جگدیش پور میں شہرت رکھتے ہیں اور نہایت ہی وضع دار اور بااثر آدمی ہیں۔ ان کا مطب اس عہد میں اچھا خاصہ چلتا ہے، حکومت کے ملازمین بھی ان کی طرف راغب ہیں، اور ان سے اپنا علاج کراتے ہیں۔

جاؔمی صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد طبیہ کالج پٹنہ میں زیر تعلیم رہے، پھر طبیہ کالج دہلی چل گئے اور فراغت (اپریل ۱۹۴۱ء میں) حاصل کی۔

جاؔمی صاحب کو شعر و شاعری کا بھی اچھا ذوق ہے، راقم نے ان کو پہلی بار ۱۹۴۸ء میں سنا تھا، جب ان کے چچازاد بھائی اور راقم کے ہم سبق محمد حکیم مرحوم کی شادی تھی۔ محمد حکیم میرے ساتھ طبیہ کالج الٰہ آباد میں ساتھ پڑھتے تھے۔ راقم تو چند ماہ زیر تعلیم رہا، مگر یہ فارغ ہوئے اور عہد جوانی

میں تقریباً ۱۹۵۰ء میں وصال کیا۔

جامی صاحب کو فن سخن میں محمد حسین صاحب افقر موہانی وارثی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

راقم جامی کے یہاں ۲۳؍اپریل ۱۹۶۹ء کو تعزیت کی غرض سے حاضر ہوا، ان کے والد کی وفات کے بعد انھوں نے ذیل کی غزل لکھ کر عنایت فرمائی:

نظروں سے دور شامِ گلستاں نہ کر سکے — صد حیف سیر صبح بہاراں نہ کر سکے
دنیائے آرزو کو درخشاں نہ کر سکے — ہم آپ اپنے گھر کو چراغاں نہ کر سکے
صبر و قرار چاہیے سعیِ عمل کے ساتھ — وہ کون سا ہے کام جو انساں نہ کر سکے
انسانیت سے دور ہے انساں نہیں ہے وہ — جو آپ اپنی زیست کا ساماں نہ کر سکے
کچھ بھی نہ کر سکے وہ نہ کچھ ان سے ہو سکا — خارِ چمن کو جو کہ گلستاں نہ کر سکے
آئے گا انقلاب اسی وقت دہر میں — انساں پہ اعتماد جب انساں نہ کر سکے
ہر پردۂ بہار میں وہ چھپ کے آئے تھے — ہم خود ہی اپنا چاک گریباں نہ کر سکے

اوروں کی زندگی وہ سنوارے گا کیا بھلا
جامی جو اپنی زندگی قرباں نہ کر سکے

ماسٹر فخر الدین صاحب فخر سہسرامی

(۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء تا ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء)

نام (ماسٹر) محمد فخر الدین، عرف مولوی فضیلت حسین تخلص فخر، ولدیت شیخ احمد بن شیخ محمد علی، باشندہ محلہ نورن گنج سہسرام۔

۱۹۰۱ء میں میٹرک کیا، اسکے بعد ملازم ہو گئے۔ ہائی انگلش اسکول سارن میں ہیڈ مولوی کی حیثیت سے کام کر رہے تھے کہ تحریک خلافت سے متاثر ہوئے، آزادئ ہند کا سودا سر میں سمایا تو ۱۹۲۱ء ملازمت ترک کر دی، کچھ روز پریشان رہے، پھر مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں (مدرس انگریزی کی حیثیت سے) ملازم ہو گئے، اور آخر عمر تک اسی مدرسہ سے وابستہ رہے۔

تنخواہ نہایت قلیل تھی، گذر اوقات مشکل تھی۔ طبیعت پر تصوف کا گہرا رنگ تھا۔ معاملات کے اچھے اور کھرے تھے۔ صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ مولانا شاہ فرید الدین صاحب کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے۔ کچھ لوگوں کو مرید بھی کیا تھا، اپنی وفات سے دو سال پیشتر اپنے منجھلے صاحبزادے صفی احمد کو مرید کیا، مگر خلافت کسی کو نہ عطا فرمائی۔ مزاج عام پیروں سے الگ تھا، مجلس سماع کے شائق تھے، اور طبیعت وجد و حال سے معمور، مگر عام پیروں کی طرح زندگی نہیں بسر کرتے تھے، کچھ دعا و تعویذ بھی کرتے تھے، اور معاوضہ یا نذر نہ لیتے تھے۔ بایوکیمک سے دلچسپی تھی اور انجمن اطبائے سہسرام کے رُکن تھے۔ نیز اپنے محلّہ کی مسجد میں اعزازی طور پر امامت کرتے تھے۔

محلّہ کی مسجد کی امامت مولانا حکیم عبدالشکور صاحب کے ذمہ تھی۔ ان کے وصال کے بعد راقم کے والد یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔ والد صاحب ملازم ہو گئے تو انھوں نے امامت مولوی احمد حسین صاحب جوشؔ کے ذمہ کردی، جب یہ بھی سہسرام سے بغرض ملازمت باہر چلے گئے تو یہ کام فخر صاحب کے سپرد کر گئے۔ تاحیات انھوں نے اس فریضہ کو بخوبی انجام دیا۔ اب ان کے صاحبزادے محمد صفی سابقہ روایت کے مطابق اعزازی طور پر اس فریضہ کو انجام دے رہے ہیں۔

جس دن فخرؔ صاحب کا وصال ہوا، محلّہ میں صف ماتم بچھ گئی، بات یہ ہوئی کہ فخر صاحب نصف شب میں بیدار ہوئے، تہجد سے فارغ ہو کر کھری چارپائی پر سو گئے، ان کے رفیق محترم مولوی، عبدالحمید صاحب نماز فجر کے بعد معمولاً ان کو دم کرنے تشریف لے گئے، اور دم کر کے چلے آئے، جب آفتاب بلند ہو گیا اور گھر والوں نے ان کے جسم میں حرکت نہ دیکھی تو شور ہوا کہ وفات پا گئے، فخر صاحب کے چھوٹے صاحبزادے احتشام سلمہٗ دوڑے ہوئے راقم کے گھر آئے اور موت کی خبر دی۔ راقم دوڑا گیا تو مردہ پایا۔

فخر صاحب باضابطہ شاعر نہ تھے، مگر جذبۂ عشق الٰہی دل میں رکھتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ خواب اور بیداری میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایات حاصل کرتے تھے، جس کی کیفیات سے راقم کو آگاہ کیا کرتے تھے۔

اچھے ڈیل ڈول کے آدمی تھے۔ قد لمبا، اور سینہ چوڑا، کلائی بھی چوڑی تھی۔ قد دراز تھا، مگر جسم پر گوشت اور مضبوط۔ دیکھنے میں ایک فوجی معلوم ہوتے تھے۔ جوانی میں پہلوانی اور لکڑی کا شوق تھا، پٹے (ایک خاص اوزار) کے استاد تھے۔ محلّہ میں مشہور تھا، ان سے اچھا کوئی پٹا نہیں پھیک سکتا، ایک بار راقم نے انھیں محلّہ کے ایک نوجوان کو پٹے اور چکر کا وار سکھاتے دیکھا تھا۔

سبز پر سبز عمامہ باندھتے تھے، میلاد خواں بھی تھے، مگر خوش آواز نہ تھے، تاہم پھر اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے کو ان کے سوز دروں کا اندازہ ہوتا تھا، جس سے سامع کا بھی محظوظ ہونا یقینی تھا، نیز مجلس میلاد میں اوروں کے کلام کے علاوہ اپنا منظوم کلام بھی پڑھتے تھے، نماز جمعہ میں دوسروں کے مطبوعہ خطبے اردو میں پڑھا کرتے تھے، مقرر نہ تھے۔

عہد جوانی میں اکثر ان کی غزلیں منظر لکھنؤ میں شائع ہوتی تھیں۔ منشی سید افضل علی خاں صاحب بہادر شوکت جنگ خلف حضرت اسیر مرحوم لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

جناب فخر کا وصال جمعہ کے دن ہوا تھا، نماز جمعہ استاذی المکرّم مولانا نجم الدین صاحب مدرس اوّل مدرسہ خانقاہ نے پڑھائی تھی، بعد نماز جمعہ نماز جنازہ ہوئی، جس کی امامت بھی مولانا موصوف نے کی، نماز جنازہ میں خلاف توقع کافی آدمی شریک تھے۔

تاریخ ۶ رذی الحجہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۶ راگست ۱۹۵۴ء ہے۔ مدفن ان کے مکان سے متصل شمال جانب کھیت میں ان کے موروثی قبرستان میں ہے۔ فخر صاحب کی اولادوں میں قطب الدین، محمد مصلح اور محمد صفی (ہر ایک کا انتقال ہوگیا)۔ ایک لڑکی صباح النساء حیات سے ہے۔

شاعری

فخر صاحب باضابطہ شاعر نہ تھے، مگر عہد شباب میں اچھا کلام کہتے تھے، ان کی اکثر نظمیں وغزلیں ماہنامہ منظر لکھنؤ میں شائع ہوتی رہتی تھی، یہ ماہنامہ اس زمانہ میں جناب منشی سید افضل علی خاں صاحب بہادر شوکت جنگ خلف حضرت اسیر مرحوم لکھنوی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا، افضل صاحب اپنے عہد کے مشہور استادِ سخن تھے۔ جناب فخر صاحب کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

'منظر' کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ہر ماہ پابندی سے کسی نہ کسی 'طرح' مشاہیر شعرائے ہند کو طبع آزمائی کرنا ہوتی تھی، اور اس زمانے کی زبان و بیان کی خصوصیت کا جو التزام کیا جاتا تھا۔ رسالہ اس کا پورا پابند تھا۔

فخر صاحب کا کلام ''منتخب کلام فخر سہرامی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ کلام عصر جدید پریس ۵۷ چونا گلی کلکتہ سے شائع ہوا، کل صفحات ۸ ہیں۔

نمونۂ کلام

اے کنت کنزاً مخفیاً کوئی نہیں تیرے سوا　　تو خود بخود ظاہر ہوا کوئی نہیں تیرے سوا

جس سمت کرتا ہوں نظر پیدا ہے ظلمت سر بسر　　دنیا میں میرا آشنا تیرے سوا کوئی نہیں
اوّل ہے تو آخر ہے تو ظاہر ہے تو باطن ہے تو　　ہر جا تو ہی تو ہے خدا تیرے سوا کوئی نہیں
معبود تو ہی ہے مرا مقصود تو ہی ہے مرا　　مطلوب تو ہی ہے مرا تیرے سوا کوئی نہیں
جو کچھ کہ ہے نابود ہے بس تو ہی تو موجود ہے　　سب کو فنا تجھ کو بقا تیرے سوا کوئی نہیں
میں کون تھا وہ کون تھا اے چشم وحدت آشنا　　پردہ دوئی کا جب اٹھا تیرے سوا کوئی نہیں

اے فخر جب دل کو ہوا حرص و ہوا سے تخلیہ
یہ راز پھر ظاہر ہوا کوئی نہیں تیرے سوا

(ماہنامہ منظر لکھنؤ، اگست ۱۹۱۹ء، ص ۲۲)

راقم کے پاس ان کا غیر مطبوعہ کلام بھی ہے، جس سے کچھ اشعار بطور نمونہ درج کرتا ہوں:

وہ بے نقاب ہوا لا الہ الا اللہ　　نہیں ہے جس کے سوا لا الہ الا اللہ
یہ جملہ گلشنِ ہستی ہے نور ذاتِ خدا　　نہ اَنتَ ہے نہ اَنا لا الہ الا اللہ
لگا کے عینک توحید دیکھتا ہوں جدھر　　اُدھر ہے جلوہ نما لا الہ الا اللہ
مرا کوئی نہیں معبود ہے نہ ہے مقصود　　ترے سوا اے خدا لا الہ الا اللہ
حقیقتاً کوئی تیرے سوا نہیں موجود　　ہے عقیدہ مرا لا الہ الا اللہ
تو بوئے گل کی طرح مجھ میں ہے میں تجھ میں ہوں　　یہی ہے قرب ترا لا الہ الا اللہ

خزاں چلی گئی آئی بہار الا اللہ　　چمن میں شور ہے لیل و نہار الا اللہ
دل و دماغ معطر ہے مست روحِ رواں　　نسیم لائی ہے کیا بوئے یار الا اللہ
اے عندلیب چمنِ گل میں تو کر دے　　خوشی سے نقد دل و جاں نثار الا اللہ
نظارۂ گل توحید کا اثر یہ ہے　　کہ نعرہ زن ہے دل بے قرار الا اللہ
حضور قلب سے ذکر چہار خوبی کر　　کہ باغ دل ہو ترا لا الہ زار الا اللہ

الٰہی فخر کو وہ درد دل عطا کر دے
کہ سوز دل سے کہے بار بار الا اللہ

تختِ دل پر جلوہ فرما ہیں وہی شاہِ رُسل — جن کی نسبت قبر میں پوچھیں گے ماھذا الرجل
مومنیں یہ کہہ اٹھیں گے ہیں نبی محترم — سرّ حق، نورِ خدا، محبوب رب، مطلوب کل
یا رسول اللہ میرے حال پر ہو اک نظر — اک توجہ میں مقاماتِ دلی سب جائیں کھل

فخر یہ ہے آزردہ رہ کے اپنے ہاتھ سے
مرشد کامل محمد مصطفےٰؐ دیں جامِ مُل

غزل

وہی صورت وہی نقشہ وہی جلوہ ہے جاناں کا — وہی مصحف وہی قرآں وہی ہادی ہے انساں کا
وہی ساقی وہی ساغر وہی بادہ وہی مطرب — وہی دل ہے وہی جاں ہے وہی حافظ ہے ایماں کا
کسی کے دل میں جلوہ ہے کسی کے سر میں سودا ہے — کسی کے روئے تاباں کا کسی کی زلف پیچاں کا
ہوا مجروح دل میرا، ہوا مجروح دل میرا — کسی کے تیر پیکاں کا کسی کے نوکِ مژگاں کا
ہٹا چہرے سے وحدت اور کثرت کی نقاب اس دم — ہوا جس دن سے پیدا عشق دل میں روئے تاباں کا
شریعت اور طریقت اور حقیقت معرفت یہ ہے — عیاں ہے شاخ و برگ و گل میں جلوہ تخم پنہاں کا
دل مردہ کو زندہ کرتا ہے اک آنِ واحد میں — نظارہ روئے خوباں کا نظارہ روئے خوباں کا
اگر دست خدا شامل نہ ہوتا اے دل مضطر — اٹھا سکتا کہاں سے بار بھاری ضعف انساں کا

نہ چھٹتا قید دنیا آخرت سے فخر محشر تک
اگر فضل و کرم اس پر نہ ہوتا پیرو یزداں کا

(ماہنامہ منظر، لکھنؤ، جولائی و اگست ۲۱ء، ص ۱۲)

ہم آئے ہیں جہاں سے پھر جائیں گے وہیں پر — تھمتے نہیں مسافر گھر کے سوا کہیں پر
گردش نے بھی فلک کی مرنے پہ ساتھ چھوڑا — دم جس جگہ پہ نکلا مدفن بنا وہیں پر
رسوا جہان میں ہو گو انجمن تمھاری — میں لاکھ میں کہوں گا دل کھو گیا یہیں پر
آدم کو پھر نہ کرتے سجدہ کبھی ملائک — نورِ خدا نہ ہوتا ان کی اگر جبیں پر
دونوں جہاں میں تیرا کرتے ہیں لوگ چرچا — حور و ملک فلک پر جن و بشر زمیں پر

تو نے دیا نہ ہوتا سب کو جو دل ازل سے　　ہوتا نہ کوئی عاشق ہرگز کسی حسیں پر
سمجھا کہ توڑتا ہے دم نامراد کوئی　　جب ایڑیاں رگڑتے دیکھا مجھے زمیں پر
اسلام کا ہے ادنیٰ اعجاز یہ جہاں میں　　ہے نور جلوہ افگن ہر قلب مومنیں پر
اے فخر سخت جانی لائے نہ رنگ اپنی
صدمہ نہ کوئی پہنچے اس دست نازنیں پر

(منظر لکھنؤ، ستمبر ۱۹ء، ص ۱۶)

شاہ فرید الدین یکتاؔ سہسرامی
(۱۲۷۸ھ/۱۸۶۳ء)

سید شاہ فرید الدین یکتاؔ رحمۃ اللہ علیہ اصلاً موضع امتھوا قاضی سرائے ضلع گیا کے رہنے والے تھے، بعد میں ان کا تعلق موضع سمری سہسرام سے ہوا۔

یکتاؔ کی ولادت ۱۲۷۸ھ میں ہوئی، تاریخی نام سید نظیر احمد تھا یعنی غدر ۱۸۵۷ء/۱۲۷۲ھ کے چھ سال بعد۔

یکتاؔ مرحوم مولانا سید شاہ نور الحسن صاحبؒ کے فرزند اور مولانا حاجی سید شاہ احمد حسین و حاجی سید ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمہ کے بھتیجے تھے، جو اپنے زمانے کے جید عالم مرشد کامل صوفی با صفا اور مصنف گزرے۔ (ماخوذ کلام یکتاؔ، ص ۹)

نسب نامہ

علاوہ ازیں یکتاؔ مرحوم کا سلسلہ نسب شیخ بدھ بہاری سے بھی ملتا ہے جو عہد شیر شاہ سوری کے مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شیخ بدھ صوفی کی بزرگی سے متعلق تذکرہ علماء ہند صفحہ ۲۱ میں مذکور ہے کہ ''شیخ بدھ بہاری دانشمند ہے'' راسخ وطبیب حاذق بود کہ شیر شاہ سور از غایت اعتقاد و کفش پائے اُو می نہاد''۔ آپ کی خانقاہ مسجد اور مدرسہ امتھوا ہی میں تھا، یہاں آپ کی سند درس پچھی

ہوئی تھی۔طلبہ دور سے آکر درس میں شریک ہوتے تھے،شیخ حسن ابن طاہر جونپوری متوفی ۹۰۹ھ کے والد ماجد شیخ طاہر ملتانی تحصیل علم کے شوق میں ملتانی سے چل کر بہار پہنچے تھے اور مع اہل وعیال سکونت پذیر ہوکر شیخ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے تھے (تذکرہ علمائے ہند،ص ۴۷)۔شیخ بدھ بہاری کے علمی تعلقات اس عہد کے ممتاز اہل علم قاضی شہاب الدین دولت آبادی متوفی ۸۴۹ھ سے قائم تھے اوران کی تحریک میں شیخ نے بعض کتابیں بھی لکھی تھیں (تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳۱،از معارف،ماخوذ از یکتا،ص ۹)۔

کلام یکتا،مرتبہ السید شاہ محمد شمس الدین فرزند اکبر شاعر مذکور۔کل صفحات ۱۷۴،اسکول سائز تعمیر پرنٹنگ پریس راولپنڈی سے ہوکر ۲۴۴ مکرمی ۴/۱ آب پارہ سے ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔

ملنے کا پتہ،۸۲/۴ بہار کالونی مسان روڈ کراچی ۲۔

کلام یکتا کے صفحہ ۱۳ پر مرقوم ہے:

حضرت مخدوم یحیٰ منیری کی شادی حضرت شہاب الدین جگجوت کی صاحبزادی بی بی رضیہ عرف بوا سے ہوئی جو نسبتاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے تھیں۔حضرت جگجوتؒ بحکم الٰہی سلطنت کاشغار ترک کر کے بلادِ ہند تشریف لائے اور بہار میں آکر مقیم ہوئے۔چنانچہ آپ کا مزار بمقام جٹھلی (۱) لب دریا واقع ہے۔اس نسبت سے حضرت یکتاؔ مرحوم اپنے جد امجد شاہ اجمل حسین علیہ الرحمۃ کی والدہ ماجدہ کی جہت سے قادری اور شرفی ہیں۔یعنی سید شاہ فریدالدین و سید شاہ بدیع الدین وسید شاہ معین الدین پسران سید شاہ نورالحسن بن اجمل حسین بن مسمات مجیدۃ النساء بنت شاہ واجد علی بن شاہ افضل علی بن فقیر عرف شاہ بہو جو بن شاہ غلام مرتضےٰ بن شاہ غلام مصطفےٰ بن شاہ نظام الدین بن شاہ قطب الدین بن شاہ مصطفےٰ کاں بن دیوان شاہ علی بن شاہ احمد بن شاہ محمد بن شاہ خون بن شاہ جلال سرخ پوش بن شاہ......بن کروب آستانہ مخدوم جہاں، مسمّی بہ شاہ علیم الدین بن حضرت بی بی بارکہ (زوجہ حضرت مخدوم وجہہ الدین چلہ کش، بنت حضرت مخدوم زکی بن حضرت مخدوم جہاں شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری بن حضرت مخدوم یحیٰ منیری الملقب بہ کمال الدین بن حضرت مخدوم شیخ اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہ بن حضرت ابوبکر بن حضرت امام ابومحمد بن حضرت امام ابوالفتح بن

حضرت امام ابوالقاسم بن ابوسیام بن ابی ذر بن زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف"۔

شاہ فرید صاحب یکتا سہسرامی کی نظم ذیل تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد چہارم میں شائع ہوئی ہے:

ہے نمایاں روشنی کا عکس کیا تالاب میں
لگ گئی ہے آگ گویا جابجا تالاب میں

دیکھ کر عکس چراغاں و روضہ یوں کہتے ہیں سب
گنبدِ گردوں نیا پیدا ہوا تالاب میں

سنبلِ تر ہے یہ پیچاں یا چراغوں کا دھواں
ہے دھویں کا عکس یا چھائی گھٹا تالاب میں

قبہ نوری چراغوں سے ہے روضہ بن گیا
نور افشاں ہے چراغوں کی ضیا تالاب میں

مچھلیاں اُڑ اُڑ کے آتی ہیں سوئے عکس چراغ
ہے نئے پروانوں سے عالم نیا تالاب میں

ڈر کے بھاگیں روشنی کی جعفری کے عکس سے
مچھلیوں کو جال کا دھوکا ہوا تالاب میں

عکس ہے یا مردمِ آبی مناتے ہیں بسنت
یا گلِ صد برگ کا تختہ کھلا تالاب میں

عکس ہے یا پھول شرفی یا گلابِ زرد ہیں
یا کھڑے ہیں جابجا سرور طلا تالاب میں

عکس یا برعکس ہے رفتار فرطِ عیش سے
چھٹتی جاتی ہے ہوائی برملا تالاب میں

عکس ہے یا آبیوں کو پہنچیں تا اخبار جشن
ہے طلائی تار ٹیلی فوں لگا تالاب میں

کیوں نہ نازاں ذات پر تیری ہو روحِ شیر شاہ
یہ چراغاں یہ بہارِ پُرفضا تالاب میں

جب سخن اچھا ہو یکتا پھر نقل ہے عبث
لکھیے زیر آب یا پانی میں یا تالاب میں

بعض مصرعے صحیح نہ چھپ سکے، ممکن ہے آئندہ کسی کو یکتا کا کلام و حالات معلوم ہوں تو تصحیح ہو۔

فضل الرحمٰن صبا سہسرامی

(حیات: ۱۹۷۱ء)

تذکرہ مسلم شعرائے بہار (نمبر شمار شعرا ۱۴۰)، مؤلفہ حکیم سید احمد اللہ ندوی میں ہے۔

"محمد فضل الرحمٰن نام، صبا تخلص ہے۔ ۱۹۱۴ء میں بمقام سہسرام ضلع

شاہ آباد، محلّہ پٹھان ٹولی، پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد یوسف حسین ہے۔ بنارس اسٹیٹ رام نگر کے ہائی کورٹ میں منصرم تھے۔ پاکستان آ کر حیدر آباد سندھ میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ آپ کے دادا راحت حسین مرحوم سب ڈویژن بھبوا اور سہسرام میں سب رجسٹرار تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ کا نام نامی سید شاہ میر زماں صاحبؒ ہے جو مدار پیر اور ارشاد ولی کے القاب سے ملقب تھے اور حنفی مسلک قادری مشرب تھے۔ عرب سے آئے اور موضع کٹرا میں مقیم ہوئے۔ سادات بار ہا بہار شریف میں آپ کا شمار ہے۔ آپ کا مزار مبارک محلّہ مدار دروازہ قصبہ سہسرام ضلع آرہ شاہ آباد میں ہے۔ حضرت صبا کی اردو فارسی کی تعلیم مدرسہ مظہر العلوم کچی باغ بنارس میں ہوئی اور عربی کی تعلیم مدرسہ مصباح العلوم الٰہ آباد میں ہو رہی تھی کہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور تعلیم ادھوری رہ گئی، انگریزی کی تعلیم آٹھویں جماعت تک ہے، پھر آپ نے ملازمت کر لی، پاکستان جب آئے تو یہاں بھی ملازمت کے سلسلہ میں منسلک ہو گئے۔ اب آپ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ آپ کے بچے ماشاء اللہ برسر کار ہیں، آپ کو شاعری کا شوق ۱۹۳۰ء میں ہوا کچھ عرصہ کے بعد شاعری سے توجہ ہٹ گئی اور جتنا کلام تھا وہ سب تلف ہو گیا۔

۱۹۶۲ء میں آپ کی اہلیہ کا انتقال ہوا تو دل پر ایک چوٹ سی لگی، دبے ہوئے جذبات دفعتاً اُبھر گئے اور پھر دوبارہ شاعری شروع کر دی اور حضرت توحید عظیم آبادی مقیم کراچی سے مشورۂ سخن لینے لگے۔ نمونہ کلام یہ ہے:

ادھر بھی نظر تاجدارِ مدینہ — یہ آنکھیں بھی لوٹیں بہارِ مدینہ
لگاؤں میں آنکھوں میں سرمے کے بدلے — اگر ہو میسر غبارِ مدینہ
وہ چشم بصیرت عطا ہو الٰہی — جسے دل میں نقش و نگارِ مدینہ
مری جان ہو سبز گنبد کے قرباں — مرے دل جگر ہوں نثارِ مدینہ

صبا باغِ جنت کی خواہش نہ ہوگی
اگر دیکھ لوگے دیارِ مدینہ

جب کوئی دل سے دل ملا ہوگا   ایک طوفاں سا بپا ہو گا
غیر ہی کو وہ دیکھتے ہوں گے   تاکتا کوئی رہ گیا ہو گا
جب کبھی ان کو دیکھتے ہیں ہم   کہتے ہیں کوئی دیکھتا ہو گا

رنج و غم اپنا کام کر بیٹھے   ہم خوشی کو سلام کر بیٹھے
چپکے چپکے وہ آگئے دل میں   رفتہ رفتہ قیام کر بیٹھے
زندگی کیا ہے دو نفس کی ہے   لاکھ ہم اہتمام کر بیٹھے
کیا خبر تھی کہ ہوں گے چیں بجبیں   ناگہاں ہم سلام کر بیٹھے
ہائے مقتل میں جب صباؔ آیا
تیغ کو وہ نیام کر بیٹھے

یہ درد عشق ہی جب بن گیا دل اپنا   تو پھر سکوں سے غرض ہی کہاں رہے نہ رہے
کھلی نہ دل کی کلی، جب بہار میں بھی تو پھر   مآل کیوں ہو خزاں سے، خزاں رہے نہ رہے
یہ خاکسار کہاں، وہ کرم نواز کہاں؟   مزاج ہی تو ہے وہ مہرباں رہے نہ رہے
فسانہ دل کا ہر اک کو صباؔ سنا تازہ
کسی کو یاد تری داستاں رہے نہ رہے"

محمد فضل الرحمٰن صاحب صباؔ اس مکان میں پیدا ہوئے جہاں عبدالرؤف خاں صاحب سہسرام میں رہتے تھے، وہی ان لوگوں کا جدی مکان تھا۔ شروع میں صبا مذہبی ذوق کے آدمی تھے۔ کم سخن اور بذلہ سنج، مزاجاً نرم، رنگ صاف، بدن چھریرا، چہرہ کشادہ، وضع قطع مشرقی مذہبی۔ ابتدا میں الٰہ آباد میں حفظ بھی کرتے تھے۔ ان کے والد پاکستان کے قیام کے فوراً بعد چلے گئے۔

فیاض الدین فیاضؔ سہسرامی

(حیات: ۱۳۱۷ھ)

صاحب تالیف "میلاد دل پذیر" جناب محمد شیر خاں بیتاب سہسرامی نے اپنی تالیف میں

فیاضؔ صاحب کے دو قطعات درج کیے ہیں، ایک جگہ ان کو فیاض الدین متخلص بہ فیاض متعلم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام اور خنداںؔ سہسرامی کا شاگرد لکھا ہے۔ دوسری جگہ فیاض الدین خاں میونسپل کمشنر سہسرام لکھا ہے۔ غالباً یہ ایک شخصیت کا دو حیثیت سے تعارف ہے۔ بہر حال قطعات حسب ذیل ہیں:

تمام گشت چو میلاد مصطفیٰ نیکو — ندا رسید پئے سال طبع در عالم
کہ سال ہجری بہ منقوط کس رقم فیاضؔ — چہ خوش کتاب بہ میلاد سرورِ عالم

۱۳۱۷ھ

دیگر

خوش رقم فرمود ذکر مولد شاہ اُمم — خاں محمد شیر میں آں مہر برجِ تمکنت
خواست چوں فیاضؔ سال طبع او، از فکر خویش — گفت از روئے ادب زاد سبیل آخرت

۱۳۱۷ھ

سہسرام کے فارسی گو شعرا میں ان کا بھی شمار کیا جانا چاہیے۔

الحاج فرخند علی صاحب فرحتؔ رح

(۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء تا ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء)

الحاج مولانا مولوی محمد فرخند علی متخلص بہ فرحتؔ درس نظامیہ کے جید عالم، متوطن محلّہ بارہ دری سہسرام بن شیخ عنایت علی صاحب انصاری۔ (ان کے اجداد چوہان راجپوت میں سے تھے)۔

سال پیدائش ۱۳۰۱ھ ہے، جب کچھ بڑے ہوئے تو مولوی کریم بخش صاحب کے مشہور مکتب واقع محلّہ کرن سرائے سہرام میں داخل ہوئے، اس مکتب سے نکلے تو مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام بہار کی مشہور علمی درس گاہ کے چشمۂ علم سے فیضیاب ہوئے۔ پھر مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد پہنچے۔ مولانا عبدالکافی صاحبؒ کے مدرسہ کا ستارہ عروج پر تھا، خود مولانا کی ہستی شہرہ آفاق تھی، ان کی صحبت میں

رہ کر تعلیم حاصل کی، اور ان کے فیض روحانی سے مستفید ہوئے۔

مولانا عبدالکافی کے ارشد تلامذہ میں مولانا احمد سجاد صاحبؒ، بانی امارت شرعیہ بہار اور مولانا فرخند علی صاحب سہسرامی قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ایک ہستی مولانا ریاست حسین صاحب منجھلے پوری کی تھی۔

مولانا سجاد صاحب اور فرخند صاحب دونوں استاد و ہم مدرسہ تھے، بعد فراغت اوّل الذکر نے شہر گیا میں مدرسہ انوار العلوم کو فروغ دیا۔ کچھ عرصہ تک درس و تدریس میں مشغول رہے، مگر آخر عمر میں ملّی حمیت اور ملکی سیاست نے ان کو مسندِ درس سے اٹھا کر میدانِ سیاست کا سرگرم مجاہد و قائد بنا دیا تو تاعمر اسی کے ہو کر رہ گئے۔

ثانی الذکر نے اپنے وطن سہسرام میں ''مدرسہ خیریہ نظامیہ'' کی بنیاد رکھی، اور تاحیات درس و تدریس میں مشغول رہے۔ سیاست سے زیادہ دلچسپی نہ تھی مگر اس سے بالکل بے تعلق بھی نہ تھے۔ جمعیۃ العلما کی ورکنگ کمیٹی کے رُکن تھے، اور امارتِ شرعیہ بہار کی جانب سے سہسرام میں اس کے متعینہ قاضی تھے۔ بہار شریف کے اجلاس میں بھی شریک رہے، جس کی تفصیل ''تاریخ امارت شرعیہ'' (مرتبہ مولانا عبدالصمد رحمانی) میں درج ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا فرخند علی صاحبؒ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا، آپ محض عالم اور مدرس نہ تھے، صاحب دل اور صاحب رُشد بزرگ تھے۔ مولانا کافی صاحب آپ کے صرف استاد ہی نہیں آپ کے مرشد بھی تھے۔ پیر و مرید کی بڑی خوبی یہ تھی کہ صاحب عزیمت تھے اور مقتدائے عارفاں۔ جس کا عملی ثبوت مولانا محمد فرخند علی صاحبؒ کی گراں قدر تالیف ''ارشاد کافی'' ہے، مولانا کافیؒ کے حسب فرمائش مولانا فرخند صاحب نے اس رسالہ کو لکھا، جو مطبع اسرار کریمی الہ آباد سے ۱۳۳۲ھ میں شائع ہوا، کل صفحات ۲۸ ہیں۔

مگر مؤلف کتاب نے اس مختصر رسالہ میں مسائل تصوف، رموز باطنیہ و اسرار قلبیہ کو جس جامعیت کے ساتھ قلم بند فرمایا ہے، لائق توصیف ہے۔

مولانا فرحت صاحب نے ایک رسالہ ''تسہیل المنطق'' کے نام سے بھی اردو میں لکھا ہے، جو میزان المنطق کا ترجمہ ہے، زبان بھی ترجمہ جیسی ہے، مگر اس مطبوعہ رسالے سے ان کے مدرسہ کے طلبہ مستفید ہوتے ہیں، مگر اندازہ ہے کہ طلبہ کو جتنا فائدہ مولانا رُکن الدین دانا ندوی سہسرامی مرحوم کی المنطق (اردو) سے پہنچتا ہے۔ دوسری کسی کتاب سے نہیں۔ عام طلبہ کے لیے یہی مفید ہے۔

مولانا فرخند علیؒ کی علمی یادگار میں ایک قلمی رسالہ ''المثناة بالتکریر فی شرح هداية الحكمة للصدر الشیرازی'' قابل ذکر ہے جو راقم کی نظر سے گزرا۔

اس رسالہ میں مولانا مرحوم نے طلبا کے مدارس کے لیے عربی زبان میں ایک مختصر تقریر لکھی ہے، اس میں ''خلقه'' کے اس مشہور مقام کی بھی تشریح کی گئی ہے، جس کی شرح میں ہندوستان کے مشاہیر علما مثلاً ملاّ نظام الدین لکھنوی، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی، مولانا بحرالعلوم جیسے اکابر علمائے محققین نے تقریریں لکھی ہیں جیسا کہ مولانا ضیاءالحسن صاحب نے بیان فرمایا۔

مولانا فرحت کے ارشد تلامذہ میں مولانا محمد صدیق صاحب صادقؔ سہرامی جو مولانا محترم کی حیات سے ان کے جانشیں اور مدرسہ خیریہ کے خادم اور تادم حیات اس کے مہتمم اور مسلک حنفی کے مسلم الثبوت مفتی قابل ذکر رہے۔

دوسری ہستی مولانا محمد ضیاءالحسن صاحب ضیاؔ سہرامی کی تھی، جو تا حیات مدرسہ ہذا میں مدرس اوّل رہے، جن کے مبلغ علم سے طلبہ کو غیر معمولی فائدے پہنچتے رہے۔

مولانا فرحت نے اپنے مدرسہ میں ۱۷-۱۹۱۶ء میں ماہانہ مشاعرہ کی بنا ڈالی تھی، جس کے بعض گلدستے مدرسہ کی جانب سے شائع ہوئے۔ مدرسہ میں اس کا اہتمام تھا کہ مدرسین یا طلبہ میں سے جو حضرات بھی مشاعرہ میں حصہ لیتے تھے ان کا کلام ایک دفتر میں ایک جگہ نقل کر کے محفوظ رکھا جاتا تھا۔

بہرحال مولانا صحیح معنی میں اپنے عہد کے ایک جید عالم اور متدیّن صاحب طریقت تھے، شعر گوئی کا بھی ذوق تھا، مگر حقیقت میں آپ شاعر نہ تھے، آپ کی سچی تعریف یہ ہے کہ آپ ایک متقی عالم، ایک کامل صوفی اور کامیاب مدرس تھے۔

تاریخ وفات ۳؍رجب المرجب ۱۳۵۳ھ ہے۔ قمر گیاوی کے ذیل کے مصرعے سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

چل بسے مولوی فرخند علی کو کب دین

۱۳۵۳ھ

آپ کے داماد مولانا ضیاءالحسن ضیاؔ نے بھی ذیل کے مادہ سے تاریخ وفات نکالی:

''حیٌّ لقد رضی الله عنه''

۱۳۵۳ھ

نمونۂ کلام

مولانا فرحتؔ صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار''، جلد سوم ص۲۸۲ سے لیے گئے ہیں:

ہے دیر میں حرم میں یارب ظہور تیرا ۔۔۔ کعبہ میں بت کدہ میں پاتا ہوں نور تیرا
مولا ہے ذکر تیرا ارض و سما میں ہرسو ۔۔۔ چرچا جہان میں ہے نزدیک دور تیرا
ہے کبریا و عظمت تیری روا الٰہی ۔۔۔ ہے اوڑھنا بچھونا کبر و غرور تیرا
کعبہ سے دل کو بڑھ کے میں کیوں کہوں نہ یارب ۔۔۔ اس میں تری تجلی اس میں ظہور تیرا
ہے یاد میں تری مست اے رب یہ ساری خلقت ۔۔۔ کرتے ہیں ذکر ہردم وحش و طیور تیرا
بے حد و بے نہایت ہیں ہم پہ تیرے احساں ۔۔۔ کیا شکریہ ادا ہو ہم سے شکور تیرا
ذات و صفاتِ حق کو سمجھے گا کیا تو ناداں! ۔۔۔ کیا علم و فہم تیرا کیا ہے شعور تیرا
دیتا ہے تجھ کو روزی وہ منعمِ حقیقی ۔۔۔ گو دیکھتا ہے ہر دم جرم و قصور تیرا
حاضر ہے اور ناظر سب کچھ وہ دیکھتا ہے ۔۔۔ یہ تیرا زہد و تقویٰ فسق و فجور تیرا
حور و قصور و جنت میں کیا کروں گا لے کر ۔۔۔ میں چاہتا ہوں یا رب قرب و حضور تیرا

اعمال گو نہیں کچھ رحمت پہ ہے بھروسہ
یا رب ہے نام لیوا فرحت ضرور تیرا

ہیں مہر و مہ نثار اُس شاہ کے روئے منور پر ۔۔۔ تصدق مشک و عنبر آپ کی زلفِ معطر پر
ہے فوقیت لب و دنداں کو لعل و گوہر پر ۔۔۔ قد موزوں کو ہے ترجیح شمشاد و صنوبر پر
ملائک کی ہے کیا ہستی شہِ کونین کے آگے ۔۔۔ اولوالعزم انبیا ایمان لائے اس پیمبر پر
شہنشاہِ دو عالم کی غلامی جس کو حاصل ہے ۔۔۔ فضیلت ہے اُسے واللہ شاہِ ہفت کشور پر

گناہ اپنے نہیں ہیں قابلِ بخشائش اے فرحت
مگر مجھ کو بھروسہ ہے شفیعِ روزِ محشر پر

قمر گیاوی نے ''موجِ بادہ'' میں سے یہ شعر نقل کیے ہیں:

لب ہے دلِ برشتہ و خونِ جگر غذا کیا لطف آرہا ہے شراب و کباب کا
بجلی نہ گر پڑے دل نازک پر آپ کے کیوں پوچھتے ہیں حال مرے اضطراب کا

تاریخ وفات فرحتؔ سہسرامی: ۳؍رجب المرجب ۱۳۵۳ھ۔

فخرالحسن حکیمؔ سہسرامی

(۱۹۰۵ء تا ۱۹۷۴ء)

تخلص حکیم، نام مولوی حکیم فخرالحسن صاحب بن حکیم مولانا محمد ابن الحسن مضطرؔ سہسرامی بن مولانا مولوی محمد ابوالحسن صاحب بیدل وخوشدلؔ سہسرامیؒ، متوطن محلہ شیخ پورہ، سہسرام بن مولانا محمد حسن سہسرامی بن مولانا شیخ نورعلی محدث سہسرامیؒ۔

حکیم سہسرامی اپنے موروثی مکان واقع محلہ شیخ پورہ میں ۲۹؍ربیع الاوّل ۱۳۲۳ھ مطابق ۴؍جون ۱۹۰۵ء بروز یکشنبہ پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد اور اپنے دادا بزرگوار سے حاصل کی، مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ان ہی بزرگوں کی سرپرستی میں رہ کر علوم عربیہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد اپنے دادا مرحوم کے ساتھ شیر گھاٹی تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے انوارالعلوم مظفر پور پہنچے، مولانا ظہورالحسن دربھنگوی کی خدمت میں، مولانا ظہورالحسن صاحب ان کے دادا مرحوم کے ہم سبق تھے، اور مولانا احمد حسین کانپوریؒ کے شاگرد تھے۔ اس زمانے میں وہاں مولانا وصی احمد صاحب سہسرامی بھی پڑھ رہے تھے۔ اور ان کا شمار اس وقت منتہی طلبہ میں ہوتا تھا۔

حکیم سہسرامی پھر مظفر پور سے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ پہنچے، اور مولانا سید علی صاحب کا عہدہ پایا، اور مزید عربی و فارسی کی کتابوں کی تکمیل کی۔ طب کا شوق ہوا تو مدرسہ طبیہ وہاجیہ فرنگی محل میں داخل ہوئے، اور فن طب کی تکمیل حکیم وہاج الحق صاحب فرنگی محلی سے حاصل کی اور سند فراغت ۱۹۲۲ء میں پائی۔

طب کی تکمیل کے بعد سہسرام لوٹ آئے، اور اپنے محلہ اور اپنے مکان میں مطب کھول لیا، اور علاج ومعالجہ میں مصروف رہے۔
حکیم صاحب کو مقامی سیاست سے بھی دلچسپی رہی ہے، تقریباً ۵ سالوں تک میونسپل کمشنر رہے۔
۱۹۶۸ء سے آرہ میں مقیم ہیں اور وہاں ہمدرد دواخانہ کے ملازم اور معالج۔
حکیم صاحب کو شعروسخن کا اچھا ذوق ہے۔ قطعہ گوئی میں خصوصی مہارت ہے۔

نمونۂ کلام

قطعۂ تاریخ رحلت مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۹۵۸ء)

قال کنتم خیر امة

۱۹۵۸ء

صد حیف کہ آزاد ز دنیا بگذشت　　رخت سفر از جہان فانی بر بست
بر گو سینۂ ترحیل بہ اندوہ حکیم　　ذوالمجد　برحمت　الٰہی　پیوست

قطعہ

ایں خیرہ دیو ہفت سر بدرید خلقے را جگر　　ایں کاخِ مینائی نگر لبریز خوں مینائے او
کردہ جمع راز بوں جمعے دل شاں گشتہ خوں　　آتش جز منہا دروں از برق آتش زائے او
آمد قضاء ناگہاں آں بوالکلام نکتہ داں　　باید کنوں آہ و فغاں افسوس صد بروائے او
در مرگ آں فرخ شیم عالم شدہ پر درد وغم　　خلقے جگر چاک از الم بر پیکر رعنائے او
چوں در دہ تاریخ آں شبدیز فکرم شد رواں　　آمد ندائے از جہاں شد باغ جنت جائے او

محترم حکیم صاحب نے قائداعظم محمد علی جناح (متوفی ۱۹۴۸ء) کی تاریخ وفات کہی، جو ماہ نو کراچی کے جناح نمبر میں سرورق پر شائع ہوئی۔

کس کا ماتم ہے آج دنیا میں　　سوگ میں کس کے ہیں یہ پیر و جواں
پھٹ پڑا آسمانِ غم سر پر　　غم کدہ بن گیا ہے پاکستاں
اُٹھ گیا وہ بھی آہ دنیا سے　　جو عدیم المثال تھا انساں

سید القوم قائد اعظم چل بسے اس جہاں سے سوئے جناں
صدمۂ مرگ ناگہانی سے دل میں ہے درد لب پہ آہ و فغاں
تا قیامت ہو ان کی تربت پر بارشِ فضل و رحمتِ یزداں
لکھ حکیمؔ حزیں یہ سالِ وفات
انتقالِ امیر پاکستاں
(۱۳۶۷ھ)

غزل کے چند اشعار:

کبھی اک جھلک نظر آ گئی تھی لباسِ مجاز میں — ابھی ایسی لاکھوں تجلیاں ہیں حریم خلوت ناز میں
کبھی نَے میں نغمۂ دلربا کبھی لب پہ نالۂ نارسا — ہے نمود جذبۂ بے خودی کبھی سوز میں کبھی ساز میں

حکیمؔ کج بیاں حسنِ بیاں سے ہے تہی داماں — سخن فہموں میں اب حسنِ سخن کی آزمائش ہے

مزید معلومات تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد ششم، ص ۱۴۴ پر دیکھئے:

تاریخ وفات

۶ رصفر ۱۳۹۴ھ جمعہ کا دن گزار کر سہسرام میں انتقال ہوا۔ ۷ رصفر ۱۳۹۴ھ مطابق ۲ رمارچ ۱۹۷۴ء بروز سنیچر کو تدفین ہوئی۔

فخر رضوی سہسرامی

فخر معز نام، فخر تخلص، قلمی نام فخر رضوی بن سید معز الدین کمپاؤنڈر متوطن محلہ کبیر گنج عرف دائرہ سہسرام۔

سہسرام ہائی اسکول سے تعلیم پانے کے بعد جین کالج سہسرام میں داخل ہوئے اور ۱۹۶۹ء میں بی۔اے میں کامیابی حاصل کی۔

کم عمری ہی میں شعر وسخن کا ذوق پیدا ہو گیا، اکثر جریدوں میں ان کا کلام دیکھنے کو مل جاتا ہے، آج کل دہلی جولائی ۰ ۷ء میں ان کی ایک غزل ان کی تصویر کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔
ان کے والد کا انتقال ۱۹۷۰ء کے بعد ہوا۔ وہ گوری شنکر کے مشہور دواخانے میں کمپاؤنڈر تھے۔

نمونۂ کلام

وہ بھی عجیب شخص تھا جانے کہاں گیا | اچھا بھی اس کو کہنے سے ہو جاتا تھا خفا
اپنے وجود پر مجھے کل رات شک ہوا | اُس کے بدن کا لوچ بھی جی خوش نہ کر سکا
مجمع لگا ہوا تھا، کوئی بولتا نہ تھا | خاموشیوں کی کائی جمی تھی زبان میں
یہ وہم دور کر لے کہ سایہ ہوں میں ترا | تو سر سے پاؤں تک مجھے اچھی طرح سے دیکھ
اپنا جسے کہا وہی بے گانہ ہو گیا | سوچا ہے اب کسی کو نہ اپنا کہوں گا میں

ہر سو ہری بھری ہیں ملامت کی پتیاں
اے فخر اب خلوص کا موسم گزر گیا

(ماہنامہ آجکل دہلی، جولائی ۱۹۷۰ء، ص ۴۰)

سید فضل حسین

سید فضل حسین نام، ولدیت میر ولایت حسین۔
سید فضل حسین صاحب کے والد میر ولایت حسین صاحب مرحوم قصبہ مراد آباد علاقہ سہرام کے باشندہ تھے۔ ان کا نسب نامہ سادات بارہا سے جا کر ملتا ہے۔ سید فضل حسین صاحب مرحوم کی پیدائش بھی مراد آباد میں ہوئی۔
میر ولایت حسین صاحب کی شادی شیخ ہدایت حسین صاحب محلہ نورن گنج کی ہمشیرہ سے ہوئی، اور شیخ ہدایت صاحب کے صاحبزادے جناب عبدالغفور صاحب خوش جمال، گورے چٹے آدمی تھے۔ راقم حاذق نے دیکھا تھا۔ شیخ ہدایت حسین صاحب ملٹری ڈاکٹر تھے اور اپنی سسرال میں

آ بسے تھے اور آخر میں اپنا الگ مکان تعمیر کر لیا تھا۔

سید فضل حسین صاحب کی تعلیم پٹنہ میں ہوئی۔ بی۔اے علی گڑھ یونیورسٹی سے کیا۔ ۱۹۰۸ء میں ڈپٹی انسپکٹر کی حیثیت سے محکمہ آبکاری میں بحال ہوئے اور بنگال کے مشور علاقہ مرشد آباد میں داروغہ بھی رہے۔

۱۹۱۱ء میں بہار میں تشریف لائے۔ چونکہ صوبہ بہار بنگال سے جدا ہو گیا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں اس محکمہ کے سپرنٹنڈنٹ ہو گئے۔ ۱۹۳۹ء میں اسی محکمہ میں ڈپٹی کمشنر ہو گئے اور ۱۹۴۱ء میں پٹنہ میں انتقال ہوا۔ ابھی پنشن نہیں پا سکے تھے۔ تدفین قبرستان پھلواری شریف میں ہوئی۔ شاہ بدرالدین کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔

حکیم فخر الحسن صاحب حکیم سہسرامی نے تاریخ رحلت وصال کہی:

بود ڈپٹی کمشنر اکسائز آہ فضل حسن زایل فرد
صاحب اتقا و اہلِ کرم پاک باطن و نیک دل بے حد
گفت لبیک مرگ را ہیہات چوں پیام وصال حق آمد
بود جمعہ و پنجم از شعباں جا گرفت از جہاں بہ کنج لحد
مولدش سہسرام بود ولے درگہ شیخ(۱) مدفنش آمد
سال رحلت رقم نمود حکیم
رحمت حق دمید بر مرقد

۱۳۶۰ھ

تاریخِ عیسوی:

چناں رسید بگوشم سروش غیب حکیم وصال رحمت باری بمرقدش باشد

۱۹۴۱ء

فضل مرحوم کے صاحبزادے سید ظل حسین نے پٹنہ کالج سے انگلش میں ایم۔اے کیا تھا۔ جواں سال فوت ہوئے۔ حکیم صاحب نے قطعہ تاریخ کہی۔ آخری شعر:

سال رحلت گفت ہاتف با دل اندوہگیں رنج و غم افزود مرگ اہل علم و نوجواں

۱۹۵۵ء

مولوی فہیم الدین

مولوی فہیم الدین صاحب محلہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ یہ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں مدرس تھے۔

مولانا محمد صدیق صاحب علیہ الرحمہ (مہتمم مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام) سے اتنا معلوم ہوا تھا کہ ان کے لڑکے محمد یحیٰ اور عبدالحیٔ کلکتہ میں تجارت کرتے رہے۔ یہ بات مولانا مرحوم نے ۲۰ راکتوبر ۱۹۶۶ء کو بتائی تھی۔

فصاحت حسین عثمانی المعروف میاں مسافر

فصاحت حسین صاحب سہسرامی کا ایک چھوٹا سا رسالہ تنبیہ النفوس بزبان اردو برقی پریس بانکی پور پٹنہ میں چھپا ہے، نظر سے گزرا۔ کتاب کے سرورق پر اپنے پیرومرشد جناب حضرت قاضی شاہ عنایت کریم صاحب عباسی صوفی چریا کوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے ساتھ اپنے استاد حضرت مولانا حکیم محمد علی صوفی مدرس اوّل مدرسہ انگریزی سہسرام رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دو بزرگوں کے حسب ارشاد و ہدایت نو رسالہ چھپا، مگر ان دونوں بزرگوں کے وصال کے بعد۔

فصاحت صاحب مرحوم کا علم اس رسالہ کے دیباچہ سے معلوم ہو جائے گا۔ بعد حمد و نعت کے وہ لکھتے ہیں:

> ''خاکسار فصاحت حسین حنفی سہسرامی ابن زاہد الوقت و عابد الدہر جناب حضرت شاہ راحت حسین صاحبؒ ابن العامل المشہور جناب حضر شاہ عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن الکامل فی الآفاق جناب حضرت شاہ علی بزرگ صاحب قدس سرہ مسلمان بھائیوں کی خدمت بابرکت میں بہ نظر اظہار حق عرض کرتا ہے،

کہ فقیر ایک شب بیٹھا ہوا کاغذات پارینہ جدو آبا کے زمانے کا دیکھ رہا تھا کہ ان میں چند کاغذات از قسم کرسی نامہ و تقسیم نامہ متعلق جائداد جناب حضرت شاہ علی بزرگ صاحب کامل قدس سرہ جو یکے از اولاد جناب حضرت قاضی شاہ محمد تاج الدین صاحب عثمانی قدس سرہٗ کے تھے۔ و نیز تعلق جائداد جناب حضرت دیوان شاہ حنیف صاحب اپنی جناب حضرت دیوان شاہ زاہد صاحب نبیرہٗ جناب حضرت شاہ فریدالدین معروف دیوان شاہ بوڑھن صاحب فردوسی قدس سرہٗ خلیفہ جناب مخدوم شاہ شرف الحق صاحب بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور اولاد سے جناب حضرت قاضی شاہ مبارک حسین صاحب عثمانی قدس سرہ جو جامع علوم ساکن پرگنہ روح کے تھے، نظر پڑے''۔

نسب نامہ کو دیکھنے کے بعد ان کی کیا کیفیت ہوئی، لکھتے ہیں:

''اُس وقت سے کئی مہینے کب یہ سمجھا کئے اور یہی وہم رہا کہ جدو آبا کا شرف حسب نسب بلا محنت و مشقت و اعمال مفید ہوگا، اور میرا نسب بصورت تاخیر عمل کے بھی کام آئے گا۔

مگر خدا کا شکر ہے انھیں چند ہی ماہ بعد نسلی افتخار کے طلسم باطل سے باہر نکل آنے کا موقع ملا، جس کے نتیجے میں یہ رسالہ لکھا۔ وہ خود موضوع رسالہ کے سلسلے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ناظرین رسالہ سے التماس ہے کہ موضوع رسالہ یعنی اس امر کو ہر مسلمان کو حسب و نسب کا تفاخر اور اپنے علو خاندانی کا مباہات نہایت نامناسب ہے۔ پروردگار جل شانہ کے نزدیک صرف تقویٰ اور اعمال صالحہ کی ضرورت۔

رسالہ کے آخر میں حافظ کلو صاحب کی کہی ہوئی تاریخ طبع بھی ہوگی، جیسا کہ رسالہ سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر میرے پاس جو نسخہ موجود ہے۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ایک صفحہ ضائع ہوگیا''۔

الحاج مولانا حکیم محمد قادر بخش (حافظ حدیث) سہسرامیؒ

(۱۲۷۲ھ تا ۱۳۳۷ھ)

نام: (حاجی مولانا مولوی حکیم) محمد قادر بخش، خطاب: حافظ حدیث، طوطیٔ بہار، تخلص: عاصیؔ، وطن: محلہ باڑہ قصبہ سہسرام، ضلع شاہ آباد (آرہ)، شجرہ نسب: محمد قادر بخش بن مولانا حکیم حسن علی بن حکیم یار محمد بن حکیم غلام نبی بن حکیم محمد مسعود (نور اللہ مرقدہم)

مولانا کا محلّہ

حضرت مولانا محمد قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ صوبہ بہار کے مشہور مقام قصبہ سہسرام میں پیدا ہوئے اور ایسے محلّہ میں پروان چڑھے، جہاں شیر شاہ سوریؒ کے والد حسن خاں سور مرحوم کا پرشکوہ مقبرہ ہے، یہ مقبرہ شیر شاہ کی تعمیرات کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس محلے کے بچے آج بھی اسی شاہی عمارت میں کھیلتے ہیں اور اس کے سکوں بخش ماحول میں بیٹھ کر درس حاصل کرتے ہیں۔ مولانا قادر بخش صاحبؒ کے والد حکیم حسن علی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر مقبرہ (روضہ) میں آج تک بطور یادگار ایک مکتب ''مدرسہ حسنیہ'' کے نام سے موجود ہے، جہاں سیکڑوں بچے بیٹھ کر روزانہ ناظرہ قرآن مجید وغیرہ پڑھتے ہیں، فی الوقت معلم جمال الدین صاحب سہسرامی ہیں۔

کون جانتا تھا کہ اس محلّہ کا ننھا بچہ قادر بخش، جو پیدا ہوا تو چالیس دن پر محلّہ کی مسجد میں بھیجا گیا اور کچھ بڑھا تو روضہ کی مسجد جامع میں نماز جمعہ ادا کرنے لگا، اس کی زندگی میں ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ یہاں کے منبر و محراب اس کے علمی کمالات اور محدثانہ طریق استدلال سے گونج اٹھیں گے، وطن ہی میں نہیں، وطن سے دور اور باہر بھی اس کے کمالات کا شہرہ ہوگا۔

وہ سرزمین جہاں شیر شاہ کا بچپن گزرا اور جہاں شیر شاہ کے باپ کا مدفن ہے، مولانا نے اس محلّہ (باڑہ) میں آنکھ کھولی، سال پیدائش تو معلوم نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ پدرِ شیر شاہ کے مقبرہ میں جو مسجد ہے اس کے صحن و دروازہ کی تعمیر کے مولانا کے والد ماجد مولانا حکیم حسن علی صاحب حسنؔ نے ایک قطعہ تاریخ کہا جو ان کی غیر مطبوعہ کتاب (ملخص الاخبار فی مولد سید الابرار) میں درج ہے، بطور یادگار لکھا جاتا ہے۔

''قطعہ تاریخ صحن و دروازہ مسجد واقع روضہ حسن خاں سور کہ از قدیم نبود بطور تدخلہ یک عدد کہ عدد الف ایمان است''۔

صحن(۱) و دروازہ مسجد جامع شد وسیع و تمام چوں دلخواہ
سال ہاتف ز روئے ایماں گفت اُدْخِلُوا الْبَابَ وَ اشْكُرُوا اللّٰہ

۱ + ۱۲۷۷=۱۲۷۸ھ

مولانا کی پیدائش مذکورہ سن کے کسی قریب سالوں میں ہونا متوقع ہے۔ کیوں کہ ۱۳۰۰ھ کے پہنچتے پہنچتے مولانا فارغ التحصیل طالب علم ہی نہیں صاحب تصنیف بزرگ ہو گئے تھے۔

تعلیم وتربیت

مولانا ایک ایسے علمی گھرانے کے فرد تھے، جہاں پشتہا پشت سے تعلیم کا رواج تھا، ان کے والد خود ہی صاحب کمال اور ماہر علم وفن تھے یعنی علوم دینیہ ودنیوی دونوں سے بہرہ ور، علوم عربی و فارسی کی متداول کتابوں کے ساتھ ساتھ فنِ طب کی تعلیم بھی جہاں اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کی، وہاں ہی اپنے والد محترم کے مشہور شاگرد حضرت مولانا سید شاہ احمد حسین سمروی کی معیت میں رہ کر مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام سے متوسطات تک تعلیم پانے کے بعد ہندوستان کے نامور عالم بے بدل حضرت مولانا عبدالحئیؒ فرنگی محلی لکھنویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا حافظ حاجی عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جن سے خصوصیت کے ساتھ فن حدیث کی تعلیم پائی اور انجام کار خود بھی ''حافظ حدیث'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

اپنے پیر ومرشد سے بھی باضابطہ پڑھا، ان کی خواندہ کتب میں ایک کتاب حصن حصین راقم الحروف کے ذاتی کتب میں وراثتہً آئی ہے۔

بیعت وخلافت

مولانا ایک متبحر عالم دین ہی نہ تھے صاحب سلوک بھی تھے۔ تصوف اور بیعت کے بارے میں آپ کا کیا نقطۂ نظر تھا، آگے آئے گا۔ اس وقت یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ جیسا ماہر حدیث

بھی اپنے عہد کے شہرہ آفاق پیر وطریقت حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید اور خلیفۂ مجاز تھے۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کا احسان ہے کہ انھوں نے جہاں بہت سے مشاہیر بزرگوں کے تذکرے لکھے وہیں ''تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن'' بھی لکھ کر شائع فرمایا۔

مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں تذکرے کی تدوین و ترتیب میں جہاں غیر معمولی دشواریوں کا سامنا ہوا وہاں ہی انھیں بہت سی باتوں کا علم بھی نہ ہو سکا، ان ہی میں ایک بات یہ ہے کہ انھوں نے حضرت مولانا محمد قادر بخشؒ کا نام تو مولانا گنج مرادآبادیؒ کے مریدوں کی فہرست میں لکھا مگر انھیں اس کا علم نہ ہو سکا کہ یہ ان کے خلفا میں ممتاز آدمی تھے۔

حضرت مولانا محمد قادر بخش کے مریدوں کا حلقہ بھی وسیع تھا، صوبۂ بہار کے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھی لوگ آپ کے مرید تھے، ضلع پورنیہ میں تو آپ کی خانقاہ بھی ہے، اس ضلع میں خصوصیت سے آپ کے مرید کافی تھے، اس ضلع میں خصوصیت سے آپ کا قیام زیادہ رہا اس لیے تبلیغ ورُشد کے کام بھی اس ضلع میں زیادہ کر سکے، جس کا اعتراف دوسروں کو بھی ہے۔

ریاست کھگڑہ سے وابستگی

مولانا کی زندگی کا زیادہ حصہ کھگڑہ ضلع پورنیہ میں گزرا۔ آپ سے راجہ سید عطا حسین صاحب رئیس والی پرگنہ سورجاپور ضلع پورنیہ کو بڑی عقیدت تھی ان ہی کی وجہ سے مولانا ارتجالاً وعجالۃً چند کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جو ان کی سرکردگی میں شائع ہوئیں۔

مولانا یہاں طبابت بھی کرتے تھے، مگر رُشد وہدایت ہی ان کی زندگی کا اصل مشغلہ تھا۔

بنارس سے بھی مولانا کو خاص لگاؤ تھا، یوں تو جہاں بھی گئے ان کی قدر ومنزلت ہوئی، مگر ان دو مقامات سے انھیں خصوصی تعلق تھا۔

زیارت حرمین وشریفین

مولانا کو اپنی زندگی میں زیارت حرمین شریفین کا بھی موقع ملا، مشہور ہے کہ جب انھوں نے بیت اللہ شریف وغیرہ میں عربی زبان میں متعدد تقریریں کیں تو علماء عرب نے بھی ان کے محدثانہ تبحر وکمال کی داد دی۔

تبحرعلم اور یادداشت

خدا نے مولانا کو غیر معمولی قوت یادداشت عطا فرمائی تھی، کہا جاتا ہے کہ ایک بار راستہ بھول گئے، راہبر کی طلب تھی، حضرت خضر علیہ السلام نے رہنمائی فرمائی، جن کی دعا کے نتیجہ میں خدا نے ان کی قوت حافظہ میں غیر معمولی اضافہ کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جس کتاب کی جس عبارت کو ایک بار بغور دیکھ لیتے تھے وہ انھیں حفظ ہو جاتی تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ روضہ کی مسجد میں ختم تراویح سنانے کے لیے حافظ صاحب وقت پر تشریف نہ لائے، مولانا نے اہل محلّہ سے روزانہ ایک پارہ حفظ کر کے سنانے کا وعدہ کر لیا، نصف قرآن سنانے پائے تھے کہ حافظ صاحب تشریف لے آئے اور مولانا کو زحمت نہ ہوئی۔

مولانا گیلانی کا بیان

مولانا کی یادداشت اور ان کے تبحر کا کیا عالم تھا، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی زبانی سنئے، لکھتے ہیں:

> ''اور مولانا قادر بخش سہسرامی کو دیکھنے والے تو شاید اب بھی موجود ہوں گے، جو صحاح کے ورق سناتے چلے جاتے تھے، بخاری کی حدیثیں سند کے ساتھ بیان کر کے فتح الباری، عینی وغیرہ شروح کی عبارتیں تک مولانا زبانی سناتے تھے''۔

تالیفات

مولانا ممدوح اپنے والد صاحب کی طرح صاحب تالیف تھے۔ مگر تصنیف وتالیف کی طرف طبیعت مائل نہ تھی، کیوں کہ ان کی طبیعت کا اصل جوہر مواعظ ہی میں کھلتا تھا، تاہم ان کی چند تالیفات کا ذکر ناگزیر ہے، کیوں کہ مولانا کی جملہ نگارشات مطبوعہ وغیر مطبوعہ کا ہنوز علم نہ ہو سکا، جتنی کتابیں نظر سے گزر چکی ہیں، ان ہی ذکر پیش نظر ہے۔

(۱) التقریر المعقول فی فضائل الصحابۃ واھل بیت الرسول

اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو صحابۂ کرام اور اہل بیت الرسولؐ سے کتنی محبت اور قلبی وروحانی شغف تھا۔

اہل تشیع کے رد میں قلم اٹھانا اور غیر شریفانہ طریق استدلال سے دامن بچانا اور تمام باتوں کو احادیث وقرآن کے جواہر سے آراستہ کر کے عوام کے سامنے لانا، کتاب کی اصل خوبی ہے، مختصر یہ کہ اس میں مناظرانہ رنگ کی اشتعال انگیزی نہیں ہے، تاریخی مباحث بھی اعتدال کے ساتھ آئے ہیں۔

مولانا نے اس رسالے کو ارتجالاً لکھا ہے، ان کا خود کہنا ہے کہ تمام کے تمام مضامین مقام کھگوہ میں لکھے گئے ہیں۔ جہاں کتب معتبرہ وحدیث سیر کا حصول مفقود تھا، گویا پوری کتاب یادداشت کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔

کتاب ۱۶۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، فہرست مضامین ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۳۰۰ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ نے چھاپا ہے، مولوی عبدالماجد صاحب کے رشحاتِ قلم سے تاریخ طباعت نکلی ہے، مادۂ تاریخ یہ ہے ع

گفت ہاتف کہ چہ عجیب و غریب

۱۳۰۶ھ

(۲) کتاب الاربعین فی اشاعة مراسم الدین

یہ مختصر رسالہ ۵۶ عنوانات پر مشتمل ہے، کل صفحات ۶۰ ہیں، جس میں چالیس منتخبہ احادیث کی تشریحات آئی ہیں۔ یہ کتاب بھی مطبع مذکور سے باہتمام محمد تیغ بہادر مہتمم انوارالاخبار لکھنؤ چاہ کنکر چھپی ہے۔

عبارتِ آغازِ کتاب:

”امابعد اذل الخلیفة بل لا شئی فی الحقیقة منزوی بزاویہ خمول وگمنامی محمد قادر بخش سہسرامی ابن ذی الفضل الخفی و الجلی، جناب مولانا استاذنا حکیم حسن علی صاحب دام ظلہ الرب الواہب“۔

اسی رسالہ میں ایک جگہ ہے:

”کل کی آخر شب سے مشغول جمع احادیث ہوا، آج اس وقت کہ وقت چاشت روز جمعہ تاریخ ۲۶ رجمادی الثانیہ ۱۳۰۰ھ ہے۔ بفضل ایزدی جمع اربعین سے معہ ترجمہ و درج کرنے مضامین ضروریہ کے شرح بلا اندراج مضامین

منجرہ بقیل و قال و قدح و جرح فراغت ہوگئی۔نام اس عجالہ کا اربعین فی اشاعۃ مراسم الدین رکھتا ہوں''۔

گویا یہ رسالہ بھی ایک ہی نشست میں چند گھنٹوں کے اندر لکھا گیا، کچھ محولہ عبارتیں آگے آتی ہیں، جن سے بھی ان کی یادداشت کا قدرے اندازہ ہوگا۔

(۳) المقال فی رویت الھلال

یہ ایک غیر مطبوعہ قلمی رسالہ ہے جس میں ٹیلی فون اور تار وغیرہ کے ذریعہ آمدہ خبروں کو دلائل شرعیہ کے ساتھ غیر معتبر بتلایا گیا ہے، اس رسالہ کو بھی مولانا نے ۱۳۰۷ھ میں کھگوہ میں لکھا جہاں لوگوں میں رویتِ ہلال کے مسئلہ میں اختلاف ہوگیا تھا، مولانا کا علمی موقف کتنا درست تھا، درج ذیل حالات کو سامنے رکھ کر دیکھئے:

> ''آلاتِ جدیدہ کے ذریعہ آئی ہوئی خبریں تو اب رویتِ ہلال کے سلسلے میں فتنہ بن گئی ہیں۔۱۹۶۲ء و ۱۹۶۷ء میں عیدین کے مواقع پر ریڈیو پاکستان کے ذریعہ رویت کی جو غلط خبریں نشر کی گئیں جسے جملہ مکاتب فکر کے علما اور ماہر موسمیات نے غلط بتایا، مگر ناشرین کی غلط روی سے جو فتنہ برپا ہوا، اس کا ازالہ ممکن نہ تھا، حکومت پاکستان نے تو حد کردی اپنی غلط روی پر پردہ ڈالنے کے لیے الٹے مشاہیر علمائے کرام کو گرفتار کرلیا، پتہ نہیں اس طرح کی بے اعتدالیاں امت مسلمہ کو کہاں لے جائیں گی!''(۱)

شاعری

یہ بات کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگی کہ مولانا ممدوح کو شعر گوئی کا بھی ذوق تھا۔ جہاں مولانا کو دوسروں کے اشعار یاد تھے، اور جسے خوش آوازی سے پڑھ کر اس میں جان پیدا کرتے تھے، وہیں حسب ضرورت یا وقتی طور پر خود بھی اشعار موزوں کرلیا کرتے تھے۔ باضابطہ شاعر نہ تھے، عاصی تخلص فرماتے تھے۔

ان کے ایک غیر مطبوعہ رسالے ''غایت المقال فی رویت الھلال'' سے کچھ اشعار تبرکاً درج کیے جاتے ہیں۔ رسالے کا آغاز اشعار سے ہوا ہے۔ چند شعر غیر مسلسل ملاحظہ ہو:

حمد اس خالق کو جس نے نحر و افطار و صیام دیکھنے پر چاند کے موقوف رکھا بہر عام

آسماں پر ابر ہو انتیسویں کو گر کہیں   ہم کو اس دن کچھ بھی فکر نَکْتُبُ و نَحْسُبُ نہیں
فَقْدِروا لَه کس عنایت سے ہیں فرماتے جناب   محتجب ہو چاند انتیسہ کو جب زیر سحاب
اپنے ذو رحمت نبی پر ہووے صلوات و سلام   اور سب اصحاب و آلِ پاک پر ان کے مدام

وفات

حافظ حدیث کو جب خدا نے اپنے پاس بلانا چاہا تو ان کی زبانِ مبارک پر اپنے رسولؐ کے فرمان کو جاری کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا ہر سال ایک بزرگ کے یہاں شب معراج پر تقریر فرمایا کرتے تھے۔ تیاریٔ تقریر میں مشغول تھے کہ چیچک کے دانے نکل آئے، نزع کا عالم تھا اور بحرانی کیفیت طاری تھی اور آپ زوردار آواز سے معراج پر تقریر کر رہے تھے اور اسی تقریری حالت میں خدا کو پیارے ہو گئے، بعد وفات ایک بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھا آپ بہشت بریں میں ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں اور ہزاروں اشخاص کے سامنے معراج پر تقریر فرما رہے ہیں۔ کہنے والوں نے کہا کہ خدا نے اس طرح آپ کو کاوش حدیث و حفظ حدیث کا صلہ آخرت میں عطا فرمایا۔ سچ ہے کہ خدا کی رحمتیں بے پایاں ہیں اور اس کا انعام و اکرام لازوال۔

مرقد

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مزار آپ کے موروثی قبرستان میں تالاب شیر شاہ سے پورب ٹریننگ اسکولِ سہسرام سے متصل بجانب شمال ایک احاطہ میں ہے۔ لوح مزار پر حضرت حاجی مولانا فرخند علی فرحتؔ سہسرامی (بانی مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام) کا کہا ہوا قطعۂ رحلت درج ہے۔

مولانا سید قمر الدین کیفؔ سہسرامی

(۱۹۲۱ء-۱۹۸۴ء)

کیفؔ تخلص فرماتے ہیں، کہنے کو تو ان کا نام ہے محمد قمر الدین، مگر کم ہی لوگ انھیں ان کے اس نام سے جانتے ہیں۔

طبیعت خاموش پائی ہے اور متانت غیر معمولی ہے۔ البتہ فکر میں آزادی اور عمل میں بے راہ روی ان کی زندگی کے دو کمزور ترین پہلو ہیں۔

تعلیمی عہد ہی سے شعر و شاعری کا ذوق ہے، مست سہسرامی کے علاوہ شاعری میں انھیں شرف تلمذ نوح ناروی اور سیماب اکبرآبادی سے بھی حاصل ہے۔

سہسرام کے ماحول سے کبھی باہر نہیں نکلے، مگر سہسرام کی علمی تنگ دامانی میں رہ کر انھیں جو کچھ بھی کرنے کا موقع ملا، قابل قدر ہے۔

عہد طالب علمی میں کیف صاحب نے ایک قلمی رسالہ 'پیام اردو' کے نام سے نکالا جو 'انجمن ترقی اردو سہسرام' کی زیر سرپرستی نکل رہا تھا۔ ادارت کا فریضہ خود کیف صاحب انجام دیتے تھے۔ مگر رسالہ کے اصول کے نگراں ان کے استاد مولانا سید احمد صاحب عروج قادری امجھری تھے، جو بعد میں رامپور، یوپی میں ماہنامہ 'زندگی' ترجمان جماعت اسلامی ہند کے مدیر ہوئے۔

مدرسہ خانقاہ سے فراغت کے بعد فاضل فارسی کے امتحان میں کامیاب ہو کر سرکاری ملازم ہو گئے۔ چند سالوں تک انسپکٹنگ مولوی کے عہدہ پر فائز رہے تو آزادی کے بعد یہ عہدہ ختم ہو گیا تو ٹریننگ اسکول ڈہری آن سون میں منتقل ہو کر پہنچے، اور تادم تحریر وہاں ہی ملازم ہیں۔

۱۹۴۶ء میں سہسرام سے ایک اور رسالہ نکالا، 'مفکر اسلام' یہ رسالہ محلہ کبیر گنج سہسرام کے ایک پریس میں طبع ہوتا تھا، جو ان کے احباب کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد رسالہ بند ہو گیا، اور پریس ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) چلا گیا۔ سہسرام سے اس کا دو ہی شمارہ نکلا، جس کا پہلا شمارہ راقم کے پاس موجود تھا۔

کیف صاحب کے عہد طالب علمی کا نمونہ، مذکورہ نظم 'حضرت داغ مرحوم کے ایک مصرع کی تصویر' لائق مطالعہ ہے:

چمن کے پتے پتے پر ہے چھایا سوگ کا عالم
کسی کی بیکسی پر رو رہی ہے شام سے شبنم
جہاں میں ہر طرف اندھیر ہے ہر سمت خاموشی
نہ جانے کس کے ماتم میں ہے دنیا کی سیہ پوشی
چھپے ہیں کالی کالی بدلیوں میں جتنے تارے ہیں
نہ بستی کے تماشے ہیں نہ جنگل کے نظارے ہیں
ڈراتا ہے جہاں کو دیو شب کا پُرسکوں منظر
غضب کا رُعب ہے چھائی ہے ہیبت ساری دنیا پر
غرض ایسی فضا ہے اس طرح سنسان ہے دنیا
کہ اپنی خامشی پر آپ ہی حیران ہے دنیا

یہ عالم ہے پھر ایسے میں کہاں سلمیٰ کہاں اختر
سر بستر اکیلا مضطرب ہے نوجواں اختر
کِس سے کر رہا ہے اس قدر سلجھی ہوئی باتیں؟
کبھی سلجھی ہوئی باتیں کبھی اُلجھی ہوئی باتیں
کبھی گزرے ہوئے دن پر کبھی قسمت پہ روتا ہے
کبھی کچھ سوچ کر دل تھام کر خاموش ہوتا ہے
پھراس نے اس طرح کہتے ہوئے اپنا دہن کھولا
پکڑ کر دل، لرز کر، دکھ بھری آواز میں بولا
''الٰہی رشتۂ الفت مرا کیا ٹوٹ جائے گا؟
ہمیشہ کے لیے سلمیٰ سے اختر چھوٹ جائے گا
جدائی کی نہ گرنے پائے یارب ناگہاں بجلی!
یہی ہونا ہے تو برسا دے مجھ پر آسماں بجلی!
نظر سے تیری میں افسوس ایسا گر گیا سلمیٰ!
کہ میری ساری امیدوں پہ پانی پھر گیا سلمیٰ!
یہ سلمیٰ تو نے کیسا آخری پیغام بھیجا ہے
یہ میری عمر کا گویا چھلکتا جام بھیجا ہے
غرض کرتا رہا کچھ دیر یونہی دکھ بھری باتیں
کبھی تو سرگزشت اپنی کبھی رب سے مناجاتیں
اُجالا پھیلتا ہے صبح ظاہر ہونے والی ہے
چراغِ صبح کی اب سانس آخر ہونے والی ہے
دوائے درد تھی شاید کہ پی کر سو گیا اختر
چراغِ صبح کی مانند رخصت ہو گیا اختر
یہ درد انگیز لمحہ اک فسانہ ہو گیا آخر!
یہ بچہ تھا جو تنہا روتے روتے سو گیا آخر!

(پیام اردو (قلمی) سہسرام، جلد ا، ص ۱۰۹، ۱۱۰)

خلیل باری

اک جست سے پروانے کی روشن ہوا مجھ پر
ہے پاک محبت کا نشاں جذبۂ بیباک
ہر خار رہِ عشق کا گل اس کے لیے ہے
ہے جس کی نظر مصلحت اندیشیوں سے پاک
احساسِ خطر شرک ہے پیمانِ جنوں میں
نخچیر محبت کی نظر میں نہیں فتراک
ہو صدق تو ہر آتشِ نمرود ہے گلزار
ایمانِ محبت ہے براہیمی ادراک

(ایضاً)

حکیم قربان علی

حکیم قربان علی صاحب محلہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے، آپ کے والد ماجد کا نام حکیم غلام علی سہسرامی تھا۔

حکیم غلام علی صاحب خاص شیر گھاٹی ضلع گیا میں طبابت کرتے تھے۔ سہسرام میں انتقال ہوا اور موروثی قبرستان پیر تالاب شیر پر دفن ہوئے۔

حکیم غلام علی صاحب کے دو صاحبزادے صاحبِ علم اور صاحبِ فن ہوئے۔ ایک حکیم سلامت اللہ اور دوسرے حکیم برکت اللہ۔

آپ کی صاحبزادی کا نام بی بی نذیرن تھا، جن کا عقد نکاح شہر کے مایۂ ناز طبیب اور عظمت جلال کے شہرہ آفاق اور صاحب روحانیت بزرگ مولوی حکیم عبدالحمید صاحب نورن گنج سہسرام سے ہوا۔

قاری حکیم مولوی قادر بخش سہسرامی

قاری حکیم مولوی قادر بخش سہسرامی کے متعلق حکیم انیس الزماں سلمہ نے بعنوان ''طب یونانی حلقہ رہتاس کے ایک بے لوث خادم طب سے محروم'' رپورٹ مطبوعہ ماہنامہ ہمدرد، نئی دہلی، اکتوبر ۲۰۰۵ء میں لکھا:

> ''سہسرام ۷ر ستمبر بہار کے شہر سہسرام کے بزرگ حکیم مولوی قاری قادر بخش کا ایک مختصر علالت کے بعد ۶ رجب مطابق ۱۲را گست ۲۰۰۵ء بروز جمعہ انتقال ہو گیا۔ آپ کی نماز جنازہ نماز جمعہ خورشید صاحب کے میدان واقع چوکھنڈی میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ حکیم مولوی سید مومن صاحب نے پڑھائی اور ''راعین قبرستان'' واقع محلہ ساگر میں ہزاروں کی موجودگی میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کی عمر ۸۵ برس تھی۔ انجمن اطباء سہسرام روہتاس آپ کے انتقال کو بڑا

خسارہ قرار دیتی ہے۔ انجمن کی تعزیتی نشست مؤرخہ ۱۹؍ اگست حکیم انیس الزماں سکریٹری انجمن اطباء سہسرام روہتاس کے دولت خانہ پر منعقد کی گئی، جس کی صدارت حکیم نظام الدین صاحب مجاہد آزادی ہند نے کی، جن میں شہر کے تمام اطبا اور معزز شخصیات نے بڑی تعداد میں شریک ہو کر حکیم صاحب مرحوم کے لیے دعاء مغفرت کی۔ حکیم مولوی قاری قادر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد کے سند یافتہ قاری اور مولوی تھے۔ وہاں سے فراغت کے بعد تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں فن طب کے حصول کے لیے داخلہ لیا۔ لکھنؤ کے دورانِ قیام دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے اساتذۂ کرام کی مجلسوں میں بھی گاہے گاہے شریک ہوا کرتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ سے خاصی عقیدت تھی، جن کا تذکرہ بڑے فخر و انبساط کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ فن طب کی تکمیل کے بعد حکیم صاحب مرحوم نے اپنا بساطِ فن شہر سہسرام میں ہی بچھایا۔ وہ عہد سہسرام میں فن طب کے شباب کا عہد تھا، جہاں ماہرین فن اپنے کمال کا جادو دکھا رہے تھے۔ ان آراء کا اظہار انجمن کے جنرل سکریٹری حکم انیس الزماں صاحب نے کیا۔

حکیم مرحوم طبابت کے ساتھ تدریسی فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ آپ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں مدرس بھی تھے۔ وہاں کے تدریسی فرائض سے فراغت کے بعد ہی منصب طب کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ ۱۹۹۰ء میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ سے ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا پورا وقت مطب کو ہی دیا کرتے تھے۔ آپ خدا ترس نیک اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ اندازِ زندگی بہت سادہ تھا۔ بے لوث عوام کی خدمت کی۔ کبھی کسی اختلافی مسئلہ میں نہیں پڑتے۔ بحث و مباحث سے کوسوں دور تھے۔ ہر سال محلہ کبیر گنج کے نعتیہ مشاعرہ کا آغاز آپ ہی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا کرتا تھا، جس کے اختتام تک آپ اسٹیج کی زینت ہوا کرتے تھے۔

راعین برادری کے روحِ رواں تھے اور حبیبیہ راعین مسلم مسافر خانہ وقف کے مالک مرحوم حبیب اللہ میاں کے بڑے داماد کا آپ کا انتقال پورے شہر کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ چھ بیٹے اور بیٹی

ہیں۔ اس نشست میں متعدد لوگوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور صدر مجلس کے اختتامیہ کلمات کے ساتھ اس نشست کا اختتام ہوا۔

کلیم سہسرامی

''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' میں ہے:

''نام محمد کلیم، کلیم تخلص، سہسرام ضلع آرہ سے تعلق ہے، سال ولادت ۱۹۲۵ء (انیس سو پچیس) ہے، آپ کا کافی وقت عربی و فارسی کی تعلیم میں گزرا۔ اسکول اور کالج کی تعلیم بہت دیر سے شروع ہوئی، اور بہت رُک رُک کر آگے بڑھی، محکمۂ ڈاک اور تار کے کسی شعبہ سے وابستہ ہیں، پرانی وضع کے بزرگوں کا سا انداز رکھتے ہیں، تنقید سے زیادہ تحقیق، ادب سے زیادہ زبان اور کتاب سے زیادہ لغت، آپ کی دلچسپیوں کا مرکز ہے۔ ان کی ادبی زندگی بہت ٹھہری سی ہے۔ تحریر اور شخصیت دونوں میں سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ ہے۔ اشعار بھی کہتے ہیں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:

تمھارے اک تبسم سے تلافی ہو گئی غم کی — خزاں بھی اب بہارِ زندگی معلوم ہوتی ہے

وہ ناکامِ تمنا ہوں وہ بربادِ محبت ہوں — کہ اب بیچارگی ہی زندگی معلوم ہوتی ہے

''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' کے مؤلف کو کلیم سہسرامی کے حالاتِ زندگی کا صحیح علم نہ تھا۔ اس لیے لکھ دیا کہ ''محکمۂ ڈاک اور تار کے کسی شعبہ سے وابستہ ہیں''۔ کلیم صاحب نہیں بلکہ ان کے بڑے بھائی عبدالرحیم مرحوم اس محکمہ سے وابستہ تھے۔

کلیم کے دادا کا نام محمد علی، باپ کا نام محمد کریم تھا، جو محلّہ املی آدم خاں سہسرام، متصل مزارات حسن جان خاں حسنؒ اور محمود الحسن خاں محمود سہسرامیؒ اور قریب احاطۂ قاضی شاہ کے رہنے والے تھے۔ کلیم کی والدہ کا نام نجم النساء عرف عقلیہ بنت حاجی سراج الدین بڑا شیخ پورہ، متصل مکان خان بہادر قمر علی خاں مرحوم ہے۔ کلیم تین بھائی ایک بہن ہیں۔ دو بڑے بھائی عبدالرحیم اور

عبدالعلیم عرف علیم فوت کر گئے۔ عبدالرحیم تقسیم ہند کے بعد ڈھاکہ مشرقی پاکستان چلے گئے۔ محکمہ ڈاک سے وابستہ تھے۔ بنگلہ دیش کی تحریک میں شہید کر دیئے گئے ۱۹۷۱ء میں۔ عبدالعلیم کلکتہ میں زرگری کا کام کرتے تھے۔ ۱۹۸۰ء تک زندہ تھے۔ کلیم کی بڑی بہن صالحہ خاتون زوجہ مولوی وجاہت حسین مرحوم (مدرس مدرسہ خیریہ سہسرام) ۱۹۹۶ء تک حیات سے تھیں۔

مولوی وجاہت حسین راقم کے خسر حکیم حافظ عزیز الدین مرحوم مغل پورہ سہسرام کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

کلیم سہسرامی کے حالاتِ زندگی ان کی کتاب ''روایت ودرایت'' میں بڑی حد تک درج ہیں۔

ذرّے ذرّے کو محویت ہے کلیم طورِ سینا بنا رہا ہوں میں

کلیم صاحب بکثرت مقالات لکھتے رہے۔ متعدد کتابیں بھی لکھیں، جوشائع ہوئیں۔ ان پر عزیزی ارمغان ساحل صاحب پی ایچ۔ ڈی کر چکے ہیں۔ دیگر نمونۂ کلام:

پھر اضطرابِ شوق میں غم سے مفر کہاں وہ رونقِ حیات کہاں، چشمِ تر کہاں
تاریکئ حیات سے گھبرا گیا ہے جی دیکھیں شبِ فراق کی پھر ہو سحر کہاں
عرصہ ہوا کہ بزم تمنا اجڑ چکی! پھر ربطِ حسن و عشق میں کیف و اثر کہاں
تیرے بغیر محفل دل بھی اداس ہے اے حسن ناشناس، تجھے یہ خبر کہاں
تم کیا گئیں کہ گھر کی فضا ہو گئی اُداس پہلی سی اب وہ رونقِ شام و سحر کہاں
اب تک سمجھ رہا تھا جسے تیری رہ گزر تھا اک فریب شوق، تری رہ گزر کہاں

اک چشم لطف کا ہے تری منتظر کلیم
ورنہ جبینِ شوق کہاں سنگِ در کہاں

(مطبوعہ ضیائے صبح، ڈھاکہ، نومبر ۱۹۸۰ء، ص ٦)

رازِ بے خودی

از کلیم سہسرامی

نہ کر سکیں گے تری رہبری یہ ہوش و خرد کہ تیرے قلب میں روشن نہیں جنوں کے چراغ

نوا میں تیری، نہ سوز یقیں، نہ عزم عمل — نہ تیرے ساز خودی میں قلندری کا سراغ
خود آگہی تری، دراصل خود فریبی ہے — کہ تشنہ لب ہے ابھی تک تری خودی کا ایاغ
فریب خوردۂ تہذیبِ نو ہے تو اب بھی — تجھے ملا نہیں اس سحر ساحری سے فراغ
تجھے نصیب کہاں ہے؟ نظر کی آزادی — کہ وہم میں ہیں گرفتار تیرے قلب و دماغ
ترے ضمیر پہ روشن ہوا نہ رازِ خودی — نہ مل سکا تجھے خود اپنی عظمتوں کا سراغ

تری سرشت ہے شاہیں مقام اے ہمدم
زباں بدوش ترے واسطے ہے صحبتِ زاغ

(سہ ماہی انکشاف، ڈھاکہ، جون-اگست ۱۹۹۹ء، جلد۲، شمارہ۱، ص۲۵)

بنگلہ دیش اردو دشمنی کے ساتھ عالم وجود میں آیا اور غیر بنگالی یعنی بہاری کثرت سے جلائے، لوٹے اور مارے گئے۔ اب علم ہوا کہ وہاں سے اردو زبان میں رسالہ مذکور نکل رہا ہے۔ خدا کرے وہاں اردو دشمنی ختم ہو۔ شمس شیدائی سہسرامی، کلیم سہسرامی اور اسد سہسرامی نے بنگلہ دیش میں اردو زبان وادب کی غیر معمولی خدمت انجام دی ہے، امید کہ اب لوگ انھیں یاد رکھیں گے۔ کلیم سہسرامی کی مذکورہ نظم ان کے تازہ کلام کا ایک نمونہ ہے، جس میں علامہ اقبال کی فکر کا پرتو نمایاں ہے۔

کلیم احمد خاں دانشؔ سہسرامی

(متوفی بعد ۱۹۴۳ء)

مولوی حافظ حکیم محمد کلیم احمد خاں نام، حافظ کلو خاں عرف، دانشؔ تخلص بن ابوالفضل خاں المعروف فجو خاں صاحب سہسرامی، متوطن محلہ نیم گندھی سہسرام تھے۔ اب ان کے مکان پر مندر کی تعمیر ہوگئی ہے۔ تلمیذ داغ دہلوی۔

دانش صاحب نظم گو ہی نہیں، نثر نگار بھی تھے۔ ''شمشیر دوزباں'' نام کی ایک مختصر کتاب لکھی تھی۔ یہ کتاب پٹھانوں کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ کل صفحات ۱۶ ہیں۔ سن طباعت مارچ ۱۹۲۱ء

(مطابق جمادی الآخر ۱۳۳۹ء) ہے، مطبع غوثیہ غازی پور۔ راقم نے اس رسالہ کو سرسری طور پر دیکھا تھا۔ مصنف کا پورا نام کتاب میں یوں درج ہے:

"پٹھانوں کی تاریخ جس کا دوسرا نام شمشیر دوزباں مولوی حکیم حافظ محمد کلیم احمد خاں صاحب حنفی نظامی سوری ماہ مارچ ۱۹۲۱ء مطابق ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ میں باہتمام امیدوار رحمت رب المعبد شیخ عبدالحمید خلف جناب منشی احمد حسین صاحب مالک مطبع غوثیہ واقع شہر غازی پور زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہوا"۔

بقول قمر گیاوی "مخبوط ہو کر اور استسقاء میں مبتلا ہو کر بماہ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ میں انتقال کیا"۔

دانش صاحب اپنے آپ کو "حنفی چشتی نظامی سوری" لکھتے تھے۔

دانش صاحب مرحوم کو فن شعر گوئی میں مولوی حسن جان صاحب حسن ابوالعلائی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اور شاید انھیں سے بیعت بھی تھے۔ "حیات شیر شاہ" میں انھیں تلمیذ داغ دہلوی لکھا ہے۔

نمونۂ کلام:

ہماری خاک سے تسبیح اس نے بنوائی ہزار شکر کہ آخر ہمیں شمار کیا
کسی کے حسن کو بدنام کیوں کریں دانش ہمارے دل نے ہمیں خود گناہ گار کیا
(آبِ کوثر)

حکیم کریم احمد عرف حکیم یکہ

وفات ۲۴ر جنوری ۱۹۶۸ء بمقام اندھلا (دینارہ) بیمار ہو کر سہسرام سے اپنی صاحبزادی کے یہاں چلے گئے تھے۔

آج مؤرخہ ۱۳ر جون ۱۹۶۵ء کو میں حکیم کریم الدین صاحب عرف حکیم یکہ محلہ شاہ جمعہ (صدر کی املی) سہسرام سے ان کے مطب محلہ مذکور میں ملا۔

یہ ایک ستر سالہ بزرگ ہیں، آنکھوں کی بینائی میں ضعف آ گیا ہے، اور جسم نحیف ہو گیا ہے۔ مگر خوش وضعی کے ساتھ اپنے بستر سے آراستہ چارپائی پر بیٹھے ملے۔ ہاتھوں میں ایک پتّل کا دُونا تھا، اور اس میں سِیَو بیٹھے کھا رہے تھے۔ میں نے موصوف سے عرض کیا۔ آج میں اس غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں کہ آپ کے خاندانی بزرگوں کے احوال معلوم کروں، اُمید کہ جواب سے نوازیں گے۔ موصوف سے تقریباً ایک گھنٹہ تک گفتگو ہوتی رہی، جس کا خلاصہ درج ہے:

ازراہِ کرم شجرۂ نسب بیان فرمایئے:

انھوں نے فرمایا، میرا نام تو آپ جانتے ہی ہیں۔ حکیم کریم الدین احمد ہے۔ میرے والد تھے حکیم محی الدین اور ان کا نسب یوں لکھئے، حکیم محی الدین بن شیخ عبدالواحد بن شیخ عبدالقادر بن شاہ رحیم الدین۔

کیا یہ تمام حضرات سہسرام کے رہنے والے تھے؟

جی ہاں، میں نسلاً بعد نسلٍ سہسرامی ہوں، اور مجھے اپنا سلسلۂ نسب یہاں تک ہی یاد ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں تک حاصل کی؟

میں نے عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں پائی، یہ اُس وقت کی بات ہے، جب مدرسہ عالیہ کلکتہ کے نصاب کے مطابق تعلیم ہوئی تھی، اور مدرس اوّل مولانا ابوالحسن صاحب بیدلؔ سہسرامی تھے۔ میں نے مدرسہ میں سال اوّل تک پڑھا، خاص خاص اساتذہ کے نام یہ ہیں:

مولوی محمد شفاعت صاحب مرحوم محلہ نیم لوہار سہسرام، انھوں نے مجھے گلستاں اور بوستاں پڑھائی۔ میرے شفیق استادوں میں مولوی فرخند علی صاحب خنداںؔ سہسرامی بھی تھے، اور ان لوگوں کا مدرسہ خانقاہ کے اچھے اساتذہ میں شمار ہوتا تھا۔

مدرسہ خانقاہ سے نکل کر میں مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد چلا گیا، اور وہاں تقریباً عالم تک نصاب پڑھا، مگر تکمیل اور دستار بندی سے پہلے طبیہ کالج لکھنؤ چلا گیا، اور وہاں منّے آغا صاحب سے فن طب کی تعلیم پائی۔

آپ کے والد حکیم محی الدین صاحب کہاں طبابت کرتے تھے؟

میرے والد بھی گھر ہی پر طبابت کرتے تھے، عمر بھر وہ سہسرام میں رہے، زمینداری کے علاوہ طبابت کا پیشہ گزر بسر کے لیے کافی تھا۔

ان کے انتقال کو کتنے دن ہوئے؟ تقریباً بیس سال۔ انھوں نے فرمایا۔

آگے چل کر میں نے حکیم صاحب موصوف سے دریافت کیا، آپ کے یہاں جو امام باڑہ میر بچھو ہے، اس کی تاریخ کیا ہے؟

فرمانے لگے: ''میرے والد صاحب قبلہ کے نانا میر مظفر حسین اور اُن کے والد سید غلام مصطفٰے عرف میر بچھو تھے، اور یہ سید عنایت اللہ صاحب سہسرامی کے نواسے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک امامیہ مسلک رکھتے تھے۔ ان ہی میں ایک میر بچھو بھی تھے، جنھوں نے سہسرام میں ایک امام باڑے کی بنیاد رکھی، جو ہنوز موجود ہے، اور ایک کربلا بھی بنائی جو محلّہ شیر گنج سہسرام میں واقع ہے۔

واضح رہے کہ میرے والد صاحب مجھے میری رضا کے برعکس رسم تعزیہ داری کی ادائیگی پر مامور فرما گئے۔ اس وقت سے میرا یہ معمول رہا کہ میں امام باڑہ میاں بچھو (جو محلّہ شاہ ہارون اور شارع عام محلہ مدار دروازہ سے متصل ہے) سے ننگے پاؤں اپنے سر پر ایک سینی لے کر کربلا آتا تھا اور وہاں پھول پان دفن کرتا تھا، امسال صرف خاموشی سے میں نے پھول پان دفن کردیئے''۔

میں نے دریافت کیا ایسا کیوں؟

انھوں نے فرمایا رسم تعزیہ داری کی ساری رسومات بدعات ہیں، باپ دادا سے جو کچھ ہوتا آیا تھا، میں بھی کرتا آیا تھا، مگر اب طبیعت ادھر متنفر ہوتی جاتی ہے۔

رسم پھول پان سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تشریح فرمائیں:

انھوں نے فرمایا: ''میں ایک سینی ننگے سر اور ننگے پاؤں لے کر کربلا جاتا تھا، سینی میں ۵ روٹیاں ۵ کپڑوں میں لپٹی ہوتی تھیں، اسی طرح پانچ پھول بھی۔ میں ان کو ایک سینی میں سجا کر لے جاتا اور کربلا کے پتھر کو سرکا کر اس میں ڈال دیتا، اور اس کے بعد ایک بوتل کیوڑا بھی، اس کے بعد گھر لوٹ کر توشے کی روٹیاں تقسیم کر دیتا تھا، یہی رسم تھی پھول پھول پان کی۔

انھوں نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا، ایک وقت تھا، لوگ مرثیہ خوانی کرتے تھے، اہل خاندان و رشتہ داران مراسم کی ادائیگی میں حصہ لیتے تھے، اب یہ تمام باتیں رخصت ہو رہی ہیں، اس لیے میں نے بھی ان تمام مراسم کو ترک کرنا اچھا سمجھا۔

میں نے استفسار کیا کہ میں نے سنا ہے کہ سہسرام میں بعض محلے اہل تشیع کے تھے، اس کی

تاریخی حقیقت کیا ہے؟

انھوں نے بڑے زوردار الفاظ میں فرمایا، جی ہاں، ایک میرا ہی گھرانا محلّہ شاہ جمعہ میں، اور چند گھر میرے اہل خاندان نے میر بھجو کے امام باڑے میں بسا رکھے تھے۔ نیز محلّہ ہارون عرف مرتلہ پورے کا پورا شیعہ تھا۔ نیز کبیر گنج میں بھی کچھ لوگ اہل تشیع سے تھے۔ ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ سہسرام میں شیعہ سنّی کی کافی جنگ ہوئی۔ شاہ کبیر الدین ثانی کا دورہ تھا، وہ سہسرام کے رئیس تھے، انھوں نے خواجہ میر درد کو دلّی لکھا کہ خود سہسرام تشریف لائیں یا کسی کو بھیج دیں جو یہاں آکر تبلیغ کرے اور لوگوں کو شیعیت کی گمراہیوں سے آگاہ کرے۔ خواجہ صاحب نے اپنے ایک خلیفہ کو بھیجا، اور انھوں نے یہاں آکر تبلیغ کی، نتیجہ میں کچھ لوگ مسلک شیعیت سے تائب ہوئے۔ تاہم سہسرام میں کچھ نہ کچھ لوگ آخر عمر تک شیعہ ہی رہے۔ یوں ظاہر میں وہ اپنے کو سنّی کہتے رہے، مثلاً میر حیدر علی، میر سراج علی، میر ریاض علی، میر فدا حسین سمجھے! فدا علی کون؟ یہ ہیں مقبول احمد شاہ جمعہ کے والد، وہی مقبول احمد جواب اپنے کو مولوی سید مقبول احمد رضوی کہتے ہیں، ان کے باپ سادات میں نہ تھے، لونڈی زادے تھے"۔

بڑی تلخی کے ساتھ حکیم صاحب مزید کچھ لوگوں کے خاندانی احوال بیان کرتے چلے گئے، جس میں انھوں نے فرمایا کہ "آج سہسرام میں کتنے مجہول النسب لوگ سید بن بیٹھے ہیں۔ حالانکہ وہ سید نہیں ہیں، میں اپنا نسب نہیں چھپاتا، میں سید نہیں ہوں، شیخ ہوں، میں اپنے آپ کو سید کہہ کے اپنے باپ دادا کے نسب کو بٹا نہیں لگا سکتا"۔

اس کے بعد حکیم صاحب موصوف نے امام حسینؓ اور شہر بانوؒ وغیرہ کا تذکرہ کیا، اور آخر میں یہ فرمایا کہ تفاخر نسلی اسلام میں کوئی چیز نہیں ہے"۔

حکیم صاحب سے میں نے یہ پہلا انٹرویو لیا، اس کتاب میں جن لوگوں کے حالاتِ زندگی درج کیے ہیں، ان میں سے بہتیروں سے ملنے کا موقع ملا۔ بعض سے باضابطہ انٹرویو بھی لیا، اور بعض کے متعلق اپنی معلومات کی حد تک کچھ نہ کچھ لکھا، مگر اس سلسلہ میں جتنی بے تکلفی سے حکیم صاحب موصوف نے حالاتِ زندگی کے ساتھ دیگر معاملات پر روشنی ڈالی، ایسے کم ہی لوگ ملے۔ حقیقت میں موصوف ایک قسم کے تضاد و تذبذب میں مبتلا ہیں، طبعاً، عقیدۃً شیعہ ہیں اور اسے باعثِ فخر بھی سمجھتے ہیں، مگر عقلاً بعض باتوں سے برأت کا بھی اظہار کرتے ہیں۔ سہسرام میں مشہور ہے کہ ہنوز کھلے ہوئے شیعہ مسلک کا کوئی حامل ہے تو آپ ہی ہیں، مگر یہ بھی صداقت ہے کہ چند

سالوں سے آپ سہسرام کی عیدگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، اور سنّی العقیدہ امام کے پیچھے نماز عیدین ادا کرتے ہیں۔

حکیم صاحب موصوف نے درمیان کلام میں بعض خاندان کے متعلق رکیک ریمارک بھی دیئے ہیں۔ بہر حال یہ ان کا اپنا نتیجۂ فکر ہے۔ اس فکر کا راقم الحروف سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر درمیان سے کچھ باتیں میں حذف کر دیتا تو یہ ان کے حق میں زیادتی ہوتی اور ان کے بیان کے خلاف، اس لیے ان کا پورا بیان درج کر دیا ہے۔

آپ نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ منہاج الدین صاحب برتلہ نے ایک کتابچہ لکھ کر اپنا سلسلۂ نسب مخدوم صالح رحمۃ اللہ علیہ سے ملا دیا ہے، یہ بالکل غلط۔ اس میں کچھ صداقت نہیں ہے۔

ان کے اس بیان کی تصدیق اور حضرات سے بھی کی جائے گی، اور اس سلسلے میں دوسرے نے اگر کوئی خیال پیش کیا تو اسے بھی درج کر دیا جائے گا۔

حضرت شاہ کبیر الدین احمد درویش

شجرۂ نسب

حضرت شاہ کبیر الدین درویش ولد سید عبداللہ، ولد سید محمود گیلانی ولد سید عبدالقادر گیلانی ولد سید عبدالباسط ولد سید حسن گیلانی ولد سید احمد گیلانی ولد سید شرف الدین علی، ولد سید سعد الدین ولد سید شمس الدین ولد سید شرف الدین یحییٰ ولد سید شہاب الدین ولد سید عماد الدین ولد سید صالح ولد سید شیخ ولد حضرت سیدنا عبدالرزاق ولد حضرت غوث الاعظم سید محی الدین عبدالقادر گیلانیؒ۔

(الجیب پھلواری شریف، شعبان ۱۳۸۲ھ/ ماہ جنوری ۱۹۶۳ء)

تاریخ سہسرام از مولانا مصلح سہسرامی صفحہ ۹۳ میں یوں مرقوم ہے:

''حضرت شاہ کبیر درویش علیہ الرحمہ

آپ کے والد بزرگوار کا نام شاہ علی عباس تھا، آپ اوّل پنجاہ سے

آ کر موضع دھرہرا ضلع پٹنہ میں ٹھہرے اور پھر مع متوسلین سہسرام تشریف لائے۔

آپ کو حضرت شاہ نجم الدین درویشؒ سے بیعت اور خلافت حاصل تھی، جن کا مزار ٹھیک آپ کے مزار کے سرہانے مگر چہار دیواری سے باہر ہے۔

حاکم سہسرام آپ کا مرید ہوا، یہ زمانہ فرخ سیر کا تھا۔ چونکہ ان دنوں وہ سخت پریشانی میں تھا اس نے امر خاص کے لیے آپ سے دعا چاہی۔ حصول مطلب کے بعد نذرانہ میں اٹھارہ مواضعات پیش کش فرمائے لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اس لیے آپ کے خلیفہ حضرت شاہ خلیل اللہ نے حاکم سہسرام کے ایما سے وہ نذر لے کر خانقاہ کبیر درویش بیادقائم کی جس کے موجودہ سجادہ نشیں حضرت شاہ ملیح الدین احمد صاحب ہیں۔ آپ کا مزار دائرۂ درگاہ کے اندر ہے''۔

اضافۂ حاذقؔ

شاہ ملیح الدین کے بعد ان کے بڑے لڑکے شاہ نجیح الدین متوفی ۱۳۳۹ھ، ان کے بعد شاہ صبیح الدین اور ۲۰۰۵ء میں شاہ تقی الدین حیات سے ہیں اور سجادہ ہیں۔ استھانواں کے کسی صاحب نے سادات کے متعلق کتاب لکھی ہے جو میری نظر سے نہیں گزری۔

وفات ۲۹؍ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ/ ۱۹؍ستمبر ۱۷۵۳ء کو ہوئی۔

محمد کبیر خاں

محمد کبیر خاں ابن حرمت خاں صاحب محلہ چوکھنڈی کے رہنے والے تھے۔ حیدر آباد میں شیشن جج تھے۔ سبحان احمد صاحب کے خلیفہ تھے۔ ان کی عادت تھی کہ خون کے مقدمے میں پہلے نفل نماز پڑھ کر اللہ سے پناہ مانگ کر فیصلہ لکھتے تھے۔ تاکہ مقدمہ میں غلطی نہ ہو جائے۔ عزیز احمد خاں بن عبدالرحمٰن سے قربت تھی۔

مولوی گلشن علی گلشن سہسرامی

(موجود ۱۹۱۷ء)

مولوی گلشن علی صاحب گلشن کے متعلق مولانا ابو محمد مصلح سہسرامی نے اپنے مطبوعہ رسالہ ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ موضع دینارہ علاقہ سہسرام کے رہنے والے تھے''۔ انھیں نمونہ کلام دستیاب نہ ہوا۔

راقم الحروف کو اتفاق سے ''روداد مدرسہ عربیہ فصیحہ شیخ پورہ سہسرام'' مل گئی ہے۔ یہ روداد بانکی پور پٹنہ میں چھپی تھی، روداد پر لغایت ۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۷ء لکھا ہوا ہے۔ اس روداد میں گلشن کی درج ذیل نظم چھپی ہے:

مسلمانوں ذرا سوچو کہ تم میں کیا رہا باقی
حکومت ہے نہ شوکت ہے نہ اعلیٰ مرتبا باقی

نہ حرفت ہے نہ صنعت ہے نہ دولت ہے نہ عزت ہے
اخوت ہے نہ شفقت ہے، نہ زہد و اتقا باقی

جو عہدہ ہے تو چپراسی جو دولت ہے تو مزدوری
اثاث البیت کو دیکھو تو بدھنا بوریا باقی

جبھی اک لطف ہے جب تک کہ اہل قوم یک دل ہیں
حسد آیا دلوں میں جب رہا پھر کیا مزا باقی

خدا کے واسطے دل سے نکالو بغض و کینے کو
نہ رکھو اب طبیعت میں ذرا شکوہ گلا باقی

رکھو اخلاص باہم کاوش و پرخاش جانے دو
اگر رکھنا تمھیں منظور ہے یہ مدرسا باقی

نہ سمجھو یہ کہ سب کچھ کر لیا جو کچھ کہ کرنا تھا
بہت کچھ ہے ابھی تو آپ کو کرنا رہا باقی

ہماری انجمن نے جو کہ اب پودے لگائے ہیں
بہاریں دیکھ لے گا ان کی جو جیتا رہا باقی

سمجھ رکھو حیات و مال، دنیا چند روزہ ہے
نہ قاروں کی رہی دولت نہ قاروں خود رہا باقی

رہے یہ مدرسہ اور انجمن اوجِ ترقی پر
خدا اس مدرسہ اسلام کو رکھے سدا باقی

نہال آرزوئے قوم یارب بار آور ہو
رہے یہ گلشن دیں بھی سدا پھولا پھلا باقی

یہ نظم نہایت مؤثر مسلمانان ہند کی زندگی پر ایک تبصرہ ہے۔ اگر اس نظم کی عمومیت کو سامنے رکھا جائے مگر یہ نظم اس وقت کہی گئی، جب مولانا فصیح غازی پوریؒ کے نام پر یہ مدرسہ محلہ شیخ پورہ

سہسرام میں قائم کیا گیا، اورانجمن بھی قائم ہوئی۔ اگر یہ گلشن دینارہ کے نہ بھی ہوں توان کی نظم سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مدرسہ اور محلّہ کی انجمن سے گہرا لگاؤ تھا۔ ممکن ہے محلّہ شیخ پورہ سے ان کی کوئی اورنسبت خاندانی ہو۔ نظم کی زبان صاف ستھری اور مضمون اخلاقی پاکیزہ ہے۔

سہسرام میں شیعیت کا غلبہ ہوتا رہا ہے۔ مولانا فصیح الدین غازی پوری نے اپنے زمانہ میں اس کا ازالہ فرمانے کی سعی کی تھی، مدرسہ مذکوراسی عہد کی یادگار ہے۔ جیسا کہ میں نے بعض بزرگوں سے سنا۔ اب برسوں سے کھنڈر ہے۔ (۲۰۰۵ء)

مولانا حکیم لعل زماں

مولانا حکیم لعل زماں صاحب، حکیم عبدالسبحان صاحب (محلّہ چوکھنڈی سہسرام) کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب غریب اللہ تک پہنچتا ہے۔ تفصیل ان کے صاحبزادے حکیم مسیح الزماں صاحب کے حالاتِ زندگی میں گزرچکی ہے۔

حکیم لعل زماں صاحب کا آبائی پیشہ طبابت تھا، اورآپ خود بھی شہر کے مشہور طبیب اور عالم دین تھے۔ معقولات اور منقولات دونوں میں حاوی تھے۔ حضرت مولانا فرخند علی صاحبؒ نے ان کی ایک تاریخ وفات لکھی تھی، جو ضائع ہوگئی۔ اس کا ایک مصرع یہ تھاع

ہم ز معقول و منقول حقائق آگاہ

علوم عربیہ وفارسیہ کی تعلیم گھر کے علاوہ کانپور میں مولانا احمد صاحب کانپوری سے حاصل کی، اوردیگراساتذہ سے استفادہ کیا۔

تعلیم سہسرام میں بالخصوص حضرت مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں پائی۔ (بروایت مولانا حکیم مسیح الزماں صاحب)

مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی کے مایہ ناز اور کامیاب مدرس تھے۔ ادب اور تاریخ کے شہرہ آفاق شاگرد علامہ شبلی نعمانی کو جس طرح کتابوں کی فراہمی اور خامہ فرسائی اور تحقیقات کا غیر معمولی شوق تھا۔ حکیم موصوف کو بھی اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ملا تھا۔ عبدالواحد خاں صاحب سہسرامی

کے حالاتِ زندگی پر جس طرح مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے روشنی ڈالی ہے اور یہ لکھا ہے کہ عبدالواحد خاں ہی نے ان کا تخلص آزاد رکھا اور ان کی صحبت سے ان کے اندر ادبی ذوق پیدا ہوا، وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ خاں صاحب مولانا چریا کوٹی کے شاگرد تھے۔ ان باتوں سے مجھے یہ دکھانا ہے کہ مولانا چریا کوٹی کی صحبت ومعیت میں جو بھی رہا اس کے اندر ایک خاص قسم کا ذوق علمی پیدا ہو گیا۔ حکیم صاحب موصوف حالاتِ زندگی پر بھی ہم جب غور کرتے ہیں تو ہمیں ان کے اندر بھی اس قسم کی کچھ خصوصیات دکھائی دیتی ہیں۔

حکیم صاحب کو کتابوں کے جمع کرنے اور ان کے نسخوں کی کتابت کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس طرح انھوں نے اپنے شوق علمی سے ایک وسیع کتب خانہ قائم کیا، جن کی مہیا کردہ کتب حکیم مسیح الزماں صاحب (جو ان کے صاحبزادے ہیں) کے پاس ہنوز موجود ہے۔

مختلف فنون پر ان کے بہت سے قلمی نوٹس موجود ہیں۔ ان کی تالیفات میں سے بعض کتابیں ضائع ہوگئیں، مگر شرح کافیہ (بزبان فارسی) جو بہت سے شروح وحواشی سے منتخب ہے، پر شرح عقاید نسفی کا اردو ترجمہ، شرح متامل کی ترکیب بزبان اردو بطور یادگار باقی رہ گئی ہیں۔ نیز تاریخ دَول العرب والاسلام تالیف محمد طلعت حرب مطبوعہ جریدہ ترک بالقاہرہ سنہ ۱۳۲۳ہجری/ ۱۹۰۵ء میلادی، جیسی ضخیم کتاب کو انھوں نے اپنے قلم سے لکھا ہے، جو ہنوز موجود ہے۔ آخر کے چند اوراق پھٹ گئے ہیں۔

کنز الاعمال بھی ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے، جس کے آخر میں ''روز جمعہ بوقت دن نواخت بتاریخ ۲۷رجنوری ۱۹۲۸ء/۳رشعبان ۱۳۴۶ہجری'' درج ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل بھی ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نظر سے گزری، جن سے ان کے علمی مشاغل کا پتہ چلتا ہے۔ آخر میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے:

''بقلم احقر عباد اللہ المنان لعل زمان ابن عبدالسبحان ساکن سہسرام محلہ چوکھنڈی شاہ آباد بتاریخ ۱۵رفروری ۱۹۲۸ء مطابق ۲۳رشعبان ۱۳۴۶ہجری روز چہار شنبہ بوقت چاشت''۔

حکیم لیاقت حسین

حکیم لیاقت حسین صاحب میرے رشتہ دار تھے۔ لحیم الجثہ، قوی الہیکل، وجیہ صورت، متشرع وضع اور پابند صوم وصلوٰۃ۔ موصوف کے والد حکیم حیات محمد صاحب کلاں زمیندار تھے۔ موضع رم ڈہرا میں زمینداری تھی، اکثر اپنے علاقۂ زمینداری میں رہا کرتے تھے۔ خود طبیب نہ تھے۔ مگر حکیم کے نام سے مشہور تھے۔

حکیم لیاقت حسین صاحب باضابطہ طبیب تھے، اور اپنے محلّہ میں مطب کیا کرتے تھے، گھریلو حالات کے پیش نظر مجبوراً گوشہ گیری کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ۱۹۳۹ء میں وصال ہوا۔ اور موروثی قبرستان میں دفن ہوئے۔ (یہ قبرستان اب باقی نہیں ہے)

حکیم مولانا محمد مرتضٰے حسین سہسرامی

حکیم مولانا محمد مرتضٰے حسین صاحب سہسرامی مرحوم محلّہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد مولانا حکیم حسن علی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سہسرام میں ان کے طبی ادارہ کو سنبھالا، اور اپنے بھائی مولانا محمد قادر بخش (حافظ حدیث) کی طرح علمی شہرت حاصل کی، مگر کم عمری میں وصال فرما گئے۔

علمی یادگار

مولانا حکیم محمد مرتضٰے حسین صاحب کو بھی اپنے خاندان کے دوسرے بزرگوں کی طرح تالیف اور تصنیف کا ذوق تھا۔ افسوس کہ ان کا علمی کتب خانہ محفوظ نہ رہا، ان کی صرف ایک مطبوعہ کتاب راقم الحروف کی نظر سے گزری، جس کا تعارف پیش نظر ہے۔ کتاب کا نام ہے ''عمدۃ القانون فی علاج الہیضہ''۔

تعارف کتاب

یہ کتابچہ ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے تقطیع ۵×۸¼ ہے۔ کتاب کے شروع میں ۷ اعنوانات پر مشتمل فہرست مضامین ہے، اصل کتاب کے صفحات ۴۱ ہیں۔ اس کے بعد دو تقریظیں ہیں، ایک مؤلف کتاب کے استاد مولوی حکیم محمد ہادی رضا خاں صاحب ماہر لکھنوی کے قلم سے اور دوسری مؤلف کے برادرِ بزرگ مولانا حکیم محمد قادر بخش صاحب سہسرامی کے قلم سے۔

مولوی منہاج الدین عالؔی سہسرامی

(۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۵ء)

خاندانی حالات

مولوی ابونصر منہاج الدین صاحب عالؔی سہسرامی، محلّہ نیم کالے خاں سہسرام کے رہنے والے تھے، اور حکیم سراج الدین صاحب کے صاحبزادے تھے۔ حکیم سراج الدین کی ولدیت عبدالرحمٰن بن محمد ہاشم بن تاج الدین ہے۔ آخر الذکر دو بھائی تھے، دوسرے بھائی کا نام لعل محمد تھا، اسی خاندان سے فہیم الدین ناطق سہسرامی محلّہ کرن سرائے اور علیم الدین احمد بن نعیم الدین مرحوم تھے۔ نعیم الدین میری نانی کے رشتہ کے بھانجے تھے۔

حکیم سراج الدین صاحب مرحوم حسین آباد (پلاموں) میں طبابت کرتے تھے، اور الحاج مولانا حکیم حسن علی (۱) قدس سرہ کے داماد تھے۔

حکیم سراج الدین صاحب کی اولاد ذکور میں دو اولادیں مشہور ہوئیں، بڑے لڑکے مولوی منشی بہارء الدین صاحب مرحوم (متوفی ۱۹۴۴ء) فن خوش نویسی میں طاق تھے۔ تیسرے صاحبزادے مولوی منہاج الدین عالؔی کو شعر و شاعری کا اچھا ملکہ تھا۔ ان دو میں حضرت الحاج مولانا حکیم حسن علی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور الحاج مولانا حکیم محمد قادر بخش حافظ حدیثؒ کے بھانجے تھے۔ منہاج الدین عالؔی کے نانا کا نام محمد بشیر الدین تھا، جو محلّہ نیم کالے خاں سہسرام کے باشندہ تھے۔ عالؔی کی والدہ کا نام بی بی نذیر النساء تھا جو سرکاری مکتب کی معلّمہ تھیں۔ ان کے بعد عالؔی کی اہلیہ

معلمہ ہوئیں۔ عاؔلی کی شادی بی بی شمس النساء بنت مولانا حکیم محمد مرتضٰے سہسرامی ابن حکیم حسن علی حسنی سہسرامی سے ہوئی۔

عاؔلی مرحوم کی شادی مولانا محمد قادر بخش کے چھوٹے بھائی (مختلف البطن) مولانا حکیم محمد مرتضٰے حسین مرحوم کی صاحبزادی بی بی شمس النساء مرحومہ سے ہوئی تھی۔ یہ ایک نیک سیرت خاتون تھیں، جنھوں نے اپنے گھر پر ایک سرکاری مکتب کھول رکھا تھا، اور گھر کی چہار دیواری میں رہ کرتا حیات درس وتدریس میں مشغول رہیں، میں نے ان کا طریق درس دیکھا تھا۔ (۱۹۴۴ء میں)

تعلیم

عاؔلی مرحوم کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ہوئی، اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد چلے گئے، جہاں درس نظامیہ کے مطابق منتہی کتابیں پڑھیں، ان کے علاوہ دوسرے مدارس میں بھی علوم دینیہ کی تعلیم پائی، اور فارغ التحصیل ہوئے، مدرسہ سبحانیہ میں مولوی حکیم بدیع الزماں صاحب قمؔر نعمانی سہسرامی ان کے ہم درس تھے۔

شاعری

عاؔلی مرحوم خیابان سہسرام کے ایک عندلیب خوش نوا تھے، خدا نے شعر وشاعری کا غیر معمولی جذبہ ودیعت فرمایا تھا، نوجوان تھے، مگر اچھا کہتے تھے۔ دینی حمیت کے ساتھ ساتھ قومی جذبہ بھی رکھتے تھے، آپ کا کلام مختلف رسالوں میں چھپتا رہا، جواں مرگی میں وصال ہوا، اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو یقیناً دنیائے ادب کے ایک ستارہ بنتے۔

عاؔلی صاحب کا جس عہد میں وصال ہوا، اس عہد میں لکھنوی طرز کی شاعری کا رواج تھا، مگر عاؔلی صاحب کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا جذبۂ شاعری اپنے عہد کے شعراسے قدرے مختلف تھا، اگر وہ زیادہ دنوں تک زندہ رہتے تو یقیناً اپنے لیے میدانِ شاعری میں نئی راہ نکال لیتے۔

عاؔلی مرحوم کو شعر وشاعری میں امیر لکھنوی مرحوم کے جانشیں حافظ عبدالجلیل صاحب جلیؔل مانکپوری مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

۲۶ رسال کی عمر میں ۱۹۳۵ء میں ایک چھوٹی سی بچی کو چھوڑ کر اپنی اہلیہ اور تمام وابستگان کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عاؔلی صاحب مرحوم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک رَف بیاض ان کے بھتیجے مصباح الدین

سلمہ کے پاس نظر سے گزری، جس میں صرف ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۴ء تک کا کلام درج ہے۔

اس بیاض میں معدودے چند غزلیں، نظمیں اور رباعیاں ہیں، بقیہ کلام کا کچھ پتہ نہیں، اور بعض ایسے کلام جو رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں، اس میں درج نہیں ہیں۔

مرحوم نے ''روضہ شیر شاہ'' پر بھی ایک نظم کہی ہے، چند اشعار ''وفات شیر شاہ'' کے متعلق ملاحظہ ہوں، وطن کی محبت وحمیت کو کس انداز میں نظم کیا ہے۔ یہ نظم ۱۸راگست ۱۹۳۲ء کو کہی گئی ہے:

شاہ پر شعلۂ آتش سے جو آفت آئی عصر کا وقت تھا ناگاہ قیامت آئی
موت کو بھی نہیں اس وقت میں غیرت آئی ہائے کمبخت یہ کس وقت مصیبت آئی
اک وصیت پہ فقط گھٹنے لگا شیر کا دم
چل بسا سوئے عدم ہند کا شاہِ اعظم

کون آیا ہے یہاں جس کو نہیں ہے مرنا زیست کہتے ہیں جسے موت کا دم ہے بھرنا
کہہ گیا دفن جو کرنا تو وطن میں کرنا نعشِ بلبل کو پسِ مرگ چمن میں دھرنا
سن کے فرمانِ پدر لے کے جنازے کو سلیم
سہسرام آیا کیا دفن اسے باصد تکریم

چند اشعار غزل کے ملاحظہ ہوں، افسوس بے چارے کو زندگی راس نہ آئی، ورنہ ایسے اشعار کہنے والے سے توقع تھی کہ اپنی جودتِ طبع سے ترقی کر جاتے۔

ٹوٹ رہا ہے تار تار دیر سے دل کے ساز کا نغمۂ درد ختم ہے عاشق پاک باز کا
روح زمیں کو مل گیا میری جبین ناز سے بخت چمک گیا مری سجدہ گہ نیاز کا

جو ڈوب گئے اس میں ابھرے نہ قیامت تک کچھ تھاہ نہیں ملتی دریائے محبت کی

نواب محمد نقی صاحب قمر گیاوی مدظلہ العالی نے اپنی غیر مطبوعہ کتاب تذکرہ شعرائے بہار ''آبِ کوثر'' میں ماہنامہ شاعر آگرہ اکتوبر ۱۹۳۲ء کے حوالے سے دو اشعار نقل فرمائے ہیں۔

اس کو کیا کہیے فریب نفس تھا یا تھی خودی ابتدائے عشق ہی کو انتہا سمجھا تھا میں

بج رہا ہے آخری منزل پہ ساز زندگی جس کو اک ٹوٹے ہوئے دل کی صدا سمجھا تھا میں

ماہنامہ ندیم گیا، دسمبر ۱۹۳۲ء میں درج ذیل رباعیاں نظر سے گزریں:

کچھ اور پلا ایسی گھٹا میں ساقی پھر دور چلے سرد ہوا میں ساقی
اک جام سے ہو جائے جو انجام بخیر مل جائے بقا ہم کو فنا میں ساقی

شیشے میں بچی ہو تو پلا دے ساقی مستی مری کچھ اور بڑھا دے ساقی
اتنی کہ فراموش ہو دل سے سب کچھ ہر شے کو سوا اپنے بھلا دے ساقی

اٹھی ہے گھٹا جھوم کے کالی ساقی لائی ہے صبا پھولوں کی ڈالی ساقی
قربان ترے پیاس بجھا دے ساقی دے بھر کے پیالی پہ پیالی ساقی
(ماہنامہ المجیب پھلواری شریف، ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ)

محمود الحسن خاں صاحب محمودؔ سہسرامی

(۱۳۱۵ھ تا ۱۳۶۹ھ)

نام محمود الحسن خاں تخلص محمود، ولدیت، مولوی حسن جان خاں حسن سہسرامی، متوطن محلہ شیخ پورہ سہسرام۔

حالات زندگی

استاذی مولوی محمود الحسن خاں صاحب سہسرامی سہسرام کے ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد بھی اپنے عہد کے اچھے مدرس اور نامی شاعر تھے، جن کے تفصیلی حالات گزشتہ صفحات میں درج کر چکا ہوں، اور ماہنامہ المجیب پھلواری شریف، شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۶۷ء میں ایک مبسوط مقالہ شائع کرا چکا ہوں۔

مولانا حکیم سید احمد اللہ ندوی نے ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' میں محمود صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ

''نہایت کریم النفس، پاکباز، پاک باطن اور ہر دلعزیز تھے۔ طبیعت میں خدا ترسی اور مزاج میں استقلال تھا۔ ظاہری علوم اپنے والد سے اور باطنی علوم تکیہ شریف پٹنہ میں حضرت شاہ امجد حسین قدس سرہ سے حاصل کئے تھے۔ آپ کو شاعری کا ذوق بچپن سے تھا اور اپنے والد ماجد سے اصلاح لی تھی۔ کلام پاکیزہ اور بیان میں صفائی ہے۔ اکثر آپ کو اس عہد کے اساتذہ کے ساتھ اپنا کلام سنانے کا موقع ملا تھا اور دادِ سخن پائی تھی۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں مدرس پنجم کی تدریسی خدمت پر مامور تھے، یادالٰہی میں آپ کا دل ہر وقت مشغول رہتا تھا۔ آپ کی قلبی حالت سے متاثر ہو کر آپ کی مدح میں آپ کے پیر روشن ضمیر حضرت شاہ امجد حسینؒ نے ایک شعر فرمایا تھا، وہ یہ ہے:

مولوی محمود ممدوح امام خود نظیر خوش آمد والسلام

حضرت ممدوح سے راقم کی ملاقات دو ایک دفعہ سہسرام میں ہوئی تھی، آپ کی وفات (۵۷) ستاون سال کی عمر میں ۱۵ محرم الحرم ۱۳۶۹ھ (تیرہ سو انہتر) (۱) میں ہوئی اور محلہ منڈی کشور خاں عرف درگاہ دروازہ قصبہ سہسرام میں ایک سنگین چبوترہ پر آپ کا مزار ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے جانشیں آپ کے صاحبزادہ شاہ مسعود الحسن مسعودؔ ہیں جو خود شاعر بھی ہیں۔

نمونۂ کلام

وہاں پہنچی ہے میری کشتیٔ دل چیر کر موجیں　　جہاں گردابِ حیرت کے سوا ساحل نہیں ہوتا
محاسن کے بجائے آدمی ڈھونڈھے عیوب اپنے　　نقائص پر نظر جب تک نہ ہو کامل نہیں ہوتا
بڑی محمود! یہ توہین ہوتی آدمیت کی　　اگر اس کائناتِ جسم میں اک دل نہیں ہوتا

عشق گھل مل کے کبھی حسن سراپا ہوگا　　رائیگاں کب یہ مرا خونِ تمنا ہوگا
عظمتِ دل کی ہے ضامن نگہ ناز کی چوٹ　　داغ رہ جائے گا یہ زخم جو اچھا ہوگا

روح پرور عشق کا آزار ہے　　مر کے بھی زندہ ترا بیمار ہے

کیف آگیں ہے نوائے آرزو میں ہوں تیرے نام کی تکرار ہے
ہاں کبھی تھی وادیٔ ایمن کی قید ہر تجلی اب سر بازار ہے
چوٹ نازک ہے نگاہِ ناز کی درد کا احساس بھی دشوار ہے
زندگی ہے قتل گاہِ آرزو سانس اک چلتی ہوئی تلوار ہے
حد کو پہنچی ہے رضا جوئی حسن دل پہ احساسِ جفا بھی بار ہے
اس کے سایہ میں نہ ہو راحت طلب یہ جہاں گرتی ہوئی دیوار ہے
دل کے گہرے زخم ہیں میرے گواہ دور تک پہنچی نگاہِ یار ہے
آہ کیوں کرتے ہو محمودِ حزیں
کچھ تو بتلاؤ کہ کیا آزار ہے

آتش دل کو ہوا اتنی نہ دے چشم کرم ، یہ سلگتی ہے تو ٹھنڈی عمر بھر ہوتی نہیں

یہاں تک بڑھ گئی ہے حد جنونِ فتنہ ساماں کی نظر آتی ہے ہر ذرّہ میں بھی وسعت بیاباں کی
شہید ناز بسمل ہو کے چھوٹے ہیں عذابوں سے کلید مغفرت ہر دھار ہے خونِ رگ جاں کی
ہوئے آزاد ہم آخر تعین کی حدیں ٹوٹیں کہاں تک روکتی سیلابِ غم دیوار زنداں کی
تڑپتا ہوں مگر محمود منہ سے کہہ نہیں سکتا
خدا کے ہاتھ ہے اب چارہ سازی دردِ پنہاں کی

محمود صاحب علیہ الرحمہ کا مجموعۂ کلام ''نغمات تصوف کے نام سے ان کے صاحبزادے مسعود الحسن مسعود سہسرامی مرحوم نے ۱۹۸۸ء میں شائع کرایا تو کتاب پر تعارف اصلاً ان کے صاحبزادے کا ہی لکھا ہوا ہے، مگر مطبوع مفیض سہسرامی کے نام سے ہوا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد وہ ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) چلے گئے اور وہاں کے ایک طرحی مشاعرہ میں شرکت کی، جس میں جگر مرادآبادی مرحوم بھی شریک تھے، ارتجالاً ذیل کی غزل پڑھی تو جگر صاحب نے یہ کہہ کر اپنی غزل نہیں پڑھی کہ محمود صاحب کی غزل کے آگے میری غزل کی ضرورت نہ رہی (اوکما قال)۔

لاکھ فریاد کرو میرا جگر جلتا ہے کس کو باور ہو کہ بے آگ کے گھر جلتا ہے

اللہ اللہ ترے حسن کے شعلوں کی لپک دیکھنے والوں کا دامانِ نظر جلتا ہے
جز محبت کے نہیں ناکام تمنا کو غرض دیکھ کر یہ مرے نالوں سے اثر جلتا ہے
آتشِ ہجر جدا، گرمیِ محفل ہے جدا کوئی ہنستا ہے کوئی تا بہ سحر جلتا ہے
گرم آنسو ہیں مری چشم تمنا میں بھرے نخلِ مژگاں میں جو آتا ہے ثمر جلتا ہے
گرمیِ حسن سے ہے عشق کی دنیا کو فروغ یہ وہ عالم ہے کہ تا حدنظر جلتا ہے
دیکھ کر اس کی محبت ہوئی سودائی آنکھ سے دل میں لگی آگ ہے سر جلتا ہے
کچھ خبر ہے تجھے اے مطلع دل کے خورشید رات بھر کس کی محبت میں قمر جلتا ہے
منتظر ہے نگہ گرم محبت سے کوئی دیکھئے دیکھئے اب پردۂ در جلتا ہے

روشنی دل کی ہے محمودؔ نظر کی رہبر
بن کے فانوس سر راہ گزر جلتا ہے

محمود خاں مرحوم اصلاً غزلیات کے شاعر تھے، ضرورۃً کبھی قصیدہ، منقبت اور سہرے، قطعہ تاریخ وغیرہ لکھا۔

سید شاہ محی الدین بشرؔ سہسرامی

نام سید شاہ محی الدین تخلص بشر ولدیت سید شاہ بدیع الدین حزیںؔ بن حضرت سید شاہ حبیب اللہ، باشندہ محلہ کبیر گنج میاں محل سہسرام۔

ڈاکٹر شمیم ہاشمی، حزیں، صاحب کے نواسے لکھتے ہیں:

''میرا ننہالی گھرانہ ایک علمی گھرانہ تھا، دینی ماحول تھا۔ میرے نانا ابا حضرت سید شاہ بدیع الدین حزیںؔ، علمی اور دینی خدمات کے سلسلے میں حیدرآباد دکن میں مقیم تھے۔ وہاں سے کراچی (پاکستان) چلے گئے پھر ۱۹۵۵ء میں ہندوستان واپس آگئے اور تاحیات سہسرام میں مقیم رہے''۔

(ٹوٹے پتوں کا دکھ، ص ۴۷، مطبوعہ ۲۰۰۵ء)

سیمحی الدین احمد کاتخلص نشتر تو میں جانتا نہیں، محی الدین میرے ہم سبق تھے، تخلص بشر تھا۔
محی الدین عالمیت کرنے کے بعد ہائی اسکول اکبر پور (رہتاس) میں ہیڈ مولوی ہو گئے، پھر فاضل کا امتحان دیا، اور فارسی اور تاریخ میں ایم۔اے کیا۔ اُسی اسکول میں مدتوں انچارج ہیڈ ماسٹر بھی رہے۔ آخر میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ ہارٹ اٹیک کے سبب ۲۹ رنومبر ۱۹۸۴ء/۱۳۶۴ھ کو اکبر پور میں فوت کیا۔ تدفین سہسرام میں ہوئی۔
محی الدین کو عہد طالب علمی ہی سے شعر وسخن کا ذوق تھا۔ ہم دونوں مدرسہ کے استاد فارسی حضرت مولوی غلام مخدوم مست سہسرامی سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ محی کی اہلیہ نے بتایا کہ ان کا کلام اکبر پور میں کسی نے آخر عمر کا غائب کر دیا۔ چند اشعار ایک کاپی میں اوائل عمر کے ملے۔ نمونہ کلام:

محبت میں کشش باقی نہیں ہے — کہ دل میں اب خلش باقی نہیں ہے
نہ جائے قبر میں کیوں تو بشر — کہ آنکھوں میں تپش باقی نہیں ہے

گیت

دیکھا مری آنکھوں نے وہاں اور نظارے — دریا کے کنارے ارے دریا کے کنارے
جل بھرنے کو جب آئی وہاں وہ بتِ طناز — بل کھا کے جھکی لے کے وہ گاگر کو کنارے
دریا کے کنارے ارے دریا کے کنارے

گیت سہانے بول رتے پنچھی گیت سہانے بول — آکے میرے دل میں پنچھی ڈول رتے پنچھی ڈول
افسوس کہ کٹ پنسل سے ابتدائی عمر کا لکھا کلام پڑھا نہ جا سکا۔ ان کے بھانجے ڈاکٹر شمیم ہاشمی (پی ایچ۔ڈی کے فراہم کردہ اشعار:

وہ اپنے ساتھ لے گیا رنگینیِ حیات — ویران خواہشوں کا چمن مجھ کو دے گیا

تو درد کو سینے میں بڑھانے کے لیے آ — زندہ ہوں یہ احساس دلانے کے لیے آ
اب جاگتی آنکھوں میں کوئی خواب نہیں ہے — آ پھر کوئی ہنگامہ اٹھانے کے لیے آ

سید محمد جان شاؔد سہسرامی

(تقریباً ۱۹۰۵ء تا ۱۹۶۰ء)

سید محمد جان نام، شاؔد تخلص۔

بلگرامی خاندان کے فرد تھے۔ اہل تشیع میں معروف ہیں۔ سہسرام عدالت میں وکالت کرتے تھے، جسم گداز، کسا ہوا، چہرے پر خشخشی داڑھی، کرُتا، شروانی میں ملبوس چست علی گڑھ پائجامہ میں وضع دار آدمی معلوم ہوتے تھے۔ رنگ صاف تھا، گفتگو میں نرمی تھی۔ گویا خاندانی اوصاف سے مملو تھے۔ تقریباً ۱۹۶۵ء میں حیات سے تھے۔ عمر تقریباً ساٹھ سال کواتھ کے باشندہ تھے۔ راقم نے کواتھ میں ان کا مکان دیکھا تھا۔ اڈا، کرن سرائے میں مقیم تھے۔ صاحب اولاد تھے۔

نمونۂ کلام ''حسن و عشق'' فروری ۱۹۲۴ء سے منقول:

آباد ہمیشہ رہے میخانہ کسی کا　　معمور مئے حب سے ہو پیمانہ کسی کا

دشمن بھی کسی دوست سے یارب نہ جدا ہو　　چھوٹے نہ کسی سے کبھی یارانہ کسی کا

اے شاؔد لٹاتے دُرِ مضموں میں جو شاعر　　دربار گھر بار ہے شاہانہ کسی کا

سید مسیح الدین احمد مسیؔح سہسرامی

(حیات: ۱۹۴۸ء)

مولوی سید مسیح الدین احمد مسیؔح سہسرامی محلہ شیخ پورہ سہسرام کے رہنے والے تھے، ان کے والد ماجد شاہ معین الدین صاحب مرحوم حیدر آباد میں وکالت کرتے تھے، اور جلیل مانکپوری کے ہم جلیس تھے۔

مسیح صاحب کو راقم نے دیکھا، اور ان کے یہاں کی بعض مجلسوں میں شریک ہوا۔ چھریرے بدن کے خوبصورت آدمی تھے۔ سر پر کاکل رکھتے تھے۔ میلاد خوانی میں مشہور تھے۔ جس

وقت مست ہوکر اشعار خوانی کیا کرتے تھے، زلفیں ان کے چہرے پر بکھر جاتی تھیں۔ پیلا پٹا یعنی سلسلۂ ابوالعلائی کی نشانی کاندھے پر رکھتے تھے اور اسی خاندان میں بیعت تھے۔ شاعری میں حضرت حسن جان خاںؒ کے ابوالعلائی سہسرامی کے شاگرد تھے۔

تقسیم ہند کے بعد اپنے آبائی مکان کو فروخت کر کے پاکستان بعمر ۵۵ سال (غالباً ۱۹۴۸ء) میں چلے گئے۔ اور وہاں میں مدفون ہوئے۔

نمونۂ کلام

ہر شکل میں ہے جلوۂ جانانہ کسی کا یہ گلشن عالم ہے پری خانہ کسی کا
مل جائے اگر لخلخۂ زلفِ معنبر آجائے ابھی ہوش میں دیوانہ کسی کا
اے شیخ ترا زہد مبارک ہو تجھی کو راس آئے ہمیں مشربِ رندانہ کسی کا
بت خانے میں بھی جلوہ نمائی ہے کسی کی کعبے کو اگر کہتے ہیں کاشانہ کسی کا
ہے کفر کو اسلام سے اک ربط قدیمی کعبہ بھی کسی وقت تھا بت خانہ کسی کا
جب عالم فانی سے مرا کوچ ہو یارب جاری ہو زباں پر مرے افسانہ کسی کا

سنتے ہیں مسیح آج وہ آتے ہیں ترے گھر
ہے تجھ پہ عجب لطف کریمانہ کسی کا

(ماہنامہ حسن وعشق، ڈہری آن سون)

اخگر سیمابی سہسرامی

(۱۹۱۴ء تا ۱۹۴۴ء)

سید محمد موسیٰ اخگر صاحب (ولد جناب عبدالرحمٰن صاحب) انسپکٹر پولس، متوطن محلہ اڈا سہسرام۔ جناب مہجور شمسی کے چچا اور ہم عمر تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں پائی۔ بعدہٗ انگریزی میں سیراب کرنے کے بعد ریلوے میں ملازمت کر لی تھی، داناپور میں ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ کی آفس میں ٹائپسٹ تھے۔ وہیں عالم شباب میں انتقال فرمایا۔ انتقال سے صرف چھ ماہ

پہلے شادی ہوئی تھی۔ اس لیے کوئی اولاد نہ چھوڑی، شاعری کا فطری ذوق تھا۔ اخگر تخلص کرتے تھے اور حضرت سیمابؔ اکبرآبادی سے اصلاحِ سخن لیتے تھے۔ اس لیے اپنے کو اخگر سیمابی لکھتے تھے۔ کلام پاکیزہ اور صاف ستھرا تھا۔

قمر گیاوی مصنف 'آبِ کوثر' نے ان کی ولدیت چھیدی میاں لکھی ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''مبتدی تھے اور ۱۹۴۴ء موجود تھے''۔ سال ولادت مارچ ۱۹۱۴ء۔

ماہنامہ شاعر آگرہ اسکول نمبر ۱۹۳۷ء میں جناب اخگر صاحب کے حالات زندگی مرقوم ہیں۔ راقم نے اس رسالے کو پہلی بار جناب حشرؔ سہسرامی کے پاس دیکھا۔ دوبارہ اس رسالے کو حشر صاحب کے شاگرد سید محمد عرف اچھے متخلص بہ شیدا (سابق) و فتنہ سہسرامی کے پاس مؤرخہ ۲۶ راگست ۱۹۷۰ء کو دیکھا:

''اخگر۔ جناب سید محمد موسیٰ صاحب سہسرامی

آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید عبدالرحمٰن صاحب ہے جو ریٹائرڈ سب انسپکٹر ہیں اور سہسرام میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی ولادت مارچ ۱۹۱۴ء میں ہوئی، اخگر صاحب کا سلسلۂ نسب دیوان شیخ فرید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ عرف شاہ بوڑھن دیوان قدس سرہٗ سے ملتا ہے جو بڑے پایہ کے شیخ اور صاحب سجادہ تھے۔ آپ کا سالانہ عرس نہایت تزک واحتشام سے ہوتا ہے، آپ کا مزار مبارک بھی سہسرام کے وسط میں ہے اور اب تک صدہا معتقدین آپ کے چشمہ فیض و برکت سے سیراب و مستفیض ہوئے ہیں۔ اس لیے بہ لحاظ سیادت و امارت اخگر صاحب کا خاندان عظمت قدیم کا حامل ہے۔

اخگر صاحب کو پہلے تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ نے بہت دنوں تک مدرسہ عالیہ خانقاہ سہسرام میں تعلیم پائی اس کے بعد انگریزی کی طرف طبیعت مائل ہوئی اور آپ نے میٹرک کا امتحان دیا۔ علمی استعداد بہت اچھی ہے۔ اسکول میں بھی ہمیشہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، طبیعت میں ایک خاص قسم کی جودت ہے، ذہانت وسنجیدگی انتہائی پائی جاتی ہے۔

تعلیمی زمانہ ہی میں اخگر صاحب کو شاعری کا ذوق ہوا۔ چونکہ طبیعت میں فطرت نے سوز و گداز کوٹ کر بھر دیا تھا۔ اس لیے شعر بھی سوز میں ڈوبے

ہوئے نکلنے لگے، آواز انتہائی شیریں پائی ہے، اوراس میں اس درجہ موسیقیت ہے کہ سننے والا تڑپ جاتا ہے، جب آپ کو شعر کہتے ہوئے کچھ زمانہ ہو گیا تو آپ کو کسی رہبر کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ آپ کی نظر انتخاب حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی پر پڑی اور آپ مارچ ۱۹۳۳ء میں مولانا مدظلہ کے باقاعدہ شاگرد ہو گئے، اس وقت سے اب تک سلسلۂ اصلاح جاری ہے۔ آپ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں، آپ کے کلام وطرز ادا سے سامعین بے حد لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آپ کو نثر و نظم دونوں میں یکساں دستگاہ ہے"۔ (ص ۲۵۲)

نمونۂ کلام

کچھ زندگی کا لطف اسی کو نصیب ہے دنیا کی خواہشوں سے جو بیگانہ ہو گیا
رودادِ عشق خود مری صورت سے ہے عیاں انداز خامشی مرا افسانہ ہو گیا
(آبِ کوثر بحوالہ رسالہ ماہ تمام ۱۹۳۵ء)

معجزہ تھا حوصلوں کا یہ کہ جلوؤں کی کشش گرتے گرتے میں سر جادہ سنبھل کر رہ گیا
تنگیٔ دل میں تڑپ منت کشِ گریہ نہ ہو وہ سمندر کیا جو آنکھوں سے اُبل کر رہ گیا
(آبِ کوثر، بحوالہ شمسی پریس از گلدستہ خرمن گل ۱۹۳۹ء)

مرا دل چیر کر قاتل بہت دل میں پشیماں تھا
کسی گوشے میں حسرت تھی کسی گوشے میں ارماں تھا
محبت میں تری ظالم یہ کیسا راز پنہاں تھا
کہ میں آپے میں جب تک تھا اسیر یاس وحرماں تھا
نہ اُبھری کشتیِ دل ڈوب کر بحر مصیبت سے
تلاطم خیز کچھ ایسا مرے اشکوں کا طوفاں تھا
تصور تھا مرے دل میں جو اُن کے روئے روشن کا
تو ہر داغ جگر اپنی جگہ اک مہر تاباں تھا
مرے دل میں خلش باقی ہے اب تک درد پیدا ہے
نگاہِ ناز تھی تیری کہ زہر آلود پیکاں تھا
جلن تھی دیدۂ دل میں نہ روتا میں تو کیا کرتا
سوا آنسو بہانے کے نہیں اب کوئی درماں تھا
ترا جلوہ تھا یا میری نظر کا وہ بھی دھوکا تھا
کبھی دیکھا تو ظاہر تھا کبھی دیکھا تو پنہاں تھا
عیادت کو بھی آئے تھے تو وہ کس وقت آئے تھے
جب آنکھیں بند تھیں بیمار کوئی دم کا مہماں تھا

دمِ نظارہ آنکھیں ہی تحیر میں نہ تھیں اخگر
کسی کے سامنے آئینۂ دل بھی تو حیراں تھا

دنیائے تصور

اُفق پر کالی کالی سمت مغرب سے گھٹا اُٹھی — شراب و شعر برساتی ہوئی رنگیں فضا اُٹھی
عروسِ فطرت رنگیں نے لی کروٹ گھٹاؤں میں — جوانی ہو گئی تحلیل پھر دلکش فضاؤں میں
فلک جھوما زمیں جھومی گلوں کی انجمن جھومی — مجسم شعر بن کر محفلِ چرخِ کہن جھومی
ہوا کے دوش پر مستی میں یوں جھوما کیا بادل — کوئی کافر ادا لے کر چلے جس طرح گنگا جل
مسلسل ساز پر بارش کے فطرت گیت گاتی تھی — ہوا آغوش میں معصوم کلیوں کو جھلاتی تھی
کہیں جوہی کہیں لالے لہک اُٹھے تھے گلشن میں — تبسم کھیلتا تھا اک طرف آغوشِ سوسن میں
فلک پر ملکہ ہائے ابر یا میخانے رقصاں تھے — غزالانِ ختن کی آنکھ میں پیمانے رقصاں تھے
اُچھلتے کودتے کہسار سے گرتے تھے یوں چشمے — کہ جیسے ہلکے سر میں گائے بربط پر کوئی نغمے
پڑے تھے جابجا پیپل کی شاخوں پر حسیں جھولے — کلیلیں کر رہی تھی حور زلف عنبریں کھولے
ہوا کے نرم جھونکوں نے فضا میں ساز چھیڑا تھا — کوئی آہستہ کنجِ گل میں میری نظم گاتا تھا
کوئی سرشارِ الفت جھوم کر بربط بجاتا تھا — سہارا لے کے بازو کا کوئی نغمے سناتا تھا
منور ظلمت پیہم میں تھا اک حسن کا شعلہ — مری زہرہ تھی یا فردوس سے برسا ہوا نغمہ
ہماری الفتِ معصوم کی ہر سو کہانی تھی — چمن کے پتے پتے پر مسلط نوجوانی تھی
غرض ڈوبی ہوئی تھی کیفیت میں چارسو دنیا — حقیقت میں بنی تھی حاصل صد آرزو دنیا
مگر چونکا جو شاعر دفعتاً فکر و تخیل سے — تو دیکھا حسن تھا کافور ہر ڈالی سے ہر گل سے
نہ زہرہ تھی نہ نغمہ تھا نہ وہ چاندی سے چشمے تھے — دلِ مہجور میں کچھ آگ کے شعلے لپکتے تھے

لبِ شاعر پہ رقصاں اک عجب موجِ تحیر تھی
حقیقت میں بڑی رنگین دنیائے تصور تھی

(پیام اردو (قلمی) سہسرام، ١٩٤١ء)

سید معین الدین تمنا سہسرامی

نام سید معین الدین احمد تخلص تمنا، ولدیت سید محمد اظہار عالم مرحوم مشہور نامہ نگار انڈین نیشن پٹنہ۔ محمد اظہار عالم صاحب قانون داں تھے۔ سہسرام کچہری میں مختار تھے۔ راقم سے ان کا تعلق مدتوں سے تھا۔ ان کے صاحبزادے اسرار عالم صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج ۲۰۰۵ء میں حیات سے ہیں۔

تمنا ایک جواں سال، شعر و ادب کے شوقین، صدر بہار انجمن ترقی اردو شاخ سہسرام تھے اور صدر انجمن ترقی بہار پروفیسر ڈاکٹر عبدالمغنی (اورنگ آبادی) کے رشتہ کے ماموں تھے۔ ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی تھے۔ حضرت شاہ بوڑھن دیوانؒ ان کے خاندان کے مورث اعلیٰ تھے۔

تمنا نماز عشا پڑھ کر گھر لوٹے تو ان کا بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا۔ تدفین ۱۲ر جمادی الآخر ۱۴۱۱ھ/ ۲۰ر دسمبر ۱۹۹۹ء اتوار مدفن درگاہ شمس الحق دیوان، راقم شریکِ جنازہ تھا۔ دل کو بڑا صدمہ ہوا۔

گلدستہ طرحی مشاعرہ ادارۂ فکر و نظر سہسرام (مطبوعہ ۱۹۸۲ء) میں تمنا کی یہ غزل دیکھیے:

بیادِ حسرؔ سہسرامی مرحوم

تم مسلماں ہو تو شاہیں کا جگر پیدا کرو — اک نیا جذبہ نئی شام و سحر پیدا کرو

مانگنے سے نہیں مل سکتی حیاتِ جاوید — زندہ رہنا ہے تو پتھر کا جگر پیدا کرو

مانگتے کیوں ہو اندھیروں سے اجالے کی زکوٰۃ — تم کو جینا ہے تو خود نورِ سحر پیدا کرو

آج تک طاری ہے تم پر آہ احساسِ شکست — ''حسرتِ پرواز ہے تو بال و پر پیدا کرو''

شام سے دل کا تقاضہ ہے کہ ہو آہ و فغاں — آنکھ کہتی ہے کہ رو رو کر سحر پیدا کرو

نزع میں آنکھیں ملا کر یار نے مجھ سے کہا — اپنی آنکھوں میں تو اب حسنِ نظر پیدا کرو

گر تمنا چاہتے ہو جلوۂ پاکیزگی
خالدؓ و فاروقؓ سا قلب و جگر پیدا کرو

حکیم مہر علی صاحب سہسرامی

خاندانی احوال

شیخ الاطبا مولوی حکیم مہر علی صاحب محلہ نورن گنج سہسرام ضلع شاہ آباد (آرہ کے باشندہ تھے۔ آپ کے پدر بزرگوار میاں جی شیخ جمن اور آپ کے دادا میاں جی محمد شریف صاحب تھے۔ حکیم مہر علی صاحب اپنے عہد کے مشہور طبیب اور صاحب ثروت اور صاحب منصب اور ذی وقار زمیندار کلاں تھے۔ آپ کی زمینداری موضع رام ڈہرا علاقہ تلوتھو میں تھی، جو تقسیم ہند تک ان کے ورثاء کے قبضے میں رہی۔

آپ کے دادا میاں جی محمد شریف خانہ کعبہ کے عاشق تھے، اور وہیں جاروب کشی کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔

حکیم صاحب چھ بھائی تھے۔ آپ سب بھائیوں سے بڑے تھے۔ بقیہ بھائیوں کے نام یہ ہیں۔ شیخ حکیم ناصر علی، شیخ علی حسن، شیخ علی بخش و حکیم واحد علی اور لعل محمد یہ سب سے چھوٹے تھے، جو حکیم مہر علی کی حیات میں زندہ تھے۔

حکیم صاحب کی ایک بہن لال بی بی عرف للو تھیں، جن کا عقد نکاح راقم الحروف کے مورث اعلیٰ شیخ امام بخش سہسرامی سے ہوا تھا، ان کے بطن سے دو اولادیں ہوئیں، حکیم شیخ رمضان علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم یار علی مرحوم اوّل الذکر نے دو شادیاں سہسرام میں کیں، پہلی حویلی سے راقم کے دادا حکیم سراج الدین مرحوم تھے۔ بعد میں حکیم رمضان علی شاہ سہسرام سے ہجرت فرما کر مقام سیونہ حیدرآباد (دکن) تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ ۱۹۱۵ء تک حیات سے تھے۔ ثانی الذکر حکیم یار علی صاحب جگدیش پور ضلع آرہ میں جا کر بس گئے۔ ان کے تفصیلی حالات آئندہ آئیں گے۔ حکیم مہر علی صاحب کی ایک اور بہن تھیں، جن کا نام بی بی رسولن تھا۔

حکیم مہر علی صاحب کی شادی بی بی علیمہ سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے تین اولادیں ہوئیں، حکیم عطا کریم، (حکیم) حیات محمد اور بی بی رقیہ (زوجہ قاضی مولوی حکیم عبدالشکور صاحب مرحوم)۔

حکیم مہر علی صاحب شاہ کبیر الدین (ثانی) سجادہ نشیں خانقاہ کبیریہ سہسرام کے ہم عصر اور اُن کے رفیق خاص اور معالج خصوصی تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رام نگر بنارس کے مہاراجہ کا سہسرام کی طرف سے گزر ہوا، راہ میں ان کی مہارانی بیمار ہوگئیں، راجہ نے شاہ کبیر الدین صاحب کے پاس اطلاع کرائی، اور ان سے کسی ماہر طبیب کا پتہ دریافت کیا، شاہ صاحب کے حسب ارشاد حکیم صاحب نے مہارانی کو جا کر دیکھا۔ خدا نے ان کے ہاتھ سے مہارانی کو صحت عطا فرمائی۔ مہاراجہ حکیم صاحب کے فنی کمالات کا شیدا ہو گیا، اور شاہ صاحب سے سفارش کر کے حکیم صاحب کو اپنے ہمراہ رام نگر (بنارس) لے گیا اس طرح حکیم صاحب مہاراجہ کے طبیب خاص ہو گئے اور اس نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی، اور خصوصی مراعات سے نوازا۔

علمی کارنامہ

شاہ کبیر الدین (ثانی) کے دور سجادگی میں سہسرام میں بہت سے علمی کام ہوئے، خود شاہ صاحب نے ''مطبع کبیری'' کے نام سے ایک پریس ۱۹۵۹ء میں قائم کیا۔ جہاں سے متعدد علمی کتب شائع ہوئیں، یہ پریس اپنے عہد میں ہندوستان میں معروف تھا۔ شاہ صاحب کی سرپرستی میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام نے بھی غیر معمولی ترقی حاصل کی تھیں، دور دور سے اہل علم آکر مدرسہ میں جمع ہو گئے تھے، اور طلبہ کی کثرت تھیں، اسی عہد میں شاہ صاحب کے پریس سے علمی اور نادر کتابیں شائع ہوئیں، ان میں ایک کتاب ''درد دل'' اور ''شمع محفل'' ہے جو حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور دیوان ہے۔ اس کتاب کے تعارف کے سلسلے میں ڈاکٹر قاضی عبد الودود صاحب کا وہ مقالہ قابل ذکر ہے جو ''آجکل'' میں شائع ہو چکا ہے۔

> حکیم مہر علی صاحب کو فن طب میں حکیم غلام سجاد صاحب طبیب گیا سے شرف تلمذ تھا۔ حکیم مہر علی صاحب نے اپنے استاد کے مجربات کو ایک جگہ جمع کیا تھا، اور اپنی تالیف کا نام رکھا تھا ''مجربات سجادیہ''، بعد میں اس کتاب کی تلخیص حکیم صاحب کے شاگردوں نے کی، انھیں میں ایک حکیم مولوی عبد الحمید صاحب سہسرامی متوطن محلہ نورن گنج سہسرام (والد بزرگوار مولوی حکیم محمد اشرف صاحب مرحوم) تھے، جنھوں نے ''مجربات سجادیہ'' کی

تلخیص لکھی، اس تلخیص کا ایک نسخہ مولانا حکیم مسیح الزماں صاحب محلّہ
چوکھنڈی سہسرام کے پاس ہنوز موجود ہے، جو راقم الحروف کی نظر سے گزر چکا
ہے۔اس نسخہ کی کتابت مولانا حکیم محمد علی صاحب سہسرامی نے کی ہے۔

شاگردان

حکیم مہر علی صاحب سے کثیر حضرات نے علمی استفادہ کیا، مگر ان کے چند تلامذہ بہت مشہور ہوئے۔
ایک ان کے بھتیجے مولوی حکیم عبدالحمید عرف حمید حسین صاحب تھے، جن کا ذکر اوپر کر چکا ہوں،
دوسرے مولانا حکیم حسن علی صاحب محلہ باڑہ سہسرام تھے جو اپنی ایک تصنیف ''مفید المعالجین'' میں
لکھتے ہیں:

''مجربات سجادیہ کہ ثانی فلاطون ابوعلی استاذی بھائی مولوی حکیم مہر علی
از بیاض استاذ الاستاذ حکیم غلام سجاد فراہم آوردہ بر نام آن مسرور مغفور موسوم
گردانیدہ اند''۔

''مجربات سجادیہ'' کی جو عبارت راقم نے نقل کی ہے، اس کے دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے
کہ نقل در نقل میں عبارت میں اسقام واقع ہو گئے ہیں، امید کہ اس کتاب کے اور بھی نسخے سہسرام
کے خاندانی اطباء کے گھروں میں موجود ہوں گے، مگر فی الوقت اس کا پتہ چلانا میرے لیے مشکل
ہے۔ایک نسخہ بعد میں ڈاکٹر نجابت حسین حکیم مرحوم کے پاس بھی دیکھا تھا۔

حکیم مہر علی صاحب کی وفات کے بعد ان کے بڑے لڑکے حکیم محمد عطا کریم صاحب رام
نگر میں اپنے والد کے قائم مقام ہوئے، اور عرصہ تک طبابت کرتے رہے۔شاعر بھی تھے۔قمر
گیاوی صاحب نے اپنی تالیف تذکرہ شعرائے بہار مسمیٰ بہ آب کوثر میں ان کا ایک شعر درج کیا ہے،
اور ان کو جناب مشتاق صاحب رام نگر بنارس کا فن شاعری میں شاگرد لکھا ہے۔غالباً ۱۹۲۲ء تک
حیات سے تھے۔شعر یہ ہے:

آئی جو تری یاد دمِ نزع ستانے صورت مجھے دکھلائی وہیں آ کے قضا نے

حکیم عطا صاحب کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم محمد نعیم الدین نعیم سہسرامی
ان کے جانشیں ہوئے۔ان کو بھی شاعری کا اچھا ذوق تھا۔راقم نے ان کو دیکھا اور ان کا کلام سنا
ہے۔تقسیم ہند کے بعد ان کا وصال ہوا۔تقریباً ۴۹-۱۹۴۸ء میں۔ان کے بھی چند اشعار'' آبِ

کوثر'' میں نقل ہوئے ہیں:

خدا کا شکر ہے حاصل بہار زندگانی ہے   وہ بت پہلو میں ہے دورِ شراب ارغوانی ہے
دکھا کر تیغ قاتل مرنے والوں سے یہ کہتا ہے   لگی دل کی بجھا دیتا ہے جو اس میں وہ پانی ہے

حکیم نعیم الدین صاحب کے بڑے صاحبزادے حکیم وسیم الدین صاحب شارق رام نگر میں مقیم ہیں، اور مہاراجہ کی طرف سے ان کے مورث کو جوتر پولیہ میں ملا تھا۔ وہیں اپنی طبابت کرتے تھے۔ شارق صاحب کے چھوٹے بھائی جمیل احمد شاد علی مدتوں روزنامہ عصر جدید کلکتہ میں کتابت کرتے رہے۔ اچھے خوش نویس تھے۔

حکیم مہر علی صاحب کے چھوٹے لڑکے (حکیم) حیات محمد صاحب اپنے والد کی وفات کے بعد زمینداری کی دیکھ بھال کرتے رہے، یہ باضابطہ طبیب نہ تھے، مگر نہایت خوش پوش اور با ذوق زمیندار تھے۔ چڑیا پالنے اور اس کے علاج و معالجہ کا اچھا شوق رکھتے تھے۔ تقریباً ۱۹۵۲ء میں وصال ہوا۔

حکیم حیات محمد صاحب کے صاحبزادے حکیم لیاقت حسین صاحب نے باضابطہ لکھنؤ میں طب پڑھی، کچھ دنوں رام نگر میں رہے، آخر میں گھر پر مطب چلاتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں وصال ہوا۔

محمد یحییٰ مسحور سہسرامی

(تخمیناً ۱۸۹۸ء وفات: ۱۹۲۹ء)

''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' جلد چہارم میں ہے:

''سید شاہ محمد یحییٰ نام، مسحور تخلص، فردوسی نسبت طریقت، خلف دوم سید شاہ محمد عبدالرحیم صاحب مسرور سہسرامی اپنے والد ماجد سے شاعری میں تلمذ تھا۔ فطرتاً ذہین واقع ہوئے تھے۔ طبیعت میں ظرافت تھی۔ بڑے منچلے تھے۔ شاعری سے بہت ذوق تھا۔ اچھے اچھوں کے مقابلے میں شعر سنا کر دادِ سخن حاصل کرتے تھے۔ پڑھنے کا انداز بھی پسند خاص و عام تھا۔ کچھ عرصہ تک مقامی مدرسہ خانقاہ

کبیر یہ عالیہ میں مدرس فارسی بھی رہے، آپ کو موسیقی سے بھی خاص شغف تھا۔ عالم شباب میں ۱۲؍ جولائی ۱۹۲۹ء کو بعارضہ ہیضہ انتقال فرمایا۔ آپ کی بیوہ اہلیہ، ایک لڑکا خیرات احمد اور ایک لڑکی وکیلہ خاتون راجہ قاضی عبدالرؤف صاحب قصبہ اورنگ آباد ضلع گیا میں بقید حیات ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:

جب کہا وصل کو میں نے تو کہا حشر کے دن ان کو واللہ قیامت کا جواب آتا ہے

فرشتہ موت کا مرہونِ منت کر گیا مجھ کو کہ نکلے جان کے ہمراہ سارے حوصلے دل کے
صدائے دردناک آتی ہے کیوں مسحور کے دل میں الٰہی آرزوئیں رو رہی ہیں کیا گلے مل کے

ہائے کس طرح رُخ یار کو جی بھر دیکھوں جب نقاب اٹھتی ہے رخ سے تو حجاب آتا ہے

جو گرفتاروں میں ہیں زلفِ بت بے پیر کے ایسے دیوانے کہاں پابند ہیں زنجیر کے
کہتے سنتے روز کے وہ مہرباں ہو ہی گئے کھل گئے عقدے مری تدبیر سے تقدیر کے
خط پیشانی کو تم سمجھو نہ اک سیدھی لکیر حرف ہیں یہ کاتبِ تقدیر کی تحریر کے
عاجزی سے بات کرنا خاکساری سے ملاپ اچھے نسخے ہاتھ آئے مجھ کو یہ تسخیر کے

غیر ممکن ہے جو اے مسحور وصل یار ہو
گر یہی فتنے رہے اس آسمانِ پیر کے

مریض ہجر ہوں مجھ پر بھی لازم ہے نظر ہونا طبیبوں کا مریضوں سے برا ہے بے خبر ہونا
نہ آئے بعد مردن بھی جو بہر فاتحہ کوئی ہماری قبر پر اے بیکسی تو نوحہ گر ہونا
ہماری شام فرقت کو ہے نسبت صبح محشر سے بجز روزِ قیامت غیر ممکن ہے سحر ہونا
کسی کے دید کی حسرت لیے جاتے ہیں دنیا سے بجا ہے پھول نرگس کا ہماری قبر پر ہونا

رہے گا سامنا آٹھوں پہر کالی بلاؤں کا
نہ اے مسحور مفتوں ان بتوں کی زلف پر ہونا

اپنے والد مسرور کے بعد یہ اپنی خانقاہ شاہ بوڑھن دیوان سہسرام کے سجادہ نشیں اور متولی ہوئے۔ یہ بعض وجوہ سے منصب سجادگی کے اہل تر تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے بھائی

جن کا لباس بھی مسحور جیسا تھا، سجادہ نشیں اور متولی ہوئے، جن کا نام نامی استادی سیدی غلام مخدوم مست ملقب بہ بادہ الست مدرسہ مذکور تاحیات فارسی مدرس رہے (۱۹۵۵ء تک)۔

یحییٰ صاحب مسحور کے داماد مولانا قاضی سید عبدالرؤف ندوی شاگرد و مرید حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ تھے۔ مولانا عبدالرؤف صاحبؒ سے راقم کے اچھے تعلقات تھے۔ ۱۴ مارچ ۷۳ء کو راقم نے ان کی قلمی یادداشت کے مطالعہ کے لیے حاضر ہوا تھا۔ ان کی اہلیہ وکیلہ خاتون کے بطن سے مسحور سہسرامیؒ کے نواسے مشہور نقاد، عالم دین، مولوی پروفیسر عبدالمغنی (وی۔سی) اور پروفیسر سید محمد اقبال (بھاگل پور یونیورسٹی) اور سید عبدالمغنی سلمہ مدرس مدرسہ اسلامیہ اورنگ آباد، اپنی علمی لیاقت اور خاندانی وجاہت کو ہنوز زندہ اور قائم رکھے ہوئے ہیں۔ صاحب اولاد ہیں۔ (طال اللہ عمرہم)

کلیم سہسرامی نے ''دامن گلستاں احمد حسین جوش سہسرامی'' مطبوعہ ۱۹۸۸ء کے صفحہ ۱۹ پر مسحور کے یہ دو اشعار درج کیے ہیں:

وہ آرہے ہیں مگر مڑ کے دیکھتے ہیں کئے ضرور ساتھ کوئی اور دوسرا بھی ہے

یاد آجاتی ہیں اس بت کی نشیلی آنکھیں جب مرے سامنے جامِ مئے ناب آتا ہے

مسعود الحسن خان صاحب مسعود سہسرامی

مولف ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' نے لکھا ہے:

''شاہ مسعود الحسن نام، مسعود تخلص، جناب شاہ محمود الحسنؒ کے فرزند اور جانشیں ہیں، قصبہ سہسرام ضلع آرہ مسکن ہے۔ آپ نے علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم حضرت شاہ محمود الحسن سے حاصل کی جو آپ کے پیر و مرشد بھی تھے۔ آپ سہسرام کے صوفیائے کرام کی نگاہوں میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، آپ کا حلقۂ ادارت وسیع ہے۔ زیادہ وقت رشد و ہدایت و تہذیب نفس میں گزرتا ہے۔

شریعت کے پابند ہیں۔ سیاسی حلقوں اور شعروسخن کی عام مجلسوں میں کم شریک ہوتے ہیں۔ شریعت وادب کا ذوق اپنے خاندان سے ورثہ میں ملا ہے۔ آپ کی اولادِ ذکور میں بڑے فرزند شاہ مفیض الحسن عرف اچھے میاں اور چھوٹے شاہ سید حسن ہیں۔ آپ کے کلام میں سادگی و پُرکاری ہے۔ کیف وتاثیر سے معمور ہے۔ راقم آپ کے کلام سے بیحد متاثر ہوا۔ سچ ہے ''ہرچہ از دل خیزد بردل ریزد''۔ آپ کے والد ماجد شاہ محمود الحسن صاحب مغفور سے راقم کی اچھی ملاقات تھی''۔

مولانا ندوی نے مسعود بھائی کی شاعری کے متعلق جو کچھ لکھا مبنی بر صدق ہے۔ مگر ان کے ذاتی احوال میں مبالغہ ہے۔ نیز انھیں شاہ ابن شاہ بھی لکھنا غلط ہے۔ حقیقت میں ان کا نام مسعود الحسن خاں مسعود ہے، اور ان کے والد کا محمود الحسن خاں محمود، بعدہٗ لفظ شاہ بڑھایا گیا۔

مسعود الحسن خاں کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں ہوئی، مگر حقیقی فیض اپنے والد سے پہنچا، ان کے والد راقم کے استاد تھے۔ بچوں کو قصے کہانی سناتے اور ورزش اور کھیل کی گھنٹی لیتے۔ مگر طبیعت رسا تھی۔ صوفیہ کے حالاتِ زندگی کافی یاد تھے۔ مسعود خاں کو بھی اسی قسم کا فیض پہنچا۔ ۱۹۴۵ء تک مسعود الحسن صاحب راقم کے محلّہ نورن گنج میں رہتے تھے۔ مسعود خاں کی پھوپھی داروغہ شہادت حسین خاں صاحب سے بیاہی تیں، ان کی وفات کے بعد داروغہ صاحب مرحوم کے داماد ماسٹر فخر الدین فخر سہسرامیؒ سے مقدمہ بازی ہوئی، اور مسعود خاں صاحب ان کے ایک قطعہ مکان پر وارثاً دخیل و قابض ہوئے۔ ان دنوں مسعود خاں صاحب خانقاہ کبیریہ سہسرام کے تحصیل دار تھے۔ اور سجادہ نشیں شاہ عظیم الدین اور سجادہ نشیں شاہ سلیم الدین کے زمانے میں ملازم رہے۔ تقسیم ہند سے پہلے زمینداری کا خاتمہ نہ ہوا تھا، اور خانقاہ کی تحصیل اچھی تھی، تحصیل داروں کی خوب بن آتی تھی۔

ہفتہ روز تک سہسرام کی پہاڑیوں میں سیر کی جاتی تھی۔ پچیسوں افراد پہاڑ کی تفریح کے لیے شریک ہوتے تھے۔ استاذی محمود الحسن صاحب بھی تشریف لے جاتے تھے۔ پہاڑی پر مجلس سماع بھی ہوتی تھی۔ اور اس زمانے میں محمود خاں صاحب کے حلقہ اثر میں سہسرام کے کافی لوگ آگئے تھے۔ اور میرے محلّہ کے بھی کچھ لوگ مرید تھے۔

مسعود خاں ان دنوں خانقاہ کی تحصیل کے علاقے سے کافی دودھ دہی منگاتے۔ خوب جلسہ ہوتا۔

نمونۂ کلام

مقام بیخودی کو بھی فریب دل سمجھتے ہیں ۔ کہ اس کے اور آگے اپنی ہم منزل سمجھتے ہیں
ازل سے ہے نگاہوں میں ہمارے جلوۂ مقصد ۔ یہ ناداں کیوں ہمیں گم کردۂ منزل سمجھتے ہیں
نظر آتا ہے جو آنکھوں کو وہ اپنا تصور ہے ۔ غضب ہے لوگ اس کو انکشافِ دل سمجھتے ہیں
وہ کیا نکلیں گے گردابِ محبت کے تلاطم سے ۔ جو بحرِ عشق کی ہر موج کو ساحل سمجھتے ہیں
عتاب آلودہ آنکھوں میں جھلک ہوتی ہے راحت کی ۔ کسی کی تلخ باتوں کو دوائے دل سمجھتے ہیں
تنِ خاکی میں پوشیدہ ہے لیلیٰ ازل مجنوں ۔ لباسِ روح کو ہم پردۂ محمل سمجھتے ہیں

ہزاروں صورتوں میں جو اُسے پہچان لیتا ہے
اُسے مسعود ہم تو عارفِ کامل سمجھتے ہیں

صورت موسیٰ گرے غش کھا کہ مستانے ہوئے ۔ ہاتھ میں اپنے چراغِ طور پیمانے ہوئے
ضعف سے اب اٹھ نہیں سکتا ہے یہ بارِ گراں ۔ اے فرشتو! تم شل دونوں مرے شانے ہوئے
ساتھ ذکر یار کے گرتے ہیں آنسو آنکھ سے ۔ اشک کے قطرے مرے تسبیح کے دانے ہوئے
سارے عالم سے ہیں مستغنی ترے محو جمال ۔ آشنا تجھ سے ہوئے تو سب سے بیگانے ہوئے

مرے بالائے سر دودِ فغاں ہے ۔ زمانہ جانتا ہے آسماں ہے
گزر اس گھر میں غیروں کا کہاں ہے ۔ خیالِ دوست دل کا پاسباں ہے
یہ دیکھو بارِ غم ہم نے اٹھایا ۔ قوی تر کیا ہی جانِ ناتواں ہے
خودی اپنی حجابِ چشم دل تھی ۔ کہاں اب کوئی پردہ درمیاں ہے

کھلے اسرار تب مجھ پر جنونِ فتنہ ساماں کے ۔ اُڑیں جب پُرزے پُرزے ہوئے جیبِ آستیں برسوں
بڑی دشواریوں سے گوہر مطلوب ہاتھ آیا ۔ رہے بحرِ طلب میں غرق ہو کر تہ نشیں برسوں
ریا کا ایک سجدہ زاہد خودبیں قیامت ہے ۔ لرزتا ہے ملک، فریاد کرتی ہے زمیں برسوں
چمک اٹھی جو مثل نیّر تاباں تعجب کیا ۔ جھکی ہے دوست کے نقش قدم پر یہ جبیں برسوں

مقدر میں تھی اشکِ بے اثر کے آہ رسوائی　　گرا میری نظر سے آج رہ کر دلنشیں برسوں
(تذکرہ مسلم شعرائے بہار)

مسعود الحسن خاں صاحب نے اپنا تاریخی نام محمد افضال الرحمٰن (۱۳۴۴ھ) بتایا۔

شادیات کے متعلق بیان فرمایا کہ ''میری پہلی شادی شیخ محمد جان صاحب شادؔ سہسرامی مرحوم (بن داروغہ شیخ سعادت علی صاحب مرحوم) محلہ نورن گنج سہسرام کی لڑکی زرّینہ خاتون مرحومہ سے ہوئی تھی، جن کا وصال ۱۳۶۹ھ میں ہوا۔

مسعود صاحب کی دوسری شادی عبدالحمید خاں صاحب رئیس قصبہ سہسرام محلہ گاڑی بان ٹولی کی صاحبزادی عائشہ بی بی سے ہوئی، جن کے بطن سے دولڑکے مفیض الحسن عرف اچھے میاں اور سید حسن ہوئے، اور دولڑکیاں سیدہ خاتون، عفت آرا خاتون عرف روحی ہوئیں، جو تادم تحریر (۱۹۷۱ء) بحمداللہ حیات سے ہیں۔

شعر گوئی کے متعلق مسعود صاحب نے فرمایا کہ ''میں نے ۱۹۴۲ء سے شعر کہنا شروع کیا، جس وقت میں محلہ نورن گنج میں اپنی پھوپھی مرحوم کے مکان میں مقیم تھا۔

سب سے پہلی غزل حضرت خواجۂ اجمیرؒ کی شان میں کہی، اور اپنے والد مرحوم کو سنائی تو انھوں نے ذیل کے شعر پر داد دی:

مرا مینائے دل لبریز ہے عشق محمد میں　　صراحی نقشبندی ہے تو پیمانہ ہے خواجہ کا

کاندھے پر خاندانی زرد دوپٹہ رکھتے تھے، اور محفل سماع میں اپنے والد کی طرح اچھے شعر پر کھڑے ہو جاتے، حال قال اور وجد میں دوپٹہ ہاتھ میں لے کر لہراتے اور اپنے بنگالے کو آباد رکھتے اور اپنے دادا اور والد کے سالانہ عرس کا اہتمام فرماتے تھے۔ میرے استاد بھائی تھے، اس لیے مجھ سے اچھا بھائی چارہ تھا۔ مجھ خردسال کی تاعمر قدر کرتے رہے۔ اب ان کے صاحبزادے بھی اچھی رسم و راہ رکھتے ہیں۔ علمی وجاہت کے سبب میری دادی کے والد الحاج مولانا حکم حسن علی حسن سہسرامی محلہ باڑہ اور حسن جان خاں صاحب سے اچھے تعلق تھے۔ اور آخر الذکر میرے والد کے فارسی کے استاد تھے۔ محمود سہسرامی میرے استاد تھے۔ جیسا کہ اوپر بھی ذکر کیا۔

معین الدین معینؔ سہسرامی

(تقریباً ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۶ء تا ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء)

مولانا سید احمد اللہ ندوی نے تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد چہارم میں تحریر فرمایا ہے:

''شاہ معین الدین احمد نام، معینؔ تخلص ہے۔ شاہ محی الدین احمد (۱) سجادہ نشین خانقاہ سہسرام کے خلف ارشد تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ فارسی، اردو اور انگریزی کی استعداد اچھی تھی۔ شعر وسخن کا اچھا ذوق تھا۔ اکثر مشاعرہ کی مجلسیں آپ کی خانقاہ میں منعقد ہوتی تھیں اور رات دن بازارِ سخن گرم رہتا تھا، حضرت داغؔ دہلوی اور حضرت راحت سہسرامی سے تلمذ تھا۔ آپ کا خاندان سہسرام میں معزز اور ممتاز سمجھا جاتا تھا، آپ کی ذات بابرکات سے سیکڑوں کی پرورش ہوتی تھی۔ آپ نہایت خلیق اور بامروّت تھے۔ آپ خداداد حسن و جمال سے بھی بہرہ یاب تھے۔ آپ کے بزرگوں نے حکومت برطانیہ کی خیرخواہی کی تھی جس کے صلے میں خطاب ''حضرت'' خلعت شاہی مع تمغہ اور ایک لاکھ روپے سے سرفراز کیے گئے تھے۔ اور اس وقت قصبۂ سہسرام کو بھی ''ناصر الحکام'' کا لقب ملا تھا۔ ۱۹۰۱ء میں جناب معینؔ نے انتقال کیا''۔

شاہ معین الدین احمد صاحب کا مزار درگاہ شاہ کبیر درویش کے اندرونی احاطے میں ہے۔

مصلح صاحب نے لکھا کہ معین صاحب کو فارسی، انگریزی میں درک تھا۔ شعر گوئی کا بھی مذاق رکھتے تھے۔

نمونہ کلام

بوسہ جو اُن کا شب کو لیا میں نے خواب میں　　دن کو وہ دیکھ کر مجھے آئے حجاب میں

حاجت نہیں کباب کی حاضر ہے لختِ دل　　خونِ جگر ملا لو ہمارا شراب میں

چُن چُن کے قتل کرتے ہیں وہ عاشقوں کو آج　　یارب مرا بھی نام ہو اس انتخاب میں

آتے نہ خود ہیں اور نہ بلاتے معینؔ کو کیا جان پڑ گئی ہے الٰہی عذاب میں

گو غایت ظہور سے اپنے عیاں نہ تھا دیکھا جو اس کو دیدۂ دل سے نہاں نہ تھا
کس جا تمھارا جلوہ مری جاں عیاں نہ تھا دیر و حرم میں، کعبہ میں، کس جا کہاں نہ تھا
مشقِ خرامِ ناز سے ہو جاتا پائمال اچھا ہوا زمیں کا شریک آسماں نہ تھا
بدنام کر دیا اُسے گریہ نے اے معینؔ ورنہ سوائے دل کے کوئی رازداں نہ تھا

ہم اپنے یار کی صورت پہ ہیں لبھائے ہوئے اُسی طرف ہیں سدا اپنی لَو لگائے ہوئے
خیال اُن کا کریں دل سے کس طرح ہم دور بجائے روح ہیں قالب میں وہ سمائے ہوئے
نہیں ہے آنکھ میں سرمہ کا اُن کے دنبالہ مگر عصا کوئی بیمار ہے لگائے ہوئے

مشاہیر شعرائے سہسرام میں یہ غزل بھی درج ہے:

آج مضطر ہے طبیعت شبِ فرقت کیسی دل سنبھلتا ہی نہیں ہو گئی حالت کیسی
ہوں ز خود رفتہ مجھے کچھ نہیں ہرگز معلوم رنج کہتے ہیں کسے ہوتی ہے راحت کیسی
جھک گئی بارِ خدا سے وہ کلائی دیکھو دستِ رنگیں میں تمھارے ہے نزاکت کیسی
آپ کیا ساری خدائی کو جگہ دوں دل میں آپ دیکھیں تو میرے دل میں ہے وسعت کیسی
عشق صادق میں کبھی کچھ بھی نہ لب تک آیا شکوہ کہتے ہیں کسے اور شکایت کیسی

اے معیںؔ وحشت دل ہو گئی دونی اپنی
فصل گل آئی چمن کی ہوئی رنگت کیسی

محمد حسن خاں معصوم سہسرامی

(۱۹۳۲ء تا ۱۹۷۰ء)

مؤلف تذکرہ مسلم شعرائے بہار (جلد چہارم میں قم طراز ہیں:

''شاہ محمد حسن خاں نام، محمد ظہور الحسن (۱۳۵۲ھ) تاریخی نام، عرف مولانا اور معصوم تخلص ہے۔ حضرت محمود الحسن خاںؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، قصبہ سہسرام وطن ہے۔ ۱۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اردو، فارسی، انگریزی اور ہندی کی اچھی استعداد ہے۔ اف۔ اے پاس ہیں اور کلکتہ میں اپنے چھوٹے بہنوئی شیخ منہاج الدین صدیقی کے ساتھ تجارت میں مشغول ہیں۔ خاندانی وجاہت کے ساتھ ساتھ آپ پاک صورت، خوش وضع، نیک، صالح اور ہر دل عزیز نوجوان ہیں۔ علم تصوف اور ذوق شاعری آپ کو ورثہ میں ملا ہے، اور تلمذ اپنے حقیقی برادر شاہ مسعود الحسن خاں سہسرامی سے ہے''۔

مؤلف تذکرۂ مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ معصوم کو ''شاہ'' محض پیر زادہ ہونے کی حیثیت سے لکھا ہے۔ عرف عام میں شاہ کا لفظ سید کے لیے مستعمل ہے۔

جس وقت استاذی مولوی محمود الحسن خاں صاحبؒ کا وصال ہوا، معصوم سلمہ کی عمر تقریباً سات سال تھی۔ مولوی صاحب مرحوم نے ان کو یتیم چھوڑا۔ مسعود الحسن خاں صاحب نے ان کو لکھایا پڑھا۔ ہائی انگلش اسکول سہسرام میں زیر تعلیم رہے۔ مگر بنارس یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دیا۔ اف۔ اے کب کیا مجھے نہیں معلوم۔

۱۹۵۶ء کلکتہ سے تشریف لائے تو دیکھا چہرے پر ماشاء اللہ داڑھی کھل رہی ہے۔ جی بہت خوش ہوا، پہلے نماز کے پابند نہ تھے۔ امسال سے نماز کا پابند بھی پایا۔ مجھ سے ملے تو پہلی بار معلوم ہوا کہ یہ مولوی صاحب مرحوم کے ہاتھ بیعت بھی ہوئے تھے، اور ان کے آخری مرید ہیں، مجھے یہ بات اس سے نہ معلوم ہوسکی۔ بہر حال ان کی طبیعت میں شرافت اور مزاج میں شگفتگی ہے، شعر و شاعری کا کہاں تک ذوق ہے۔ اس کا علم بھی تذکرہ مذکور دیکھ کر ہوا۔ نمونۂ کلام دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ نوعمری میں اچھی مشق بہم پہنچائی ہے۔ انشاء اللہ کہنہ مشقی کے بعد اور اچھا کہنے لگیں گے۔

راقم ان کو پہلی ۶۹ء میں پروفیسر حسن آرزو کے یہاں ایک مشاعرہ میں شریک دیکھ کر خوش ہوا۔ انھوں نے اپنا کلام بھی سنایا۔

افسوس جواں سالی میں انتقال فرما گئے، (تقریباً ۱۹۷۰ء)۔

نمونۂ کلام یہ ہے:

آگ سینے میں لگی ہو مسکرانا چاہیے　　شمع سے سیکھو کہ کیسے دل لگانا چاہیے

بزم ہستی میں تمھیں دھوکا نہ کھانا چاہیے — دل دیا جس نے اُسی سے دل لگانا چاہیے
ہمسریٔ حضرت موسیٰ تو کر سکتے نہیں — ہاں مگر اک دن مقدر آزمانا چاہیے
دور منزل، مرحلے دشوار، جانا بھی ضرور — سوچتے کیا ہو قدم آگے بڑھانا چاہیے
ہو چکی معصوم اب رنگیں نوائی ہو چکی
شاعری کو انقلاب آگیں بنانا چاہیے

جلوۂ یار کا ظاہر کبھی پنہاں ہونا — ''کبھی گلشن'' کبھی اس دل کا بیاباں ہونا
غیر کے ہاتھ سے دلواتے ہیں ساغر مجھ کو — میں نہیں چاہتا شرمندۂ احساں ہونا
دیکھو معصوم تمھیں چاہیے فکر عقبیٰ — قبل از موت گناہوں سے پشیماں ہونا

وہ انقلاب کے طالب ہیں خیر ہو یارب — اُلٹ پلٹ نہ زمیں ہو کہیں زمانے کی
نگار خانۂ ہستی وہ بار بار پڑھیں — کتاب ختم نہ ہوگی مرے فسانے کی
جلایا برق نے، بادِ صبا نے لوٹ لیا — چمن میں رہ نہ سکی خاک آشیانے کی
نہ کر برائیاں کچھ یاد ہے تجھے ظالم — کسی نے کی تھی ترے ساتھ بارہا نیکی

مولوی محمد شریف راغبؔ سہسرامی

(۱۳۳۹ھ تا ۱۹۲۰ء)

مولوی سید شاہ محمد شریف چشتی الفخری سہسرامی کو شعر و شاعری کا اچھا ذوق تھا، راغب تخلص فرماتے تھے۔ محی الدین صاحب رحمۃ اللہ سجادہ نشیں خانقاہ سہسرام کے نبیرہ تھے۔
راغبؔ کا ایک مختصر دیوان (ردیف وار اشعار کا مجموعہ جس میں الف تا ی جملہ ردیفوں میں غزلیں کہی گئی ہیں) مطبع معینیہ واقع درگاہ غریب نواز سے طبع ہو چکا ہے۔ یہ نسخہ میں نے ۱۹۵۲ء میں شیخ کرامت لائبریری سہسرام میں دیکھا۔

سرورق پر سن طباعت درج نہیں ہے۔ آخر کتاب میں مولانا ابوالحسن صاحب بیدلؔ سہسرامی کے کہے ہوئے تین قطعات تاریخ طباعت درج ہیں، دو فارسی میں ایک اردو میں۔

کل اوراق ۲۸ ہیں۔ کتاب پر صفحہ ۲۴ تک اندراج ہے۔ صفحہ ۲۵ کا ہندسہ درج نہیں ہے۔ مگر اس صفحہ پر راغبؔ کے چار اشعار آئے ہیں، بقیہ میں بیدلؔ صاحب کا تعارف اور ان کے قطعات درج ہیں۔

لکھائی اچھی ہے، جابجا چھپائی خراب ہے۔ راقم کو یہ دیوان پروفیسر اطہر حسین صاحب سہسرامی کے مشہور کتب خانہ سے ملا، بوسیدہ ہو چکا ہے۔

اس دیوان میں ۴۴ غزلیں ہیں۔ بعض غزلیں امام حسینؓ، حضرت علیؓ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہی گئی ہیں۔ تین غزلیں خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی شان میں بھی ہیں اور ایک ایک غزل شاہ کبیر اور حضرت شاہ قیام الدین اصدقؒ کی شان میں ہے۔ بقیہ غزلیں صوفیانہ انداز کی ہیں۔ کل اشعار کی تعداد ۲۹۹ ہے۔

راغبؔ صاحب فارسی زبان کے شاعر تھے۔ مجموعہ غزلیات فارسی کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

(حاذقؔ)

نمونۂ کلام

قرب از جاں چو جانانۂ ما   حسرتے بر دلِ ویرانۂ ما
چند روزہ چو قیام بجہاں   ایں سرائیست نہ ایں خانۂ ما
ساقیا صدقہ مئے خانۂ خویش   پُر کُن از بادۂ پیمانۂ ما
طوق چوں سلسلۂ زلف تو شد   خوش جنونِ دل دیوانۂ ما
فتنہ نرگس مخمور کسے   باعثِ نعرۂ مستانۂ ما
دام شد زلف پئے مرغ دلم   خیال رخسار شدہ دانۂ ما

چہ عجب لطف نماید راغبؔ
یار اگر بشنود افسانۂ ما

وہی ہے رونق افزا قالب انسان کے اندر   وہی ہے دل کے اندر اور وہی ہے جان کے اندر
عجب ہے شان اس کی ہے وہی ہر شان کے اندر   جسے کہتے ہو واجب ہے وہی امکان کے اندر

اسی کے عشق میں در پردہ یہ شورِ عنادل ہے　　اسی کی بو و رنگت ہے گلِ بستان کے اندر
محمد واقفِ شرع طریقت اور حقیقت ہیں　　بھرے اوصاف اُن کے ہیں دلاقرآن کے اندر
جسے ہے بیخودی حاصل وہی کامل ہے اے راغبؔ
خودی ہے شرک وعصیاں مذہبِ عرفان کے اندر

(مشاہیر شعرائے بہار)

محی الدین خاں صفیؔ سہسرامی

(حیات: ۱۹۲۰ء)

محی الدین خاں نام، صفیؔ تخلص، ولدیت معلوم نہ ہوئی، مشرباً قادری مجددی تھے، سہسرام مکان تھا، کس محلّہ کے رہنے والے تھے، معلوم نہ ہوا، حضرت وحشتؔ کلکتوی مرحوم کے شاگرد تھے۔

قمر گیاوی مرحوم نے ''گلدستہ دامن بہار'' بابت ماہ نومبر ۱۹۲۰ء سے ذیل کے شعر درج فرمائے ہیں:

زاہد وہ دیکھ کوئی چلا سوئے میکدہ　　محروم ہو کے آج تری خانقاہ سے
جب عالم وجود میں رکھا قدم صفیؔ　　ممکن نہیں کہ پاک رہیں ہم گناہ سے

تصوف کی چاشنی کلام میں موجود ہے۔

محمد علی صادقؔ سہسرامی

(۱۲۶۹ھ/۱۸۵۴ء تا ۱۳۱۹ھ)

رسالہ المجیب پھلواری ضلع پٹنہ بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ میں جناب حاذقؔ

ضیائی سہسرامی نے الحاج حکیم حسن سہسرامی کے حالات کے سلسلہ میں زیر حاشیہ جناب صادقؔ سہسرامی کے متعلق بھی کچھ لکھا ہے اس کا اقتباس یہ ہے:

''مولانا مولوی حکیم محمد علی صادقؔ تخلص، متوطن قصبہ سہسرام ضلع آرہ علوم ظاہریہ و باطنیہ کی تعلیم کے بعد اپنے وقت کے مشہور طبیب اور ہائی انگلش اسکول سہسرام کے ہیڈ مولوی تھے، اردو و فارسی اور عربی میں نمونۂ کلام ملتا ہے۔ صاحب تصنیف تھے۔ آپ کے دادا حکیم رحمت اللہ (متوفی ۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۲۸۷ھ) بھی اپنے عہد کے ممتاز و شہرہ آفاق بزرگ اور طبیب تھے، جنھوں نے اپنے محلّہ چوکھنڈی میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو ہنوز موجود ہے۔ مزار مبارک مسجد کے دروازہ پر ہے، حکیم رحمت اللہ نے ''فوائد المبتدی'' کے نام سے فارسی میں ایک قلمی یادگار چھوڑی ہے، جو حکیم مسیح الزماں صاحب کے پاس موجود ہے۔ مولانا حکیم محمد علی کی تصنیف ''قرۃ العیون'' فن تصوف میں قابل ذکر ہے۔ مولانا صادق کے شاگرد حکیم بدرالدین ان کے بھانجے تھے۔ انتہی۔ (اور حکیم بدرالدین صاحب کے صاحبزادے عبدالحمید شیداؔ سہسرامی تھے، جو جناب کوثرؔ خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ حضرت صادق کے تین اشعار تذکرہ مشاہیر شعرائے سہسرام مؤلفہ مولوی ابومحمد مصلح احقرؔ سہسرامی مطبوعہ مطبع الاصلاح سہسرام ۱۹۲۶ء سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

خاک پائے یار کوئی ڈھب سے لانا چاہیے — اپنی آنکھوں کا اُسے سرمہ بنانا چاہیے

کان و دریا نے دیا لعل و گہر بلبل نے گل — چرخ نے کی مہر و مہ سے رونمائی آپ کی

ہوا ہے عشق ہم کو اک بتِ کافر کا اے زاہد — رگوں کو اپنے تن پر رشتۂ زنار کہتے ہیں''

(مسلم شعرائے بہار، حصہ سوم، ص ۷)

صادق صاحب کے والد کا نام حکیم سراج علی تھا۔ مصلح صاحب نے اپنی تالیف میں ان کے والد کا نام لکھا تھا۔ مگر مؤلف مسلم شعرائے بہار نے صرف میرا اقتباس نقل کیا، ان کے والد کا نام بھی نہیں لکھا۔

مولانا محمد علی مرحوم نے علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں کی تعلیم پائی تھی، صاحب روحانیت

بزرگ تھے، کس ہاتھ پر بیعت ہوئے معلوم نہ ہوسکا۔

حکیم محمد علی صاحب مرحوم کی علمی یادگار میں ''مفید المعالجین'' مؤلفہ حکیم حسن صاحب حسنؔ سہسرامی کا قلمی نسخہ ہے، جس کی کتابت انھوں نے خود فرمائی تھی۔

خنداںؔ صاحب مرحوم کی تالیف ''چمنستان سرور'' پر اُن کی تقریظ بھی قابل ذکر ہے۔ خنداںؔ صاحب مولانا صادقؔ صاحب کے بھتیجے تھے۔ یہی تقریظ اس وقت اُن کی نثر نگاری کا واحد نمونہ ہے۔

مولانا علی صاحب کے لوح مزار پر تیغؔ سہسرامی کی کہی ہوئی تاریخ وفات درج ہے، جس کا آخری شعر یہ ہے:

بلوحِ مزارش رقم کرد تیغؔ فنا شد باللہ آخر چو آہ

۱۳۱۹ھ

تاریخ وفات ۲۹؍ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ ہے۔

مولانا محمد علی صادقؔ سہسرامی کی ایک تصنیف ''عمدۃ البیان'' کا حوالہ حکیم بدرالدین مرحوم نے اپنی قلمی بیاض مسمیٰ کتاب ''تکملہ در باب حمیات'' کے صفحہ ۳۰ پر کیا ہے:

حکیم بدرالدین صاحب کی مذکورہ کتاب کے علاوہ ان کی دو اور قلمی کتابیں ضخیم تر بھائی اِس۔ اِیم نور الحق سہسرامی، جو حکیم صاحب کے پوتا ہیں، ان سے ۳۰؍ستمبر ۸۴ء کو ملی اور چند ماہ میرے پاس رہی، پھر وہ واپس لے گئے۔ دیگر اشعار اردو تالیفِ مصلح سے ملاحظہ ہو:

چونک کر مرغِ دل وحشی ہوا تیرا شکار ورنہ تیری گھات سے واقف تھے اے صیاد ہم

جب بہار روئے وقدِ یار حاصل ہے تو کیا روئے گل دیکھیں کریں نظارۂ شمشاد ہم

صادقؔ علیہ الرحمہ کو فارسی پر بھی غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ افسوس کہ ان کے اہل خاندان نے نہ ان کی تصنیف ''عمدۃ البیان'' محفوظ رکھی، اور نہ اُن کا مجموعۂ کلام۔ مصلح صاحبؒ نے جو کچھ نقل فرمایا، آج وہی یادگار ہیں۔ ان کا مزار پختہ ہے۔ درگاہ تلے جاتے ہوئے کھٹکوں کے پاس ہائی اسکول سے متصل احاطہ میں ہے، جس پر حضرت تیغؔ سہسرامی کا کہا ہوا قطعہ درج ہے۔ عمر تقریباً پچاس سال تجویز کی ہے۔

دیگر نمونہ کلام فارسی:

روئے گل بینی چہ روئے گلعذار من نگر　　سنبل و ریحاں چہ باشد زلف یار من نگر
عزم گلشن کردۂ بشنیدہ ام اے گلبدن　　سینۂ صد داغ دارم لالہ زارِ من نگر
سیر گلزار خلیل و عالم طوفانِ نوح　　از دل سوزاں و چشم اشکبار من نگر
گوش بر آواز بر رہ است و جان بلب　　اے مرادِ ما بیا و انتظارِ من نگر

مثبت و منفی ایں عالم بہ تحت لا انّھم　　لا شوم سر تا بپا بر در سرّ الا انّھم
یافتم ایں خلعت از دربارِ شاہنشاہِ عشق　　کز دو عالم پائے خود بر گنج استغنا نہم
بسکہ از سر تا بپا چشم بدیدار رخش　　میدمد نرگس بجائے نقش بر ہر جا نہم

قرباں ہزار بکنم زیر پائے تو　　در صد ہزار جان ست فدایت نمود نیست
اے باد صبح گر سوئے آں گل گزر کنی　　حال دلِ فگار حکایت نمود نیست

نمی دارم خیال باغ رضواں ؏ اگر دارم سر کوئے تو دارم

مظفر علی خاں مظفرؔ سہسرامی

(حیات: ۱۳۱۶ھ)

محمد مظفر علی خاں صاحب مظفرؔ سہسرامی کا کہا ہوا ایک قطعۂ تاریخ ''میلاد دل پذیر'' مؤلفہ بیتاب سہسرامی سے نقل کیا جاتا ہے:

جب شیر میر خاں نے یہ نسخۂ مبارک　　لکھا خلوص دل سے تھا شور تہنیت کا
ہیں صاحب جلالت بے شک مؤلف اس کے　　دونوں جہاں میں شہرہ ہے ان کے معدلت کا
ہے یہ کتاب بے شک مقبول رب بے چوں　　بے شبہ ہر ورق ہے فرمان مغفرت کا

تھی فکر اے مظفر تاریخ اس کے لکھے   ہاتف نے یہ ندا دی توشہ ہو عاقبت کا
۱۳۱۶ھ

محمد جان قدسیؔ سہسرامی

(حیات: ۱۳۱۷ھ)

مولوی سید محمد جان صاحب قدسیؔ سہسرامی نے ذیل کا قطعہ ''میلاد دل پذیر'' کے لکھا تھا، جو اس کتاب میں درج ہے۔ بیتابؔ سہسرامی نے اُن کو ''شاعر نازک خیال'' لکھا ہے:

صولت نشاں خاں ذوی الاقتدار من   سردار شیر میر امیر سخنوری
شد منجلی چو نور نبی در بطون او   تالیف کرد نسخۂ نعت پیمبری
لاریب نظم و نثر فلک ہم بہ مرتبت   با نظم و نثر او نہ تواند برابری
فرخندہ طالعے کہ نمائش مطالعش   تابندہ اخترے کہ در است مشتری
دل میر اند از تنِ عشاق نیم جاں   ہر لفظ جانفزائش و مضامین دلبری
قدسیؔ گرفت از سر وقعت چو سال او
ارقام شد نہ نامۂ میلاد سروری
۱۲۱۶ھ

عام طور پر سہسرام کے شعرا قطعات رحلت وطباعت فارسی اور اردو دونوں میں کہتے تھے، اردو کا کوئی شعر ان کا میری نظر سے نہیں گزرا۔

منیر خاں اخترؔ سہسرامی

ماہ منیر خاں نام، اخترؔ تخلص، بن صدیق حسن خاں متوطن محلہ پٹھان ٹولی سہسرام۔

اختر صاحب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں، وکالت بھی کر چکے ہیں۔ ۷۰ء میں حیات سے تھے۔ پٹنہ میں رہتے تھے، پبلسٹی افسر تھے۔ اخبار ہمزاد گیا مؤرخہ ۳ر فروری ۱۹۴۱ء میں ان کا کلام چھپا تھا۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

مسحور کر رہا ہے ترنّم شباب کا بجلی گرا رہا ہے تبسم شباب کا
کرنوں نے مل کے ماند کیا آفتاب کو شرما رہا ہے حُسن کو جلوہ شباب کا

(آبِ کوثر)

ماہنامہ ''مفکر'' سہسرام جون ۴۷ء میں ان کا مضمون ''نیم شب کی......'' شائع ہوا تھا جو راقم کی نظر سے گزرا تھا۔

شیخ محمد حلیم

مصلح صاحب رقم طراز ہیں:

''ان بزرگ کا نام و پتہ کے سوا شاعری کے متعلق کوئی پورا پتہ نہیں چلتا حتیٰ کہ تخلص معلوم نہیں، شیخ محمد اسحاق صاحب (۱) برادر شیخ کرامت علی بزاز کی مہربانی سے ایک فارسی قصیدہ دستیاب ہوا ہے تو مقطع ندارد ہے۔ آپ کے خاندان میں ابھی لوگ ہیں، لیکن مذاقِ سخن کی نا التفاتی سے آپ کی تالیف و تصنیف کا دستیاب ہونا غیر ممکن ہے۔ شیخ محمد اسحاق صاحب کے یہاں ایک کلام شریف قلمی نہایت توضیح القرآن کی نقل موجود ہے جس کے ختم کی خوشی میں شیخ محمد حلیم مرحوم نے اپنے احباب کے خیال سے چوالیس (۴۴) شعر کا فارسی قصیدہ تھوڑی نثری عبارت کے ساتھ درج فرمایا ہے۔

قصیدہ فارسی

بفضل ایزد فیاض و صاحبِ اکرام کہ ذات اوست برٔ ام کائناتِ عام
ز فیض حکمتِ خود کرد آشکار جہاں مگر بہ قبضۂ خود داشت اختیار زمام

بلے انیس نبودے چو مہر او با خلق　　ہیچ گاہ ندیدے جمال روئے مرام
شب ادینہ کہ بود است بستم شوال　　کہ وصف خوبی او در قراں کرد قیام
ہزار دو صدی سی ہشت سال از فصلی　　کہ در شمار شدہ بود چوں شدہ اتمام
ہزار دو صد و چہل و ...... آمد از ہجری　　کہ ایں مواضح قرآں شدہ بخیر انجام
منم کہ اسم محمد حلیم شہرۂ عام　　کہ خاکپائے جمیع کسانم از او نام

محی الدین داغؔ سہسرامی

مصلح صاحب (مشاہیر مسلم شعرائے سہسرام میں) فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ محی الدین احمد صاحب عرف لالہ میاں سجادہ نشیں آپ کے متعلق معلوم ہوا کہ صاحب دیوان تھے مگر اب پتہ نہیں۔ نہایت خداترس بزرگ تھے، آپ کے خلق و مروت کی کہانی سہسرام کے ہر شخص کی زبان پر جاری ہے۔ تخلص کے متعلق جناب شاہ محمد شریف صاحب نے فرمایا کہ لالہ میاں داغؔ تخلص کرتے تھے، اور دیوان بھی آپ کا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔ ایک قطعہ جو مولوی بشیر الدین صاحب کی وساطت سے حاصل ہو گیا، تبرکاً ہدیۂ ناظرین ہے۔

کلام

سوئے دارالبقا ز زخم پشت　　میاں سید علیم اللہ رفت
وائے صد وائے آہ و واویلا　　زیں جہاں زود ہستی رفت
مبتلائے غم و الم کردہ　　پشت خویش یکانہ را بشکست
حسرت افسوس بر جوانے او　　راست گویند ہست ماتم سخت

سال رحلت بطرح پنج و یک
شد قیامش بمنزل جنت
۱۲۸۶ھ

شاہ محی الدین صاحب کی تاریخ وفات ۲۸؍ جمادی الآخر ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۴؍نومبر ۱۸۹۷ء روز پنجشنبہ ہے۔ مزار حضرت شاہ کبیر درویش علیہ الرحمہ کے پائین میں ہے۔

مولانا ابوالحسن صاحب خوشدل سہسرامیؒ کی بیاض جو راقم کو ۱۹۷۰ء میں بھائی حکیم فخرالحسن حکیم صاحب نے دکھائی تھی، اس میں مذکورہ عبارت اور ذیل کا قطعہ تاریخ مرقوم ملا:

شاہ محی الدین سجادہ نشیں باد بروئے دائما از حق درود

بست و ہشتم از جمادی الثانیہ وائے ازیں دنیائے دوں رحلت نمود

ملہمے در گوش بیدلؔ گفت سال

قصر جنت منزل پاکیش بود

واضح رہے کہ خوشدلؔ صاحب گاہے بیدلؔ تخلص بھی فرماتے تھے۔

شاہ محی الدین صاحب کا ذکر مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی مرتبہ ساحل سہسرامی بھی آیا ہے۔ (ص ۴۴)

میر رحم علی

مصلح صاحب نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے درج ذیل ہے:

''میر رحم علی سہسرامی کے متعلق افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا، مگر ایک شعر جو درج ذیل ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بزرگ اچھے پائے کے شاعر تھے۔ ملاحظہ ہو:

صورتِ حسن و مولائے لطیف چو بہ ست عرض عشق تو در جوہر ذاتم داند

(مشاہیر شعرائے سہسرام)

مقصود علی خاں ساحؔر

(حیات: ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء)

مصلح صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"مقصود علی خاں ساکن کواتھ موت جوانا مرگ ہوئی۔ شاعری میں جادؔو مرحوم سے تلمذ تھا۔ غالباً اسی لیے ساحؔر تخلص کیا گیا تھا، مگر استاد کی وفات کے بعد عبدالاحد شمشاؔد کی شاگردی بھی اختیار کی تھی۔ ایک رسالہ تذکیر و تانیث میں نامطبوعہ آپ کے خاندان میں موجود ہے۔

قتل کے بعد عبث غم میں ہے قاتل اپنا　　ہم یہ کہتے تھے ہمیں قتل سمجھ کر کرنا

بوسہ مانگا تو لگے کہنے کہ دو دل اپنا　　نام اسی کا ہے محبت کہ عوض مانگتے ہو

آپ سینے میں لگے ڈھونڈھنے کیوں دل اپنا　　دلربا یار کو میں نے جو کہا اے ساحؔر

دیگر

ساقی تجھے مدہوش بھی کرنا نہیں آتا　　رندوں میں اگر ہم کو ٹھہرنا نہیں آتا

وہ بولے ہمیں یاد ہی کرنا نہیں آتا　　ان سے جو کہا میں نے کہ کب یاد کرو گے

کیا اس کو مرے دل میں ٹھہرنا نہیں آتا　　آنکھوں میں مری شکل پھرا کرتی ہے تیری

وعدے سے ہمیں اپنے مکرنا نہیں آتا　　کس ناز سے کہتے ہیں وہ منہ پھیر کے مجھ سے

دیگر

کہ جب تک جئیں گے یہ رویا کریں گے　　وہ روتے ہوئے دیکھ کر ہم سے بولے

حسینوں میں ہم نام اپنا کریں گے　　وہ کہتے ہیں عشاق کی جان لے کر

(مشاہیر شعرائے سہسرام)

جادؔو نے ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء میں انتقال فرمایا، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ساحر کا انتقال اس کے بعد ہوا۔

مقصود سہسرامی

مقصود علی انصاری نام، مقصود تخلص۔ سہسرام کے محلہ ذکی شہید کے باشندہ تھے۔ ۱۹۴۸ء تک میرے مکان میں کرایہ دار تھے۔ پھر حکیم حیات محمد صاحب (محلہ نورن گنج) کے مکان میں کرایہ پر رہنے لگے، ان کی والدہ کا انتقال راقم ہی کے مکان میں ہوا تھا۔ نیک سیرت معمر خاتون تھیں۔

مقصود صاحب نہایت ہی غریب اور مفلوک الحال آدمی تھے، بیڑی بنا کر گزر اوقات کرتے تھے، کثرت سے پیاز کھاتے تھے، روٹیاں پیاز کے ساتھ بلا تکلف کھالیا کرتے تھے، ان کی والدہ نے ایک طوطا پال رکھا تھا جو انسانوں کی بولی بولتا تھا۔ مقصود صاحب مرحوم کو طوطی پالنے کا بڑی شوق تھا۔ طبیعت بڑی اچھی پائی تھی، کم علم تھے۔ مگر فطری طور پر شعر گوئی کا ذوق تھا، برجستہ تضمین کہتے تھے۔ ایسا واقعہ راقم کے ساتھ متعدد بار پیش آیا، افسوس کہ ان کی بہت سی باتیں ذہن میں محفوظ نہ رہیں۔

غالباً ۱۹۴۱ء کا واقعہ ہے، اخبار میں ایک جگہ مشاعرہ کی طرح نکلی ع

خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

مقصود صاحب جن کو ہم لوگ چچا کہتے تھے، میرے محلہ کی املی تلے بیٹھے ہوئے بیڑی کے پتے تراش رہے تھے۔ ان کی طوطی محلہ کی دالان میں آویزاں تھا۔ راقم کو مذاق سوجھا، عرض کیا، مقصود چچا ایک طرح ہے، گرہ لگائی جائے۔ میں نے طرح سنائی، محلہ میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے، سب اس موڈ میں تھے کہ اگر انھوں نے اچھی تضمین نہ کی تو خوب مذاق اُڑایا جائے گا۔ مگر بندۂ خدا نے برجستہ ایسی تضمین کہی کہ سب دم بخود ہو گئے۔ ان کی تضمین کے بعد شعر یوں ہو گیا۔ آپ بھی سن لیں، میں نے طرح میں ذرا سی تبدیلی کر دی تھی یعنی قافیہ صیاد کو مقصود سے بدل دیا تھا۔

آپ نے تعریف کی ہے شکر ہے معبود کا خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں مقصود کا

(۲۸ نومبر ۱۹۵۰ء کو کاشانہ ماسٹر فصیح الدین صاحب (ٹیلر)

محلہ شیخ پورہ سہسرام میں ایک بڑا مشاعرہ زیر صدارت جناب سلطان سید ظفر حسین صاحب ریونیو، اس۔ ڈی۔ او۔ سہسرام منعقد ہوا۔ بہت سے شعرا نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ مقصود

صاحب نے بھی طرح میں ایک غزل پڑھی۔ مشاعرہ میں ان کی تضمین خوب چمکی۔ وجہ یہی تھی کہ گاندھی جی کی موت کا غم سب کے ذہن میں تازہ تھا، غزل مذکور مجھے فصیح صاحب کے فائل سے ۲۰ر جولائی ۱۹۷۰ء کو حاصل ہوئی، نقل کر رہا ہوں، طرح تھی:

ٹپکتی ہے خجالت پر خجالت روئے قاتل سے

غزل

اٹھے ہم آخرش بدنام ہو کر اُن کی محفل سے
زمانہ ہو گیا، نکلی نہ دل کی آرزو دل سے

وہی ہم ہیں کہ جو تھے حکمراں سارے زمانے میں
وہی ہم ہیں کہ اب تو زندگی کٹتی ہے مشکل سے

نہیں ہونے کا جو کچھ ہو رہا ہے غور سے سن لو
دبا سکتا نہیں دنیا میں کوئی حق کو باطل سے

بدلتے ہی زمانے کے عجب اُلٹا اثر دیکھا
کہ قاتل بھی تو اب کرنے لگا فریاد بسمل سے

شہید با وفا کا خون ناحق رنگ لایا ہے
''ٹپکتی ہے خجالت پر خجالت روئے قاتل سے''

کلیجہ رنج و غم کو سہتے سہتے ہو گیا چھلنی
گزرتی کیا ہے دل پر پوچھئے مقصود کے دل سے

۱۹۵۰ء کے بعد کچھ دنوں تک زندہ رہے، اللہ مغفرت کرے۔ بڑے سادہ دل آدمی تھے۔ ان کے ساتھ کبھی مچھلی کے شکار میں بھی جانے کا موقع ملا۔ نگاہ ان کی مچھلی کی لگی اور تریرے پر ہوتی تھی، مگر کسی مصرع پر گرہ لگانے کو کہا جاتا تو فوراً عمدہ گرہ لگا دیتے تھے۔ گو کہ برجستگی خوب تھی۔ کلام سادہ پاکیزہ ہوتا۔

محمود الحسن نطقؔ

سید ابوالمحفوظ محمد محمود الحسن نطقؔ شمسی سہسرامی پکھاروی نے ایک کتاب ''نور الہدیٰ'' کے نام سے لکھی ہے، جس کو راقم نے ۱۹۴۹ء میں پڑھا، اس کتاب میں انھوں نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے بانی کا تفصیلی حال لکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نطقؔ مدرسہ مذکور کے فارغ اور ایک باذوق

آدمی تھے۔

۱۹۵۲-۵۳ء میں راقم درجہ حدیث مدرسہ شمس الہدیٰ میں زیر تعلیم تھا، اور میرے اساتذۂ حدیث مولانا سید ریاست علی ندویؒ (گوال بگہ گیا) پرنسپل تھے، جن سے میں نے بخاری شریف، فتح الباری پڑھی، شاہ ابوالقاسمؒ نائب پرنسپل سے ابوداؤد اور اصول احادیث کی کتب اور مولانا سید عروج احمد قادریؒ سے مسلم شریف اور طحاوی شریف مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے، اس وقت مدرسہ کے بانی کے بیٹے مسٹر محمد شریف بار ایٹ لاء، مدرسہ کی وقف جائداد کے متولی تھے۔ راقم کا اس معمر بزرگ سے صبح وشام کا یارانہ تھا۔ مگر میں مدرسہ کا متعلم تھا۔ وہ کہاں بوڑھے، رئیس شہر اور میں جوان اور وہ قانون داں اور سیاست داں۔ مولانا استاذی سید ریاست علی صاحب مرحوم کے خلاف میں نے جتنے سیاسی اقدام کیے، اسی رئیس کی سرپرستی میں کیے۔ ظالم حکومت ہند نے انھیں ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا، کیوں کہ ان کی رپورٹ (فساد بہار ۱۹۴۷ء اور وجوہ اسباب تقسیم پر مشتمل تھی) پر ملک بٹا تھا۔ ان کے پاکستان جانے کے بعد ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب مرحوم ان کی جائداد کے وارث ہوئے، تاہم ان کا کٹرہ شریف منزل کے نام سے ہنوز (۲۰۰۵ء) مشہور ہے۔

افسوس کہ نطق سہسرامی کا کلام مجھے حاصل نہ ہو سکا۔

مختار احمد مختار سہسرامی

(۱۲۹۴ھ/۱۸۹۲ء تا ۱۳۶۴ھ/۱۹۲۶ء)

تذکرہ مسلم شعرائے بہار از ندوی، جلد پنجم:

''مختار احمد نام، مختار تخلص اور والد کا نام مولوی عشرت علی صاحب تھا، ۱۸۹۲ء میں اپنے وطن قصبہ سہسرام میں پیدا ہوئے۔ ''مختار احمد'' (۱۲۹۴ھ) تاریخی نام۔ آپ ایک اولوالعزم خاندان کی یادگار تھے۔ آپ کی تعلیم لندن میں ہوئی تھی، اور لندن کے بعض اسکولوں میں آپ نے اردو زبان کی تعلیم اکثر طلبا کو بڑی لیاقت سے دی اور رائل سوسائٹی آف آرٹس کا اردو امتحان بھی آپ نے پاس

کیا۔ آپ منشی سید التفات رسول صاحب ہاشمی تعلقدار سندیلہ ضلع ہردوئی (اودھ) کے پرائیوٹ سکریٹری بھی رہ چکے تھے۔ شعر وسخن کا شوق بھی عنفوان شباب سے تھا، اور ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی داماد فصیح الملک داغ دہلوی کی شاگردی کا آپ کو شرف حاصل تھا۔ موزونی طبع کے ساتھ قدرت نے مذاق سلیم بھی عطا کیا تھا۔ اشعار میں بندش چست اور مضامین دلکش ہوتے تھے''۔

مختار صاحب مرحوم صاحبِ دیوان تھے، ان کا دیوان ۲۴ صفحہ کا شائع ہو چکا ہے۔ یہ دیوان کہاں چھپا، کتاب پر درج نہیں ہے۔ البتہ قمر گیاوی مرحوم نے اپنے تذکرہ شعرائے بہار ''آبِ کوثر'' میں اتنا لکھا ہے کہ ''دیوان الاصلاح پریس سہسرام میں ۱۹۲۶ء میں چھپا''۔

مصلح سہسرامی مہتمم پریس مذکور سے مختار صاحب کے غیر معمولی تعلقات تھے، جیسا کہ ان کی بعض تالیفات سے معلوم ہوتا ہے۔

مختار صاحب کے والد کو بھی شعر گوئی کا ذوق تھا۔ عشرت تخلص فرماتے تھے۔ ان کے حالاتِ زندگی کسی اور جگہ لکھ چکا ہوں، دیکھئے۔

مختار صاحب مرحوم کا دیوان ''انصار لائبریری سہسرام'' میں ہنوز (یعنی ۱۹۷۱ء) میں موجود ہے۔

اس دیوان پر بعنوان تمہید شکستہ فارسی میں کسی صاحب کے قلم سے ذیل کی عبارت مرقوم ہے، جس سے کچھ ان کے حالاتِ زندگی پر روشنی پڑتی ہے:

> ''مختار احمد عرف چھکن ساکن قصبہ سہسرام یکے از شاعران شیریں سخن از باشندگان سہسرام اند گرچہ عمر آنجناب قریب پنجاہ و پنج است تاہم بجواناں الطاف ومحبت بمقابلۂ بزرگاں بسیار دارند، و ہمیشہ محبت جواناں مخمور نداز تالیف لطیف آنجناب آشکارہ است کہ براہ عشق فنافی المعشوق اند۔ و ایں وجہ از نوکری خود دستبردار شدہ گوشہ نشیں اند''۔

مختار صاحب کے کلام سے پتا چلتا ہے کہ ان کی طبیعت سلیم تھی، اور ذوقِ سخن اچھا، بعض اشعار تو بہت ہی اچھے ہیں۔ کہا جا چکا ہے کہ انھیں سائل دہلوی مرحوم سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ذیل

کے شعر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

نمونۂ کلام

غضب ہے ساتھ ان کے دشمن خانہ خراب آیا عیادت کو وہ کیا آئے مرے جی کا عذاب آیا
ہزاروں منتیں کیں ہاتھ جوڑے جھڑکیاں کھائیں مرے قابو میں کس مشکل سے وہ مستِ شباب آیا
کوئی بیہوش ہوگا اور کوئی بسمل کوئی گھائل چڑھائے تیوریاں محفل میں گر وہ بے نقاب آیا
ہیں زاہد دیکھنے کے دل سے دخترِ رز پہ مرتے ہیں بھر آیا پانی ان کے منہ میں جب ذکر شراب آیا

تم کو یہ ضد کہ کبھی سامنے آتے ہی نہیں دل کو یہ شوق کہ ہر وقت نظارا ہوتا

بیماریٔ فرقت میں کیا اس کے سوا ہوتا دل تھام کے رہ جاتے جب درد سوا ہوتا
عاشق کا لہو کچھ بھی گر اس میں ملا ہوتا پھیکا نہ قیامت تک یہ رنگِ حنا ہوتا
کہتے ہیں سبھی یوں تو ہم تم سے وفا کرتے انجام محبت کا کیا جانئے کیا ہوتا
اک ترک محبت میں ہر غم سے رہائی تھی اتنی سی برائی میں ہر طرح بھلا ہوتا
افراطِ خوشی میں بھی مر جاتے ہیں لوگ اکثر پیغام تراجم کو پیغامِ قضا ہوتا

مختار جو دے دیتے دل حسن طلب پر ہم
آغاز تو اچھا تھا انجام برا ہوتا

مشہور دل جلوں میں یہ افسانہ ہو گیا مختار شمع حسن کا پروانہ ہو گیا
وحشی کوئی سمجھتا ہے سودازدہ کوئی کہتا ہے کوئی طنز سے دیوانہ ہو گیا
کہتا ہے کوئی ہے کسی لیلیٰ ادا کا عشق کہتا ہے کوئی قیس سے یارانہ ہو گیا
القصہ اک زمانہ ہے مجھ سے پھرا ہوا یکساں ہر اک یگانہ و بیگانہ ہو گیا

ہاں جیسی کی ہے یار نے مختار بے رُخی
اس دن سے سب سے رنگ جداگانہ ہو گیا

جب سے خیالِ یار ہوا دل میں جاگزیں آباد اس گھڑی سے یہ ویرانہ ہو گیا

کالی گھٹا کو دیکھ کے میکش جھپٹ پڑے زاہد بھی چھپ کے داخلِ میخانہ ہو گیا
مختار رازِ عشق چھپائے نہ چھپ سکا مشہور ہر جگہ ترا افسانہ ہو گیا

محبوب عالم سلطان سہسرامی

(۱۳۰۱ھ/ ۱۹۴۷ء)

مسلم شعرائے بہار، جلد دوم، ص۱۳۴-۱۲۷ (بسلسلہ شعرا نمبر ۳۱۳) ذیل کے احوال مع نمونۂ کلام لیے گئے:

سید محبوب عالم نام اور سلطان تخلص ہے، سہسرام محلّہ کرن سرائے ضلع آرہ مسکن تھا۔ ۱۳۰۱ھ (تیرہ سو ایک) میں قاضی سید فتح عالم کی دوسری اہل خانہ کے بطن سے پیدا ہوئے، اور اپنے حقیقی پانچ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ سید محبوب عالم کی خانگی تعلیم و تربیت کے بعد شادی ان کے حقیقی چچازاد ماموں سید شاہ عبدالرحیم متخلص بہ مسرورؔ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد دوسری شادی مولانا حکیم احمد اللہ صاحب مؤلف مسلم شعرائے بہار کی پھوپھی ساس سے ہوئی جو اپنی دو بہنوں میں چھوٹی تھیں، سید محبوب عالم کی والدہ نہایت خوشحال گھرانے کی تھیں۔ ترکہ میں کئی ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی زمینداری ملی تھی، جب تک سید محبوب عالم صاحب کے والد بقید حیات رہے، سسرالی جائداد کا انتظام بحسن وخوبی چلتا رہا اور ان کے حسن انتظام اور حسن تدبیر سے اس کنبے کی زندگی بہ خوش وخرم گزری۔ ان کے انتقال کے بعد ماں کی تمام جائداد کو پانچوں بیٹوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ سید محبوب عالم اگر ہوش وگوش سے کام لیتے تھے تو اُن کی موروثی جائداد ان کے اہل وعیال کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ مگر عاقبت وانجام کا خیال کیے بغیر اللّے دللّے خرچ کر کے تھوڑے ہی دنوں میں اپنی جائداد تلف کر دی، اسی دوران میں خانقاہ سہسرام کے سجادہ نشیں سید شاہ ملیح الدین صاحب اپنے

علاج کے لیے لکھنؤ گئے ہوئے تھے۔ وہیں ان کی پہلی اہلیہ کا ایک غمگین واقعہ کی حالت میں انتقال ہو گیا۔ جب شاہ صاحب لکھنؤ سے سہسرام واپس آئے تو ان کی دوسری شادی سید محبوب عالم صاحب کی اہلیہ کی بڑی بہن کی اکلوتی خوبصورت لڑکی سے ہو گئی۔ اس تقریب کے انجام دینے میں سید محبوب عالم صاحب کی کوششوں کو بڑا دخل تھا، جس کے بعد شاہ صاحب نے سید محبوب عالم کو وقف خانقاہ کا منیجر بنا دیا، جس سے منیجر صاحب کے دن پھر گئے، خوشحالی دوبارہ قدم چومنے لگی۔

سید محبوب عالم صاحب سلطان کو شاعری کا اچھا ذوق تھا۔ وہ اپنے پہلے خسر مسرور صاحب کے شاعری میں شاگرد تھے، جناب سلطان صاحب نے اپنی اس متوکلانہ اور عسرت کی زندگی میں ایک مناجات لکھی تھی۔

تو بے پر کو چاہے تو پردار کر دے — تو دریا کو چاہے تو کہسار کر دے
تونگر کو چاہے تو نادار کر دے — تو مفلس کو چاہے تو زردار کر دے
محمدؐ کے ہر آل اطہر کا صدقہ — نظر اور رحمت کی اک بار کر دے
بہت سخت طوفاں میں کشتی ہے میری — کریما! براہِ کرم پار کر دے
مطیع جس سے ہو جائے سارا زمانہ — عطا ایسی انگشتری یار کر دے
کریں رشک جن و پری دیو انساں — سلیماں سا کوئی تو دلدار کر دے
بٹھا کر کے بازار رحمت میں اپنے — زلیخا سا کوئی خریدار کر دے

نکل جائے چاہِ مصیبت سے سلطاںؔ
کسی کارواں کو نمودار کر دے

صد حیف اپنا رشک قمر بولتا نہیں — کرتا ہے ناز آٹھ پہر بولتا نہیں
ہنستا ہے مسکراتا ہے پر بولتا نہیں — دل ہو رہا ہے زیر و زبر بولتا نہیں

تعریف اپنے دوست کی سلطاںؔ میں کیا کروں
ہے مہربانِ حال مگر بولتا نہیں

سلطانؔ سہسرامی صاحب کا انتقال ۲۱ / اپریل ۱۹۴۷ء میں بعارضہ فالج
ہوا۔ آپ کی اولاد میں سید اصحاب عالم صاحب اور سیدہ واصیہ خاتون زوجہ مولانا
سید ابوالفرح ہیڈ مولوی (دھنباد اکاڈمی، دھنباد) ہیں''۔

الحاج مولوی حکیم محمود عالم صاحب محمودؔ سہسرامی

محمودؔ تخلص، محمود عالم نام، ولد حکیم محمد یٰسین صاحب بن حکیم یاد علی بن شیخ شیر علی انصاری
متوطن محلہ ذکی شہید سہسرام (آرہ)۔

محمودؔ صاحب کے مورث اعلیٰ شیخ جب شیر علی صاحب سہسرام کے مشہور سوداگر اور
زمیندار تھے، جناب حکیم یاد علی صاحب بھی اپنے عہد کے مشہور طبیب اور زمیندار تھے۔ حکامِ سہسرام
بھی آپ کی قدر کرتے تھے کبھی ایسا بھی ہوا کہ انھوں نے بعض مقدمات میں آپ کی طرف رجوع
کیا، اور معاملہ کے فیصلہ کا آپ کو اختیار دیا۔ غدر (۱۸۵۷ء) کے زمانہ میں حیات سے تھے۔

حکیم یاد علی صاحب موضع موڑیہا (نزد موقر) کے زمیندار اور نیائے نگرا کے حصہ دار تھے،
درگاہ چندتن شہید تلے ایک خانہ باغ تھا، جس کے ایک حصہ کو موصوف نے قبرستان بنا دیا جو ہنوز
(۱۹۸۵ء) موجود ہے۔ کل زمین دوسوڈسمل ہے۔ نیز آپ کا محلہ باغ بھائی خاں میں رعایہ خانہ بھی
تھا، جس کے کچھ حصہ ہنوز موجود ہیں۔ نیز حکیم یاد علی مرحوم کو حضرت شیر محمد صاحب پیلی بھیتی سے
شرف بیعت حاصل تھا۔

حکیم یاد علی صاحب کے صاحبزادے حکیم محمد یٰسین صاحب مرحوم کو راقم نے دیکھا تھا۔
موصوف برہمن ٹولی سہسرام میں طبابت فرماتے تھے، آپ کا ایک مشہور عطار خانہ بھی تھا، جو آپ کے
مطب سے ملحق تھا، جس کے نگراں آپ کے چھوٹے صاحبزادے محمد طٰہٰ صاحب (متوفی نومبر
۱۹۸۲ء) تھے، جو اپنے والد کے انتقال کے بعد گھڑی سازی کا کام کرنے لگے، حکیم یٰسین صاحب
موصوف آخر عمر میں محمود صاحب کے ہمراہ ڈہری آن سون میں رہنے لگے تھے۔

حکیم محمد یٰسین صاحب اپنے چچا زاد بھائی مولوی حکیم فصیح الدین صاحب (طبیب

شہر) کے ہمراہ لکھنؤ تشریف لے گئے اور حکیم عبدالعزیز صاحب لکھنوی سے ایک سال تک تعلیم حاصل کی، مگر بعض وجوہ سے جلد وطن تشریف لے آئے اور اپنے والد محترم سے فن طب کی تکمیل کی، البتہ آخرالذکر لکھنؤ میں رہ گئے اور بعد فراغت طبیب ہوکر سہسرام لوٹے۔

حکیم محمد یٰسین مشرقی وضع اور چھریرے بدن کے انسان تھے، آپ کو تصوف سے بھی لگاؤ تھا، حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے شرف بیعت حاصل تھا۔

حکیم محمد یٰسین صاحب مرحوم کی پہلی شادی حضرت مولانا حکیم حسن علی صاحب حسنؔ سہسرامیؒ محلّہ باڑہ سہسرام کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حکیم صاحب موصوف راقم کے والد مولانا محمد ضیاء الدین صاحب مرحوم کے خالو تھے۔ پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد حکیم صاحب کی دوسری شادی حکیم ریاض علی صاحب محلّہ چوکھنڈی سہسرام کی صاحبزادی بی بی وکیلن مرحوم سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) مولوی حکیم محمد محمود عالم صاحب (۲) محمد اسحاق صاحب مرحوم (۳) حکیم محمد فضل حسین صاحب (۴) حکیم مولانا مسعود عالم صاحب (۵) محمد طٰہٰ حسین صاحب۔

محمد اسحاق صاحب کا انتقال تقریباً ۳۵ سال کی عمر میں ۱۹۴۲ء میں ہوا، خدا نے آپ کو ایک لڑکی عنایت فرمائی، جو ہنوز ۱۹۷۱ء میں حیات سے ہے۔ اور صاحبِ اولاد ہے۔

حکیم محمود عالم صاحب نے ابتدائی تعلیم حکیم ریاض علی مرحوم محلّہ چوکھنڈی سہسرام میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں داخل ہوئے، اور مولانا فرخند علی صاحب فرحتؔ سہسرامی سے جلالین، شرح وقایہ جلد ثانی اور قطبی پڑھی، پھر مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد تشریف لے گئے، اور وہاں حضرت مولانا عبدالکافی ناروی ثم الٰہ آبادیؒ، مولانا منیرالدین صاحب نے ناروی و مولانا عبدالرحمٰن صاحب بادشاہ پوری سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ سال فراغت ۱۹۲۲ء ہے۔ بوقت فراغت عمر بھی تقریباً ۲۲ سال تھی۔

حکیم محمود عالم صاحب نے طب کی تعلیم حکیم محمد حسین صاحب پتھر گھٹی الٰہ آباد سے حاصل کی، پھر لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں حکیم سید مظفر حسین صاحب اثنا عشری اور حکیم احمد حسین صاحب پاٹانالہ اثنا عشری سے فن طب کی مزید کتابیں پڑھیں، پھر مدرسہ طبیہ

والد یہ میں حکیم حاجی محمد وہاج الحق صاحب فرنگی محلی (جو حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی کے چچا تھے) کی صحبت میں رہ کر فن طب کی تکمیل کی اور ایک عرصہ تک ان کا مطب چلاتے رہے۔

پھر وطن لوٹے، اور ناصری گنج میں سب سے پہلے مطب کھولا، اور اپنے خسر حکیم عبدالحیٔ صاحب کے انتقال کے بعد کچھ روز ان کا مطب بھی چلایا۔ تقریباً ۱۹۳۷ء میں مدن پور بمبئی تشریف لے گئے اور وہاں مطب چلاتے رہے۔ بمبئی کے قیام کے زمانے میں وہاں ایک انجمن مدرسہ کی بنیاد رکھی، اس کے سکریٹری رہے۔ یہ مدرسہ کافی ترقی پر ہے، اور یتیم خانہ خیرالاسلام کے نام سے مشہور ہے۔

حکیم محمود صاحب ڈہری آن سون میں تقریباً ۳۵ سالوں تک مطب کرتے رہے اور بہت کامیاب رہے۔

حکیم مولانا الحاج مسیح الزماں صاحب اور حکیم قمر نعمانی صاحب محلّہ چوکھنڈی سہسرام آپ کے خالہ زاد بھائی تھے۔

حکیم محمود صاحب ایک خاص وضع کے آدمی ہیں، رنگین لباس، پُر مذاق، بذلہ سنج، مقدمہ باز، کثرت سے شادی کرنے والے، اور ایک ہوشیار انسان تھے۔ تاعمر کی ٹوپی ان کے سر کی زینت اچکن خوش وضع، جوتیاں رنگین، لباس اور رومال سب کے سب رنگین استعمال کرتے رہے۔ طبیعت بھی بڑی رنگین پائی ہے۔ عمر تقریباً ۱۹۷۱ء میں اکہتر سال ہے۔

محمود صاحب نے فرمایا کہ اوائل عمر میں شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، حضرت مولانا فرخند علی صاحب خنداں سہسرامی مدرس مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام سے اصلاح سخن لیتے تھے۔

مقصود علی مقصود

مقصود تخلص، مقصود علی خاں نام، حسین بخش خاں ولدیت، ناصری گنج وطنیت۔

مقصود صاحب کے ایک خاندانی بزرگ بخشو خاں نامی گزرے ہیں، جو خواجہ امیر

ناصرالدین دہلوی کے ہمراہ قصبہ ناصری گنج سب ڈویژن سہسرام تشریف لائے، اور یہاں کے باشی ہوگئے، بخشوخاں صاحب خواجہ کے گماشتہ تھے۔

مقصود صاحب کو شعر وسخن کا بھی ذوق تھا، سرؔیر کابری سے شرف تلمذ حاصل تھا، مقصود صاحب کا انتقال ۱۹۵۵ء میں ہوا۔

مقصود صاحب کے بڑے لڑکے مولانا ابوصالح صاحب شاؔہد بھی ادبی ذوق رکھتے ہیں، اور شعروسخن کا انھیں بھی اچھا مذاق ہے۔ شاؔہد صاحب کی تعلیم جامع العلوم پٹکاپور، کانپور میں ہوئی۔ ان دنوں کڈرا (شاہ آباد) کی جامع مسجد میں امام ہیں۔ راقم ان سے وہاں مل چکا ہے۔

مقصود صاحب مرحوم کے چھوٹے لڑکے ناصح صاحب ناؔصح ہیں، انھیں شعروسخن کا اچھا ذوق ہے۔

مقصود صاحب کے دونوں صاحبزادوں نے ابتداً اپنے والد محترم ہی سے اصلاح سخن لی، اور اپنے علاقے میں مشہور ہیں۔

ناصح صاحب نے مجھے مقصود صاحب مرحوم کا ایک شعر سنایا، جس سے ان کے کام کا اندازہ ہوا، شعر خوب ہے:

اللہ والوں کی یہ پہچان ہے معمولی سی — شرف زیارت ہی سے یاد آتا ہے اللہ اللہ

ایک مقطع بھی ملاحظہ ہو:

مقصود کی دعا ہے کہ عقل سلیم دے — کچھ اور دے نہ دے پر رہِ مستقیم دے

ناؔصح کا بھی چند شعر سامنے رہے:

زندگی ہے صبح دم پھولوں کے کھل جانے کا نام — موت ہے بادِ خزاں سے ان کے مرجھانے کا نام

زیر خنجر ہے مگر حق بات کہہ دے گا ضرور — لوگ دیتے ہیں تو دیں ناؔصح کو دیوانے کا نام

کہتا ہے تجھ سے کون خدا سے دعا نہ مانگ — لیکن ہے شرط ظرف سے ہرگز سوا نہ مانگ

ہر ایک سے سوال نہ کر بہر زندگی — مل جائیں گر خضر بھی آبِ بقا نہ مانگ

حکیم مولانا مسیح الزماں حاذقؔ سہسرامی

حاجی مولانا حکیم مسیح الزماں متخلص بہ حاذقؔ صاحب محلہ چوکھنڈی سہسرام کے رہنے والے ہیں، آپ کے آباواجداد سب کے سب عالم فاضل اور طبیب حاذق تھے۔

شجرۂ نسب ذیل ہے:

حاجی حکیم مولانا مسیح الزماں بن مولانا حکیم لعل زماں بن حکیم عبدالسبحان بن حکیم یادعلی بن حکیم رحمت اللہ بن محمد شریف بن محمد فاضل بن غریب اللہ۔ آگے چل کر سلسلۂ نسب 'شہزاد' تک پہنچتا ہے۔

ابوالمظفر جلال الدین شاہ عالم بادشاہ کے عہد کے بعض کاغذات جس پر تاریخ دوازدہم جمادی الاولی ۱۵ جلوس العلی مطابق ۱۱۸۷ھ نبوی کی مہر لگی ہوئی موجود ہے، جس سے آپ کے خاندانی علو و مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ شہزادؔ قوم راجپوت سے تھے، اور بعد میں مسلمان ہوئے۔ (اس کی تفصیل انشاءاللہ اپنی دوسری کتاب میں کروں گا)۔

حکیم مسیح الزماں صاحب ۱۹/رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ کو سہسرام میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم خاص کر ناظرہ قرآن پاک اپنے نانا حکیم ریاض علی صاحب مرحوم (محلہ چوکھنڈی) حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں مولانا فرخند علی صاحبؒ کے زیر تربیت رہے اور ان سے عربی فارسی کی تعلیم (شرح وقایہ ملاّ جلال وغیرہ تک) حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد چلے گئے اور وہاں خاص کر مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور سندِ فراغت پائی۔

علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد علوم طب کی طرف مائل ہوئے، اور حضرت مولانا مولوی حکیم حافظ حاجی صوفی سید محمد فخر الدین جعفری زینبی ہاشمی محب اللہ، امدادی، صابری چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے فن طب کی تکمیل کی اور سند فراغت پائی۔ اور ان ہی سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے اور علوم باطنیہ کی تربیت ملی۔ ان کے علاوہ عہد طالب علمی میں استاذ العلما الٰہ آباد حضرت مولانا مولوی حافظ صوفی محمد عبدالکافی رحمۃ اللہ علیہ سے بالخصوص دینی واخلاقی وروحانی تربیت پائی اور ان کے ساتھ سفر وحضر میں رہے۔

حکیم صاحب موصوف اپنے عہد طالب علمی میں حسب ہدایت مولانا عبدالکافی صاحب جامع مسجد الہ آباد میں امامت کرتے رہے، اور اہل علم کی مجلسوں میں تقریریں کیں، سہسرام پہنچ کر بھی جامع مسجد سہسرام (محلہ مدار دروازہ) میں تیس سالوں تک جمعہ کی امامت کرتے رہے۔ اب آپ اس طرح کی خدمات سے اپنا دامن چھڑا چکے ہیں، اور صرف طبی خدمات سے بندگانِ خدا کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔

آپ انجمن اطبائے سہسرام کے سکریٹری بھی ہیں، اور اس فن کو ممتاز بنانے میں صوبائی انجمن اطباء کے نزدیک بھی آپ کے کمال فن وفکر کی شہرت ہے۔

شعروشاعری کا بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں، سخن فہمی اور سخن سنجی میں تو انھیں کمال ہی حاصل ہے۔ ابتدائی عمر میں خود بھی شعر کہتے تھے، اور حاذق تخلص فرماتے تھے۔

حکیم صاحب کو ابتدائی عمر میں شعروشاعری کا بھی ذوق تھا، ایک غزل گلدستہ سخن مطبوعہ اسرار کریمی الہ آباد نظر سے گزری

عجب بیکل ہیں کل ہم کو نہ اس کل ہے نہ اُس کل ہے　　مگر اس بے کلی میں بھی تجھی کو یاد کرتے ہیں

یہ سب حیلے حوالے ہیں گنہ کیسا خطا کیسی　　مجھے برباد کرنا ہے مجھے برباد کرتے ہیں
اثر دکھلا دیا حاذق ترے جذب محبت نے　　سنا ہے آج کل ہر دم وہ تجھ کو یاد کرتے ہیں

حکیم منشی بہاء الدین

حکیم منشی بہاء الدین صاحب محلّہ نیم کالے خاں (پٹھان ٹولی) کے رہنے والے تھے، اور حکیم سراج الدین صاحب کے صاحبزادے اور مولانا حکیم حسن علی صاحب باڑہ سہسرام کے نواسے تھے۔

حکیم منشی بہاء الدین نے خطاطی کو ذریعہ معاش بنایا، اس فن میں انھیں یدِ طولیٰ حاصل تھا، نہایت عمدہ طغریٰ وغیرہ لکھا کرتے تھے، بنارس کے ایک پریس میں ملازمت کرتے تھے، آخر عمر میں

معدے کے مریض ہوگئے، اور ملازمت ترک کر کے عسرت کی زندگی بسر کرتے رہے۔

آپ کی شادی محمد عبدالجلیل صاحب نیم لوہار سہسرام جو اُن کے والد صاحب کے ہم زلف تھے، ان کی صاحبزادی بی بی زیب النساء سے ہوئی تھی۔

منشی بہاء الدین صاحب حضرت شاہ جی میاں محمد شیرؒ پیلی بھیت سے ۱۹۱۵ء میں مرید ہوئے۔

آپ کے ایک صاحبزادے محمد مصباح الدین حیات سے ہیں۔ شعر گوئی کا ذوق ہے۔ تخلص صبؔا ہے۔

نہ بدلی اے صبؔا فطرت نہ اُن کی اے صبؔا بدلی
وہی شوخی رہی ان کی کی وہی چلتی زباں دیکھی

حکیم محمد یٰسین

حکیم محمد یٰسین صاحب محلّہ ذکی شہید سہسرام کے رہنے والے تھے، محلّہ نیم گندی (برہمن ٹولی) میں مطب کیا کرتے تھے، مطب کے ساتھ ساتھ ایک عطار خانہ بھی تھا، جس میں ان کے سب سے چھوٹے صاحبزادے محمد طٰہٰ صاحب رہتے تھے، اور اپنے والد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ حکیم یٰسین صاحب نے تعلیم اپنے والد محترم سے پائی تھی۔

حکیم صاحب کی پہلی شادی مولانا حکیم حسن علی صاحب باڑہ کی ایک صاحبزادی سے ہوئی تھی، مگر ان کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد حکیم صاحب کی دوسری شادی بی بی وکیل النساء بنت حکیم ریاض علی صاحب مرحوم چوکھنڈی سے ہوئی، جن سے خدا نے چار اولادیں عطا کیں، مولوی حکیم محمود عالم، محمد اسحاق، حکیم افضل حسین، مولانا حکیم مسعود عالم اور محمد طٰہٰ ہوئے۔

حکیم محمد یٰسین صاحب آخر عمر میں اپنے بڑے صاحب حکیم محمد محمود عالم صاحب کے پاس ڈہری آن سون چلے گئے، اور وہیں تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

لمبا قد، چھریرا بدن، چہرے پر ہلکی داڑھی تھی، چست پاجامہ اور شیروانی استعمال کرتے تھے۔ عموماً سادہ زندگی بسر کی، اور خود سے تمام بچوں کی تربیت کی، آپ کی دوسری اہلیہ کا انتقال بھی جلد ہو گیا تھا۔ ان کی زندگی کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ مطب کے ساتھ گھریلو کام خود کر لیا کرتے تھے اور اسے باعث ننگ نہیں سمجھتے تھے۔

حکیم مولانا مسعود عالم

(۱۹۱۷ء-۲۱ مارچ ۱۹۹۱ء)

حکیم مولانا مسعود عالم صاحب محلہ ذکی شہید سہسرام کے رہنے والے اور حکیم محمد یٰسین صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔

جناب حکیم مسعود عالم صاحب حکیم ریاض علی سہسرامی کے نواسے ہیں۔

ابتدائی تعلیم رواج کے مطابق گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد مدرسہ معین الغربا ناصری ضلع شاہ آباد میں ہوئی شرح جامی تک۔ اس کے بعد مدرسہ خیریہ سہسرام اور اس کے بعد مدرسہ عالیہ مصباح العلوم الہ آباد سے عالم اور فاضل کا بھی امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد طب کی تعلیم حکیم سید فخر الدین جعفری الہ آبادی سے حاصل کر کے فاضل طب کا امتحان بورڈ سے پاس کیا۔ ۱۹۳۷ء میں تاریخ اطبائے بہار، جلد دوم، ص ۵۹ میں ان کے مرسلہ حالات زندگی تفصیل سے مرقومہ ۱۹۸۲ء لائق مطالعہ ہے۔

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں درس نظامیہ کے مطابق تعلیم حاصل کی اور وہیں سے سند فراغت پائی۔ حضرت مولانا عبدالکافیؒ کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری میں آپ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ فائق تھے۔ فن قرأت سے بھی واقف تھے، متعدد مساجد میں امامت کر چکے تھے۔ ایک عرصہ تک جامع مسجد آرہ میں رہے۔ اس کے بعد مسجد عیدگاہ دھنباد میں امامت کرتے رہے۔ مدتوں کریم گنج گیا میں امامت کی۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر روز بعد نماز فجر درس قرآن دیا کرتے، وہ جہاں بھی رہے اس سلسلے کو جاری رکھے رہے۔ بدعات سے اجتناب، قیام

،توحید جیسے مسائل پر جہاں انھوں نے تقریریں کیں ہیں، وہیں چند چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔اس میں کچھ شبہ نہیں کہ آپ کی دعوت وتبلیغ سے بہت سے قلوب کا تزکیہ ہوا، اور توہمات و بدعات سے اجتناب کرنے لگے۔

سال پیدائش مارچ ۱۹۱۷ء، فراغت ۱۹۳۷ء۔

تالیفات : یادگار شہید، فلاح المسلمین، ذکر النبیؐ، شہید ملت، شان مصطفٰے، معراج مصطفٰے، پیام صلح واتحاد مطبوعہ۔

مولوی محمد میاں صاحب کاملؔ

مولانا محمد میاں کامل سہسرامی، حضرت مولانا فرخند علی بانی مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام کے صاحبزادے تھے۔بانی مدرسہ کے شاگرد رشید ان کی وفات کے بعد مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب صادقؔ سہسرامی مدتوں رہے اور انھیں کی موجودگی میں مولوی محمد کاملؔ سہسرامی کو جو مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے، مدرسہ کا نائب مہتمم بنادیا گیا۔ پھر موصوف ہی مدرسہ کے مہتمم ہو گئے۔کاملؔ صاحب کی وفات کے بعد...... ایک ممتاز، فائق، مخلص طالب علم مولانا مولوی محمد ظل الرحمٰن بھاگل پوری اپنی کارکردگی اور قربانی کے سبب مدرسہ کے مہتمم ہوئے اور تادم تحریر مہتمم ہیں، اور مولانا کاملؔ کے لڑکے مولوی ملک الظفر سلمہ مدرسہ کے نائب مہتمم ہیں۔

کامل سہسرامی مرحوم جواں سال تھے کہ فوت کر گئے۔شعر وسخن کا بھی اچھا ذوق تھا، حضرت مانوس سہسرامیؒ کے شاگرد تھے۔وعظ گوئی میں ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی شہرت پائی۔نثر نگاری میں بھی کامیاب تھے۔

تاریخ وفات ۲۵ر ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ/ ۲۶ر مارچ ۱۲۹۹ھ بعمر ۴۸ سال ہوئی۔ مدفن بھڑکی پہاڑی سہسرام نزد روضہ چہارم کھمبا موروثی قبرستان ہے۔

حکیم محی الدین

حکیم محی الدین، شیخ عبدالواحد، ساکن محلہ شاہ جمعہ سہسرام کے صاحبزادے عبدالحافظ صاحب مختار کے بھتیجے تھے۔ ابتدائی تعلیم عربی، فارسی حسب دستورِ زمانہ گھر پر حاصل کی۔ طب کی تعلیم حکیم احمد حسین صاحب سے پائی۔ محلہ شاہ جمعہ میں مطب کرتے تھے۔ غالباً ۱۹۴۳ء میں انتقال کیا۔ اولادِ نرینہ میں ایک حکیم عبدالکریم تقریباً ۱۹۶۰ء تک حیات سے تھے، اور ''حکیم یکہ'' کے نام سے مشہور تھے۔ محمد علی حبیب صاحب (محلہ شاہ جمعہ) نے فنِ طب کی تعلیم حکیم عبدالکریم صاحب سے حاصل کی تھی۔ بہت دنوں تک عبدالکریم نے صاحب مسلک اہلِ تشیع کو سہسرام میں باقی زندہ رکھا۔ مگر اپنی زندگی کے آخری ایام میں نمازِ عید حضرت مولانا حکیم محمد یحییٰ صاحب (ساکن محلہ منڈی کشور خاں) کی امامت میں عیدگاہ شہر میں ادا کی۔

راقم حاذق ان سے متعدد بار مل چکا ہے۔ انھیں ساداتِ شہر کا شجرہ خوب یاد تھا۔ پشتوں کی خامیاں بیان فرماتے تھے۔ آزاد مشرب تھے۔ تفصیل لکھی جا چکی ہے۔

مولوی میر نظام علی شاہ صاحبؒ

مولوی میر نظام علی شاہ ابن میر لیاقت علی محلہ کبیر گنج سہسرام کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد ماجد میر لیاقت علی صاحب بڑوسر ضلع گیا کے رہنے والے تھے۔ ریاست خانقاہ کبیریہ سہسرام میں تحصیلدار کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ اس لیے سہسرام میں منتقل ہو گئے اور وصال سہسرام ہی میں فرمایا مگر نظام علی شاہ کی پیدائش سہسرام میں ہوئی۔

میر لیاقت علی صاحب حضرت مولانا حفیظ الدین صاحب صدر مدرس خانقاہ سے بیعت حاصل تھی سلسلہ چشتیہ میں۔ مولانا حفیظ صاحب برہان پور ضلع پورنیہ کے رہنے والے تھے۔ وہیں ان کا مزار ہے۔

میر نظام علی شاہ صاحب کی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام درسِ عالیہ کے مطابق ہوئی،

ان کے اساتذہ میں مولانا ابوالحسن صاحب بیدلؔ سہسرامی بھی تھے۔

علم طب کی تعلیم سہسرام کے شہرہ آفاق طبیب حکیم بدرالدین صاحب سے حاصل کی،
عرصہ تک جھریا کی جامع مسجد میں پیش امام رہے۔ جھریا جانے سے پہلے مدرسہ فصیحیہ شیخ پورہ سہسرام
اور مدرسہ فیض الغربا نورن گنج میں مدرس کی حیثیت سے رہے۔ نورن گنج میں ان کے شاگرد شمس
الدین خاں وغیرہ تھے۔

میر صاحب مرحوم کو حضرت حسن جان خاں صاحب سلسلۂ نقشبندیہ، ابوالعلائیہ، قادریہ،
عالیہ و چشتیہ وفردوسیہ میں بیعت حاصل تھی، اور ان ہی کے خلیفۂ مجاز تھے۔ چہار طریقہ مذکورہ میں
خلافت واجازت حاصل تھی۔

تاریخ وصال ۱۳ر رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ روز شنبہ، مزار بھولا شہید کے مزار کے مشرقی
طرف ایک چھوٹے احاطے میں ہے۔

بچپن سے تصوف کا ذوق تھا۔ چنانچہ عمر بھر صوفیائے کرام کی صحبت میں رہے، اور ان کا
ذکر وشغل ہمیشہ صوفیائے کریم ہی جیسا رہا۔ تہجد گزار تھے۔ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔
جذبات الٰہی سے سرشار تھے۔ بسا اوقات آپ سے کرامتیں بھی ظہور میں آئیں۔ جذب کی کیفیت
طاری رہتی تھی، جو باتیں منہ سے نکل جاتیں، بحمد اللہ وہ پوری ہو جایا کرتی تھیں۔ ایک بار جھریا میں
مسلسل کئی ماہ تک سخت بیمار رہے، سارے بدن میں آبلہ ہو گیا۔ اس وقت ایک روز حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو احرام کی حالت میں خواب میں دیکھا کہ رسولؐ ارشاد فرما رہے ہیں کہ "اَنَا رَسول" اس خواب
کے بعد شاہ صاحب صحت یاب ہو گئے۔ دوسری بار علیل ہوئے تو چاروں خلفائے راشدین کو خواب
میں دیکھا اور اُن سے اردو میں ہم کلام ہوئے۔ ایک بار صالح محمد سیٹھ کی کوٹھی میں کلکتہ میں مقیم تھے۔
وہاں ان کے بچوں کو تعلیم دیتے تھے۔ حضرت فجر میں حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں
دیکھا، انھوں نے فرمایا کہ "صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے، نماز پڑھو"۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید زیادہ تر سیوان، باڑھ، ہزاری باغ کے علاقے میں
تھے۔

جملہ مذکورہ حالات زندگی استاذی مولوی حکیم مومن صاحب مدظلہ سے معلوم ہوئے
تھے، جو بحمد اللہ ۲۰۰۵ء میں حیات سے ہیں، اور اپنے محلّہ کی مسجد کے امام ہیں۔ مدرسہ سے ریٹائر ہو
چکے ہیں۔ ان کی تصنیف مشائخ نقشبندیہ ابوالعلائیہ صفحات ۱۹۲، تعلیمات نقشبندیہ صفحات ۱۳۵ چھپ

چکی ہے۔ مولوی قمرالحسن اور پرنسپل خواجہ حسن نظامی صاحبزادگان قابل ذکر ہیں۔

حکیم محمد مسعود

حکیم محمد مسعود صاحب (غفر اللہ لہ) محلہ باڑہ سہسرام کے حالاتِ زندگی پر امتدادِ زمانہ کے باعث تفصیلی روشنی ڈالنا مشکل ہے۔ آپ کے پوتے حکیم مولانا حسن علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تصنیف سے اتنا پتا چلتا ہے کہ موصوف اپنے فن میں ماہر تھے، اور خدا نے آپ کو دم مسیحائی میں طاق اور دست شفا میں شہرہ آفاق بنایا تھا۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ موصوف کی نسل کو خداوند عالم نے بڑی برتری اور وسعت عطا فرمائی، سہسرام کے متعدد محلوں میں آپ کی نسلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ جس کا ایک معمولی خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے، انشاء اللہ تفصیلات اپنی کسی دوسری کتاب میں پیش کرنے کا ارادہ ہے (انصارانِ سہسرام میں)۔

حکیم محمد مسعود صاحب کی دو صاحب کمال اولاد ہوئیں، ایک کا نام حکیم یار علی تھا اور دوسرے کا نام حکیم غلام محمد تھا۔

حکیم یار علی صاحب کو بھی خدا نے ایک لائق اور صاحب کمال فرزند عطا کیا، جن کا نام مولانا حکیم حاجی حسن علی صاحب سہسرامی تھا۔ پھر خدا نے حکیم حسن علی صاحب کو متعدد ازدواج سے متعدد اولادیں عطا فرمائیں۔ اولادِ ذکور میں حضرت مولانا محمد قادر بخش صاحب حکیم مولانا محمد مرتضےٰ اور محمد صدیق صاحبان تھے۔ اولادِ اُناث میں بی بی کلثوم کے باطن سے مولوی محمد ضیاء الدین صاحب مرحوم محلہ نورن گنج سہسرام ہوئے۔

آپ ہی کے ایک صاحبزادی کی اولاد میں منشی حکیم بہاء الدین (مختلف البطن) برادر مولوی منہاج الدین صاحب عالی مرحومان محلہ پٹھان ٹولی سہسرام قابل ذکر گزرے ہیں۔ یہ تو حکیم محمد مسعود صاحب کے دوسرے صاحبزادے حکیم غلام علی صاحب مرحوم ومغفور کی اولادوں کا مجملاً خاکہ دیکھئے۔

حکیم غلام علی کے بیٹے حکیم قربان علی ہوئے، اور حکیم قربان علی کو خدا نے تین اولادیں

دیں، حکیم سلامت اللہ اور حکیم برکت اللہ اور مسماۃ بی بی نذیرن۔ حکیم سلامت اللہ کو خدا نے پانچ اولادیں عطا کیں، مولوی نذر اللہ، حافظ عتیق اللہ، حکیم نصیر اللہ عرف عمر، محمد نعمت اللہ اور بی بی ساجدہ۔

ڈاکٹر انوار الحق صاحب حکیم برکت اللہ کے صاحبزادے تھے۔

مولانا محمد قادر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے مولوی محمود بخش اور مولوی احمد بخش ہوئے، جو قابل ذکر ہیں۔ دونوں ہائی اسکول میں ٹیچر رہے۔ اول الذکر کو وعظ کا بھی ذوق تھا اور کشن گنج میں پیری مریدی کا مشغلہ تھا۔ آخر الذکر کے لڑکے سہسرام میں حیات سے ہیں۔

شیخ محمد وحید عرف محمد وحید خاں

محمد وحید خاں نام، ولدیت شیخ محب علی بن رستم علی۔ متوطن محلہ نورن گنج سہسرام۔

شیخ محمد وحید صاحب ہمارے عہد کے ایک ممتاز ترین آدمی تھے۔ خدا نے انھیں بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ جاہ و منصب کے ساتھ ساتھ داد و دہش، غربا نوازی اور کنبہ پروری، معاملات میں مساوات جملہ امور میں عدل و صداقت، صبر و تحمل، زہد و ریاضت جیسے اوصاف سے پوری زندگی مملو تھی۔ عہد حاضر میں مشرقی شرافت، مجد و نجابت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ نحیف الجثہ تھے۔ مگر طولانی قد و قامت کے مالک تھے۔ عمر بھی غیر معمولی پائی سو سال سے زاید۔ انھوں نے اپنے حالاتِ زندگی مختلف اوقات میں راقم حاذق سے جو کچھ بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

انھوں نے فرمایا میں ایک غریب آدمی تھا۔ تین سال کا تھا کہ باپ کا وصال ہو گیا۔ ماں اور باپ دونوں عبادت گزار تھے۔ ماں تہجد گزار تھیں۔ والد کے انتقال کے بعد میرے چچا جو گورکھپور میں سپاہی تھے، مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ مگر ہیضہ میں ان کا اچانک انتقال ہو گیا۔ میں تین سال کا بچہ تھا۔ اپنے وطن کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔ ماں صاحبہ نے سہسرام میں خواب دیکھا اور میرے ماموں کو گورکھپور لانے کے لیے بھیجا۔ وہ پہنچے تو انھوں نے واقعی دیکھا کہ میرے چچا کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اپنے ہمراہ وطن لائے، مختصر یہ کہ ماں نے بڑی محنت و مشقت سے میری پرورش کی،

اور مشکل سے ہائی اسکول سہسرام میں درجہ نہم تک تعلیم پائی۔ اس کے بعد اپنے استاد ماسٹر عبدالحمید صاحب سہسرامی کے مشورے سے اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ پٹنہ میں جاکر درسیری کی تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد ایک انگریز کی معیت میں کام کرنے کا موقع ملا۔

عہد طالب علمی میں اکثر ایسا ہوا کہ میں اپنے سامان تعلیم کے لیے فکر مند ہوتا تو غیب سے ایک آدمی نمودار ہوتا اور سرراہے مجھے میری ضرورت کی اشیاء دے جاتا۔ اس طرح براہِ راست خدا کی نگہداشت میں میری تربیت ہوئی۔ عرصہ تک ایسا ہوا کہ جب میں چھپرہ میں ریلوے میں ملازم ہوگیا اور رشوت لینے کی نوبت آگئی تو میری آنکھیں دن کی روشنی میں دیکھیں کہ ایک آدمی مجھے اپنی انگلی کے اشارے سے روک رہا ہے۔ مجھ پر خوف طاری ہو جاتا۔ عرصہ تک یہ کیفیت رہی، بعد میں ختم ہوگئی تو میں بھی اس قسم کے بداعمالی میں مبتلا ہوگیا، جو ہمارے ہم پیشہ کے لیے متعین تھا۔

آپ نے دوبار حج بیت اللہ کیا۔ پنج گانہ نمازیں باجماعت ادا کرنے کی عادت تھی۔ ۱۸؍صفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۸؍جون ۱۹۶۶ء روز پنجشنبہ کو ۵ بجے شام کو روح راہی ملک بقا ہوگئی۔ اور ۹؍جون ۱۹۶۶ء کو ۱۰ بجے دن میں کیل خانہ سے قریب اپنے موروثی قبرستان میں دفن ہوئے۔ استاذی مولانا سید اظہار الحسن صاحب مدرس مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

حاجی صاحب کے چچا امام علی صاحب تھے اور چچازاد بھائی یونس تھے۔ منشی شجاعت علی سہسرامیؒ جن کے ہاتھ کا کتبہ مسجد نورن گنج میں لگا ہوا ہے۔ حاجی صاحب کے خالہ زاد بھائی تھے، اور ہائی اسکول سہسرام میں سکنڈ مولوی تھے۔ جب کہ حکیم مولانا محمد علی صاحب ہیڈ مولوی تھے۔ اور یہ تمام حضرات حاجی صاحب کے اساتذہ میں تھے۔ حاجی صاحب ریلوے میں ۱۸۹۷ء میں ملازم ہوئے۔ ریٹائر ہونے کے بعد ۲۵ سو روپیہ آپ کو ریلوے سے ملا تھا۔ ایک انگریز کی وساطت سے داؤدنگر تا پٹنہ، ڈہری آن سون تا پٹنہ نہر پر جو اسٹیمر کمپنی اسٹیمر چلاتی تھی۔ حاجی صاحب نے خرید لیا، ان کے بڑے نواسے صغیر احمد خاں (بن مولوی محمد شریف) اس کے منیجر تھے۔ کافی آمدنی ہوئی اور خوشحال ہوگئے۔ ان کے دوسرے نواسے محمد رفیع احمد مرحوم نے ان کا مزار منشی صاحب کے مزار سے متصل (گھیرے میں) تعمیر کرادیا۔ منشی شجاعت کے قلم سے مدرسہ خانقاہ کی پختہ عمارت پر اس کا نام چوب خط میں مرقوم ہے۔ منشی صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ ان کی کتاب تصوف پر میری نظر حکیم فخر الزماں مرحوم کے ہاں پڑھی تھی۔ رفیع کے لڑکے محمد معراج ہیں۔

منشی شاہ رضا صاحب سہسرامی

فوائد نوریہ از تصنیف لطیف مولانا حاجی حفیظ الدین صاحب مدرس اوّل مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام مطبوعہ مطابع مولوی محمد عبدالقادر عظیم آباد پٹنہ ۱۳۰۵ھ کے صفحہ ۴۹ پر حسب ذیل عنوان سے آپ کا قطعہ تاریخ نظر سے گزرا:

"قطعہ تاریخ طبع از نتیجہ فکر رسا برادرم عزیزی
منشی شاہ محمد رضا صاحب رضاؔ سہسرامی

منطبع گردید چہ خوش نسخہ   جل کز و عقدۂ میزان شدہ
جُست ز دل فکر رضاؔ سال طبع   گفت چہا صیقل اذیان شدہ

افسوس کہ رضاؔ صاحب کے بارے میں اور کچھ معلوم نہیں۔

مولوی حکیم محمد نذیرالدین آہؔ سہسرامی

مولوی حکیم محمد نذیرالدین آہؔ بعدہٗ اثرؔ سہسرامی ابن شیخ محمد نصیرالدین حیدر بن حاجی سراج الدین باشندہ محلہ شیخ پورہ سہسرام تھے۔

سال پیدائش تقریباً ۱۹۱۷ء۔ وفات یکم اکتوبر ۱۹۹۰ء مطابق ۱۰ ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ، بروز پیر۔

مولوی حکیم نذیرالدین صاحب آہؔ سہسرامی نے مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں تعلیم پائی، سال فراغت ۱۹۴۸ء تھا۔ وہاجیہ طبیہ کالج لکھنؤ میں طب پڑھی۔ ڈہری آن سون میں طبابت کرتے تھے۔ شاعری میں ان کو تلمذ فرحتؔ سہسرامی اور شیداؔ سہسرامی سے حاصل تھا۔ مدفن ڈہری آن سون ہے۔

حکیم مولوی محمد نذیرالدین اثرؔ سہسرامی کے حالاتِ زندگی تاریخ اطبائے جلد دوم مؤلفہ

سید حمد اللہ ندوی مرحوم کے صفحہ ۲۲۲ جلد ششم میں مرقوم ہے۔ اور ان کے کچھ مجرب نسخے بھی۔

نمونۂ کلام

کیا کہیں کیوں جان دے دی دل میں آیا خیال ہاتھ میں دشمن کے اک دن اُن کا دامن دیکھ کر
کم نہیں برق بلا سے جان عاشق کے لیے مسکرا دینا کسی کا سوئے دشمن دیکھ کر
(گلدستۂ سخن، مطبوعہ از مدرسہ خیریہ سہسرام)

دکھا دے الٰہی دیارِ محمدؐ جمالِ محمدؐ مزارِ محمدؐ
لگاؤں میں آنکھوں میں سرمہ سمجھ کر جو مل جائے خاکِ دیارِ محمدؐ
بھلا کیوں نہ جنت کے ہوں مستحق وہ جو ہیں جان و دل سے نثارِ محمدؐ
جچے پھر نہ اس کی نگاہوں میں جنت جو دیکھے بہارِ دیارِ محمدؐ
دکھائے گا دیدار اللہ اُن کو جو ہیں جان و دل سے نثارِ محمدؐ
مجھے دیکھ کر حشر میں یہ ہوا غل یہی ہیں یہی جاں نثارِ محمدؐ
خدایا بہت بیکلی آہ کو ہے
دکھا دے اسے اب مزارِ محمدؐ

(ترجمان مومن انصار بنارس، جلد ۳، شمارہ ۵)

اس نظم کو آہ صاحب نے اڈیٹر ترجمان کے خیر مقدم میں جمعیۃ الانصار سہسرام کے جلسہ میں پڑھی تھی۔

شہر میں آج نئے سر سے بہار آئی ہے ہاتھ میں شیخ کے بھی ساغر مینائی ہے
اپنے جامہ میں جو یوں پھولی سماتی ہی نہیں کس کے آنے کی خبر بادِ صبا لائی ہے
قوم کیوں کر اسے آنکھوں سے لگائے نہ بھلا آپ کی خاکِ قدم سرمۂ بینائی ہے
مردہ دل سن کے کلام آپ کا جی اٹھتے ہیں آپ کی بات میں اعجازِ مسیحائی ہے
تیرے آگے سرِ تسلیم جھکانے کے لیے جوق در جوق یہاں خلقِ خدا آئی ہے
قوم کی جان ہیں یہ قوم کے ایمان ہیں یہ وہی دیکھے گا جسے دیدۂ بینائی ہے
باندھی جس دن سے کمر قوم کی خدمت کے لیے ایک عالم تری ہمت کا تماشائی ہے

تجھ سا دنیا میں نہ ہوگا کوئی مہمان عزیز　　دل جگر نذر کو یاں خلقِ خدا لائی ہے
ہو نہ باور تو ابھی چیر کے پہلو رکھ دوں　　تیری الفت نے مرے دل میں جگہ پائی ہے

وصف مہماں میں پڑھے آہ نے یہ اشعار
ماشاء اللہ کی ہر سو سے صدا آئی ہے

(ایضاً، دسمبر ۱۹۲۷ء)

مولانا نثار احمد خاں ناظم میواتی سہسرامی

(۱۹۱۸ء تا ۱۹۹۲ء)

مولانا ناظم میواتی سہسرام کے ایک ممتاز گھرانے کے فرد ہیں، تعلیمی لیاقت کے ساتھ طبیعت بھی اچھی پائی۔

مسلم شعرائے بہار جلد ششم، ص ۳۱۴ پر اندازاً میں نے سال پیدائش ۱۹۲۰ء لکھا تھا، اور خود انھوں نے اپنی مطبوعہ کتاب ''دل ونظر'' میں یکم فروری ۱۹۲۵ء لکھا، جو سنداً تو ممکن ہے درست ہو مگر تحقیقاً یہ ہے:

پیدائش ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ، روز دوشنبہ علی الصباح مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۱۸ء۔
نام: مولانا ابوالکیف نثار احمد خاں (المعروف بہ ناظم میواتی سہسرام، تخلص ناظم۔
ولدیت: فقیر محمد خاں بن مظہر علی خاں۔
سکونت: محلہ میواتی ٹولہ سہسرام۔

خاندانی احوال

سہسرام کے محلوں میں ایک محلہ ہے میواتی ٹولہ۔ حقیقت میں پہلے یہ محلہ صرف میواتیوں کی بستی تھی، اور خاص کر ایک گھرانہ تھا، جس پر پورا محلہ مشتمل تھا۔

کہتے ہیں کہ جمال علی خاں ایک کلاں جاگیر دار تھے، جنھوں نے اس محلہ کو آباد کیا تھا، اور ان کی جاگیر ''از چنار تا رہتاس'' ۳۸۴ مواضع پر مشتمل تھی، اور یہی وہ بزرگ تھے جو سب سے میوات

(علاقہ روہیل کھنڈ) سے سہسرام تشریف لائے، اور اپنی شجاعت کا سکہ جمایا، بڑی شان وشوکت کے آدمی تھے، ننانوے کلیوں کا پاجامہ پہنتے تھے، جس وقت ہاتھی پر سوار ہوتے، ان کے خدام ان کے مہری دار پاجامے کی کلیوں کو سینے پر سجائے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔

تعلیم وتربیت

مولوی نثار احمد خاں ناظم میواتی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں ہوئی، فارسی کی جملہ کتابیں انھوں نے مدرسہ کے نصاب کے مطابق مولوی وجاہت حسین صاحب مدرس مدرسہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں زیر تعلیم رہے، اور یہیں سے مدرسہ اکزامینیشن بورڈ بہار اینڈ اڑیسہ کی امتحان میں شریک ہوکر ''علمیت'' کی سند حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ نیازیہ نظامیہ اکبر پور رہتاس میں نائب صدر مدرس رہے، اس کے بعد اپریل ۴۸ء تا ۱۹۸۳ء راجیشور ہائی اسکول سورج پورہ میں ہیڈ مولوی کی حیثیت سے کام کیا اور ریٹائر ہوئے۔

۵۰ء میں فاضل (فارسی) کیا، اور ایک مضمون اردو میں بی۔ اے۔ کیا، اور ۵۷ء میں S.T.C. کی سند پائی۔ ہومیو پیتھک سے بھی لگاؤ ہے، اور ۴۸ء سے سورج پورہ ضلع رہتاس میں علاج ومعالجہ کا کام کرتے رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد عالم گنج سہسرام میں بھی کچھ دنوں اپنا مطب قائم رکھا۔

پیدائش

ناظم صاحب کی پیدائش ۱۹۲۶ء کے بلوے سے ۴ سال پہلے یعنی جس میں الف تا ی کی ردیفوں پر مشتمل غزلیں ہیں۔ پہلا مجموعہ دل ونظر ان کی حیات میں ۱۹۹۷ء میں طبع ہوا۔ دوسرا مجموعہ ''چراغ راہ'' تاریخی نام ہے۔ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں ناظم صاحب شاگرد رشید انعام ناظمی نے ان کی وفات کے بعد شائع کیا۔ تصانیف ناظم یہ ہیں:

زبان فارسی، ہدایت مرشد، بے گٹھلی کا آم (اردو، ہندی) تحفہ، ناظم المصادر، ترجمہ رسالہ اسرار العارفین وسیر الطالبین، دل ونظر، آزادی، گیارہ اصلاحات نقشبندیہ اور جلب مضاعف القرآن۔

ناظم صاحب کو زبان وبیان پر پوری قدرت تھی۔ عربی، فارسی کے علاوہ ہندی، انگریزی

کی بھی اچھی استعداد تھی، آخر عمر میں استاذنا مولانا نجم الدین صاحب بانکوی مدرس اوّل مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے ترجمہ شدہ رسالہ قصیدہ بردہ کے دوبارہ اشاعت کی فکر میں لگے تھے، حب رسولؐ بڑھی ہوئی تھی کہ موت کا وقت آگیا۔ ۶؍رجب ۱۴۱۳ھ/ ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۲ء کو وفات ۷؍رجب کو درگاہ شاہ جلال پیر، سہسرام میں مدفون ہوئے (۳۰؍ستمبر ۹۹)۔

نمونۂ کلام

رقص فطرت

ناچتے تھے ہم زمیں پر ایک دن اور تماشا بیں تھے سیارے تمام
آج اُلٹ کر وہ بساطِ زندگی بزم نو کا کر چکے ہیں انتظام
آدمی ہے اب ہوا سے تیز رو بے لگام و بے عنان و تیز گام
ہے کشش کا راز بھی معلوم ہی اور شعاع مہر ہے ادنی غلام
یہ فضا کی وسعتِ موہوم بھی فکر و فن کے دستِ حکمت سے ہے رام
رفعتِ افلاک بھی پامال ہے ہے جہاں تاروں کا ہر سو ازدحام
بزم انجم میں ہے سیاروں کا رقص آنکھ کی جنت ہے یہ دارالسلام
رقص میں ہیں وہ مہ و خورشید بھی جن کے آنچل میں ہے پنہاں صبح و شام
بھا گیا یہ رقص فطرت بھا گیا زندگی کے زیر و بم پر چھا گیا

رقص کی جھنکار کی موسیقیت گنبدِ افلاک میں ہے گونجتی
بربط و عود طبل، چنگ و رباب تال، سر، سرگم، سرود سرمدی
ایک ہنگامہ ہم آہنگی کا ہے اک ہجوم دل کشا و دلکشائے نغمگی
وہ تبسم وہ ترنم وہ ادا چھم چھما چھم، چھم چھما چھم مشتری
ہے کوئی رقاصۂ فطرت یہاں جس کے پیچھے دوڑتی ہے زندگی
فطرتِ معصوم خود ہے رہنما ہاتھ میں لے کر چراغ آگہی
یہ جہاں معمور ہے افکار سے ہر قدم پر علم کی ہے روشنی
رقص و نور و نغمہ کی اس بزم میں میرے دل کا زیر و بم ہے سرمدی

حسن فطرت کا ہے جب تک رقص عام آدمی کے ناچ کو میرا سلام
(مطبوعہ ہماری زبان، علی گڑھ، ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء، ص ۵)

حکیم محمد نعیم الدین صاحب نعیم سہسرامی
(۱۸۹۰ء تا ۱۹۵۰ء)

حکیم محمد نعیم الدین صاحب نعیم سہسرامی کے حالاتِ زندگی ذہنی طور پر حکیم مہر علی صاحب کے حالاتِ زندگی میں درج کر چکا ہوں۔ اب یہاں مزید نمونۂ کلام ملاحظہ کیجئے۔ نعیم صاحب کی شادی جناب محمد سلیم الدین محلّہ ذکی شہید سہسرام کی بہن ہاجرہ خاتون سے ہوئی تھی۔ یہ بھی نعیم صاحب کی وفات کے چند سال بعد فوت کر گئیں۔ سلیم صاحب کے برادر خورد محمد اکرام الدین صاحب مرحوم تھے۔

قمر گیاوی مرحوم نے نعیم صاحب کے دو اشعار ۱۹۲۵ء کے قلم بند فرمائے، ملاحظہ ہو:

خدا کا شکر ہے حاصل بہارِ زندگانی ہے وہ بت پہلو میں ہے دورِ شراب ارغوانی ہے
دکھا کر تیغِ قاتل مرنے والوں سے یہ کہتا ہے لگی دل کی بجھا دیتا ہے جو اس میں وہ پانی ہے
(آبِ کوثر)

نعیم صاحب مرحوم کی ایک غزل جلوۂ یاد میرٹھ بابت ماہ اپریل و مئی ۱۹۱۰ء، ص ۱۴، جلد یازدہم نمبر ۴، ۵ میں نظر سے گزری۔ اس رسالہ کے مرتب آزاد صاحب تھے، جو اس رسالہ کے مالک اور مہتمم بھی تھے۔ غزل ملاحظہ ہو:

قاتل کی تیغِ ناز سے جب سر جدا ہوا دل نے کہا کہ حقِ محبت ادا ہوا
تقدیرِ عندلیب کا یہ فیصلہ ہوا جب جا چکی بہار قفس ہائے وا ہوا
اب کیا کہوں میں تم سے کہ اُلفت میں کیا ہوا اک دل تھا میرے پاس وہ تم پر فدا ہوا
آئی قضا حسینوں پہ جو مبتلا ہوا دیکھا ہی چھوٹتے نہ کبھی دل پھنسا ہوا
کیوں ہو نہ اُن کے دستِ حنائی کا رنگ شوخ مہندی کے ساتھ دل بھی ہے میرا پسا ہوا

داغوں کا ایک باغ ہے دل میں کھلا ہوا　آکر ذرا بہار کسی روز دیکھئے
پیکاں جگر میں تیر ہے دل میں کھلا ہوا　صیاد تیرے صید کا منظر ہے دیدنی
رکھا ہو جیسے رحل پر قرآں کھلا ہوا　یوں خط ہے گرد مصحفِ رخسار یار کے
دوزخ میں لے چلا تھا کوئی کھینچتا ہوا　مجھ کو بچایا شانِ کریمی نے دوڑ کر
ہے یہ ہزار بار کا قصہ سنا ہوا　میں حال دل جو کہنے لگا بولے چپ رہو
امادۂ جفا جو تو اے پُر جفا ہوا　یہ یاد رکھ نعیم نہ موڑے گا منہ کبھی

لکھتے ہو تم نعیم غزل تو رہے خیال
تہذیب سے نہ شعر ہو کوئی گرا ہوا

لیکن کبھی نہ آئی شکایت زبان پر　کیا کیا نہ ظلم تم نے کیے میری جان پر
اک چاند ہے زمین پر اک آسمان پر　بولے وہ جس نے دیکھا شب ماہ میں تمھیں
ہنس کر کہا کہ کہہ دو نہیں ہیں مکان پر　آنے کی میرے جب اُنھیں درباں نے دی خبر
رو رو دیئے ہیں غیر مری داستان پر　وہ ہوں ستم رسیدہ کہ اپنوں کا ذکر کیا

(منظر لکھنؤ، مئی ۲۰ء، ص ۱۴)

محمد نقی قمر گیاوی ثم سہسرامی

(۱۸۹۵ء تا ۱۹۶۹ء)

جناب استاذی قمر صاحب نے اپنے حالات زندگی کے متعلق راقم کو ذیل کی تحریر عنایت فرمائی تھی۔ قمر صاحب گیا کے ہیں۔ مگر اب تیس سالوں سے سہسرام (محلّہ شاہ جمعہ) میں جہاں ان کی سسرال ہے، آکر بس گئے ہیں۔

"نام محمد نقی تخلص قمر، ابن نواب محمد تقی مجیبی قادری، اولاد نواب داؤد خاں والی داؤدنگر (ضلع گیا)۔ نواب داؤد خاں اورنگ زیب کے عہد میں گورنر تھے، صوبہ بہار میں۔

غدر ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ برطانیہ نے قمر کے جد اعلیٰ نواب لطف علی خاں کو کنور سنگھ کی بغاوت میں باغی قرار دیا اور تمام جاگیریں اور املاک ضبط کر لی۔ بہت سی مقدمہ بازیوں کے بعد تقریباً آٹھ روپے ماہوار کا وظیفہ مسماۃ بی بی قسیم النساء (قمر کی دادی) کو مقرر کیا۔ ان کی وفات کے بعد کوششوں پر بھی قمر کے والد کو کچھ نہ ملا۔ آحرای۔ آئی۔ ریلوے میں اسٹیشن ماسٹر کی ملازمت ملی۔ قمر نے ۱۹۱۹ء میں گیا صاحب گنج اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ (۱۸۹۵ء کی تاریخ ولادت ہے)۔ پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبیہ کے مدرسہ عربیہ میں عربی، غازی پور سے منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ حضرت مولانا عبدالاحد شمشاد فرنگی محلی لکھنوی مدرس اوّل شاعری میں قمر کے اُستاد تھے۔ ۱۹۱۹ء میں ای۔ آئی۔ آر میں ملازم تھے ۱۹۴۳ء میں جب کہ ٹھٹا ضلع گیا میں اسٹیشن ماسٹر تھے تو ریٹائر ہوئے''۔

قمر صاحب علمی دنیا کی اہم شخصیت ہیں، لغات پر غیر معمولی عبور ہے، قمر صاحب کی لغات دانی کا اندازہ اس بات بخوبی سے ہوتا ہے کہ فرہنگ آصفیہ جیسی مشہور لغت پر ان کی تقریظ ہے۔ خود قمر صاحب نے بھی ایک ضخیم لغت لکھا ہے، جو ہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہوا، نیز شعرائے بہار کا تذکرہ 'آبِ کوثر' کے نام سے لکھ چکے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے کافی سفر بھی کیے۔ مگر افسوس معاشی بدحالی نے انھیں آج کہیں نہ رکھا، اگر ان کی یہ تالیفات آج تیس سال پہلے طبع ہو جاتی ہیں، تو ان کا مقام علمی دنیا میں بلند ہوتا ہے، آج گوشۂ گمنامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

قمر صاحب نے بکثرت غزلیں اور نظمیں لکھی ہیں، تاریخ گوئی میں ان کا ذہن رسا ہے۔ غزل گوئی کا اندازہ متقدمین شعرا سے ملتا جلتا ہے، اس میں عصری رجحانات کے عکس نہیں ہیں، البتہ بعض نظمیں عصری رجحانات کی ترجمان ہیں، مگر ان کے اسلوب میں نہ تو جدت اور فکر میں علو، تاہم زبان پر اچھی قدرت ہے، اور فن پر دسترس۔

اگر ان کے منظوم کو اکٹھا کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان ہوسکتا ہے۔ ان کی غزلیں اور نظمیں آج سے پچیس تیس سال پہلے مختلف جرائد میں شائع ہوتی تھیں، اب گاہے گاہے کسی رسالہ میں ان کا کلام دکھائی دیتا ہے۔

نمونۂ کلام

دے کوئی جام ایسا ساقی مئے کہن کا | باقی رہے نہ جس سے ہوش اپنے جان وتن کا
باغِ جہاں میں بس کر یہ راز کھل گیا اب | رکھتا ہے بو خودی کی ہر پھول اس چمن کا
ہے پردہ پوش جس کی خاکِ دیار جاناں | محتاج اُس کا لاشہ ہوتا نہیں کفن کا
حیرت سے دیکھتے ہیں اہل نشاط مجھ کو | آئینہ بن گیا ہوں، میں اُن کی انجمن کا
پامال ہو رہے ہیں گل ہائے نو دمیدہ | دیکھا ہے رنگ میں نے گلشن میں آج بن کا
صحرائے کوئے جاناں یہ میری آرزو ہے | دامن ترا کفن ہو مجھ ایسے بے وطن کا
چھوٹا ہے منہ تو کرتا پھر بات کیا بڑی وہ | کرتا مقابلہ کیا، غنچہ ترے دہن کا
اچھا ہوا کہ مجھ کو آتا نہیں ہنر کچھ | دشمن ہے یہ زمانہ اربابِ علم و فن کا
ہے اس سے پردہ پوشی خم خانۂ جہاں میں | دامن ہے میرے سر پر ساقی کے پیرہن کا

قائم قمر ہیں جب تک اپنے حواس خمسہ
پھرتا رہوں گا دم میں ہر آن پنجتن کا

نورالہدیٰ طالبؔ سہسرامی

(۱۸۹۰ء تا ۱۹۷۰ء)

نورالہدیٰ نام، طالبؔ تخلص، عرف طالب بھارتی، پیشہ وکالت، ولادت ۱۸۹۰ء، متوطن محلہ بارہ دری سہسرام۔

والد داروغہ احمد علی اور دادا تیغ علی سہسرامی تھے۔

طالب صاحب ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ طالبؔ صاحب اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ بڑے بھائی کا نام خورشید علی تھا جو محلہ کینال (نہر) میں آفیسر تھے۔ منجھلے بھائی کا نام یوسف علی تھا، جو آرہ میں ڈپٹی کلکٹر رہے، اور مدھے پورہ میں اس۔ڈی۔او کے

عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ منجھلے بھائی امجد علی احقرؔ سہسرامی تھے۔ ان کے بعد شمس الہدیٰ صاحب اکسائز انسپکٹر (متوفی ۱۹۵۹ء) تھے۔

کلکتہ کے دورانِ قیام میں طالبؔ صاحب روزانہ رسالہ کلکتہ کے ادارے سے ۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۷ء وابستہ رہے۔

۱۹۱۷ء میں کانگریس اور لیگ میں صلح ہوئی، اسی زمانے میں آرہ (موضع ابراہیم پور نزد پیرو) میں رائٹ ہوگیا، طالبؔ صاحب نے فسادات پر روزنامہ میں مقالے سپرد کیے، جس کی بہت شہرت ہوئی۔

طالب صاحب پرانے کانگریسی کارکن ہیں۔ گاندھی جی سے مل چکے ہیں، اور ان سے بہت متاثر ہیں۔

طالبؔ صاحب کو شاعری کا شوق شمس العلما مولانا محمد یوسف رنجورؔ اور آغا حشر کی معیت میں رہنے کے سبب پیدا ہوا...... اس کا محرک وہ زمانہ تھا جب طالبؔ صاحب موڈرن ہائی اسکول میں ۱۹۱۳ء میں مدرس کی حیثیت سے ملازم ہوگئے۔ یہ اسکول ڈاکٹر گھوش نے کھولا تھا۔

نمونۂ کلام

جب یہ ٹھہرا نہ کسی کعبے میں کاشانے میں — دُختِ رز پھینک دیا دل ترے میخانے میں
رخ پہ بکھرائے ہوئے زلفوں کے کالے بادل — کون برسات لیے آ گیا میخانے میں
دستِ لرزاں سے مرے لے کے وہ ساغر بولی — دھڑکنیں دل کی نظر آتی ہیں پیمانے میں
اے حسیں موت تجھے ہوش میں دیکھا کب ہے — تو تو آجاتی ہے ذرا دیر کو سو جانے میں

خود کو مطلوب میں کھو کر کے ہیں جیتے طالب
زندگی ڈھلتی ہے یہاں موت کے پیمانے میں

ساقی نہ دے لالچ کہ صراحی میں دھری ہے — مے آنکھوں سے ٹپکے ہے یہاں دل میں بھری ہے
اے بادِ خزاں شکر ہے احسان ہے تیرا — سرسبز ہے ہر شاخ مرے غم کی ہری ہے
تم نے بھی کبھی حضرتِ طالبؔ کو سنا ہے — سنتے ہیں کہ آواز بڑی درد بھری ہے

ناظر خاں صاحب مست سہسرامی

(حیات: تقریباً ۱۹۲۰ء)

ناظر علی خاں نام، مست تخلص، بن مقصود علی خاں متوطن محلّہ عالم گنج سہسرام۔

مؤلف ''آبِ حیات'' نے ان کو ''انیس الشعرا'' لکھا ہے۔

مانوس صاحب نے ان کو دیکھا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ نہال خاں مظفر خاں محلّہ عالم گنج سہسرام کے یہاں آخر عمر میں قیام پذیر تھے۔ غالباً مکرم حسین خاں صاحب کے رشتہ دار تھے، رئیس سہسرام میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

ناظر صاحب مست بڑے ہی قادر الکلام شاعر تھے، ان کی ایک نظم ''مرقع سہسرام'' بہت معروف ہے۔ غزل کا ایک شعر مزید ملاحظہ ہو

نالے تو سنے ہوں گے بہت اے فلکِ پیر　　اب دیکھ لے اچھا مری آہوں کا اثر بھی

(از گلدستہ نسیم سحر، گیا ۱۹۰۲ء)

ماہنامہ پیام یار لکھنؤ بابت مارچ ۱۹۰۳ء، ص ۱۴ میں ان کی ذیل کی غزل شائع ہوئی۔

اس طرح زلف سے چہرے کی دمک ہوتی ہے　　جس طرح ابر میں بجلی کی چمک ہوتی ہے

بوسہ مانگا تو کہا آپ تو دیوانے ہیں　　کہیں اس طرح بھی انساں کو سنک ہوتی ہے

کمر یار وہ نازک ہے کہ چلنا تو کہاں　　دھیان چلنے کا جو آتا ہے لچک ہوتی ہے

باغباں سے ہے گلستاں میں یہ گل کی فریاد　　شور بلبل سے مرے سر میں دھمک ہوتی ہے

کہہ دو لوگوں سے کہ دیوانے سے اچھی نہیں چھیڑ　　چھیڑ کرنے سے مجھے اور سنک ہوتی ہے

دیکھتا ہوں جو خط سبز کو گردِ گل رُو　　خار کی طرح مرے دل میں کھٹک ہوتی ہے

نہیں ممکن کہ بتوں سے کبھی پہنچے کچھ فیض　　کہیں پتھر کے بھی پھولوں میں مہک ہوتی ہے

مست جب دانۂ انگور کوئی توڑتا ہے
تو مرے آبلۂ دل میں ٹپک ہوتی ہے

نورالدین نورؔ سہسرامی

(حیات: ۱۹۳۵ء)

حکیم نورالدین صاحب نام، نورؔ تخلص، متوطن محلہ اڈا سہسرام۔

ماہنامہ رسالہ شاعرہ آگرہ بابت ستمبر ۱۹۳۵ء سے مؤلف ''آبِ کوثر'' نے ذیل کے اشعار درج کیے تھے

پامالِ محبت کو ہے تسکیں یہ سمجھ کر وہ کون ہے جو دہر میں برباد نہیں ہے
کیا پوچھتے ہو نورؔ سے ہے کب سے قفس میں اب صورتِ گلشن بھی اُسے یاد نہیں ہے

نور صاحب کے متعلق حشرؔ سہسرامی نے فرمایا کہ ''میرے رشتہ دار تھے، اوائل جوانی میں کچھ شاعری کا شوق تھا، بعد میں کہتے تھے یا نہیں معلوم نہ ہوا۔ فنِ طبابت سے لگاؤ تھا۔

مندرجہ ذیل غزل ماہنامہ تاج گیا جنوری ۱۹۲۳ء (ص ۵۰) سے راقم نے نقل کی:

رتبہ ترا یا شاہِ رُسل کیا کوئی جانے جلوہ تری صورت میں دکھایا ہے خدا نے
تڑپا دیا مجھ کو ترے انداز حیا نے پامال کیا ناز و نزاکت نے ادا نے
یہ داغ غم ہجر نہ اب جائے گا دل سے سو بار شب وصل اگر آئے مٹانے
ہم کو ترے دامن کی ہوا ہوش میں لائی ہم سمجھے تھے ہشیار کیا بادِ صبا نے
مرقد پہ ہمیں جن کی خموشی نے سلایا آتے ہیں وہی قبر پہ اب حشر مچانے

میں مٹ گیا اے نورؔ مٹا نام نہ لیکن
مشہور رہے بعد مرے میرے فسانے

نور محمد شوکتؔ سہسرامی

(حیات ۱۹۳۵ء)

شیخ نور محمد نام، شوکتؔ تخلص۔

احقرؔ سہسرامی کے شاگرد تھے، اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں۔

قمر گیاوی مرحوم نے آبِ کوثر میں اتنا لکھا تھا۔ واضح رہے کہ مولانا ابو محمد مصلح سہسرامی پہلے احقرؔ تخلص فرماتے تھے۔ شوکت صاحب ان کے شاگرد تھے۔ شوکت کا رنگ پختہ اور ان کی طبیعت حوصلہ مندانہ اور ان کی شوکتِ تشہیر بھی نرالی۔

<u>نمونۂ کلام</u>

جو شہید ناز ہیں قاتل ترِی شمشیر کے جی نہیں سکتے مسیحا کی صدائے قُم سے وہ

یہ نرالے ڈھنگ ہیں شوکتؔ تری تشہیر کے بھیجتا ہے نعش کو قاتل نمائش کے لیے

(آبِ کوثر)

مولانا شیخ محمد نور علی محدث سہسرامیؒ

(۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۱ء تا ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۸ء)

مولانا عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی گیاوی علیہ الرحمہ جب مدرسہ قادریہ کارا گیا میں مدرس تھے، اس زمانے میں انھوں نے ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ فروری ۱۹۳۲ء میں محدث سہسرامیؒ پر ذیل کا مضمون لکھا تھا:

''معارف میں ''ہندوستان میں علم حدیث'' کے عنوان سے جو مقالات نکل چکے ہیں اس کے نمبر ۲ میں شیخ المحدثین حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فہرست تلامذہ میں ذیل کے بزرگ کا نام نامی نہیں آیا ہے، لہٰذا

نوشتۂ ذیل ارسال خدمت ہے، توقع ہے کہ معارف کے کسی گوشہ میں جگہ دے کر شکریہ کا موقع فرمائیں۔

مولانا شیخ محمد نور علی محدث سہسرامی نسباً شیخ صدیقی مذہباً حنفی سلسلۂ نقش بندی تھے، فقہ و حدیث میں کمال تبحر حاصل، آپ شاہ محمد اسحٰق دہلوی کے ارشد تلامذہ سے ہیں، بہار کے مشہور قصبہ سہسرام (شاہ آباد) میں ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے، فارسی اور مختصراتِ عربی کا درس اپنے والد ماجد سے لیا، پندرہ برس کی عمر میں علم کے شوق میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور مشہور درسگاہوں میں پہنچ کر بڑے بڑے اساتذۂ کرام کے حلقۂ درس میں بیٹھے اور فیض حاصل کیا......۔

بیس برس کی عمر میں ۱۲۳۵ھ میں شاہ جہاں آباد (دہلی کا سفر کیا) اور شاہ محمد اسحٰقؒ کے حلقۂ درس میں داخل ہو کر صحاح ستہ کے کتبِ حدیث کو سبقاً سبقاً اس اہتمام سے پڑھا کہ جس قدر پڑھتے جاتے، اسی قدر لکھتے جاتے تھے، اور نیز افادات شیخ اور تقاریر استاذ کو حاشیۂ کتاب پر نقل کرتے جاتے تھے، ساتھ ہی مسائل تصوف کی تحقیق اور باطنی علوم کا فیض حاصل کرتے جاتے تھے، کامل چودہ برس فیض صحبت میں رہ کر ظاہر و باطن سے آراستہ ہو کر ۱۲۵۰ھ میں علوم ظاہر و باطن کی سندِ فراغت لے کر وطن مالوف کی طرف رُخ کیا۔ خشکی کی راہ طے کرتے ہوئے شہر میں اس مغربی دروازے سے اس شان سے داخل ہوئے کہ کتابیں دو گھوڑے پر بار تھیں اور خود پیادہ پا تھے اور اہل علم حضرات اور رؤسائے شہر پیشوائی کے لیے بڑھے اور اعزاز و اکرام سے پیش آئے، حضرت شاہ کبیر الدین احمد سجادہ نشیں خانقاہ کبیرہ (۱) سہسرام نے اپنے مدرسہ خانقاہ کبیریہ کی افسری کمال آرزو مندی سے (کی)۔

شیخ کے عہد میں سہسرام میں ایک پورا محلہ شیعوں سے آباد تھا، ان کے اثر سے اہل سنت شیعیت میں جذب ہو رہے تھے، آپ نے دلائل کے زور و اثر و اقتدار کی قوت سے ان کا قلع قمع کیا، شیخ کے فضل و کمال اور درس و تدریس کا شہرہ ہوا تو بہار و بنگال اور بنارس اور اضلاعِ بنارس سے طلبہ اور مشتاقانِ علم جوق در جوق آ کر شریک ہوئے۔ سہسرام اور مضافاتِ سہسرام میں کوئی ایسا عالم نہ تھا اور نہ ہے،

جس نے بلاواسطہ یا بالواسطہ زانوئے شاگردی تہہ نہ کیا ہو اور سبق نہ لیا ہو۔ صدہا ان کے فیضِ درس سے فاضل عالم پیدا ہوئے، افسوس کہ شیخ کے تلامذہ کی کوئی فہرست ہے نہ کہیں صراحت ہے۔ چند کے نام و نشان معلوم ہو سکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

شاہ محی الدین سابق سجادہ نشیں خانقاہ سہسرام جانشیں حضرت شاہ کبیر الدین درویش، مولوی حکیم ابراہیم علی خاں سہسرامی، مولوی یار محمد فرزند کلاں محدث موصوف، مولوی محب حسین بلیاوی، مولوی مرزا محمد بیگ۔

شیخ نے ساری زندگی علوم شرعیہ کی خدمت اور درس و تدریس میں صرف کر دی۔ کامل بارہ برس درس دے کر ۷۴ سال کی عمر میں اواخر ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی (یعنی ۱۸۴۷ء میں۔ حاذق)

تاریخ وفات (۱) ''مبلغ العلیٰ بکمالہ'' (۱۲۶۲ھ) ہے۔

شیخ کے چار فرزندوں میں سب سے چھوٹے فرزند مولوی محمد حسنؒ کی اولاد سے ایک کہنہ سال بزرگ مولوی محمد ابوالحسن صاحب خوشدل بقید حیات ہیں۔

نور محمد ناطق سہسرامی

(حیات: ۱۹۱۳ء)

تخلص ناطق، نام مولوی نور محمد سہسرامی۔

افسوس کہ جناب مولوی نور محمد ناطق سہسرامی کے متعلق ہنوز کچھ معلوم نہ ہو سکا، البتہ اتنا بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ یہ حکیم مولانا محمد مرتضےٰ حسین (محلہ باڑہ سہسرام) اور مرزا عبدالستار بیگ، مؤلف مسالک السالکین کے ہم عصر تھے۔

ناطق صاحب کے اشعار سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب سے ان کے بڑے

گہرے تعلقات تھے، اس کتاب پر احقرؔ سہسرامی کا بھی قطعہ درج ہے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام بزرگ ایک دوسرے سے واقف تھے۔ حکیم صاحب کی کتاب ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی۔ لہٰذا ناطقؔ مرحوم کا اس عہد میں حیات سے ہونا یقینی ہے۔

مسالک السالکین کے مؤلف نے اس کتاب کے صفحہ ۱۸۲، جلد دوم میں بسلسلۂ ذکر مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ، ایک جگہ ۹ مولوی نور محمد صاحب ذکر فرمایا ہے جو بالیقین یہی بزرگ تھے، جن کا تخلص ناطق تھا۔

ممکن ہے آئندہ کسی لوحِ مزار وغیرہ سے مزید ناطقؔ مرحوم کا کلام دستیاب ہو جائے۔ ہنوز تو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ ناطقؔ صاحب کس محلّہ کے رہنے والے تھے۔ البتہ ان کے اشعار اس بات کے شاہد ہیں کہ فارسی میں اچھا کہنے والوں میں ان کا شمار ہوگا۔

نصیرالدین احمد نصیرؔ سہسرامی

شاہ نصیرالدین احمد نام، متوطن محلہ چمر تکیہ سہسرام۔

جناب شیخ کرامت علی صاحب مرحوم (متوطن محلّہ منڈی کشور خاں سہسرام) کی ایک بیاض سے ذیل کے اشعار لیے گئے۔ شاعر کا تخلص معلوم نہ ہو سکا، راقم نے ان کے نام ہی کو تخلص قرار دے دیا ہے:

پڑے جو صبح ترے رُخ کی تاب در تہہ آب — دکھائی دیتے ہیں دو آفتاب در تہہ آب
پڑا جو عکس ترے عارضوں کا دریا میں — کھلے ہوئے نظر آئے گلاب در تہہ آب

نصیح الدین نصیحؔ سہسرامی

سید نصیح احمد نام نصیحؔ تخلص۔ متوطن محلّہ کرن سرائے سہسرام ابن شمس الدین مرحوم۔

نصیح صاحب مشاعرے کے شوقین، شعروسخن کے رسیا ہیں۔ اپنے محلّہ میں ابتدائے جوانی سے مقبول، اب کہولت کے دور سے نکل کر عہد پیری میں پاؤں رکھ رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں عمر اندازاً ۵۲ سال ہے۔ محرم میں بڑے لخلخے سے متقدمین شعرا کے مرثیے پڑھتے ہیں۔ اپنے محلّہ میں روشنی کا اہتمام کرتے ہیں۔ تعزیہ داری اور محلّہ کاموں میں ہاتھ بٹانے والے ہیں۔ انھوں نے اپنے لڑکوں کے ساتھ تجارت بھی کی۔ ان کے والد کا مکان کرنسرائے میں مسجد خانقاہ کبیریہ سے قریب پنچھم شیشے سے آراستہ مدتوں متوجہ نظر رہا۔ ان کے والد محترم کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ میری نانی بی بی ضمیرن اور ماموں افضل حسین مرحوم کا مکان بھی اسی محلّہ میں تھا اور وہیں پر مولانا محمد ابراہیم صاحب آہؔ سہسرامی کا بھی مکان تھا، اس محلّہ میں میر شکار (غیرمسلم) بھی بہت تھے اور دھوبی بھی۔ اب اس محلّہ میں مختار احمد ایڈوکیٹ سہسرام مشہور ہیں۔

۳۰ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو راقم کے محلّہ میں ایک طرحی مشاعرے میں غزل پڑھی، جس کے چند شعر یہ ہیں۔

نمونۂ کلام

آدم کے جو سر خلد میں الزام نہ ہوتا	مٹی کے کھلونوں کا کہیں نام نہ ہوتا
منزل کی طلب میں کبھی ناکام نہ ہوتا	دھوکے میں جو رہزن کے نہ پڑتا تو یقیں ہے

الحاج حکیم مولوی نعیم الدین صاحب

الحاج حکیم مولوی نعیم الدین صاحب محلّہ ذکی شہید سہسرام کے رہنے والے اور شیخ الاطبا حضرت الحاج مولوی حکیم نصیح الدین سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔

ابتداءً حضرت مولانا فرخند علی صاحبؒ سے مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں پڑھا، مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں جاکر تکمیل کی اور ۱۳۴۰ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فن طب میں آپ کے پدر بزرگوار خود ہی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ گھریلو تعلیم و تربیت کے

بعد لکھنؤ میں جا کر باضابطہ علم طب حاصل کی، اور عمر بھر بمبئی میں طبابت کرتے رہے۔ بڑے قوی الجسم، لحیم ڈیل ڈول، پُر وقار چہرے کے آدمی تھے۔ طبیعت میں بذلہ سنجی و ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

وطن سے دور بمبئی میں خدمتِ خلق کرتے ہوئے رخصت ہوئے، اور شیخ مصری بمبئی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

مولانا نذر اللہ

مولانا نذر اللہ صاحب محلہ باڑہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ یہ حکیم سلامت اللہ صاحب کے لڑکے تھے۔ مولانا نذر اللہ صاحب کی تعلیم مدرسہ رحمانیہ رائے بریلی (یوپی) میں ہوئی تھی، اور یہیں کے فارغ تھے۔ مولانا فرخند علی صاحب فرحت سہسرامی نے بھی اسی مدرسہ میں پڑھا تھا۔

مولانا نذر اللہ صاحب کچھ دنوں تک مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں مدرس رہے، اور اس کے بعد مبلغ ہوئے۔ اس کے بعد دار العلوم رانی گنج (بنگال) میں مدرس اوّل کی حیثیت سے تا حیات رہے۔ یہ مدرسہ اس وقت مدرسہ عالیہ کلکتہ کی ایک شاخ تھا۔ اچھے واعظ بھی تھے۔ مولانا قادر بخش کے اسلوب میں وعظ کہا کرتے تھے۔

مولانا نذر اللہ مرحوم کے لڑکے بدر الدین مرحوم تھے۔ بدر الدین کی شادی بی بی احمدی مرحومہ بنت مولانا ثناء اللہ محلّہ مغل پورہ، سہسرام سے ہوئی، جن کے بطن سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے حیات سے ہیں (۲۰۰۵ء میں)۔

احمدی مرحومہ راقم حاذق کی اہلیہ اکبر النساء کی چچازاد بہن تھیں۔

مولوی نظام الدین واصلؔ

مولوی نظام الدین صاحب واصلؔ سہسرامی قریشی النسل محلہ مغل پورہ سہسرام کے باشندے ہیں۔ مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام کے فارغ ہیں۔ سن فراغت ۲۶ ربیع الاوّل ۱۳۴۶ھ ہے۔

بھبھوا ضلع آرہ کے مدرسہ میں مدرس رہے، ان دنوں عرصہ سے مدرسہ لہر دگہ (ضلع رانچی) میں مدرس اور جامع مسجد میں خطیب وامام ہیں۔ شعروشاعری کا ذوق رکھتے ہیں۔

واصلؔ صاحب مرحوم شکلاً گورے نارے اور لمبے تڑنگے آدمی تھے۔ چال ڈھال میں وضعداری تھی۔ ۱۹۵۰ء تک غالباً حیات سے تھے۔ عمر تقریباً ۵۵ سال تھی۔

واصلؔ صاحب کی ایک طویل نظم نظر سے گزری، آپ کے محلّہ کے عالی جان انصاری اور تفضل حسین انصاری صاحب دو رئیس گزرے ہیں۔ ان دونوں حضرات میں کسی سبب سے ناچاقی ہوگئی۔ اہل محلّہ نے دونوں کو صلح کرادی تو آپ نے اس کو نظم کیا ہے:

خدا کا نام لے کر لکھو واصلؔ ۔۔۔ کہ خوش ہو جائے اہل جلسہ کا دل
سماں برسات کی ہر سمت بادل ۔۔۔ جدھر دیکھو اُدھر پانی سے جل تھل
طبیعت میں امنگوں کی تھی بھرمار ۔۔۔ چلیں کس طرح بہر سیر کہسار
ہوئے تیار سب اہل محلّہ ۔۔۔ چلے تفریح کو سب اہلِ جلسہ
تھے کچھ مہماں بھی جلسہ میں شامل ۔۔۔ عجب اک لطف تھا ہر اکو کو حاصل
وہ ساعت نیک تھی اور وقت اچھا ۔۔۔ خدا ہی نے مقرر کر رکھا تھا
یہ جلسہ ٹھیرا موتی کنڈ جا کر ۔۔۔ وہاں سب جم گئے بستر بچھا کر
وہاں جلسہ رہا بس ایک دن رات ۔۔۔ جمادی الاولیٰ کی تاریخ تھی سات
تھی ہجری تیرہ سو باون یہ ہے یاد ۔۔۔ کہ تھا منگل کو وہ جنگل بھی آباد
یہ سب بیٹھے ہوئے شب میں جہاں تھے ۔۔۔ بڑے اور چھوٹے بھائی بھی وہاں تھے
یہ دونوں بھائی ہیں ذی جاہ و ثروت ۔۔۔ سبھی کرتے ہیں دل سے ان کی عزت
بہت خوش خلق ہیں اور نیک سیرت ۔۔۔ محلّہ کی ہے ان کے دم سے زینت

تھا پہلے لطف کا ان کے زمانہ اِدھر کچھ کچھ تکلف ہو گیا تھا
محلّہ والوں کو تھی سخت کلفت کہ ان کے میل کی ہو کون صورت
اسی موضوع پر بس گفتگو تھی اسی صورت کی سب کو جستجو تھی
اچانک غیب سے آواز آئی علی جاں اور تفضّل دونوں بھائی
بڑے موقع سے ہیں جلسہ کے اندر ملا دو ان کو بس اب جلد اٹھ کر
اگرچہ تھی زمانہ سے عداوت خدا کی ہو گئی دونوں پہ رحمت
تھی جس کی آرزو وہ ساعت آئی گلے سے مل گے بھائی سے بھائی
گلے سے مل کے دونوں خوب روئے بہا کے اشک دھویا کینہ دل سے
وہاں موجود جو خرد و کلاں تھے ہر اک کی آنکھوں سے آنسوں رواں تھے
نہیں میرے قلم کو اتنی طاقت کہ لکھے اس گھڑی کی پوری حالت
یہ واصلؔ کی دعا ہے تا قیامت خدا قائم رکھے دونوں میں الفت
مبارک آپ کو اے اہل جلسا یہ ساعت نیک اور یہ وقت اچھا
محلّہ والوں کا اقبال چمکا بجاؤ اب خوشی کا خوب ڈنکا
کرو شکر یہ اب خالق کا اپنے رہو مصروف بس طاعت میں دل سے
عنایت کی نظر مسجد پہ کیجئے مؤذن کی خبر کچھ بھی تو لیجئے
نمازیں آکے پڑھئے با جماعت نہ پڑھنے والوں کو کیجئے ہدایت
توجہ پھر ذرا بچوں پہ کیجئے انھیں مذہب کی کچھ تعلیم دیجئے
یہ بچے جس قدر آزاد ہوں گے میں سچ کہتا ہوں یہ برباد ہوں گے
بڑے رکھا کریں چھوٹوں پہ شفقت بزرگوں کی کریں چھوٹے بھی عزت
خدا سے رات دن میری دعا ہے یہی بس آرزو ہے التجا ہے

کہ تھا جو دبدبہ جو شان پہلے
محلّہ میں، پھر اب واصلؔ بھی دیکھے

حکیم نعیم الدین

(۱۹۰۸ء تا ۱۹۷۸ء)

حکیم نعیم الدین بن حافظ فیض علی باشندہ محلّہ کھیلن گنج، سہسرام۔

ڈاکٹر وجاہت حسین کے مکان رہائشی سے متصل مغرب جو ایک گلی ہے، اس کے آخری سرے پر دکھن جانب ان کا موروثی مکان تھا۔ اس کے مکان کے فروخت ہونے کے بعد حکیم صاحب نے محلہ ذکی شہید میں زمین حاصل کی، جس کی تعمیر ان کے لڑکوں نے مولانا محمد الیاس صاحب کے مکان کے بغل میں کی ہے۔

حکیم صاحب گٹھیلے بدن اور اوسط قد کے آدمی تھے، خوش وضع، ہاتھ میں انگشتری، شیروانی کے جیب میں سکری لگی جیب گھڑی استعمال کرتے تھے۔ میرے والد سے چھوٹے تھے۔ مگر دونوں میں گہرا تعلق تھا۔ ان کے والد نے ایک مجذوب کے پیچھے بطور آزمائش درود شریف پڑھا، خبطی ہو گئے، انھیں نگینوں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ راقم نے ان کو دیکھا تھا۔ میرے لڑکپن میں فوت ہوئے۔ ان کے خام مکان کے نیچے زمین کھودنے کے بعد پتھر کے بہت سے نگینے ملے تھے۔

حکیم نعیم صاحب کو طبابت میں مہارت تھی۔ دھنباد شہر میں ریلوے اسٹیشن کے قریب طبابت فرماتے تھے۔ راقم چرکنڈہ نند لال ہائی اسکول میں ملازم تھا۔ جب بھی دھنباد جانا ہوتا ان سے اسٹیشن کی مسجد میں ملاقات ہوتی پھر ان کے مطب میں حاضری دیتا۔

(بنوٹ) لکڑی کا بھی شوق تھا۔ محلّہ نورن گنج میں جب بھی محرم کے زمانے میں تشریف لاتے، محلّہ کے لڑکوں کا بہت حوصلہ بڑھاتے۔

ان کی اہلیہ کا نام امۃ النساء تھا جو عنایت کریم صاحب برہمن ٹولی سہسرام کی لڑکی تھیں، جن سے افتخار حسین مرحوم اور محمد اظہار حسین (حیات ۲۰۰۰ء) ہوئے۔

دوسری بیوی کا نام کنیز فاطمہ تھا، جن سے منظر حسین ہیں۔

حکیم نعیم الدین صاحب کا انتقال تقریباً ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران ہوا۔ عمر تقریباً ستر سال ہوگی۔

مولانا وزیر علی خاں احقرؔ سہسرامی

(۱۸۷۷ء تا ۱۹۶۸ء)

نام و تخلص

وزیر علی خاں نام تخلص احقرؔ فرماتے ہیں، کنیت ابو محمد مصلح ہے۔ علمی دنیا میں اپنی کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔

وطن

مولانا ابو محمد مصلح صاحب محلّہ باڑہ سہسرام کے باشندے ہیں۔ آپ کے والد کا نام چراغ علی عرف چمرو خاں تھا۔

علمی کارنامے

مولانا مصلح صاحب کی علمی خدمات کافی ہیں، ۱۹۲۶ء میں سہسرام میں ایک ''الاصلاح'' پریس قائم کیا اور یہیں سے ماہنامہ ''الاصلاح'' نکالتے رہے۔ ڈہری آن سون سے رسالہ ''حسن و عشق'' ۱۹۲۴ء میں نکالا۔ عبدالقیوم انصاری ان کی ادارت میں شریک رہے۔ الاصلاح کو سہسرام کے علاوہ کلکتہ سے بھی نکالا، حیدر آباد اور بمبئی سے بھی بعض ماہنامے اور ہفت روزہ شائع کرتے رہے۔ حیدر آباد میں ان کا ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' مشہور ہوا۔ یہی وہ ماہنامہ ہے جس کو بعد میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی ادارت میں نکالنے لگے، اور جس کے طفیل میں جماعت اسلامی جیسی تحریک کا آغاز ہوا۔

مولانا مودودی صاحب غلبۂ اسلام کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں، اس کا کچھ عکس مولانا مصلح صاحب کی زندگی اور ادارتی فکروں میں دیکھا جا سکتا ہے، میں نے مصلح صاحب سے پوچھا کہ آپ نے اپنے ادارہ کا نام ''عالمگیر تحریک قرآنی'' کس سبب سے رکھا، یہ عالمگیریت کا تصور آپ کے ذہن میں کہاں سے پیدا ہوا۔ انھوں نے برجستہ فرمایا۔ قرآن سے۔ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ذِکْرٌ لِّلْعَالَمِیْنَ فرمایا، اس آیت سے میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا۔

مصلح صاحب کو قرآن سے غیر معمولی شغف ہے۔ جہاں رہے درس قرآن وغیرہ دیتے

رہے۔ سہسرام میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے انجمنیں قائم کیں، بیت المال کی تنظیم کی۔ بچوں کے لیے پارہ عم کی تفسیر لکھی، جو بہت مقبول ہوئی، اور ہنوز حیدر آباد سے شائع ہوتی رہتی ہے۔ ''قرآن اور اقبال'' کے نام بھی اسکول سائز کی ایک کتاب لکھی، جو ادبی دنیا میں مقبول ہوئی، جس سے شاعر مشرق علامہ اقبال کی قرآن فہمی اور اس سے وابستگی کا علم ہوتا ہے۔

''تاریخ سہسرام'' ان کی سب سے پہلی مقبول علمی خدمت ہے، یہ کتاب دو بار شائع ہوئی۔ مگر اب اس کے نسخے نہیں ملتے ہیں۔ افسوس کہ اس کتاب کا دوسرا جزو شائع نہ ہو سکا۔ مصلح صاحب کے حالات نا مساعد ہو گئے۔

شاعری

مصلح صاحب کو نثر کے علاوہ نظم نگاری کا بھی اچھا سلیقہ ہے، شاعری میں انھیں جلال لکھنوی اور حسن علی خاں صاحب حسن سہسرامی سے شرف تلمذ حاصل ہے، کلام صاف ستھرا اور پاکیزہ ہے۔ دین وملت کا سینے میں غیر معمولی درد رکھتے ہیں، جس کا اثر ان کے کلام سے بھی ظاہر ہے۔ مگر ان کے کلام کا ایک جا ملنا مشکل ہے۔ ان کے تمام مجریہ رسالوں اور اخباروں میں تلاش کیا جا سکتا ہے، اگر ان کو ایک جا کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

نمونۂ کلام

نعرۂ مسلم

هم حامل قرآں ہیں مسلم ہیں ہمیں کہتے ہم فہم سے بالا ہیں، ہم عقل سے باہر ہیں
چھوٹا نہ ہمیں سمجھو بچہ نہ ہمیں جانو چل جانے میں خنجر ہیں چبھ جانے میں نشتر ہیں
ہم بحر طلاطم ہیں اور سیل فنا ہم ہیں دشمن کے ڈبونے کو ذخّار سمندر ہیں
میرے لیے دنیا ہے ہم مالکِ دنیا ہیں سمجھو، ہمیں کسریٰ تم، ہم غیرتِ قیصر ہیں
ہم حافظ و سعدی ہیں، غزالی و رازی ہیں ہم علم کے دریا ہیں ہم عقل کے پیکر ہیں
قرآں کے مبلغ ہیں ہم حق کے مجاہد ہیں شمشیر ہیں، ہم بڑھ کر کے چھوٹے ہیں تو خنجر ہیں
پھر جائے زمانہ ہم پھر جائیں اگر اس سے دشمن سے ذرا کہہ دو ہم اس کا مقدر ہیں
گر گر کے سنبھلتے ہیں مر مر کر ہیں ہم جیتے ہم رنج و مصیبت کے اک عرصہ سے خوگر ہیں

بپھرے تو غضب ہوگا کہ شیر خدا ہم ہیں — ہم خالد ثانی ہیں، ضرار ہیں ازدر ہیں
باطل کے پجاری سے حق کوشوں کو کیا شکوہ — مٹے گا زمانہ خود یہ حرف مکرر ہیں
ہم قہر الٰہی ہیں، جبروتِ الٰہی ہیں — کھنچے ہوئے خنجر ہیں بدلے ہوئے تیور ہیں

تم سمجھو تو اے مصلح جو کچھ ہے ہمارا ہے
آقا کا میرے سب ہم ہم آقا کے چاکر ہیں

(ترجمان مومن انصار، اپریل ومئی ۱۹۳۰ء)

جس گلی کو ہم نے پایا اُس کو پایا کوئے دوست — جس طرف سے ہم گئے ہیں پھر کے پہنچے سوئے دوست
ایسی قسمت کے تصدق اسی قسمت کے نثار — سر بوقتِ ذبح ہے اپنا تہہ زانوئے دوست
مشغلہ اپنا نہیں کچھ اور ان دو کے سوا — شب کو یادِ زلف ہے، دن کو خیالِ روئے دوست

کان سننے کے لیے ہے لن ترانی کی صدا
آنکھیں احقرؔ دیکھنے کو ہیں جمالِ روئے دوست

(تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد اوّل)

وجیہ الدین حشرؔ سہسرامی

(۱۹۰۱ء تا ۱۹۷۵ء)

منشی وجیہ الدین نام، حشرؔ تخلص ہے۔ محلّہ شیخ پورہ سہسرام کے باشندہ ہیں۔ شعر وشاعری کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، ادبی صلاحیت اچھی ہے۔ خوش نویس بھی ہیں اور خوش اوصاف ہیں۔

چہرہ بھی وجیہ اور طبیعت میں بھی وجاہت تھی۔ چہرہ پر داڑھی بڑی وجیہ معلوم ہوتی تھی۔ مشرقی وضع کے آدمی تھے اور سہسرام کے ایک علمی گھرانے کے فرد تھے۔

ان کے والد سید رفیع الدین مرحوم سہسرام میں پوسٹ ماسٹر تھے (متوفی ۷راگست ۱۹۴۳ء)۔ دادا کا نام سید شاہ غلام حسین تھا، جو خانقاہ کبیریہ سہسرام میں تحصیل دار تھے۔

حشؔر صاحب کے پرنانا الحاج مولانا سید محمد اشرف حسین مرحوم نواب حیدرآباد میر عثمان علی خاں صاحب (بن محبوب علی خاں) کے استاد تھے۔

حشؔر کے نانا کا نام مولانا سید محمد اظہر حسین صاحب تھا جو مشرقؔی تخلص فرماتے تھے، فارسی میں کلام زیادہ تھا۔ نظام کے یہاں سے انھیں پانچ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ ذی علم آدمی تھے، تقریباً پچاس ہزار کی جائداد چھوڑ کر دکن میں وفات پائی، مگر ان کے وارثوں میں سے کسی کو جائداد نہ مل سکی۔

حشؔر صاحب نے ابتداءً مولوی غلام مخدوم صاحب مسؔت سہسرامیؒ سے اصلاحِ سخن لی، بعد میں علامہ سیمابؔ اکبرآبادی اور جلیؔل مانکپوری مرحوم سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔

مولوی محمود الحسن محمؔود سہسرامی مرحوم کی معیت بھی انھیں حاصل رہی۔ سہسرام میں ان کے تلامذہ کا بھی ایک حلقہ تھا۔

حشؔر صاحب کا سن پیدائش ۱۹۰۱ء ہے۔ تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں پائی، سن فراغت ۱۹۲۶ء ہے۔

نمونۂ کلام

نہیں نکلا تھا جب تک آنکھ سے کیا آفتِ جاں تھا
یہ اک قطرہ تھا آنسو کا مرے دل میں کہ پیکاں تھا

تصور میں میں یوں محوِ جمال روئے جاناں تھا
کبھی دل اُس میں پنہاں تھا، کبھی وہ دل میں پنہاں تھا

طبیعت جب کہیں آئی نہ تھی اچھے وہی دن تھے
نہ دل سے میں پشیماں تھا نہ مجھ سے دل پشیماں تھا

نقاب اُلٹی تھی کس نے روئے روشن سے خدا جانے
کہ ہر ذرّہ ضیائے حسن سے مہر درخشاں تھا

ہمیں نے جیتے جی یہ سانپ گھر میں پال رکھے تھے
کہ دل سینے میں تھا دل میں خیالِ زلفِ پیچاں تھا

تری الفت مجھے اک حال پر رہنے نہیں دیتی
ابھی میں دل سے نالاں ہوں، کبھی دل مجھ سے نالاں تھا

شبِ غم دل جگر دونوں کی حالت غم سے ابتر تھی
نہ اس کا کوئی مونس تھا نہ اُس کا کوئی پُرساں تھا
نہیں نکلا تھا جب تک کیا خلش دن رات رہتی تھی
کوئی کانٹا تھا دل میں یا خیالِ نوکِ مژگاں تھا
شبِ وعدہ نہ وہ آئے نہ دل کو حشر چین آیا
ذرا سی آس پر میں رات بھر کیا کیا پریشاں تھا

وفات

۴؍اکتوبر ۱۹۷۵ء مطابق ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ کو ان کی وفات ہوئی۔

حکیم واحد علی صاحب سہسرامی

حکیم واحد علی صاحب مرحوم محلہ نورن گنج سہسرام کے رہنے والے تھے۔ یہ حکیم مہر علی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آگئی ہے۔

حکیم واحد علی صاحب کی چار لڑکیاں تھیں، پہلی لڑکی کا نام بی بی فاطمہ تھا، جن کی شادی حکیم عطا کریم صاحب عطاؔ سہسرامی (بن حکیم مہر علی صاحب) سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے حکیم نعیم الدین صاحب نعیمؔ سہسرامی تھے۔ دوسری لڑکی کا نام مسماۃ زبیدہ تھا، جن کا نکاح بھی حکیم مہر علی صاحب کے لڑکے محمد یحییٰ صاحب سے ہوا، یہ جوانی میں انتقال فرما گئے، اسی لیے ان کا ذکر حکیم مہر علی صاحب کے حالات زندگی میں درج کرنے کے بجائے، یہیں درج کرنا مناسب سمجھا۔ تیسری لڑکی کا نام بی بی طاہرہ تھا، جن کا عقد نکاح عبدالغنی صاحب محلہ پیر نصیر الدین سہسرامی سے ہوا تھا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکی ہوئی۔ کنیز فاطمہ جن کا عقد نکاح محمد ولی صاحب انصاری متوطن محلہ نورن گنج سہسرام سے ہوا، جن کے لڑکے قیصر عالم، سید احمد، میر اعظم، مسعود اختر حیات سے ہیں (۲۰۰۵ء میں)۔

چوتھی لڑکی کا نکاح مولانا فرخند علی خنداںؔ سہسرامی سے ہوا تھا، ان کا نام بی بی قادرہ تھا۔ لڑکے مولوی محمد محیط اور محمد لئیق تھے۔ مولوی محیط کی چھوٹی لڑکی کا چند سال پہلے انتقال ہو گیا۔ بری لڑکی بی بی عائشہ (زوجہ عبدالرحیم مرحوم) عمر ۸۵ سال ستمبر ۲۰۰۵ء میں محلہ نورن گنج میں حیات سے ہیں۔

حکیم واحد علی مرحوم کی زوجہ کا نام بی بی واصلہ تھا۔ راقم الحروف نے حکیم واحد علی صاحب کی تینوں لڑکیوں کو دیکھا سوائے بی بی قادرہ کے۔ کیوں کہ وہ میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے وصال فرما چکی تھیں۔

وجاہت حسین منصفؔ

نام مولوی وجاہت حسین تخلص منصفؔ سہسرامی، ولدیت حافظ لیاقت حسین۔ تذکرہ شعرائے بہار جلد چہارم نمبر ۶۸۳ میں صرف نام تخلص اور یہ نمونۂ کلام درج ہے:

تم وہ گل ہو کہ جہاں جاؤ گلستاں ہو جائے ہم وہ کانٹے ہیں کہ گلشن بھی بیاباں ہو جائے
پیشوائی کے لیے روح بھی تن سے نکلے تیغ قاتل کہیں مقتل میں جو عریاں ہو جائے

(تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد چہارم)

جو مشتاقِ جمالِ یار ہیں پوچھو نہ کچھ اُن کی نہ خواہش حور کی اُن کو نہ پروا ان کو جنت کی
لگا دو آکے ٹھوکر اپنے تم قدموں کے صدقے میں بلندی چاہتی ہے خاک ایماں میری تربت کی
کوئی سینے میں رکھ کر دل تڑپ جائے نہ کیا معنی تری مستانہ وش چالیں ہیں اے ظالم قیامت کی

مرے نزدیک دنیا جلوہ گاہ یار ہے منصفؔ
زمانہ درحقیقت ہے نمائش اس کی صورت کی

(حسن و عشق، مارچ ۱۹۲۴ء)

اصلاً مولوی وجاہت حسین صاحب محلہ میواتی ٹولہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ ان کے

چچا حکیم عبدالکریم شہر کے مشہور رئیس الطبع طبیب تھے، اور مولوی وجاہت حسین کو ابتدائے جوانی میں شعر گوئی کا ذوق تھا۔ مدرسہ خیریہ کے فارغ التحصیل اور مولانا فرحتؔ سہرامی کے تربیت یافتہ تھے اور مدرسہ نظامیہ خیریہ میں مدرس فارسی تھے۔

حاذقؔ ضیائی کے خسر حافظ قاری حکیم عزیز اللہ علیہ الرحمہ محلّہ مغل پورہ سہرام کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ آخر عمر میں محلّہ شیخ پورہ میں مکان خرید لیا تھا۔ فالج سے ۱۹۷۰ء کے قریب فوت ہوئے۔ ان کے بڑے لڑکے مظہر الحسین سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر پٹنہ میں رہتے ہیں۔

حکیم وسیم الدین شارقؔ سہرامی ثم بنارسی

نام حکیم وسیم الدین، تخلص شارقؔ بن حکیم نعیم الدین نعیم بن حکیم عطا کریم عطاؔ سہرامی بن حکیم مہر علی سہرامی۔

شارقؔ صاحب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہرام میں درجہ فوقانیہ تک ہوئی، شعرو سخن کا ذوق انھیں باپ دادا سے ورثہ میں ملا تھا۔ مدرسہ میں مزید پروان چڑھا، اپنے والد کو بھی کلام دکھایا اور مستؔ سہرامی کو بھی۔

ان کے تخلص کے وزن پر راقم نے اپنا تخلص حاذقؔ ۱۹۴۲ء میں تجویز کیا اور حاذقؔ ضیائی سہرام مؤلف رجال سہرام قلمی کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ شارقؔ صاحب کا یہ شعر ان کے لڑکے شاہد سلیم ۴؍اپریل ۲۰۰۱ء نے میرے گھر پر سنایا، جو انھوں نے رام نگر بنارس کی شعری نشست میں پڑھا تھا۔

مصیبتوں میں بھی جس کو خدا نہ یاد آیا
وہ کم نصیب ہے غافل ہے کیا کیا جائے!

شارقؔ صاحب رام نگر میں طبابت فرماتے تھے۔ وفات ۲۷؍رجب ۱۴۲۱ھ کو صبح ۶ بجے ہوئی۔ مدفن پنچ وٹی رام نگر بنارس بروز جمعرات۔ افسوس کہ ان کا کلام محفوظ نہ رہا۔

شمس الملت ابوتراب شمس بلگرامی سہسرامی

(۱۸۸۳ء تا ۱۹۴۱ء)

سید شاہ وصی احمد بلگرامی نام، شمس الملت وفدائے ملت خطاب، ابوتراب کنیت، شمس تخلص تھا۔

پیدائش

آپ کا مولد غازی پور ہے، روز پیدائش ۱۲ر نومبر ۱۸۸۳ء، پنجشنبہ بوقت صبح صادق ہے۔

خاندانی احوال

شمس صاحب مرحوم کا تعلق ساداتِ بلگرام سے تھا۔ بلگرام ضلع ہردوئی (اُتر پردیش)۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ حضرت سید شاہ سلطان علی صاحب بلگرامی مرحوم اپنے عہد کے ایک مدین عالم دین اور ممتاز مدرس تھے۔ تلاش معاش کے سلسلے میں عازم سفر ہوئے۔ سہسرام پہنچے، مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں مدرس اوّل (۱) کے عہدے پر فائز رہے۔ سہسرام کی آب و ہوا راس آئی، بود و باش اختیار کر لی اور تا حیات مقیم رہے۔

ذاتی حالات

حضرت شمس ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، ساداتِ بلگرام سے تعلق تھا، اس لیے اپنے کو بلگرامی کہتے اور لکھتے تھے۔ عہد طفولیت ہی میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا، زندگی یتیمی میں بسر کی۔ اپنے نانا شاہ محمد صاحب قدس سرہ (جو ایک ذی علم اور کامل بزرگ تھے) کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ عربی، فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد انگریزی درسیات شروع کی۔ سہسرام ہائی انگلش اسکول میں داخل ہوئے اور یہاں سے ۱۹۰۳ء میں انٹرنس (سکنڈ ڈویژن) میں پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ تشریف لے گئے۔ ایم۔اے کالج کے اِف۔او۔ درجہ میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۷ء تک مقیم رہے۔ بعد اختتام تعلیم اپنے بزرگوں کی سنت کے مطابق محکمۂ پولس میں

بحال ہوئے۔ برسوں گیا میں شہر کوتوال رہے۔ مگر یہ پیشہ اُن کی طبیعت سے میل نہ کھاتا تھا اس لیے مستعفی ہو کر ۱۹۱۶ء میں رنگون چلے گئے اور قریب دو سال ''رنگون میمن جماعت اکیڈمی'' کے اسکول میں ہیڈ ماسٹر اور سپرنٹنڈنٹ رہے۔ مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ اس لیے وطن لوٹ آئے۔ ۱۹۱۷ء میں کوآپریٹو کورس (جس میں Law and Secreterial Course آنرس شامل تھا) پاس کیا، اس کے بعد آٹھ سالوں تک Central Co-operative Bank کے منیجر اور آڈیٹر کی حیثیت سے پٹنہ اور بھاگل پور ڈویژنوں میں اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ مگر انھیں اپنے اس عہدہ میں خاطر خواہ ترقی نظر نہ آئی، اس لیے دل برداشتہ ہو کر کلکتہ چلے گئے اور وہاں بالترتیب محمد امین برادرس ایچ۔ اے۔ محمد اسمٰعیل اینڈ کمپنی اور محبوب اینڈ سعید وغیرہ میں ایک طویل مدت گزاری۔ اس طرح مختلف سرکاری و غیر سرکاری آسامیوں پر بحال رہے۔ مگر خداوند عالم نے آپ کے اندر قومی و وطنی خدمات کے جذبات غیر معمولی طور پر ودیعت فرمائے تھے۔ اس لیے زیادہ دنوں تک ملازمت کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ علی گڑھ کی تحریکات سے شروع ہی سے وابستہ تھے اور حضرمولانا محمد علی اور حسرت موہانی وغیرہ خدام ملک و ملت سے غیر معمولی اُنس و محبت تھی، پہلے تحریکِ خادم کعبہ میں شامل ہوئے، پھر ۱۹۲۰ء کی خلافت تحریک میں پُر زور حصہ لیا۔ ۱۹۲۱ء میں مشہور تاریخی مقدمہ کراچی علی برادران میں خلاف کمیٹی کلکتہ کی جانب سے شریک ہوئے اور اس موقع پر ججوں اور جوریوں کی موجودگی میں ویناہال کراچی میں ایک پُر مغز، انتہائی دلیرانہ اور معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جس میں انگریزی حکومت پر کھل کر تنقید کی اور اپنی نکتہ چینی میں حکومت کو غاصب بتایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی پر ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو سہسرام میں گرفتار کر لیے گئے۔ سہسرام سے بکسر جیل بھیج دیئے گئے، پھر ہزاری باغ جیل میں منتقل کر دیئے گئے۔

قیدِ فرنگ اور قرآن کی توہین کا واقعہ

ہزاری باغ جیل میں موصوف عرصہ دراز تک رہے، وہاں ایک روز تلاوت کلام اللہ فرما رہے تھے، بعض حکام جیل نے کلام اللہ کو اُن کے ہاتھ سے چھین لیا اور اُس کو پاؤں سے روندا، موصوف کی اسلامی حمیت پھڑک اٹھی، انتہائی اولوالعزمی سے اس کا مقابلہ کیا، جس کی حکایات انگریزی اخبارات وغیرہ میں بھی شائع ہوئیں، اور موصوف نے توہینِ قرآن پاک کے واقعات کو جیل میں نظم فرمایا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اسلامی ممالک کی سیاحت

موصوف کو جیل میں سخت مصائب اور مختلف قسم کی اذیتوں کا مقابلہ کرنا پڑا، جس کے سبب آپ کی صحت خراب ہوگئی، جیل سے نکلے تو زیادہ دنوں وطن میں قیام نہ فرمایا۔ کلکتہ چلے گئے، پھر وہاں سے بعض بلادِ اسلامیہ (ایران وعراق) کی سیاحت کی۔ مسلم تاجران ہند کے نمائندے کی حیثیت سے حکومت ایران سے بعض تجارتی معاملات میں تصفیہ کرایا۔ اس سفر سے کچھ طبیعت سنبھلی تھی کہ پھر کلکتہ لوٹ آئے۔ منہ سے خون آنے لگا۔ دق کا شکار ہوگئے۔ طبی مشوروں کے بموجب کلی آرام ضروری تھا اس لیے مراجعت فرمائے وطن (سہسرام) ہوئے اور ۱۹۳۵ء میں مختار کاری کا امتحان پاس کیا اور پیشہ قانونی میں مشغول ہوگئے۔

وفات

موت سر پر سوا تھی، کلکتہ تشریف لے گئے، جہاں انھوں نے بہت سی قومی خدمات انجام دیں وہیں سپرد خاک ہونا تھا۔ اچانک حرکتِ قلب بند ہوگئی۔ مؤرخہ ۲۸/اکتوبر ۱۹۴۱ء بروز سہ شنبہ بوقت ۵ بجے صبح صادق تقریب ۵۸ یا ۶۰ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قومی اور رفاہی خدمات

کہا جا چکا ہے کہ شمس صاحب تحریک آزادی کے دلدادہ، ملک وملت کے شیدا، صحیح معنی میں خادم قوم وملک تھے۔ تا حیات ملک وقوم کی خدمت کرتے رہے۔ نیز کلکتہ کے مزدور طبقہ کو آپ سے خاص طور پر فائدہ پہنچا۔ محنت کشوں سے آپ کو بڑی محبت تھی محنت کش طبقہ بھی آپ کو محبوب رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بنگال ربر اینڈ کینوس فیکٹری ورکرس، بنگال لیدر ورکرس اور بنگال یونائیٹڈ، ہاسپٹل ورکرس یونین وغیرہ کے سرپرست رہے۔ اُن کے عہد کارکردگی میں مزدور جماعتوں نے خصوصی ترقی حاصل کی، ان کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ موصوف کو جہاں مسلمانوں کو علمی سیاسیات سے دلچسپی تھی وہیں وہ بلا تفریق مذہب وملت ہر ایک کی خدمت کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔

نمونۂ کلام

بوالہوس نفس کی پہلے ذرا تحلیل تو کر　　عشقِ لیلیٰ میں انا لیلیٰ کی تکمیل تو کر
بندۂ رسم ہے تو ضعفِ عمل تیری سرشت　　مادّیت سے الگ فکر کی تاویل تو کر

تجھ سے جاتی رہی مشکل طلبی جور کشی — مثل پروانہ تو جاں دینے میں تعجیل تو کر
صاحب دل پہ وحی آج بھی آ سکتی ہے — سعیٔ پیہم سے تو کسبِ پر جبریل تو کر
باپ اور بیٹے کی قربانی پہ آمادہ ہو؟ — یہ تھی تنظیم پھر اس نظم کی تشکیل تو کر

شمس ہے بندۂ حق اور فقیر تشنہ
جامِ جم ساغرِ غم میں ذرا تبدیل تو کر

(اخبار اتحاد، پٹنہ ۹ر فروری ۳۹ء)

شاہ صاحب مرحوم کی ایک مشہور نظم جسے انھوں نے ہزاری باغ جیل میں قرآن پاک کے ٹھکرائے جانے پر کہی تھی، جس کا ذکر پچھلے صفحوں میں کر چکا ہوں، اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لائی ہے کھینچ کر مجھے تقدیر جیل میں — بنیاد حریت کی ہے تعمیر جیل میں
پروانہ ہائے شمعِ شبستانِ آرزو — ہیں جمع مثل یوسفِ دلگیر جیل میں
مانا کہ میرے پاس وہ تیز و تبر نہیں — کیا کم ہے میرا نالۂ شبگیر جیل میں
اس ذوقِ بیخودی میں قناعت کہاں مجھے — ہے آرزوئے دار گلو گیر جیل میں
کنجِ قفس ہو خواہ ہو دیوارِ آہنی — پابند کب ہے نالۂ نخچیر جیل میں
لو آبروئے معبد دیر و حرم گئی — جلوہ نما ہے وہ بتِ بے پیر جیل میں
گاتے ہیں گیت دونوں ہی ربِ ودود کا — زنار و سبحہ اب ہیں بغل گیر جیل میں
اے آسماں بتا دے بگڑتا ہے کیا ترا — جو ہم غریب کہتے ہیں تکبیر جیل میں
ہم بندگی میں اور کسی کی ازل سے ہیں — کیوں ہم کو آپ دیتے ہیں تعزیر جیل میں
بیرونِ جیل جو تھا وہ مسلک ہے آج بھی — اغیار کی کریں گے نہ توقیر جیل میں
ہم قید ہو کے اور بھی آزاد ہو گئے — مدت کی بگڑی بن گئی تقدیر جیل میں

اے شمس شعر گوئی کا بھی مشغلہ نہیں
خاموش ہوں میں صورتِ تصویر جیل میں

واجد علی شائق سہسرامی

شائق تخلص، مولانا حکیم واجد علی نام، ابن شیخ شجاعت علی انصاری مرحوم، متوطن محلہ بارہ دری، سہسرام۔

حکیم صاحب موصوف فن طب میں غیر معمولی دسترس رکھتے تھے، علوم عربیہ سے بخوبی واقف تھے، طب بھی عربی زبان میں پڑھی تھی۔ کلکتہ میں بھی طبابت کر چکے تھے۔ آخر عمر میں سہسرام ہی میں مقیم رہے، محلہ عالم گنج میں آپ کا شفاخانہ مشہور تھا۔

بڑے ہی وضعدار آدمی تھے، جسامت اچھی پائی تھی، لمبے تڑنگے آدمی تھے، رنگ سیاہی مائل تھا۔ مزاج کے سخت اور اصول کے پابند تھے۔ مگر دست شفا سے محروم۔ معلوم ہوا شروع میں ان کی طبابت بہت کامیاب تھی۔ حکیم واجد صاحب مولانا فرخند علی بن عنایت علی کے چچازاد بھائی تھے۔ حکیم واجد علی کی تعلیم مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں ہوئی۔ طب کی تعلیم لکھنؤ میں پائی۔

"مسلم لیگ" کے سرگرم کارکن تھے، عام انصاریوں کے خلاف لیگ کی حمایت میں پیش پیش رہتے تھے۔ قبل تقسیم ہند ۱۹۴۷ء میں عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم (محلہ چوکھنڈی) میں ان کی صدارت میں ایک مشاعرہ لیگیوں کی جانب سے ہوا تھا، جو بہت کامیاب رہا۔ راقم اس مشاعرہ میں شریک تھا۔ حکیم صاحب نے بھی اپنا کلام اس مشاعرہ میں بڑے طنطنے کے ساتھ پڑھا تھا، اسی مشاعرے میں حکیم غلام نبی صاحب فاخر سہسرامی مرحوم بھی شریک تھے، اور انھوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں حکیم واجد علی صاحب کا طب میں شاگرد ہوں۔

ابتدائی عہد کا کلام گلدستۂ سخن (مدرسہ خیریہ سہسرام) سے نقل کیا جاتا ہے:

نمونۂ کلام

کیوں ترے مضموں میں شائق اس قدر پرواز ہے — کیا ترے قالب میں روحِ بلبلِ شیراز ہے

خواب میں آنکھیں کھلی ہیں واہ کیا انداز ہے — فتنہ گر بیدار فتنہ محو خواب ناز ہے

مبتلائے درد فرقت ہوں نہیں اُمید زیست — دے مسیحا وہ دوا مجھ کو جو خانہ ساز ہے

آیت ما ینطق سے حل یہ عقدہ ہو گیا — آپؐ کی آواز بھی اللہ کی آواز ہے

سنگدل بھی موم ہو جاتا ہے باتوں بات میں — کیا رسیلی نرم میٹھی آپ کی آواز ہے

ناز و انداز و ادا شوخی و شرم و حیا — اتنے دشمن میں گھرا اک عاشق جانباز ہے
اب اَرِنی لَن ترانی کا نہ پوچھو ماجرا — عاشق و معشوق میں یہ اک نیاز و ناز ہے
آنکھ لڑتے ہی مرا دل ہو گیا بے چین کیوں — کیا نگاہ ناز تجھ میں سحر کا انداز ہے
دل جگر دونوں کو زخمی کر دیا اک آن میں — کس قیادت کی تری ظالم نگاہِ ناز ہے
وعدہ کر کے ٹالتا ہی رہ گیا وہ عمر بھر — کس قدر اللہ اکبر وہ صنم دمباز ہے

سنتے ہی شائق غزل کو بول اٹھے اہل سخن
رنگ مینائی کا ہے تو داغ کا انداز ہے

افسوس کہ شائق کے ابتدائی دور ہی کی مذکورہ غزل سامنے ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اپنے فن پر ناز تھا، اور زبان و بیان پر پوری قدرت اس لیے فرماتے ہیں رنگ مینائی کا ہے تو انداز داغ کا۔ اس دور میں مذکورہ دونوں شاعروں کا رنگ تغزل دہلی اور لکھنؤ کی یاد سہسرام میں تازہ اور زندہ تھی اور شائق انھیں افکار اور اسلوب کے شیدا!

ولی احمد خاں ولی سہسرامی

تخلص ولی، ولی احمد خاں نام، ولد کبیر الدین خاں متوطن محلّہ بارہ دری سہسرام۔
ولی احمد خاں صاحب ولی کو بھی شعر گوئی کا اچھا ذوق ہے، غزلیں بھی لکھتے ہیں، اور قطعات تاریخ بھی۔ بعض مزارات پر آپ کے کہے ہوئے قطعات درج ہیں۔
اس وقت (۱۹۷۰ء) میں سہسرام کے خوش نویسوں کی آخری یادگار ہیں۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام میں حاصل کی۔ مولوی احمد حسین صاحب احمد سہسرامی سابق مدرس مدرسہ مذکور سے خوش نویسی کے اصلاح لیتے تھے۔
سہسرام کے ایک متمول گھرانے کے فرد ہیں۔ مگر اب اخلاص اور غربت سے مجبور ہو گئے ہیں۔ سہسرام کچہری میں وثیقہ نویسی کرتے ہیں، مناسخہ سے واقف ہیں، جذام کے مرض نے پریشان کر رکھا ہے۔ طبیعت سلیم ہے۔

یہ ولی سہسرامی متوفی ۱۹۶۶ء سے جدا معمر بزرگ تھے، یوں تو دونوں ہم پیشہ تھے، مگر اوّل الذکر عمر میں بڑے تھے۔ افسوس کہ ان سے میری اچھی ملاقات تھی۔ کلام ان کی حیات میں حاصل نہ کرسکا۔

۱۹۷۰ء کے قریب انتقال کیا۔ ان کا خاندان مزار حضرت چندتن شہید کی تولیت سے بھی وابستہ تھا، ان کے پاس جو مزار مبارک کے سلسلے کے کاغذات تھے موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ انھوں نے کاغذات تاج الدین محلّہ شاہ جمعہ کے حوالہ کردیئے ہیں۔ خدا کرے ان کے پاس محفوظ ہوں۔

''متاع فکر ونظر'' مرتبین ظفر رضوی کاکوی، عبدالرب نشتر، ناشر ادارۂ فکر ونظر سہسرام ۱۹۸۲ء میں ولی احمد خاں ولی کی غزل صفحہ ۵۱ پر یوں لکھی ہے۔

ہم کرتے ہیں وفائیں وہ کرتے ہیں جفائیں ۔۔۔ پھر ایسے سنگ دل سے کیا دوستی نبھائیں
اے شمع رو بتا دے پروانے کیسے جائیں ۔۔۔ تجھ بن جئیں گے کیسے بہتر ہے جل ہی جائیں
کتنا ستم ہے ڈھایا اس آپ کی ادا نے ۔۔۔ ہم اشک غم بہائیں اور آپ مسکرائیں
ہے درد دل میں اپنے چارہ نہیں ہے جس کا ۔۔۔ آپ ہی نے درد بخشا آپ ہی دوا بتائیں
وعدے پہ وعدہ کرنا پھر بھی وفا نہ کرنا ۔۔۔ اس سنگ دل سے آخر دل کیسے ہم لگائیں
ہے ایک دل ہمارا مژگاں کے تیر صدہا ۔۔۔ ہرسو سے جب ہے یورش پھر کیسے دل بچائیں
جب چاہا وار دل پر رہ رہ کے ہیں وہ کرتے ۔۔۔ اس درد دل کی میرے کیا ہیں یہی دوائیں

آنکھوں سے اب ولؔی کو مجبوریاں بہت ہیں
بزم مشاعرہ میں آئیں تو کیسے آئیں

مولانا حکیم ولایت حسین

مولانا حکیم ولایت حسین صاحب مرحوم محلّہ چوکھنڈی کے رہنے والے تھے مگر ڈالٹین گنج میں طبابت کرتے تھے، مدفن بھی یہیں ہے۔

حکیم ولایت حسین کی اہلیہ فاطمہ بی بی حکیم مولوی عبدالغنی بشاشؔ سہسرام کے ایک مشہور

شاعر باشندہ محلہ پٹھان ٹولی کی صاحبزادی تھیں۔ خوبصورت، خوب سیرت، فصیح اللسان راقم کی رشتہ کی پھوپھی تھیں، اسی مکان میں رہتی تھیں، جس میں ان دنوں حکیم انیس الزماں سلمہ رہتے ہیں۔ راقم نے انھیں دیکھا اور ران شائستہ بیانی سے متاثر ہوا۔ حکیم ولایت حسین مدرسہ خانقاہ سے تعلیم پا کر دیو بند تشریف لے گئے اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد ہوئے اور طب حکیم عبدالرب صاحب گیاوی سے پڑھی۔

آپ کی اولادوں میں مولوی شمس الضحےٰ صاحب شمسؔ، حافظ خیر الوریٰ صاحب، نور الہدیٰ صاحبان ہیں۔ ان دنوں ڈالٹین گنج میں بود و باش اختیار کر لی ہے۔

مولانا ضیاء الحسن صاحب ضیاؔ نے تاریخ وفات کہی:

صد حیف کہ حاذق الاطبا لقمان زماں سو جناں شد
مولانا ولایت حسین آں مشہور طبیب از جہاں شد
در چاردہم جمادی الاخریٰ از چشم جہانیاں نہاں شد
آں شب شب چار شنبہ بودہ کو رہرو گلشن جناں شد
روحش بجمال حق منور سر حق بزم قدسیاں شد
گفتیم ضیاؔ سنہ و سالش
علامہ حاذق زماں شد
۱۳۵۷ء

حکیم مولوی وحید الحق سہسرامی

حکیم مولوی وحید الحق صاحب سہسرامی بن محمد یعقوب باشندہ محلہ نورن گنج سہسرام۔

مولوی وحید الحق صاحب سبحانیہ الہ آباد سے فارغ تھے۔ سہسرام میں طبابت شروع کی۔ وعظ کہنے پر مولانا قادر بخش نے فرمایا میرے بعد یہ لڑکا میری جگہ لے گا۔ جواں سالی میں وصال ہوا۔ عبدالولی انصاری بن منشی عبدالمغنی صاحب مرحوم کے ماموں تھے۔ اور لاولد تھے۔

محلہ باغ بھائی خاں کے حکیم عبدالرزاق صاحب مرحوم کے ساتھی تھے۔ مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں۔

مولوی حافظ شاہ وصی الحق مسکیںؔ اصدقی سہسرامیؒ

(۱۳۰۳ء تا ۱۳۷۷ھ)

مولوی حافظ شاہ وصی الحق صاحب محلہ ہارون عرف برتلہ سہسرام کے رہنے والے تھے۔ سال پیدائش ۲۶ رصفر ۱۳۰۳ھ تھا۔ حضرت شاہ وصی الحق علیہ الرحمہ کے حالات زندگی پر عزیزی پروفیسر حسین الحق سلمہ نے ایک کتاب ہی ''آثار حضرت وصی'' کے نام سے لکھ دی ہے، جو ۲۰۰۱ء میں چھپ چکی ہے۔ آپ کے جانشیں اور صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد انوار الحق شہوری سہسرامی مرحوم تھے۔ اور آصف سہسرامی بھی لڑکے تھے۔ ان کا خاندان علمی خاندان ہے، جس کو ان کے پوتے حسین الحق اور عین تابش آباد کیے ہوئے ہیں۔

تاریخ وفات ۱۴ ارجمادی الآخرے ۱۲۷۷ھ

حکیم صاحب مرحوم کی زندگی میں ان کی بیاض سے راقم حاذقؔ نے مذکورہ قطعہ نقل کیا تھا۔ مگر آثار وصی میں ایک شعر زاید اور بے حد کی جگہ عالم مرقوم ہے۔

حضرت مسکیں کے دو اشعار ملاحظہ ہو:

صد بار تیرے قرباں، اللہ! تیری عادت	ہم ایسے سرکشوں پر ہوتی ہے مہربانی
میں دیکھوں اُن کا جلوہ وہ دیکھیں میری صورت	جب جان تن سے نکلے مسکیںؔ گدا کی مولیٰ

سید شاہ وحید الدین احمد صاحب چشتی نظامی سلیمانی

ڈاکٹر سید شاہ وجیہ الدین احمد نام، وحید تخلص، ساکن محلہ اڈہ سہسرام۔ اسپتال میں بحیثیت ڈاکٹر ملازم رہے۔ کچھ دنوں تک سہسرام میں آنریری مجسٹریٹ رہے۔ انگریزی تعلیم یافتہ تھے۔ سہسرام میں چیئرمین بھی تھے۔

تصوف کا رنگ غالب ہو گیا، تو انے عہد چیئرمینی میں پلیگ کے زمانے میں چوہے اور چوہیا خریدتے تھے اور مار دیتے تھے۔

آپ کے والد کا نام شاہ قمر الدین احمد سہسرامی تھا۔ آپ حضرت شاہ فیض محمد خاں ولد حضرت شاہ غلام حسن خاں صاحب مرحوم چشتی، نظامی، صابری، نقش بندی وسہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔

آپ کی یادگار میں آپ کی دو مطبوعہ یادگاریں نظر سے گزریں۔ ایک کا نام ''رسالہ آئینۂ فیض'' ہے، جس میں متصوفانہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ مطبع مشتاق پریس دہلی میں چھپا ہے۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

ایک کتاب ''دیوان فیض معین القلب والایوب'' ۱۹۲۱ء میں سلیمانی پریس محلہ گاء گھاٹ شہر بنارس میں چھپا۔ پورا کلام ناموزوں ہے۔ اس کو مجذوب کی بڑ سے تعبیر کیا جانا چاہیے۔

وحید صاحب کی یادگار میں سہسرام میں ایک بڑی خانقاہ تعمیر ہو گئی ہے۔ تین دنوں تک ان کے خانقاہ میں لنگر جاری رہتا ہے۔ پچاس ساٹھ من کھانے غربا کو مدتوں تقسیم کیا جاتا رہا۔

ان کے صاحبزادے ڈاکٹر معین الدین ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ان کے خلیفۂ مجاز تھے۔ ان کے صاحبزادے قطب الدین صاحب شبلی مرحوم ہوئے۔ ان دنوں ۲۰۰۵ء میں اجمیری خانقاہ کے وارث ہیں۔

حکیم یار علی

حکیم یار علی صاحب کا وطن سہسرام تھا، محلّہ نورن گنج سہسرام میں اپنے آبائی مکان میں پیدا ہوئے۔ حکیم رمضان علی شاہ سہسرامی ثم حیدرآبادی کے چھوٹے بھائی تھے۔ والد کا نام شیخ امام بخش تھا۔

حکیم یار علی صاحب بھی حکیم مولوی مہر علی صاحب سہسرامی کے بھانجے تھے۔ طبابت کے سلسلے میں جگدیش پور (آرہ) چلے گئے، وہاں کے ایک رئیس نے آپ کی خدمات حاصل کی، بہت سے لوگوں کو اپنے فن سے فائدہ پہنچایا۔

حکیم یار علی صاحب کی ایک شاندار تصویر ان کے پوتے حکیم فرید الدین صاحب کے پاس دیکھا۔ رنگ سیاہ، گداز بدن، پرانے طرز کا لباس زیب تن کیے ایک وضعدار رئیس معلوم ہوتے ہیں۔ نوابوں کی تصویر سے ملتی جلتی تصویر ہے۔ ان کے بڑے صاحبزادے بھی اسی وضع کے آدمی تھے۔ چھوٹے صاحب سراپا مشرقی تہذیب کا نمونہ تھے۔

نام حکیم محمد فرید الدین تخلص جامیؔ، سلسلۂ وارثی سے تعلق ہونے کی بنا پر اپنے کو وارثی لکھتے ہیں۔ تاریخ پیدائش ۹ رفروری ۱۹۱۹ء ہے۔

جامیؔ کے والد ماجد حکیم عبدالمجید صاحب وارثی سہسرامی (متوفی ۲۹ ر رجب ۱۳۸۰ھ مطابق ۳ رنومبر ۱۹۶۷ء) تھے۔ ان کے چچا کا نام حکیم عبدالوحید تھا۔ دادا کا نام حکیم یار علی سہسرامی تھا جو حکیم رمضان علی شاہ صاحب سہسرامی ثم حیدرآبادی کے چھوٹے بھائی تھے۔

حکیم یار علی صاحب سہسرام سے جگدیش پور ضلع آرہ تشریف لے گئے، بابو رگھوناتھ کے بھتیجے رائے بہادر شاردھا سنگھ کا عہد بھی دیکھا، نیز جگدیش پور کے مسلم اسٹیٹ بخشش علی خاں اور ان کے لڑکے وارث علی خاں سے بھی قربت رہی، اور ان حضرات کے خصوصی معالج رہے۔

محمد فرید الدین صاحب جامیؔ بھی اپنے والدین اور اپنے جد کی طرح جگدیش پور میں شہرت رکھتے ہیں اور نہایت ہی وضع دار اور بااثر آدمی ہیں۔ ان کا مطب اس عہد میں اچھا خاصہ چلتا ہے، حکومت کے ملازمین بھی ان کی طرف راغب ہیں، اور ان سے اپنا علاج کراتے ہیں۔

جامیؔ صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد طبیہ کالج پٹنہ میں زیر تعلیم رہے،

پھر طبیہ کالج دہلی چلے گئے اور فراغت (اپریل ۱۹۴۱ء میں) حاصل کی۔

جامی صاحب کو شعر و شاعری کا بھی اچھا ذوق ہے، راقم نے ان کو پہلی بار ۱۹۴۸ء میں سنا تھا، جب ان کے چچازاد بھائی اور راقم کے ہم سبق محمد حکیم مرحوم کی شادی تھی۔ محمد حکیم میرے ساتھ طبیہ کالج الٰہ آباد میں ساتھ پڑھتے تھے۔ راقم کو چند ماہ زیر تعلیم رہا، مگر یہ فارغ ہوئے اور عہد جوانی میں تقریباً ۱۹۵۰ء میں وصال کیا۔

جامی صاحب کو فن سخن میں محمد حسین صاحب افقر موہانی وارثی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

═══✕✕✕✕═══

ضمیمۂ

حضرت مولانا حکیم محمد علی صادق حنفی قاری سہسرامی

رجال سہسرام کی مختلف جلدوں میں سہسرام کی شخصیتوں کا تذکرہ لکھ چکا ہوں، مگر اس وقت حضرت مولانا حکیم محمد علی صاحب علیہ الرحمہ کی قلمی کتاب ''قرۃ العیون'' میری نظر سے نہیں گزری تھی۔

''قرۃ العیون'' کے پڑھنے سے حضرت مولانا حکیم محمد علی صاحبؒ کی زندگی کے بہت سے واقعات ومشاہدات اوران کے تجربات معلوم ہوئے، جو رجال سہسرام میں نہیں مرقوم ہیں، اور اگر مرقوم ہیں تو دوسروں کے بیان کردہ ہیں، اس لیے اس کی افادیت کے پیش نظر یہاں کچھ اہم باتیں لکھی جارہی ہیں۔

مولانا محمد علیؒ محلہ چوکھنڈی، سہسرام کے رہنے والے تھے اوران کے والد ماجد کا نام حکیم سراج علی سہسرامی تھا، دونوں باپ بیٹے اپنے عہد کے شہرہ آفاق طبیب تھے۔

مولانا محمد علی صاحبؒ کا تخلص صادق تھا، جسے غلطی سے ''تذکرۂ مسلم شعرائے بہار'' مطبوعہ کراچی کے ندوی مصنف نے مولانا کے تخلص کو نام سمجھ لیا، جس کی تصحیح میں رجال سہسرام کے کسی حصے میں کر چکا ہوں۔ یہی غلطی مصلح صاحب سہسرامی سے بھی ''مشاہیر شعرائے سہسرام'' میں ہوئی تھی۔

اس کتاب میں مولانا کا فارسی کلام بکثرت درج ہے، مگر میں نے رجال سہسرام میں ان کے اردو اشعار بھی درج کر دیئے ہیں، اوران کی وفات اوران کے مزار مبارک کا بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا اپنے محلہ میں طبابت فرماتے تھے اور فرصت کے اوقات میں تالیفات وتصنیفات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

صادقؔ صاحب کا کلام فارسی واردو میں دستیاب ہے، قلمی اور دوسرے مصنفین کی مطبوعہ کتابوں پر قطعات تاریخ طباعت درج ہیں۔

صادق صاحب کے فارسی اشعار بہت ہیں، بطور نمونہ اس کتاب سے ایک غزل درج ہے۔

غزل

مست و مدہوشم نمی دانم خراب کیستم　　حیرتی دارم کہ مخمور از شراب کیستم
آتش عشق کسی زد شعلہ در دامان من　　سوزشی دارم بدل یارب کباب کیستم
سوختم از پائی تا سر سر من روشن نشد　　یا الٰہی شمع بزم ماہتاب کیستم
در دل بیتاب دارم تاب از رویش ولے　　من ندانم ذرّۂ از آفتاب کیستم

صادقا طوق غلامی ساز زیب گردنت
گو نمی دانی سگ عالی جناب کیستم

صادقؔ صاحب پر میرا نوشتہ ایک مضمون ''تاریخ اطباء بہار'' جلد دوم میں شائع ہو چکا ہے۔

شاہ کبیر الدین سہسرامی (سجادہ نشیں)

کتاب میں درج ہے کہ شہر سہسرام کے رئیس اعظم اور خانقاہ کبیر درویش کے سجادہ نشیں اور مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام کے متولی ایک روز ان کے یعنی مولانا حکیم محمد علی صاحب سہسرامی کے مکان پر تشریف لائے۔ ان کے پیر و مرشد حضرت شاہ ثناء اللہ صاحب قدس سرہ سے بغرض ملاقات ان سے اس حال میں ہوئی کہ ان کے مرشد مراقب تھے اور مجلس خاموش، حضرت مرشد نے مراقبہ سے سر اٹھایا، اور السلام علیکم کے بعد سجادہ نشیں سے مصافحہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ ''اے کبیر الدین تیرے رگ و پے میں نصاریٰ کی محبت سما گئی ہے، اور تو رات دن ان کی خاطر داری میں لگا رہتا ہے، مجھے ڈر ہے کہ تیرا حشر ان لوگوں کے ساتھ نہ ہو، سجادہ نشیں نے پیر و مرشد کا یہ جملہ سنا تو ان پر رقت طاری ہوگئی، اور بے خود و بے کیف ہو گئے، ان کی یہ کیفیت دیکھ کر پیر و مرشد پھر مراقبہ میں چلے گئے، اور ایک گھنٹہ بعد فرمایا، تمھاری آنکھوں سے جو آنسو رواں ہوئے ان کے سبب تیرے سینے سے ان کی ظلمت نکل گئی، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک اور پیران عظام

کے صدقے میں ہم لوگوں کا حشر اچھا کرے۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابھی تک خدا نے مجھے نصاریٰ کی صورت دیکھنے سے محفوظ رکھا ہے۔

یہ سجادہ نشیں اپنے دور کے مشہور صاحب علم تھے اور اپنی خانقاہ میں ایک پریس، کبیری پریس کے نام سے قائم کیا، اور قرآنِ پاک کے تیسویں پارے کا شاہ غلام مرتضٰے جنوں سہسرامی کا منظوم ترجمہ شائع کیا، اور خواجہ میر درد دہلوی کے کئی رسائل شائع کیے، جس میں دیوان درد بھی شامل تھا۔

مولانا شاہ احمد حسین

حضرت شاہ احمد حسین صاحب سہسرامی (باشندہ سمری) اپنے وقت کے جید عالم اور صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں۔ احمد تخلص فرماتے تھے۔ مختلف تذکروں میں ان کا ذکر آیا ہے، راقم نے بھی ''رجال سہسرام'' کے کسی حصے میں ان کی شخصیت پر روشنی ڈال چکا ہے۔ مگر یہاں بطور استفادہ حکیم مولانا محمد علیؒ کی کتاب ''قرۃ العیون'' سے کچھ باتیں نقل کی جارہی ہیں کہ شاہ احمد حسین علیہ الرحمہ نے بہت قلیل مدت میں معقولات اور منقولات کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی تھی عقل سلیم تھی اور رائے صائب، ذہانت وفطانت میں اپنے ہم عصر علما سے فائق اور ممیز تھے۔ خاص کر علم فقہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، ان کے تبحر علمی کا دور دور چرچا تھا، مناظرہ میں انھیں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ گفتگو سلیس فرماتے تھے، آداب مناظرہ کی پوری رعایت رکھتے تھے، اور انصاف کا پہلو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، ترکی بہ ترکی جواب دینے میں طاق تھے، اور ایسے کلمات سے اجتناب کرتے تھے جو علما کے شایان شان نہ ہوتے تھے۔

مصنف نے مزید یوں تحریر فرمایا کہ شاہ صاحب موصوف کو جگر کی بیماری لاحق ہوگئی پٹنہ سے سہسرام بغرض علاج لائے گئے، اسہال کی شکایت اطبائے شہر کے علاج سے بھی رفع نہ ہوئی اور اسی مرض میں ۱۳۰۳ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔

شاہ ظہور الحسن علیہ الرحمہ

مولانا محمد علی نے شاہ ظہور الحسن صاحب کے بارے میں لکھا کہ یہ مولانا شاہ احمد حسین صاحب علیہ الرحمہ کے شاگردوں میں سے تھے، ان سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کی۔ انھیں فطری طور پر علوم دینیہ اور معارف الٰہیہ کے جاننے کی رغبت تھی، وقت کا بیشتر حصہ اسی میں صرف کر دیا، اور علوم وفنون میں حد کمال کو پہنچے، حرمین شریفین کی زیارت کی، بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، پاک پٹن، اجمیر شریف کی سیاحت فرمائی اور آخر میں اپنے آبائی وطن امتھوا ضلع گیا میں سکونت اختیار کرلی۔

حضرت مولانا قادر بخش صاحب (سلمہ)

(موصوف سہسرام کی مشہور شخصیت تھے، ان کا ذکر میں رجال سہسرام کے کسی حصہ میں کر چکا ہوں)، البتہ مولانا محمد علی کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا قادر بخش سہسرامی نے مولانا احمد حسین صاحب سمروی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، کتاب ''قرۃ العیون'' کی تصنیف کے زمانہ میں وہ حیات سے تھے، اور موصوف کی خوش بیانی اور انداز خطابت کا شہرہ شرق وغرب میں تھا۔ اس زمانے میں ہر خاص وعام ان کے بارے میں تعریفی وتوصیفی کلمات کہتے، اور جب بیان شروع ہوتا تو ہر طرف سے صدائے آفریں بلند ہوتی۔

شاہ ارادت حسین سمروی سہسرامی

مولانا حکیم محمد علی صاحب نے ایک واقعہ تحریر کیا کہ میرے استاذ مولوی احمد حسین صاحب قبلہ مرحوم کے اجداد میں سے شاہ ارادت حسین صاحب باشندہ سمری (علاقہ کرگہر) پر کسی نے سحر کر دیا تھا، مولانا موصوف (احمد حسین صاحب قبلہ) اس وقت سہسرام میں تھے، اور ارادت حسین صاحب" موضع سمری میں قیام پذیر تھے، یکایک آدھی رات کو مولانا موصوف نے میرے دادا سے فرمایا کہ میرے جدامجد پر کسی نے سحر کردیا، اور وہ سحران کے قریب پہنچنے ہی والا ہے، اسی وقت مولانا موصوف نے کہاروں کو اکٹھا کیا اور نماز فجر سے پہلے سمری پہنچ گئے تو دیکھا کہ سحران کی چارپائی سے قریب ہورہا ہے، اچانک انھوں نے اپنے جدامجد ارادت حسین صاحب کو چارپائی سے کھینچ لیا، اور کدال منگوا کر زمین کھودی تو دیکھا کہ ایک کوری ہانڈی میں سحر کا سامان رکھا ہوا ہے، اور اس سامان میں تیر وکمان بھی ہے جس کے ذریعہ عنقریب سحر زدہ ہلاک ہو جاتا، مولانا موصوف نے سحر کا ازالہ فرمایا، اور ان کی جان بچ گئی، صاحب ''قرۃ العیون'' نے اس واقعہ کو بہت مؤثر انداز میں تحریر کیا ہے جو اصل کتاب میں پڑھنے کے لائق ہے۔

رئیس الاطبا حکیم بدرالدین صاحب مرحوم

کاتب "قرۃ العیون"

حکیم بدرالدین صاحب سہسرامی بڑے صاحب علم آدمی تھے، اور یہی مولانا حکیم محمد علی صاحب علیہ الرحمہ کی معرکۃ الآرا تصنیف ''قرۃ العیون'' کے کاتب ہیں۔ ''قرۃ العیون'' کا الگ سے ترجمہ بھی کرایا جارہا ہے اس لیے ضرورت سمجھی گئی کہ حکیم بدرالدین کے حالات زندگی بھی یہاں نقل کردیئے جائیں، رجال سہسرام کے کسی حصہ میں ان کا ذکر بھی میں لکھ چکا ہوں۔ مگر یہاں مناسب معلوم ہوا کہ میرا وہ مضمون جو ''تاریخ اطباءِ بہار'' جلد دوم (۱) میں شائع ہو چکا ہے، اسے

یہاں بڑی حد تک نقل کردیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حکیم بدرالدین صاحب کو علم بھی دیا تھا اور دولت بھی دی تھی۔ آپ بہت دنوں تک جوانی کے زمانہ میں سرگجہ مہراج (مہاراجہ رگھوناتھ سرن گنج متوفی ۱۹۱۷ء) کے یہاں ان کے طبیب خاص رہے، پھر وہاں سے وطن چلے آئے اور سہسرام کے شہرہ آفاق طبیب کی حیثیت سے بڑھاپے تک یہیں رہے۔ بہت کامیاب طبیب تھے، سہسرام کی انصاری برادری میں سب سے ممتاز اور ممیز، بڑی قدر و منزلت اور جاہ و جلال کے آدمی تھے، آپ نے تربیت اپنے ماموں جان مولانا حکیم محمد علی صاحب صادق سے پائی تھی، صبح و شام جس وقت بھی فرصت پا جاتے تھے، تصنیف و تالیف میں مشغول ہو جاتے تھے، طویل القامت، چھریرا بدن، چست شروانی اور چست پائجامہ میں ان کا بدن بہت کھلتا تھا، رنگ بہت صاف نہ تھا، چہرہ پر بھی بڑی ملاحت تھی۔

حکیم بدرالدین صاحب کے خاندان کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کے آبا و اجداد نسلاً راجپوت تھے۔ ان کے پردادا حکیم محمد یوسف صاحب نے اسلام قبول کیا۔ تعلیم کے بعد طبیب ہوئے۔ شجرۂ نسب یوں ہے: حکیم بدرالدین بن غیاث اللہ بن دوست محمد بن حکیم محمد یوسف بن پریوکھ سنگھ بن اوجھاہل سنگھ۔

حکیم صاحب دو بھائی تھے، حکیم بدرالدین اور حکیم شمس الدین، دونوں اپنے وقت کے مایہ ناز مشہور طبیب تھے، شمس الدین صاحب کا پہلے انتقال ہوا اور بدرالدین صاحب کا بعد میں۔

حکیم بدرالدین صاحب کا مزار درگاہ کے راستہ پر ہائی اسکول سے متصل موروثی قبرستان سہسرام میں ہے۔ حکیم صاحب ۱۹۴۲ء تک یقیناً باحیات تھے۔

حکیم صاحب کا تصنیفی و تالیفی ذوق بڑا استھرا تھا۔ عربی اور فارسی میں پوری دسترس تھی۔ ان کی تالیفات کی کئی ضخیم جلدیں میں نے ان کی زندگی میں دیکھی تھیں، جو ان کی وفات کے بعد خاندان والوں کی عدم توجہی کی نذر ہو گئیں، زمین، جائیداد، مکانات، باغات کچھ بھی نہ رہا ع

اٹھے جو میکدہ سے تو دنیا بدل گئی

حکیم صاحب کی دوسری کتاب کا نام ''دستور العمل'' ہے، جو جوت نامی ایک ہندو جوگی کے ان تجربات پر مشتمل ہے جس کو شیخ بہاء الدولہ نور بخشؒ نے جمع کیا تھا۔

(۲) دستور العمل۔ سائز ۹½×۶ س م، تعداد صفحات ۲۱۵۔ ہر صفحہ پر ۱۳ سطریں ہیں۔ عنوانات سرخ روشنائی سے۔ عبارت سیاہ روشنائی کی ہے۔

حمد ونعت عربی میں، سبب تالیف فارسی میں مرقوم ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے اس کتاب کو سالک رام مشکل کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد ''بسبب تنہائی لکھا۔ اس کتاب کے شروع میں حروف تہجی کے اعتبار سے ایک طویل فہرست ہے، فہرست کے خاتمہ پر مرقوم ہے:

الحمد لله والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله و علیٰ وسلم

کہ نسخہ ''دستور العمل'' در ۱۳۲۰ھ بحسن اختتام پذیرفت۔

(حکیم بدرالدین کی نہایت خوشخط بیاضیں عزیزم حکیم انیس الزماں سلمہ کے مطب میں دیکھی جاسکتی ہیں اور دو قلمی نوشتے جن میں مجرب نسخے مع حکایات ان کے پوتے ڈاکٹر بدر منیر شیدائی (پی ایچ ڈی) کے پاس پڑھنے کے لائق ہے)۔ (حاذق)

دوست علی خاں سہسرامی

دوست علی خاں صاحب جو محلہ چوکھنڈی سہسرام کے رہنے والے تھے اور جو حضرت شاہ احمد حسین صاحب مرحوم ومغفور کے قدیم ملازم تھے، جن کا اکثر قیام موضع سمری میں ہوتا تھا، انھوں نے بتایا کہ ایک رات آنحضرت موضع سمری کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے، آدھی رات ہوئی تو ہم لوگ ان سے جدا ہو گئے اور حضرت کسی وظیفہ میں مشغول ہو گئے، پھر دیکھا کہ ان کے تمام اعضا کٹے ہوئے ہیں، میں نے ان کے حقیقی ماموں شاہ فیاض الدین صاحب کو اس حیرت انگیز واقعہ سے مطلع کیا اور تحیر کا اظہار کیا تو انھوں نے مجھے تشفی دی اور فرمایا کہ یہ سب کچھ فقرا کے اسرار میں سے ہیں، خبردار! کسی کو اس راز سے مطلع مت کرنا، حضرت کے وصال کے بعد یہ بات خان صاحب کی زبان سے مصنف نے سنا اور اسے قلم بند کیا۔

حافظ عبدالکریم خاں صاحب سہسرامی

اپنے عہد کے بہت مشہور آدمی تھے، حافظ قرآن تھے، اور تصوف سے انھیں غیر معمولی لگاؤ تھا، محلّہ چوکھنڈی سہسرام میں وسیع و عریض محل جو پھاٹک کے نام سے مشہور ہے وہ ان کا مکان تھا۔

موصوف سہسرام کے علاوہ حیدرآباد (دکن) میں اکثر قیام پذیر رہتے تھے، اور اپنے وطن سہسرام میں تشریف لاتے رہتے تھے، موصوف حیدرآباد (دکن) میں صدر الصدور (چیف جسٹس) کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کے اہل خاندان اب تک وہاں موجود ہیں۔ ان کے بارے میں ''قرۃ العیون'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ ان کے والد ماجد کا نام غلام قادر خاں سہسرامی تھا۔

عبدالکریم خاں صاحب مرحوم و مغفور جناب فیض مآب، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، واقف حقائق شریعت وطریقت، کاشف حقائق معرفت وحقیقت حاجی الحرمین الشریفین قاضی محمد عنایت حسین چریاکوٹی قدس سرہ کے مرید خاص تھے، ان کے پیر و مرشد سہسرام کے دولت کدہ پر قیام پذیر ہوئے۔

مصنف نے صفحہ ۶۶ پر ۱۱ر جمادی الاخریٰ ۱۳۰۰ھ بروز چہارشنبہ حضرت عنایت حسین چریاکوٹی سے شرف بیعت حاصل کیا، اور اسی دن محلّہ چوکھنڈی کے جناب مخدوم بخش خاں صاحب، جناب شیخ اقبال حسین صاحب، جناب احمد خاں صاحب، حافظ حسن علی خاں صاحب، شیخ جمال الدین احمد صاحب، شیخ حافظ فرید الدین احمد صاحب، شیخ امیر الدین صاحب، مراد علی خاں صاحب، مولوی شمس الدین صاحب خواہرزاد مصنف ''قرۃ العیون'' اور ان کے علاوہ جانی بازار کے شیخ رمضان صاحب کل گیارہ افراد نے شرف بیعت حاصل کیا، بعد ازاں زبان فیض ترجمان سے ارشاد ہوا کہ شریعت پر استقامت اور صوم وصلوٰۃ کی پابندی، اوامر کی فرماں برداری اور منہیات سے اجتناب کرنا طریقت میں ہر ایک کے لیے نہایت اہم ہے، اور امور شریعت کی خلاف ورزی باعث نکبت وذلت اور ضلالت ہے۔ پھر حضرت نے لطائف ستہ اور پاس انفاس کی تعلیم فرمائی۔

حضرت چریاکوٹی کی طرف سے جو شجرۂ بیعت عطا ہوا۔ مصنف نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔

حضرت کے ارشاد کے مطابق مولوی سعید احمد صاحب تمام مریدوں کو لطائف ستہ کی

مشق کراتے رہے، اور شیخ اس مجلس میں تو موجود نہیں ہوتے تھے۔ لیکن توجہ باطنی کے ذریعہ مریدان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے جب تک موجود رہے۔

اسی طرح مصنف نے ایک واقعہ اپنے بھانجے مولوی حکیم شمس الدین جو حضرت کے مریدوں میں تھے ان کے ہمراہ غازی پور تشریف لے گئے تو جناب والا نے دونوں کا استقبال کیا، اور حضرت کی خدمت میں جو میوے سے بنا ہوا حریرہ پیش کیا جاتا تھا وہ ان دونوں کو بھی عطا ہوا، حضرت کے دست مبارک سے پان بھی نصیب ہوا۔

صفحہ ۱۵۰ پر پیرومرشد کے صاحبزادہ محمد عنایت کریم نے ایک مکتوب اپنے والد کی وفات کے سلسلہ میں لکھا، جس سے تاریخ معلوم ہوتی ہے، نمونہ عبارت یہ ہے:

> ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۰۵ھ بروز دوشنبہ شب بستم، وقت دو بجے حضرت صاحب قبلہ و کعبہ نے قیام جنت الماویٰ اختیار فرمایا، بروز سہ شنبہ، وقت عصر (بمقام چریاکوٹ) تجہیز وتکفین ہوئی۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)۔

سبحان احمد سہسرامی

مصنف ''قرۃ العیون'' نے سہسرام کی ممتاز شخصیت اور پیر طریقت حضرت سبحان احمد خاں صاحب علیہ الرحمہ جن کا مزار مبارک محلّہ چوکھنڈی کے ایک باغ نما احاطے میں پختہ چبوترے پر مرجع عوام وخواص ہے، اور احاطے کے دروازے کے اوپر ان کا نام مرقوم ہے۔ مصنف ''قرۃ العیون'' نے ان کی توصیف کتاب میں یوں لکھی ہے:

> ''اسی زمانہ میں میرے پیر بھائی سبحان احمد خاں صاحب کو حضرت مرشد نے خلافت عطا فرمائی اور عطائے مثال سے ممتاز کیا، ان کو اس زمانہ میں ایسی نصرت بخشی جس میں ان کا مرتبہ بلند ہوا، جب موصوف کو انھوں نے خلافت عطا کی تو ان کے اکثر برادران طریقت اس جلسہ میں شریک تھے۔ مولوی صاحب موصوف کو جلسہ میں جو کچھ عطا فرمایا یہ سب کچھ امین صاحب کے اہتمام میں ہوا

تھا۔ امین صاحب سے مراد منشی کمال الدین ہیں۔ جب خان موصوف کو خلافت و اجازت مولانا عنایت حسین چریا کوٹی کے صاحبزادے کے ہاتھوں بھاگل پور میں حاصل ہوئی، مگر اس واقعہ کی تصدیق اس وقت ہوئی جب امین صاحب کچہری کی تعطیل کے زمانہ ۱۸۹۷ء میں سہسرام تشریف لائے''۔

حکیم مولوی شمس الدین صاحب سہسرامی

حکیم شمس الدین صاحب شہرۂ آفاق حکیم تھے اور حکیم بدرالدین صاحب سہسرامی کے بڑے بھائی تھے، ان کا مطب چوک بازار سہسرام میں تھا، اور ان کے صاحبزادے عبدالقیوم صاحب کا مطب خانہ ان کے مطب سے الگ بازار سہسرام میں تھا، موصوف کے انتقال فرمانے کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حکیم بدرالدین اپنے مکان محلّہ چوکھنڈی پر (جہاں مدرسہ فرقانیہ قائم ہوا)۔ صبح میں مطب کرنے کے بعد شام کو حکیم شمس الدین کی جگہ پر چوک بازار میں طبابت فرماتے تھے۔

حکیم شمس الدین صاحب بھی حضرت عنایت حسین چریا کوٹی کے مخصوص مریدوں میں سے تھے جو مصنف ''قرۃ العیون'' کے بھانجے تھے اس لیے اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے انھوں نے اپنے بھانجے کو تعلیم و تربیت فرمائی، اور ذکر و شغل پاس و انفاس، اثبات و نفی کی تعلیم بھی انھیں کی جانب سے ہوئی، لیکن خلافت و اجازت ان کو چریا کوٹیؒ سے ملی۔

(واضح رہے کہ مولانا حکیم شمس الدین صاحب کی صاحبزادی صدیقہ خاتون فروری ۲۰۰۷ء میں حیات سے ہیں اور حکیم شمس الدین کا مزار مبارک، حضرت شمس الحق دیوانؒ کے مقبرہ سے متصل پورب کی جانب ہے اور ان کے داماد و بھتیجے مولانا حکیم عبدالحیٔ (فارغ التحصیل مظاہر العلوم) کا مکان ہنوز مندی کیشور خاں کے چوک کے سامنے موجود ہے جہاں ان کے صاحبزادے حکیم مولانا عبدالحق مظاہری پیش امام محلّہ چوکھنڈی تا حیات امامت فرماتے رہے، ان کے صاحبزادے ماسٹر جمیل احمد اس وقت حیات سے ہیں اور ہائی اسکول کی ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔

خدابخش لائبریری کی اہم مطبوعات

* مولانا ابوالکلام آزاد: فکر وفن کے چند زاویے/ پروفیسر وہاب قیصر — ۱۸۸ص — [illegible]/-
* قرۃ العین حیدر۔ شخصیت اور فکر وفن — ۲۰۸ص — [illegible]/-
* شگرف نامہ ولایت: سفرنامہ انگلستان — ۲۰۰ص — [illegible]/-
* انوکھی مسکراہٹ: نفسیاتی افسانوں کا مجموعہ — ۱۲۸ص — [illegible]/-
* مولانا رومی اور ان کا پیغام — ۲۱۳ص — [illegible]/-
* نقوش حسن: انتخاب کلام حسن نعیم — ۲۲۰ص — [illegible]/-
* اصلاح النساء (ناول)/ رشید النساء — ۲۳۲ص — ۲۰۰/-
* مولانا آزاد کی ادبی صحافت/ ڈاکٹر انوار احمد — ۲۰۲ص — [illegible]/-
* مولانا آزاد کے سائنسی مضامین/ ڈاکٹر وہاب قیصر — ۲۵۶ص — ۱۵۰/-
* غالب: ماضی: حال: مستقبل/ پروفیسر محمد حسن — ۲۵۴ص — ۱۵۰/-
* قاموس المشاہیر، جلد اول/ نظامی بدایونی — ۲۲۲ص — ۲۰۰/-
* قاموس المشاہیر، جلد دوئم/ نظامی بدایونی — ۳۰۲ص — [illegible]/-
* پہلو نہ دکھے گا..... خطوط کا مجموعہ/ کلیم احمد عاجز — ۳۰۰ص — [illegible]/-
* میری زبان میرا قلم: مجموعہ مضامین، جلد اول/ کلیم احمد عاجز — ۳۹۲ص — [illegible]/-
* میری زبان میرا قلم: مجموعہ مضامین، جلد دوم/ کلیم احمد عاجز — ۳۸۰ص — ۱۷۵/-
* پھر ایسا نظارہ نہیں ہوگا/ کلیم احمد عاجز — ۳۰۶ص — ۲۵۰/-
* مقالات طب/ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی — ۱۹۴ص — ۱۳۰/-
* مجاز کی باتیں/ صہبا علی — ۳۰۶ص — [illegible]/-
* عہد اسلامی کا بنگال/ سید یحییٰ حسن ندوی — ۳۴۸ص — [illegible]/-
* مفتاح الکنوز: دستی فہرست مخطوطات جلد ۴/ محمد عتیق الرحمٰن — ۱۲۸ص — [illegible]/-

ملنے کا پتہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

*****